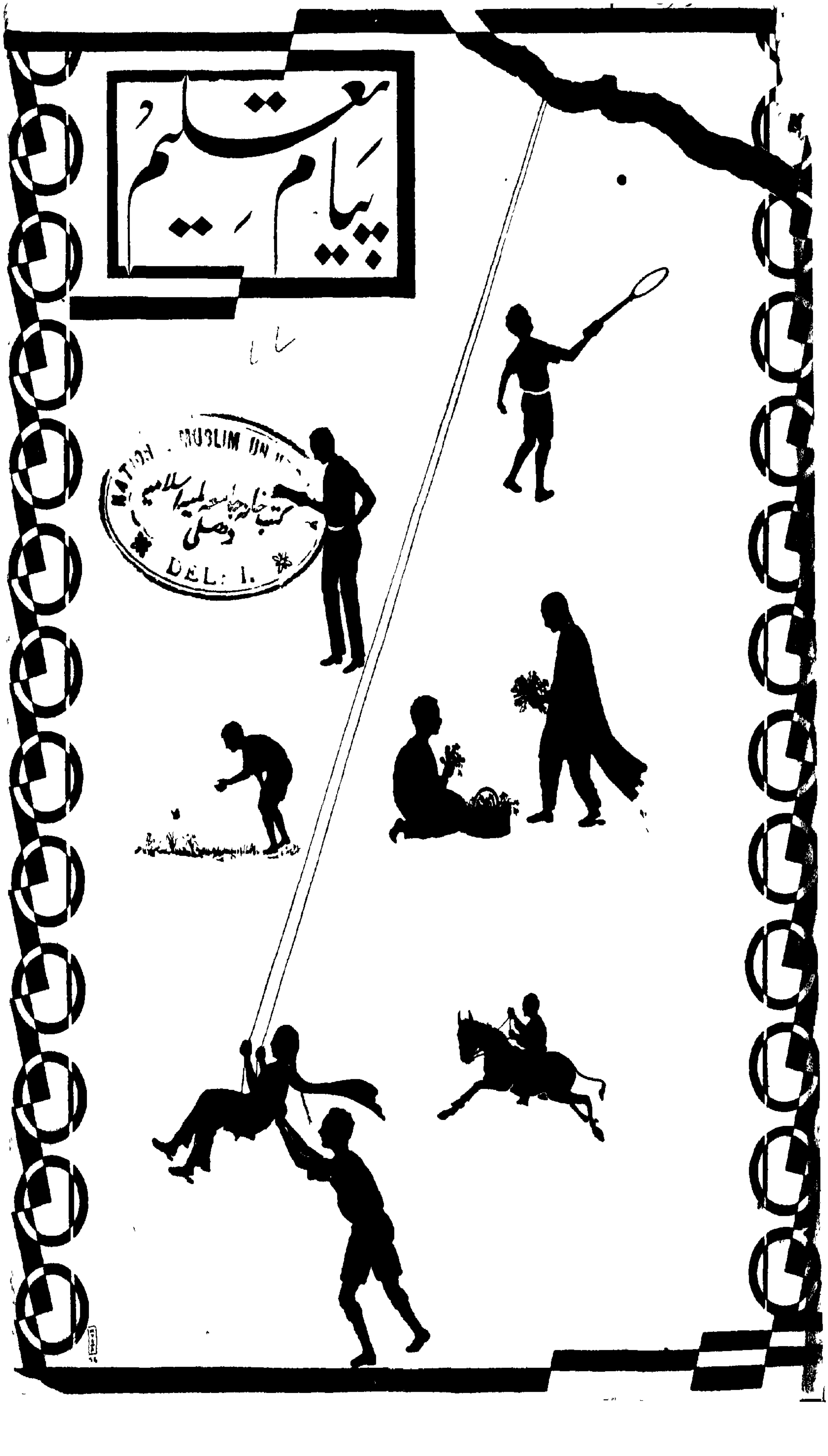
جنوری — دسمبر ۱۹۷۰

پیام تعلیم



۱۷۹۸۴

اچھی نظمیں

قومی نظمیں اس مختصر سی کتاب میں ایسی نظمیں ہیں جو لڑکے مدرسہ کھلنے کے وقت مل کر پڑھ سکتے ہیں۔ چند دعائیہ اور قومی گیتوں کا یہ مجموعہ اُستادوں کے لئے بہت کام کی چیز ہے۔ قیمت ۴ر

بچوں کی نظمیں اس چھوٹی سی کتاب میں بچوں کے لئے بہت ہی مزے دار نظمیں جمع کی گئی ہیں۔ تمام نظمیں بچے دلچسپی سے یاد کرتے ہیں ۴ر

بچوں کے اسمٰعیل بچوں کے پسندیدہ شاعر مولانا اسماعیل میرٹھی کی بہت سی اچھی اچھی نظموں کو جمع کر دیا ہے۔ بچے انھیں بڑے شوق اور مزے سے پڑھتے ہیں۔ قیمت ۵ر

بچوں کی رباعیاں بچوں کے لئے نہایت دلچسپ اور آسان رباعیاں اخلاقی مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

دُعا

ترے دربار میں با عجز و نیاز آئے ہیں
تری سرکار میں لے بندہ نواز آئے ہیں

آرزوئیں دلِ ناشاد کی یا رب! سُن لے
عرض جو کچھ بھی کریں آج تو وہ سب سُن لے

پھر بنا دے ہمیں ہاں صرف تجھی سے ہے یہ آس
پاک دل پاک زباں پاک بدن پاک لباس

خدمتِ خلق کا ہر آن ہمیں دھیان رہے
جان ہو جان میں جب تک یہی ارمان رہے

سیکھ کر علم ترے بندوں کے ہم کام آئیں
راہ سیدھی، تری مخلوق کو ہم دکھلائیں

دل کے غنچے جو کھلائے وہ ہوا بن جائیں
حُسنِ اخلاق کے سورج کی ضیا بن جائیں

تری سوئی ہوئی دُنیا کو جگانے کے لئے
زندگی اپنی نمونہ ہو زمانے کے لئے

ظلمت و جہل کی دنیا میں اُجالا کر دیں
پستیوں میں جو پڑے ہیں اُنھیں بالا کر دیں

ہو دُعا نیّر دلِ خستہ کی پوری یا رب!
کوئی خواہش نہ رہے اُس کی اَدھوری یا رب!

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

پیامِ تعلیم

دہلی

ایڈیٹر محمد حسین حسّان

پیامِ تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے" منیجر"

جلد ۲۳ جنوری نمبر ۱

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ ‏ فی پرچہ ۲ر

سنہ ۱۹۴۰

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

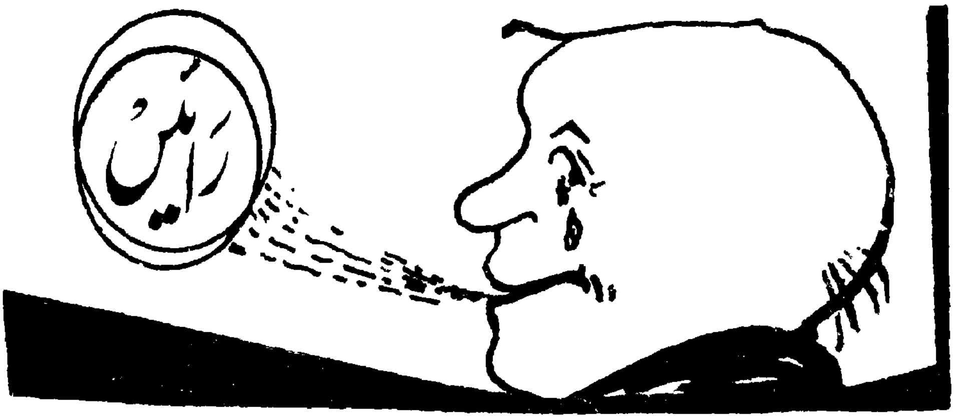
پیامیوں کو نیا سال مبارک

پیامِ تعلیم کا سالگرہ نمبر اس مرتبہ ہماری امید سے زیادہ بچوں نے پسند کیا۔ چند بچوں کی رائیں ہم علیحدہ صفحے پر شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں سب سے زیادہ عزیزی امیر اللہ خاں بھوپال کی رائے پسند آئی۔ انھیں انعام بھیج دیا جائے گا۔

کہانیوں کے انعامی مقابلے میں کل دانشی، کہانیاں آئی تھیں۔ جانچنے والے صاحبوں نے بہت افسوس کے ساتھ یہ بات ظاہر کی کہ سوائے ایک دو کہانیوں کے کوئی کہانی بھی ستمبر کے اعلان کے مطابق نہیں ہے تاہم انھوں نے سفارش کی ہے کہ ان بچوں اور بچیوں کو پانچ پانچ روپئے بھجوا دیے جائیں۔ غلام یزدانی حیدرآباد دکن۔ نزہت کرانیہ بدایوں۔ صفیہ دُرّانی، دہلی۔ جمیلہ عبداللہ لاہور۔ یہ بچے اگر پانچ پانچ روپئے کی کتابیں منگالیں تو ہمیں سہولت رہے گی۔ ان کے جواب کا ہمیں انتظار رہے

پیامِ تعلیم کی سرپرستی جس قدر حیدرآباد سے ہوئی ہے اتنی کسی صوبے سے نہیں ہوئی۔ اسی لئے طے کیا گیا ہے کہ ہر مہینے حیدرآباد ایڈیشن الگ نکالا جائے۔ اس ایڈیشن میں حیدرآباد کی تعلیمی سرگرمیوں کے لئے بھی چند صفحے خاص کر دیے گئے ہیں۔ ہم نے محکمۂ تعلیم کے افسران سے اس معاملے میں امداد کی درخواست کی ہے۔ وہاں کے مدرسوں کے استادوں سے بھی ہماری گذارش ہے کہ وہ ہمیں اپنے یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال لکھ کر بھیج دیا کریں۔

جامعہ نگر (اوکھلا) کے بچوں نے اپنے یہاں ایک چڑیا گھر کھولا ہے اور اس میں بہت ہی دلچسپی سے طرح طرح کے جانور اور مچھلیاں وغیرہ جمع کر رہے ہیں۔ ایک باقاعدہ مجلس ہے جو اس چڑیا گھر کا انتظام کرتی ہے۔ مصطفےٰ رشید صدیقی اس کے ناظم ہیں۔



.........اب ذرا مضمونوں کی طرف آئیے۔ مضمون سب نہایت دلچسپ مفید اور بہت کام کے ہیں۔ ہر مضمون کے پڑھنے سے ہمیں نیا مزہ آتا ہے اور اچھے اچھے سبق بھی حاصل ہوتے ہیں۔

حبیب احمد صدیقی۔ بدایوں

میں نے پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر دیکھا۔ بہت پسند آیا یوں تو اس کا ہر ایک مضمون دلچسپ اور عمدہ تھا لیکن مجھ کو خاص کر ”ولیم ٹل کے ملک میں“ ”آکٹوپس کا شکار۔ خطرے کی تلاش۔ احسن کا مچھلی گھر۔ توڑے دار بندوق بہت پسند آئے سب سے زیادہ ”ولیم ٹل کے ملک میں“ پسند آیا

نعیم حامد رضوی تلیا۔ بھوپال

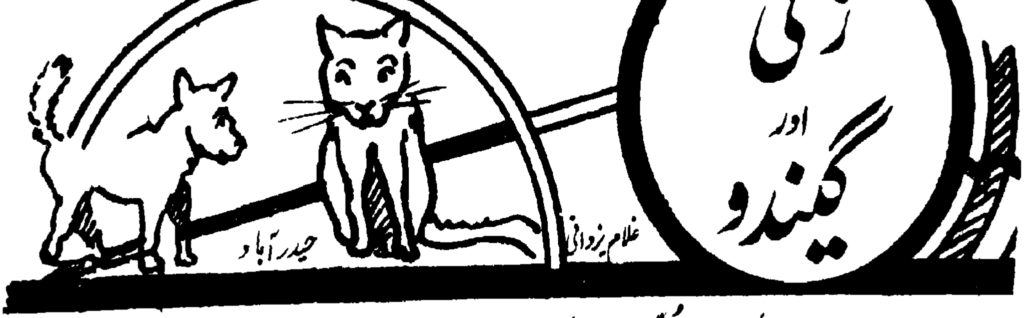
ایڈیٹر صاحب رتن لکھتے ہیں:-

برادرم حسان صاحب

تسلیمات۔ پیام تعلیم کا تاسیس نمبر پہنچا۔ خوب ہے۔ آپ کی کوششیں قابل صد مبارک باد ہیں بچوں کی دلچسپی کا قیمتی مسالہ مہیا کیا گیا ہے۔

پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر (۱۹۳۹ء) ملا بے انتہا مسرت حاصل ہوئی۔ ہمارا پیام تعلیم ہندوستانی زبان کے تمام دوسرے بچوں کے رسائل میں نمایاں طور پر ممتاز اور اپنے اچھوتے معیار کی بنا پر واحد حیثیت کا مالک ہے۔ اور بچوں میں اس نے آج تک جس قدر زندگیاں شگفتگیاں اور دلچسپیاں پیدا کی ہیں اس کی مثال تو تمام ہندوستان میں عنقا ہے۔

امیر اللہ خاں بھوپال



منو میاں کے پاس ایک کالا کُتّا تھا اور ایک چھوٹی سی بلّی بھی تھی۔ کُتّے کا نام زنگی تھا اور بلّی کو منو میاں پیار سے گیندو پکارتے تھے۔

گیندو بڑی شریر بلّی تھی۔ صبح کو دودھ پی کر چپکے چپکے پھاٹک کے پاس آتی جہاں زنگی بندھا رہتا تھا اور زنگی سے اتنی دور بیٹھ جاتی جہاں وہ پہنچ نہیں سکتا تھا۔ پھر اطمینان سے بیٹھی ہوئی زنگی کے بھونکنے کا تماشا دیکھا کرتی۔ گیندو سمجھتی تھی کہ زنگی برا کتا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے پکڑلے۔

مگر زنگی برا کتا نہ تھا وہ بڑا اچھا کتا تھا۔ وہ زنجیر سے بندھا رہتا تھا کیونکہ وہ بہت بڑا شکاری کُتا تھا اور جو کوئی پھاٹک سے مکان میں آتا وہ اس پر غرّاتا تھا۔ زنگی چاہتا تھا کہ گیندو ہر وقت اس کے پاس بیٹھی رہے اور وہ اس کے ساتھ کھیلے جب کبھی وہ گیندو کو اپنے سامنے دیکھتا تو چاہتا کہ کسی طرح سے زنجیر تڑا کر بھاگ جائے اور گیندو کے ساتھ کھیلے۔ اسی لئے وہ گیندو کے آتے ہی بڑے زور سے بھونکتا اور نکلنے کی کوشش کرنے لگتا تھا مگر گیندو سمجھتی تھی کہ وہ اُسے کاٹنا چاہتا ہے

ایک دن منو میاں صبح ہی صبح کہیں چلے گئے اس وجہ سے گیندو کو اس دن دودھ نہیں ملا دوپہر تک شکار کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھری مگر کوئی شکار ہاتھ نہ آیا ایک تو بھوکی تھی دوسرے غصّہ آرہا تھا۔ ایک دم اُسے زنگی کا خیال آیا اس نے سوچا کہ چلو ذرا زنگی سے ہی جی بہلائیں۔ یہ سوچ کر وہ مڑی اور آہستہ آہستہ زنگی کے پاس پہنچ کر اس سے کچھ دور بیٹھ گئی۔ زنگی اس کو دیکھتے ہی خاموش ہوگیا صبح کو وہ منو میاں کے ساتھ سیر کو بھی نہیں گیا تھا اس لئے آج اس کا جی کھیلنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ گیندو کو دیکھتے ہی وہ خوب زور لگانے لگا کہ کسی طرح زنجیر توڑ کر گیندو کے پاس پہنچ جائے اور پھر دونوں مل کر خوب کھیلیں۔ گیندو الگ بیٹھی اس کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت خوش ہورہی تھی۔ اک دم بیٹھے بیٹھے گیندو کو کوئی کام یاد آیا۔

اٹھ کر ایک انگڑائی لی اور پھر بڑی بے فکری کے ساتھ واپس جانے لگی۔ زنگی نے جو گیندو کو جاتے دیکھا تو اُسے بڑا بُرا معلوم ہوا اور وہ غصّے میں آکر زور زور سے زنجیر کو جھٹکے دینے لگا گیندو کچھ دور گئی تھی کہ اُسے پیچھے کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اس نے مڑ کر جو دیکھا تو زنجیر زمین پر گھسٹ رہی تھی اور زنگی اس کی طرف لپک رہا تھا۔ بس اس کے اوسان ہی تو جاتے رہے۔

بجائے اس کے کہ نیم پر یا پاس کے بیل باندھنے کے چھپّر پر چڑھ جاتی گیندو سیدھی پھاٹک سے باہر باڑے میں بھاگنے لگی۔ زنگی پیچھے پیچھے۔ گیندو اتنی تیز کبھی نہیں دوڑی تھی اسے بس ایک ہی خیال تھا کہ بھاگ جائے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ تیز آندھی میں ایک روئی کا گالا اُڑا چلا جا رہا ہے

بھاگم بھاگ وہ سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں پہنچی جس کے سامنے نالا بہہ رہا تھا۔ اب گیندو بڑی مشکل میں پھنس گئی کیونکہ نالا اتنا چوڑا تھا کہ گیندو اس پر چھلانگ نہیں مار سکتی تھی نہ وہاں کوئی پل تھا۔ پیچھے سے زنگی کی ناک اس کی پھولی ہوئی دم کو چھو رہی تھی

بس آؤ دیکھا نہ تاؤ آنکھیں بند کر، ایک جھ لگائی اور لگی پانی میں کھبل کھبل کرنے۔ زنگی جو بڑے زور سے گیندو کے



بھاگا چلا آرہا تھا ایک دم رک نہ سکا ا قلابازی کھا کر بھد سے کیچڑ میں جا پڑا ا آنکھوں میں چھینٹیں پڑ گئیں ناک ساری کیچڑ گئی اور منہ بھی سارا کرکرا ہو گیا۔ مگر یہ

کے لئے ایک کھیل تھا۔ وہ بھلا اس کی کب پروا کرتا تھا جھٹ کیچڑ میں سے نکلا اور کنارے پر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا

زنگی اب تک سمجھ رہا تھا کہ گیندو میرے

جیسا کہ سب بلیوں کو آتا ہے مگر بات یہ ہوئی کہ گیندو کے ہاتھ اور پاؤں لمبی لمبی گھاس میں الجھ گئے اور وہ گھاس کے جال میں اس طرح پھنس گئی جیسے مچھلی جال میں۔ گیندو بار بار نکلنے



ساتھ کھیل رہی ہے اور وہ اب کہیں چھپ گئی ہے۔ وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑنے لگا مگر گیندو کہیں بھی نظر نہ آئی اک دم زنگی نے دیکھا کہ گیندو نالے میں ڈبکیاں کھا رہی ہے۔ گیندو کو اچھی طرح تیرنا آتا تھا۔

کی کوشش کرتی مگر نہیں نکل سکتی تھی غوطے کھا کھا کر اس کا برا حال ہو گیا اور وہ بے بس ہو کر رہ گئی۔

زنگی کو معلوم تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے منو میاں نے زنگی کو پانی میں سے چیزیں منگوانے

کی بڑی مشق کرائی تھی۔ منو میاں اپنا سلیپر یا کوئی لکڑی پانی میں پھینکتے اور زنگی اسے فوراً نکال لاتا اگرچہ زنگی اس وقت بھیگنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ یہ کیسے پسند کرسکتا تھا کہ گیندو ڈوبتی رہے اور وہ کھڑا تماشا دیکھا کرے۔ بس وہ جھٹ نالے میں کود پڑا اور تیرتا ہوا گیندو کے پاس پہنچا۔ آہستہ سے اس کے کندھے پکڑے اور کنارے پر لاکر گھاس پہ لٹا دیا۔



گیندو بے ہوش سی ہو گئی تھی اسے ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی۔ کھیت اور درخت اس کے چاروں طرف تیر رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ بہت سارے زنگیوں نے اسے چاروں

طرف سے گھیر لیا ہے اور وہ پانی میں بھیگے کھڑے دم ہلا رہے ہیں اور خوشی سے بھونک ہیں۔ گیندو خاموش پڑی ایک خواب سا دیکھ تھی کہ ان زنگیوں میں سے ایک آگے بڑھا ا نے آہستہ سے اٹھاکر گیندو کو اپنے منہ میں

اس کے بعد جب گیندو کے اوسان ٹھ تو اس نے دیکھا کہ وہ زنگی کے نرم نرم سوکھ گھاس کے بستر پر لیٹی ہوئی ہے اور زنگی اُ

لئے ہوئے ہے۔ ایک تو ویسے ہی کڑکڑاتی تھی دوسرے گیندو پانی میں بھیگ گئی تھی سردی کے مارے اس کا رواں کھڑا ہو گیا اسے گرم گرم گھاس اور پھر زنگی کی گرم گرم

تو وہیں سکڑ کر سوگئی۔ اب اسے زنگی سے ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا اور اب زنگی بڑا اچھا کتّا بن گیا تھا۔

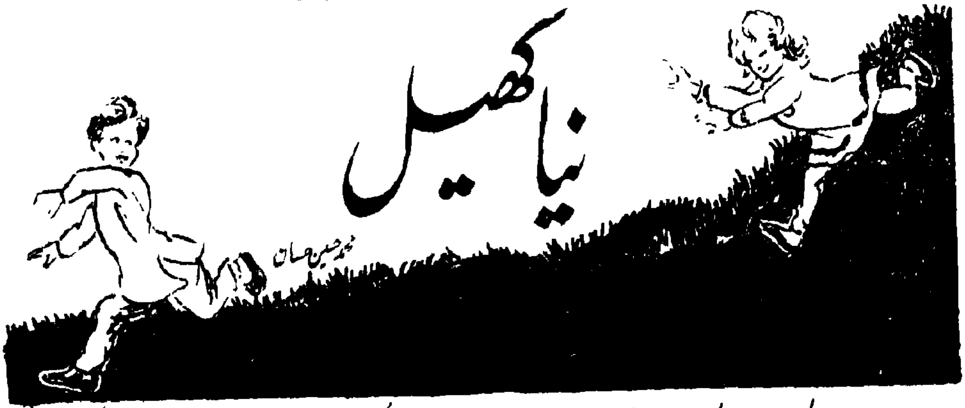
شام کو جب منو میاں زنگی کے لیے گوشت لائے تو انھیں یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ گیندو اور زنگی میں خوب دوستی ہوگئی ہے وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ منو میاں نے زنگی کے سامنے گوشت ڈالا۔ زنگی بڑا اچھا دوست تھا اسے یہ بہت بُرا لگا کہ وہ اکیلا ہی کھائے اور دوست دیکھتا رہے۔ اس نے گیندو کو بھی اپنے ساتھ خوب گوشت کھلایا۔ کھانے کے بعد جب گیندو زبان سے خوب مُنہ صاف کرچکی تو خوش خوش گھر واپس آئی اس رات اس نے اپنا دودھ بھی نہیں پیا۔ منو میاں سمجھ گئے کہ گیندو زنگی کے ساتھ خوب دعوت اُڑا کر آئی ہے۔

اب جب کبھی گیندو کو فرصت ملتی تو وہ زنگی کی گود میں نرم نرم گھاس پر جاکر بیٹھ جاتی کبھی زنگی کے کان کھینچتی اور کبھی ناک پکڑتی۔ گیندو کو زنگی کا نرم نرم بچھونا بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا کبھی کبھی تو وہ وہیں سو جاتی تھی۔ اب زنگی بھی بڑا خوش ہوتا تھا۔ جب کبھی منو میاں زنگی کو سیر کو نہیں لے جاتے وہ گیندو کے ساتھ کھیلا کرتا۔

جب گیندو بڑی ہوئی اور اس کے بچّے ہوئے تو اس نے اپنے بچوں کو بتا دیا کہ دیکھو بڑے کتوں کو ستانا اچھی بات نہیں ہے



ہواخوری

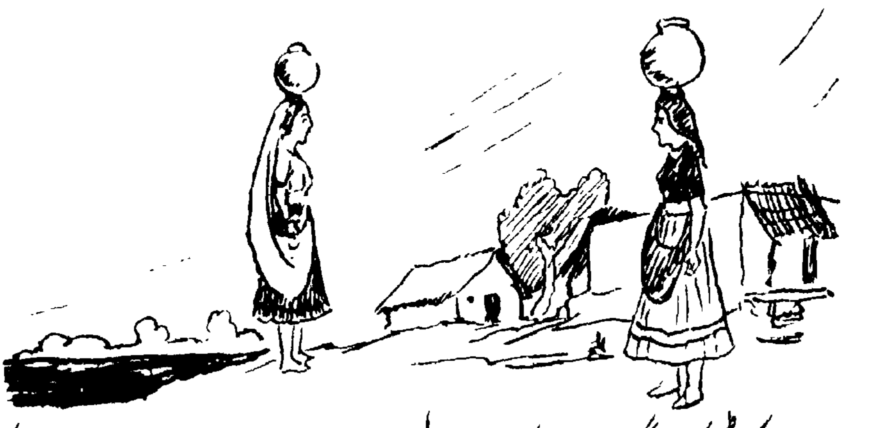


نیا کھیل

محمد حسین حسان

آپا جان ابھی ابھی بمبئی سے آئی ہیں اور اپنے ساتھ بڑی اچھی اچھی تصویریں لائی ہیں۔ یہ تصویریں انھوں نے مدرسے کے ہال میں لٹکا دی ہیں۔ ایک دن ہم ہال میں پہنچے تو کئی اچھی اچھی اور نئی تصویریں لگی ہوئی تھیں ایک تصویر دیکھ

اس لڑکی اور عورت دونوں کا بدن کیسا سیدھا اور تنا ہوا ہے۔" ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ آپا جان آگئیں۔ انھوں نے ہماری بات چیت سن لی تھی کہنے لگیں" اس کی وجہ بھی معلوم ہے؟" جمیل نے کہا" نہیں آپا جان۔" آپا جان بولیں،



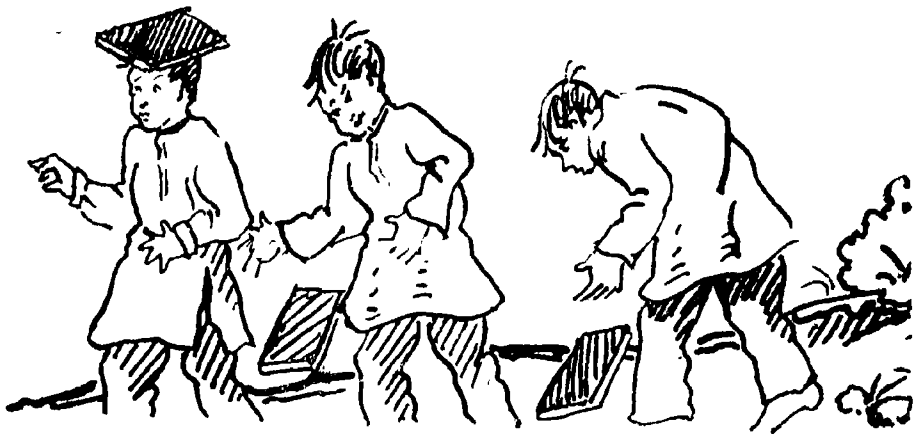
کر ہم سب لڑکے ٹھٹک گئے۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا پنگھٹ۔ ایک عورت سر پر خوب صورت سا گھڑا رکھے پانی لینے پنگھٹ جا رہی تھی اور ایک لڑکی پانی لیے پنگھٹ سے آرہی تھی۔ میں نے رشید سے کہا۔" دیکھو رشید

"اگر یہ اپنے بدن کو سیدھا اور تنا ہوا نہ رکھیں تو جانتے ہو کیا ہو؟ سارا پانی گر جائے۔"

اس وقت میرے دل میں یکایک ایک خیال آیا میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ" آپا جان یہ تو ہمارے لئے بڑا اچھا سبق ہے۔ اگر ہم بھی اسی

طرح اپنے سر پر کوئی چیز رکھ کر چلنے کی کوشش کریں تو ہمیں بھی اپنے جسم کو سیدھا رکھنے کی عادت ہو جائے۔"

آپا جان اس تجویز کو سن کر بہت خوش ہوئیں اور بولیں" ہاں میاں خیال تو بہت اچھا ہے۔ اسے ابھی کیوں نہ آزمایا جائے سب بچے ایک ایک کتاب اپنے سر پر رکھ لیں اور کمرے کا



چکر لگائیں۔ مگر دیکھو کبھی کتاب نہ گرنے پائے

اب تو سب لڑکے خاص کر صفیہ اور محسن بہت خوش ہوئے۔ صفیہ بولیں " اہا بھئی نیا کھیل نیا کھیل ،، سب بچوں نے جلدی جلدی کتابیں اپنے سر پر رکھیں اور لگے اکڑ اکڑ کر چلنے۔ میری کتاب تو دو چار ہی قدم میں گر گئی اور بچوں کا بھی یہی حال ہوا بس ایک نسیمہ اور احمد نے آخر تک اپنی اپنی کتابوں کو سنبھالے رکھا۔ آپا جان ہماری اس نئی چال کو دیکھ کر بہت دیر تک ہنستی رہیں پھر بولیں اگر تم روزانہ یہ کھیل کھیلو اور برابر مشق کرتے رہو تو تمھارا جسم بھی اسی طرح سیدھا ہو جائے گا ہاں ایک بات اور۔ تمھیں بیٹھتے وقت بھی اپنے جسم کو سیدھا رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

نسیمہ بولی تو آپا جان اس کی ترکیب بھی شاید یہی ہوگی کہ بیٹھتے وقت ہم اپنے سر پر کتاب یا فٹا رکھ لیں اور اسے گرنے نہ دیں " آپا جان نے کہا " ہاں ہاں بس یہی ترکیب ہے "

اب تو ہم روزانہ کیا چلتے میں کیا بیٹھتے وقت غرض ہر وقت اپنے سر پر کوئی نہ کوئی چیز رکھتے اور اسے گرنے نہ دیتے۔ تھوڑے ہی

دنوں میں خوب مشق ہو گئی۔ ہم سب سینہ تانے ہوئے چلتے اور بیٹھتے وقت کمر بھی سیدھے رہتے سر پر کوئی چیز رکھنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

ایک فائدہ اور ہوا جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا اور وہ یہ کہ چلتے وقت سب کے قدم سیدھے پڑنے لگے۔

ایک دن آپا جان درجے میں آئیں اور بولیں دیکھو کھیل ہی کھیل میں تمھیں کتنا فائدہ ہوا۔ اب تم سینہ تانے ہوئے بالکل سیدھے چلتے ہو یا بیٹھتے وقت کمر سیدھی رکھتے ہو تو کتنے بھلے لگتے ہو۔ اس سے تمھاری تندرستی کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

نسیمہ :۔ آپا جان تندرستی کو؟

آپا جان :۔ ہاں تندرستی کو۔ تمھارے جسم کو تازہ ہوا کی ہر وقت ضرورت ہے اور تم اپنا سینہ تانے رہو گی تو تمھیں سانس لینے میں بہت آسانی ہوگی اور پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ تازہ ہوا سانس کے ذریعے تمھارے جسم میں جائے گی ×

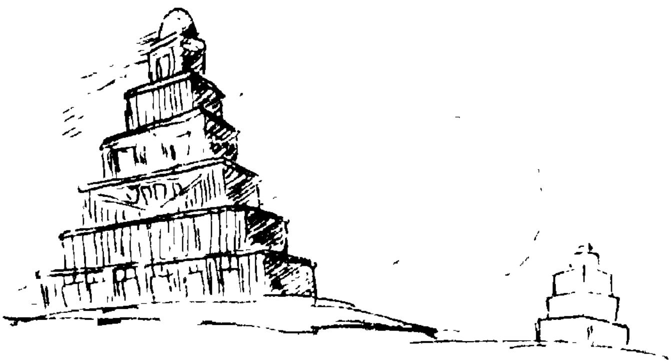
بابل



سید محمد صاحب ٹونکی۔ بی اے (جامعہ)

آج کل جہاں جائیے چہل پہل ہے۔ بڑے بڑے شہر ہیں۔ ان کے بازار ہیں۔ جدھر دیکھئے سجی ہوئی دوکانیں ہیں۔ ہر دوکان پہ خریداروں کا ہجوم ہے۔ کوئی سودا چکا رہا ہے، کوئی دام دے رہا ہے غرض بازار میں رونق ہے۔ اب سے ہزاروں برس پہلے دنیا میں یہ رونق نہیں تھی۔ رونق کہاں سے ہوتی اتنے شہر نہیں تھے اور جو تھے وہ ہمارے زمانے کے شہروں سے کہیں چھوٹے تھے۔

آج کل آپ کو ہر صوبے میں آٹھ سات بڑے شہر مل جائیں گے اور ہمارے ہندوستان میں تو بڑے شہر بہت ہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ تمام دنیا میں بڑے شہر گنتی کے آٹھ سات تھے اس سے زیادہ نہیں۔ یہ اب سے ہزاروں ہی برس پہلے کی بات ہے جب دنیا میں تہذیب و تمدن کا بابل

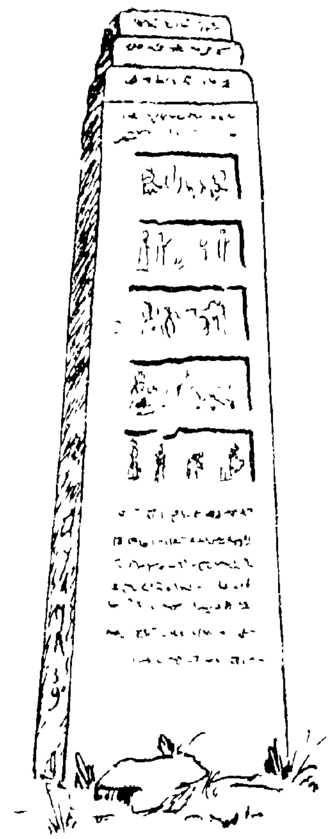


بابل کا مینار

مصر، کریٹ، کنعان اور سندھ میں دور دورہ تھا۔ اس کے سوا تمام جگ میں اندھیرا تھا۔

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آدمی گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں اُن کو کھانے کے لئے پھل مل جاتے یا شکار کرنے کے لئے جانور دکھائی دینے وہیں ٹھہر جاتے۔ جب تک دونوں چیزیں ملتی رہتیں وہ جمے رہتے، جب ختم ہو جائیں تو یہ بھی چل پڑتے۔ اسی طرح گھومتے گھامتے کچھ لوگ اس میدان میں پہنچے جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور جس کو آج کل میسوپوٹامیہ کہتے ہیں۔ اس میدان میں اُن کو لمبی لمبی گھاس ملی۔ جس میں بڑے بڑے دانے تھے۔ یہ دانے جنگلی گیہوں کہلاتے تھے۔

ان دریاؤں میں سال کے کسی حصے میں پانی اتنا آتا کہ ادھر ادھر بہنے لگتا۔ گرے پڑے دانے اُگ آتے اور ان خانہ بدوشوں کو کھانے کے لئے بہت کچھ مل جاتا۔ بس وہ یہیں رہ پڑے اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا وہ گیہوں کے دانوں کا جمع کرنا بونا اور کاٹنا سیکھتے گئے۔ اُن کے ایک جگہ رہنے سے گاؤں بس گیا ان لوگوں کی توجم کر رہنے کی عادت ہو گئی تھی لیکن اُن کے آس پاس ایسے لوگ تھے جو اپنے جانوروں کے ریوڑوں کو لے کر گھومتے پھرتے تھے۔ یہ خانہ بدوش ان کسانوں پہ ٹوٹ پڑتے۔ ان کا غلہ لے جاتے۔ کبھی خود بھی رہ پڑتے اور کسانوں کی سی عادتیں اختیار کر لیتے اسی سینکڑوں برس تک ہوتا رہا اور ان دونوں د کے کناروں پر بہت سے گاؤں بس گئے اور گ بڑھتے بڑھتے شہر بن گیا۔ یہ شہر بابل تھا۔



لاٹ پر ایک کتبہ

یہ شہر مٹی میں دب گیا تھا، کچھ من چلے ا نے اس کو کھود کر نکالا تو پتہ چلا کہ ان لوگوں ترقی کی اور خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑ کر وہ پہنچ گئے، اُن کو مل کر رہنا آگیا تھا۔ اُن کی

حکومت تھی۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور اپنا مال دوسرے ملکوں کو لے جا کر تجارت کرتے تھے ان کے جنگلی پڑوسی ان پر حملے کرتے رہتے

کرکے یکجا جمع کیا، دشمنوں پر حملے کئے، اُن کے ملک فتح ہوئے۔ یہ ان کا نامی بادشاہ حموراً بی تھا جو بڑا جنگ جو تھا اور منتظم بھی۔ اس نے اپنے تمام ملک کا



(حمورابی دیوتا کے سامنے)

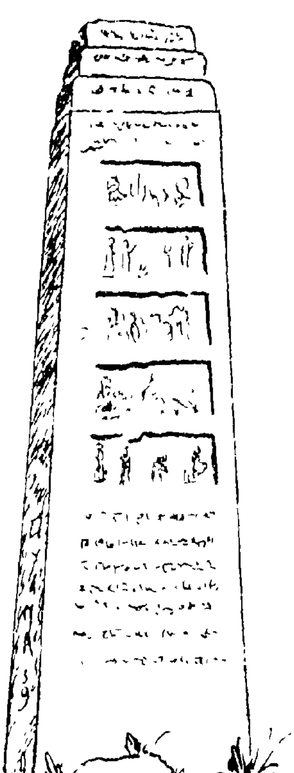
تھے ان کو بھی اپنے بچاؤ کا خیال رہتا تھا جس کی وجہ سے اُن میں سپہ گری کا چرچا تھا۔ ان میں ایک سپاہی ایسا ہوا جس نے سب کو اپنے جھنڈے

دورہ کیا۔ لوگوں کی حالت دیکھی۔ اُن کی زندگی سدھارنے کے لئے اچھے اچھے قاعدے قانون بنائے۔ اُن قوانین کو چٹانوں پہ کھُدوایا اور وہاں

مصر، کریٹ، کنعان اور سندھ میں دور دورہ تھا۔ اس کے سوا تمام جگ میں اندھیرا تھا۔

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آدمی گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں اُن کو کھانے کے لئے پھل مل جاتے یا شکار کرنے کے لئے جانور دکھائی دیتے وہیں ٹھہر جاتے۔ جب تک دونوں چیزیں ملتی رہتیں وہ جمے رہتے، جب ختم ہو جاتیں تو یہ بھی چل پڑتے۔ اسی طرح گھومتے گھامتے کچھ لوگ اس میدان میں پہنچے جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور جس کو آج کل میسوپوٹامیہ کہتے ہیں۔ اس میدان میں اُن کو لمبی لمبی گھاس ملی جس میں بڑے بڑے دانے تھے۔ یہ دانے جنگلی گیہوں کہلاتے تھے۔

ان دریاؤں میں سال کے کسی حصے میں پانی اتنا آتا کہ اِدھر اُدھر بہنے لگتا۔ گرے پڑے دانے اُگ آتے اور ان خانہ بدوشوں کو کھانے کے لئے بہت کچھ مل جاتا۔ بس وہ یہیں رہ پڑے اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا وہ گیہوں کے دانوں کا جمع کرنا بونا اور کاٹنا سیکھتے گئے۔ اُن کے ایک جگہ رہنے سے گاؤں بس گیا ان لوگوں کی تو جم کر رہنے کی عادت ہو گئی تھی لیکن اُن کے آس پاس ایسے لوگ تھے جو اپنے جانوروں کے ریوڑوں کو لے کر گھومتے پھرتے تھے۔ یہ خانہ بدوش ان کسانوں پہ ٹوٹ پڑتے۔ ان کا غلہ لے جاتے۔ کبھی خود بھی رہ پڑتے اور کسانوں کی سی عادتیں اختیار کر لیتے اسی طرح سینکڑوں برس تک ہوتا رہا اور ان دونوں دریاؤں کے کناروں پر بہت سے گاؤں بس گئے اور گاؤں بڑھتے بڑھتے شہر بن گیا۔ یہ شہر بابل تھا۔



لاٹ پر ایک کتبہ

یہ شہر مٹی میں دب گیا تھا، کچھ من چلے لوگوں نے اس کو کھود کر نکالا تو پتہ چلا کہ ان لوگوں نے کیسی ترقی کی اور خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑ کر وہ کہاں پہنچ گئے۔ اُن کو مل کر رہنا آ گیا تھا۔ اُن کی باقاعدہ

حکومت تھی۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور اپنا مال دوسرے ملکوں کو لے جا کر تجارت کرتے تھے ان کے خیلی پڑوسی ان پر حملے کرتے رہتے



(حمورابی۔ دیوتا کے سامنے)

تھے ان کو بھی اپنے بچاؤ کا خیال رہتا تھا جس کی وجہ سے اُن میں سپہ گری کا چرچا تھا۔ ان میں ایک سپاہی ایسا ہوا جس نے سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کیا، دشمنوں پر حملے کئے، اُن کے ملک فتح ہوئے۔ یہ ان کا نامی بادشاہ حمورابی تھا جو بڑا جنگ جو تھا اور منتظم بھی۔ اس نے اپنے تمام ملک کا دورہ کیا۔ لوگوں کی حالت دیکھی۔ اُن کی زندگی سدھارنے کے لئے اچھے اچھے قاعدے قانون بنائے۔ اُن قوانین کو چٹانوں پہ کھدوایا اور وہاں

لگوا دیا، جہاں لوگ اُن کو دیکھ سکیں اور اُن پر عمل کر سکیں۔

ان چٹانوں میں سے ایک چٹان کھودنے والوں کو ملی۔ وہ آٹھ فٹ اونچی ہے۔ اس کے اوپر ایک مورت تراشی گئی ہے اور چاروں طرف قوانین لکھے ہیں۔ ان کو پڑھنے سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس میں لکھا ہے "جو بیٹا باپ کو مارے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو" "جو کسی کی آنکھ پھوڑے اس کی آنکھ پھوڑ دو" "جو کسی کی ناک کاٹے اس کی ناک کاٹ لو" "اگر معمار کی بے احتیاطی کی وجہ سے دیوار گر پڑے اور مالک مکان مر جائے تو بنانے والے کو مارا جائے۔ اگر مالک مکان کا بیٹا مرے تو معمار کا بیٹا مارا جائے" "اگر علاج کرنے والے کی بے احتیاطی سے بیمار کو نقصان پہنچے تو معالج کو سزا دی جائے" "جو کسان اپنی نہروں کو درست نہ کرے یا ٹھیک حالت میں نہ رکھے یا جانوروں کو دوسرے کے کھیت میں چرنے دے اس کو سخت سزا دی جائے۔"

ان کے قانون سخت ہیں لیکن اس سختی کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنا کام ایمان داری سے کریں اور لالچ کی وجہ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ان قوانین سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کاشتکاری کا زور تھا۔ کاشتکاروں کی سہولت اور ترقی کے لئے نہریں کھودی گئیں۔ اُن کو ٹھیک رکھا گیا اور زراعت کو پھیلایا گیا۔ پیداوار میں زیادتی ہوئی۔ جب ان کی ضرورت سے زیادہ غلہ ہو گیا تو وہ بوروں میں بھرا گیا۔ اونٹوں اور خچروں پہ لادا گیا۔ اور تجارتی قافلہ اس کو بیچنے چلا۔ یہ تجارتی قافلے خشکی کے راستے جاتے تھے اور دریاؤں کے راستے سے بھی سامان جاتا تھا۔ یہ کھجور کے شہتیروں کو باندھ کر بیڑا بناتے۔ ان ہی شہتیروں کی کشتیاں بناتے، ان میں لاد کر اپنا سامان پردیس لے جاتے، وہاں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لاتے۔ اس بیوپار سے اُن کو تجربہ ہوا، اُن کی معلومات بڑھیں اور باہر کی لائی ہوئی چیزوں سے انھوں نے اپنے شہر کو سجایا۔

آئیے دیکھیں اُن کے شہر بابل کی کیا حالت تھی۔ شہر کی گلیاں تنگ تھیں جن کے دونوں طرف مکان ہوتے تھے۔ مکان سب ایک سے نہیں ہوتے تھے۔ غریبوں کے مکان امیروں کے مکانوں سے گھٹیا ہوتے تھے، اُن کی دیواریں گارے کی اور کچی ہوتی تھیں۔ خوش حال لوگوں کے گھر شکل صورت میں تو ویسے ہی ہوتے تھے لیکن دیواریں پکی اینٹوں کی ہوتی تھیں اور جن گھروں کی دیواروں میں باہر کی طرف پتھر یا پکی اینٹیں لگی ہوتیں وہ اپنے مالکوں کی دولت کا پتہ دیتی تھیں۔

بڑے آدمیوں کے گھر اور باتوں سے بھی پہچانے

جاتے تھے۔ ان میں درخت ہوتے تھے اور
بیچ میں کنواں ہوتا تھا۔ پانچ چھ دروازے ہوتے
تھے۔ مکان کے صحن کے ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے
کمرے ہوتے تھے۔ جن میں اُن کا مال اسباب
جمع ہوتا تھا۔ یہ مال یا تو اُن کے کھیتوں کا غلہ ہوتا
یا اُن کی تجارت کا مال جس کو شہر کے بازار میں بھیجتے یا
دوسرے ملکوں کو لے جاتے تھے۔

بادشاہوں کے محل اور مندر ان سب سے الگ
دکھائی دیتے تھے۔ محلوں میں اونچے ستون ہوتے تھے
جو اُن کی شان کو دوبالا کرتے۔ کچھ دیواریں پتھروں
کی سلوں کی ہوتی تھیں جن پر خوب صورت مورتیں
تراشی جاتی تھیں کچھ دیواریں نیلی، پیلی، سفید اور
کالی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔ ان اینٹوں کو اس
طرح جمایا جاتا تھا کہ سب کے ملنے سے تصویریں
بن جاتی تھیں۔ کمروں کی دیواروں پر اس طرح
سپاہیوں کی تصویریں ملتی ہیں۔ بادشاہوں کی لڑائی
اُن کے فاتحانہ جلوس اور شکار کی تصویریں بھی اسی
طرح بنائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تصویروں سے
یہ پتہ لگتا ہے کہ بادشاہ کے محل میں دعوت ہے۔
کیوں کہ بعض کمروں میں پھول رکھے نظر آتے ہیں۔
کسی جگہ نوکر پھل لئے جا رہے ہیں۔ کہیں وہ بھُنے
ہوئے پرندے مہمان کے سامنے رکھ رہے ہیں۔

بادشاہ کے محل کے پاس مندر ہوتا تھا جس
کئی کئی منزلیں ہوتی تھیں۔ پہلی منزل کی برجیاں کئی
کمرے ہوتے تھے۔ کچھ سامان کے لئے اور بعض میں
بت رکھے جاتے تھے۔ ان ہی میں سے کسی کمرے
میں پجاری رہتے تھے۔ یہ پجاری اونچی منزل سے
ستاروں کے چلنے اور گھومنے کو دیکھ کر دن رات کا
اندازہ لگاتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ کچھ ستارے
نکلتے ہیں تو خوشی کا دور دورہ ہوتا ہے اور بعض
ستارے اپنے ساتھ بلائیں، بیماریاں لاتے ہیں۔ اس
لئے ستاروں کو دیکھتے رہنا چاہیے اور اُن کو دیکھ کر
کوئی کام کرنا چاہیے۔

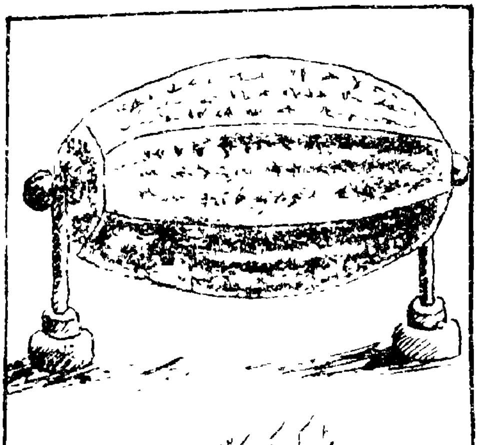
شہر کے اندر ہی بازار تھا جو تنگ گلیوں اور
گنجان مکانوں سے دور ہوتا تھا۔ بازار کی وہ شان
تو نہ تھی جو آج کل کے بازاروں کی ہوتی ہے لیکن
رونق اور چہل پہل کافی تھی۔ کہیں چٹائیاں رکھی
دکھائی دیتی تھیں۔ کسی جگہ کھجور کی ٹوکریوں کا انبار ہوتا
تھا۔ کچھ آدمی پھل لئے بیٹھے ہوتے تھے، کچھ ترکاریاں
بیچتے تھے۔ کہیں مچھیرے اپنی مچھلیاں لاکر رکھتے۔ ایک
طرف کپڑے والے اور غلے والے اپنا مال
بیچتے تھے۔ مال کی قیمت میں دھات کا ٹکڑا دیتے
جس پر کوئی نشان ہوتا تھا یا بادشاہ کی تصویر۔ لین
دین اگر کسی بڑی چیز کا ہوتا تو باقاعدہ اس کو لکھا
جاتا اور اس کی دو نقلیں ہوتی تھیں۔ اسی تحریری
لین دین کی وجہ سے بازار میں منشی نظر آتے تھے اور

ماں باپ اپنے بچوں کو خوشی خوشی پڑھاتے تھے کہ وہ پڑھ کر منشی بنیں گے اور چین سے دن کاٹیں گے۔

ہم نے شہر بابل کا نقشہ دیکھا جس میں ہم کو ان کے رہنے سہنے کی جھلک نظر آئی۔ لیکن یہ کافی نہیں دو اور چیزوں سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے مندر شہر میں خاص عزت کے مالک تھے۔ کیوں کہ وہاں کے برجوں میں بیٹھ کر پجاری وہاں کے ستاروں کی چال دیکھتے اور بادشاہ کو بتاتے کہ کس وقت کام شروع کیا جائے اس کے سوا بیماری کی حالت میں اور لوگ ان کو بلاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بھوت بدن میں گھس جاتے ہیں تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ پجاری اس کی مورت بناکے آگ میں ڈالتے اور کچھ پڑھنا شروع کرتے گویا بھوت کو بھگا رہے ہیں۔ اس علاج کی ان کو فیس ملتی تھی۔

پجاریوں کی عزت لوگوں کے دلوں میں بہت تھی اس کی ایک وجہ اور تھی۔ جب لوگوں میں جھگڑا ہوتا تو اس کا فیصلہ بھی یہی کرتے تھے۔ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ اور عہد نامے لاتے تھے۔ عہد ناموں کو دیکھ کر اور گواہی کو سن کر پجاری فیصلہ کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا کام بھی پجاریوں ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ بازار میں منشی ہوتے تھے جو عہد نامے لکھا کرتے تھے۔ ان منشیوں کو مندروں ہی میں لکھایا پڑھایا جاتا تھا۔

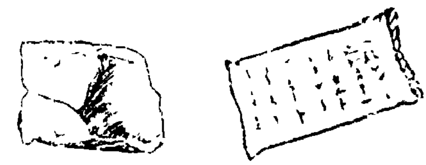
ان کے اسکول ہمارے مدرسوں جیسے نہ تھے کھلی جگہ استاد بیٹھا ہوا تھا جس کے سامنے اس کے شاگرد بیٹھے ہوتے تھے۔ ان کے پاس مٹی کی تختیاں اور پتلے نوک دار قلم ہوتے تھے جن سے وہ تختیوں پر لکھتے تھے۔ ان کے حروف تیر کی شکل کے یا مخروطی ہوتے تھے۔ جب وہ تختی ختم کر لیتے اس پر ہاتھ پھیر دیتے اور پھر لکھنا شروع کر دیتے تھے۔



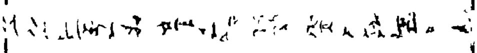
مٹی کی ایک کتاب

جب منشی بازار میں عہد نامہ لکھتے تو وہ بھی مٹی کی تختیوں پر ہوتا تھا جس پر مہر لگا دی جاتی تھی ان کو آگ میں ڈال کے پکا لیا جاتا تھا۔ اسی طرح خط لکھے اور تیار کئے جاتے تھے۔ جو مٹی کے لفافوں میں بند کر کے بھیجے جاتے تھے۔ ان کو پڑھنے لکھنے کا اتنا شوق تھا کہ انھوں نے مٹی کی تختیوں پر بہت سی کتابیں لکھیں اور کتب خانے بنائے جس میں اپنے حالات اور اپنے پڑوسیوں کے حالات لکھے ان

ہی کے ذریعے ہم کو اس زمانے کے بابل کے حالات
معلوم ہوتے ہیں۔



(مٹی کا خط اور لفافہ)



رسم خط

بابل کے لوگوں کو کھیل کود سے دلچسپی تھی اور جس دن جشن اشتر ہوتا تھا وہ اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ اس دن بچوں کو چھٹی ملتی اور وہ رنگ رنگ کے کپڑے اور چمڑے کے نعلین پہنے اپنے استاد کے گھر جاتے۔ وہاں سے بادشاہ کے محل پر پہنچتے تھے محل کے پاس میدان یا اکھاڑا تھا جس کے ارد گرد ایک سو بیس (۱۲۰) سیڑھیاں تھیں۔ جشن اشتر کے دن ان سیڑھیوں پر بہت ہجوم ہوتا تھا۔ وہیں بچے اپنے استاد کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ بادشاہ کے جلوس اور کھیلوں کا تماشا دیکھتے۔

بادشاہ کے جلوس میں سب سے آگے تو شاہی گارڈ ہوتے تھے۔ ان کے سفید نیزے دھوپ میں چمکتے اور شان دکھاتے۔ ان کے پیچھے سفید کپڑے پہنے پجاری نقرئی شہنائیاں بجاتے جاتے تھے۔ ان کے پیچھے پجارنیں اپنے بال کھولے۔ پیازی کپڑے پہنے چلی جاتی تھیں۔ ان کے بعد کچھ پجاری مینڈھوں اور سانڈھوں کو لاتے تھے۔ آخری رو میں شاہی محافظ حبشی کالے غلاموں کو گھیرے ہوتے تھے یہ غلام شاہی چتر بادشاہ پر لگائے رہتے تھے جو سفید گھوڑے پر بیٹھا مندر کو جاتا تھا۔ بادشاہ کے مندر پر پہنچنے کے بعد لوگ کرتب دیکھنے کے لئے تیار ہو جاتے۔

سب سے پہلے شہنائی بجائی جاتی تھی۔ یہ گویا کھیل شروع ہونے کا اعلان ہوتا تھا جس کے بعد پیدل سپاہی اکھاڑے میں اترتے اور نشانے پر تیر لگاتے یا نیزہ پھینکتے تھے۔ جب وہ نشانہ بازی کر چکتے تو سوار اپنا کمال دکھاتے۔ سب سے آخر میں ایک آدمی چھوٹی سی تلوار لئے نکلتا اور شیر کو پنجرے میں سے چھوڑا جاتا تھا۔ یہ آدمی لڑائی میں کا قیدی ہوتا تھا۔ اگر وہ شیر کو مار ڈالتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ اس کی جان جاتی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں کی زندگی کیسی تھی۔ ان میں ایسی باتیں تھیں جن کو ہم اچھا نہیں سمجھتے۔ ہم جانتے ہیں کہ بیماری بھوت جن کی وجہ سے نہیں ہوتی جو لوگ گندے رہتے ہیں وہ بیمار پڑتے ہیں۔ لوگوں کو غلام بنانے اور ان کو جانوروں سے لڑانے

کوئی بھی کوئی اچھا نہیں کہتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان آزاد ہے اور وہ آزاد ہی رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ غلام بننے کے لیے اس دنیا میں نہیں آیا۔ لیکن ان خراب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی اُن میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ سب سے

ایک کتاب کس مشکل سے تیار ہوتی تھی۔ کتاب کا صفحہ مٹی کی تختی کا ہوتا تھا۔ ایسی تختیوں کو پکا کر ایک جگہ جمع کر دیتے تھے اور وہ ایک کتاب ہو جاتی تھی۔ ایسی بہت سی کتابیں لکھ کے جمع کی گئی ہوں گی تب کہیں ایک کتب خانہ بنا ہوگا۔



تسی فون کا محراب جو چودہ سو برس ہوئے بنا تھا

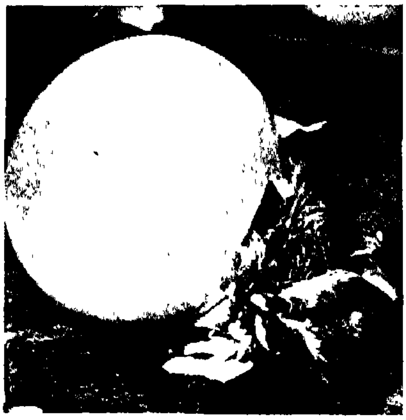
بڑی خوبی تو یہ تھی کہ انھوں نے اپنی حالت کو سدھارا خانہ بدوشی چھوڑ کر شہری زندگی شروع کی۔ ایسا شہر بنایا جو خوب صورت تھا اور آرام دینے والا۔ انھوں نے لکھنا پڑھنا جاری کیا اور کتب خانے جمع کیے جہاں بیٹھ کر علم حاصل کیا۔ ذرا غور کیجیے کہ ایک

ترقی اسی طرح ہوتی ہے جو ہمت سے کام لیتے ہیں وہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ جو ہمت ہار ہوتے ہیں وہ ایک جگہ پھنس جاتے ہیں، آگے نہیں بڑھتے۔ ہمیں ایک اچھا ملک ہندوستان ملا ہے اگر ہم ہمت کر کے آگے بڑھیں تو ہمارا ملک بھی مشہور ہو جائے۔

شتر مرغ



انڈے سے نکلنے کی پہلی کوشش



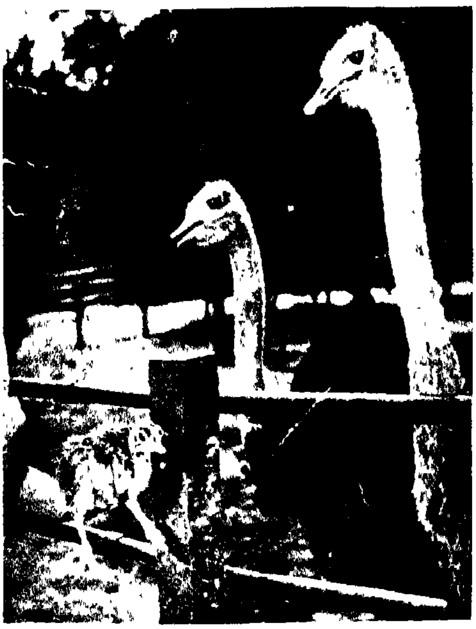
تھوڑا سا اور!



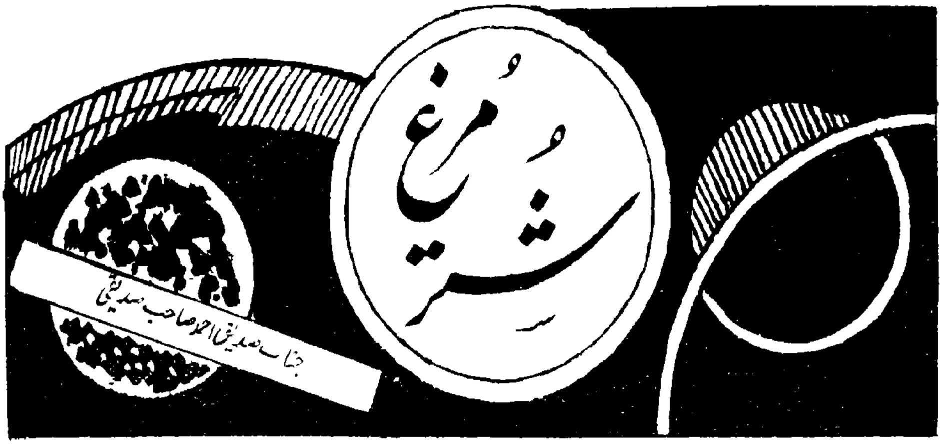
خیر! گردن تو نکل آئی



واہ واہ، کیا دعوت تو بڑے مزے کی ہے



اپنے ماں باپ کے ساتھ کھڑے ہیں ۔



اختر :- اخاہ - رضیہ - یہ تم نے اتنے ایک پر کہاں سے جمع کر لئے - تھوڑے سے ہمیں بھی دو -

رضیہ :- واہ - تمھیں کاہے کو دیں - تم خود جمع کرو ہم نے اتنی خوشامد سے تو بھائی جان سے مانگے ہیں - وہ بے چارے نہ معلوم کہاں کہاں سے لاتے ہیں -

اختر :- اچھا اچھا نہ دو - ہم کوئی ہمیشہ کے لئے تھوڑی مانگتے ہیں - ہم تو کہتے تھے ذرا دیکھ لیں - وہ بے چاری اترائی ہی جاتی ہیں - جاؤ نہ دکھاؤ - ہم خود بھائی جان سے مانگ لیں گے -

رضیہ :- ارے تو خفا کیوں ہوتے ہو - ہم سمجھے تم ہمیشہ کے لئے مانگ رہے ہو - ویسے دیکھنا چاہو تو دیکھ لو - کیا میں منع کرتی ہوں

اختر :- اچھا بتاؤ - یہ کاہے کے پر ہیں (ہاتھ میں لے کر) اہاہا - یہ نرم کیسے ہیں - جیسے خرگوش کے بال -

رضیہ :- یہ شتر مرغ کے پر ہیں -

اختر :- شتر مرغ کے ؟ - شتر مرغ کیا ہوتا ہے -

رضیہ :- بھئی مجھے تو معلوم نہیں - چلو بھائی جان سے پوچھیں -

اختر :- چلو -

دونوں بچے بھائی جان کے پاس پہنچے - وہ بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے - اختر نے جاتے ہی بھائی جان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں - اور پوچھنے لگا -

اختر :- میرے بھائی جان - یہ بتا دیجئے - یہ پر کاہے کے ہیں - رضو کہتی ہیں یہ شتر مرغ کے ہیں - شتر مرغ کیا چیز ہے -

بھائی جان :- اچھا تو ادھر کرسی پر بیٹھو - بتاتا ہوں شتر مرغ ایک چڑیا ہوتی ہے -

رضیہ :۔ ایسی ہی چڑیا ہوتی ہوگی جیسے ہماری مینا۔

بھائی جان :۔ نہیں نہیں۔ مینا تو بہت چھوٹی ہے۔ شترمرغ تو بہت بڑی چڑیا ہوتی ہے۔

اختر :۔ بطخ سے بھی بڑی؟

بھائی جان :۔ ہاں بطخ سے بھی بڑی۔ وہ تو اتنی بڑی ہوتی ہے جیسے بھینس کا بچھڑا۔ اور اس کی گردن بھی بہت لمبی ہوتی ہے۔ اونٹ کی گردن تو تم نے دیکھی ہے۔ بس ویسی ہی لمبی گردن شترمرغ کی بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تو اس چڑیا کو شترمرغ کہتے ہیں شتر کے معنی ہیں اونٹ۔ اور مرغ کے معنی چڑیا۔ شترمرغ کے معنی ہوئے اونٹ جیسی چڑیا۔

رضیہ :۔ مگر بھائی جان۔ اس دن تو آپ نے بتایا تھا کہ اونٹ زیادہ تر ریگستان میں ہوتا ہے۔

بھائی جان :۔ ہاں ہاں تو جیسے اونٹ ریگستان کا جانور ہے۔ ایسے ہی شترمرغ بھی ریگستان میں ہوتا ہے اور اس کی گردن بھی اسی وجہ سے لمبی ہوتی ہے کہ یہ چونچ بڑھا کر ببول وغیرہ کے درختوں سے پتیاں کھاسکے۔

اختر :۔ واہ وا۔ جناب! اونٹ بچارا تو زمین پر رہتا ہے اس لئے اسے منہ بڑھانا پڑتا ہے۔ مگر شترمرغ تو چڑیا ہے۔ اسے کیا؟ وہ تو اپنے اڑ کر درخت پر بیٹھ جاتا ہوگا۔

بھائی جان :۔ نہیں نہیں۔ شترمرغ اڑ نہیں سکتا۔ اس کے بازو چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور اس کا بدن بہت بھاری ہوتا ہے جیسے تمھاری بطخ۔ وہ کہیں اڑتی ہے؟ ہاں پر پھیلا کر دوڑتی ضرور ہے تو ویسے ہی شترمرغ پر پھیلا کر دوڑتا ہے۔ البتہ جب دوڑتا ہے تو اپنے بازو پھٹ پھٹاتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے بھاگنے میں مدد ملتی ہے۔

رضیہ :۔ کیوں بھائی جان۔ وہ کتنا تیز بھاگتا ہے۔

بھائی جان :۔ بہت تیز۔ چچا جان کی چھوٹی موٹر تم نے دیکھی ہے۔ ہاں تم تو اس پر بیٹھی بھی ہو۔ بس جتنی تیز وہ جاتی ہے اتنا ہی تیز وہ شترمرغ بھی بھاگتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ ایک گھنٹے میں پچیس میل تک جاسکتا ہے۔

اختر :۔ اوہو پچیس میل۔ تو بھائی جان لوگ تو اسے گھڑ دوڑ میں ضرور بھگاتے ہوں گے۔

بھائی جان :۔ نہیں وہ آدمیوں سے بہت دور بھاگتا ہے۔ جہاں آدمی کو دیکھا اور

بس ہُوا ہوا ۔ البتہ جب لوگ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے تو پھر تھک کر کسی ریت کے ٹیلے میں اپنا سر چھپا لیتا ہے[۱]۔ جانور تو ہی ہے عقل بھی اللہ میاں نے بس واجبی دی ہے۔ بھلا پوچھو تو خالی سر چھپانے سے فائدہ؟ وہ بے وقوف سمجھتا ہے کہ جب ریت میں سر چھپا لیا تو اب ہمیں کوئی نہیں دیکھے گا چونکہ وہ خود کسی کو نہیں دیکھ پاتا۔ اس لئے خیال کرتا ہے کہ دوسرے بھی اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

رضیہ :۔ ارے واہ بالکل گدھا ہی ہے۔

اختر :۔ تم چپ رہو ۔ رضو۔ ابھی بھائی جان بتا چکے ہیں کہ وہ چڑیا ہے اور تم کہتی ہو کہ گدھا ہے ۔ گدھا کہاں سے آیا ۔ وہ تو چڑیا ہے ۔ کیوں بھائی جان وہ چڑیا ہے۔

بھائی جان :۔ اچھا لڑو نہیں ۔ نہیں تو پھر میں کچھ نہ بتاؤں گا .... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا

رضیہ :۔ وہ سر چھپا لیتا ہے۔

بھائی جان :۔ ہاں تو وہ ریت میں سر چھپا لیتا ہے۔ اور شکاری اُسے آکر پکڑ لیتے ہیں۔

اختر : تو شکاری اس کا کیا کرتے ہیں ۔ ابّا جان بھی تو شکار کو جاتے ہیں مگر وہ تو کبھی شتر مرغ نہیں پکڑتے۔

بھائی جان :۔ یہ تو ہندوستان ہے۔ شترمُرغ یہاں کہاں سے آیا ۔ وہ افریقہ میں ، آسٹریلیا میں ، عرب میں اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ وہاں لوگوں نے بڑے بڑے احاطے گھیر رکھے ہیں ان میں پکڑ پکڑ کر بند کر دیتے ہیں۔ اُن کے پر بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ یورپ میں عورتیں انھیں اپنی ٹوپیوں اور ساریوں میں لگاتی ہیں

رضیہ :۔ اہا ہا۔ تو بھائی جان ! میں بھی ان پروں کو اپنی دوپٹہ میں لگاؤں گی۔

اختر :۔ واہ وا۔ تو کیا تم کوئی یورپ کی عورت ہو یہاں تو کوئی بھی نہیں لگاتا ۔ تم کیوں لگاؤگی بس نقل کرنا بچاری کو بہت آتا ہے!

بھائی جان :۔ اچھا چپ رہو بھئی تم دونوں بہت لڑتے ہو۔

اختر :۔ اور بھائی جان یہ کھاتا کیا ہے؟

بھائی جان :۔ یہی گھاس پات ۔ البتہ ایک بات

[۱] شترمرغ کے سر چھپا لینے کا قصہ بڑی بڑی کتابوں میں لکھا ہے۔ گر ہے بالکل فرضی بات ۔ لوگوں نے اسے کچھ اس طرح مشہور کر دیا ہے کہ سبھی اُسے سچ سمجھتے ہیں۔

بڑے مزے کی ہے۔ شترمرغ پتھر بھی کھاتا ہے۔

رضیہ :- اوئی اللہ۔ پتھر! یہ پتھر اسے ہضم کیسے ہوتے ہیں۔

بھائی جان :- پتھر خود نہیں ہضم ہوتے۔ البتہ یہ اس کی دوسری غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ جب معدے میں جاتے ہیں تو آپس میں ٹکرا ٹکرا کر کھاس پات کو خوب پیس ڈالتے ہیں اور اس کا کھانا خوب ہضم ہو جاتا ہے۔ اچھا تم نے شترمرغ کے انڈے دیکھے ہیں۔

رضیہ :- نہیں۔

بھائی جان :- واہ ابھی پچھلے ہفتے جب ہم لوگ نظام الدین اولیاؒ گئے تھے تو وہاں تم نے دیکھا نہیں تھا کہ مزار میں چاروں طرف گول گول چینی کے پیالے لٹک رہے تھے۔

اختر :- ہاں ہاں لٹک رہے تھے۔ مگر بھائی جان نے تو بتایا تھا کہ وہ بھینس کے انڈے ہیں۔

بھائی جان :- (ہنستے ہوئے) تمہاری بھائی جان تو بے وقوف ہیں۔ وہ شترمرغ کے انڈے تھے۔

رضیہ :- بھائی جان یہ کہاں ملتے ہیں۔ ایک میں بھی لا دیجئے۔

بھائی جان :- یہ ریگستان میں ملتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ شترمرغ کی مادہ ریت میں انڈے دیتی ہے۔ اور نر اُن کو سیتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شترمرغ اپنے انڈے ریت میں دبا دیتے ہیں۔ اور سورج کی گرمی سے ان میں بچے پڑ جاتے ہیں۔ یہ شترمرغ ایک جگہ مل کر غول میں رہا کرتے ہیں۔ مگر ہر غول میں نر ایک ہی ہوتا ہے جو اپنی ماداؤں کی حفاظت کرتا ہے۔

رضیہ :- اللہ بھائی جان۔ ایک شترمرغ یہاں بھی لائیے۔

بھائی جان :- یہاں کیسے آسکتا ہے وہ یا تو مر جائے گا یا بھاگ جائے گا۔

اختر :- ہم اسے بڑے سے پنجرے میں رکھیں گے بھاگے گا تو دوڑ کر پکڑ لیں گے۔

بھائی جان :- تم کیا پکڑو گے وہ میرے لیے دو آدمیوں کو اپنی پیٹھ پر لاد کر بھاگ سکتا ہے

رضیہ :- تو کیا بڑا مضبوط ہوتا ہے؟ اچھا تو پھر ہم کو دکھا لائیے۔

بھائی جان :- ہاں دکھا لائیں گے۔ اب کی جب ماموں جان کے گھر لکھنؤ چلیں تو یاد دلانا۔ وہاں عجائب خانے میں ہے۔ اچھا اب تم لوگ جاؤ۔ میں کام کر رہا ہوں۔

چمار کی سوئی

الیاس احمد صاحب مجتبیٰ

بہت دنوں کا ذکر ہے ہمارے پڑوس میں ایک موچی رہا کرتا تھا، اس کا نام تھا موتی۔ موتی کے پاس ایک موٹی سی بھدّی سوئی تھی۔ ایک دن موتی نے جو ایک جوتی کی مرمّت کرنے کو سوئی اُٹھائی تو موٹی سوئی بڑے نخرے سے بولی: "دیکھو دیکھو ذرا سنبھال کے، مضبوطی سے پکڑنا، ایسا نہ ہو میں گر پڑوں۔ نہیں تو پھر مجھے ڈھونڈے نہ پاؤ گے۔ دیکھتے نہیں، میرا چھریرا پن اور میری نزاکت!"

موتی کی اُنگلیوں نے سوئی کی اس شیخی پر کہا "ہاں ہاں، کیوں نہیں، تمھاری زبان بھی تو اتنی ہی لمبی ہے جتنا کہ تمھاری ناک میں پڑا ہوا تاگا!" سوئی نے پھر کچھ شیخی بگھاری اور انگلیاں پھر جلی کٹی سُنا کے ایک سڑی سی جوتی گانٹھنے میں لگ گئیں۔

"توبہ توبہ" سوئی بولی "کیسا گھٹیا کام ہے، بھلا میں ایسی گئی گذری ہوں! یہ تو سراسر میری توہین ہے۔ پھر ایسا بھاری کام! دیکھو دیکھو میں ٹوٹ جاؤں گی!" اور سچ مچ وہ ٹوٹ گئی۔ "دیکھا نا اب تو خوش ہوئیں، میری بات نہ مانی، بھلا یہ دھان پان سی جان اور چمڑے کی سلائی" سوئی نے کہا۔

"اچھا تو اب یہ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے والی سچ مچ بے کار ہو گئی" انگلیوں کی بن آئی اور بڑے گھمنڈ سے بولیں۔ پر موتی غریب کے دل کو جیسے ٹھیس سی لگی۔ اس نے ٹوٹی ہوئی سوئی پر تھوڑی سی لاکھ ٹپکا کر اُسے اپنے گلوبند میں گھُرس لیا۔

"اری دیکھتی ہو تم میرا درجہ؟ اب میں موتی چودھری کے سینے کی سو بھا ہوں۔ چمڑا سینے والی سوئی بولی "میں تو جانتی تھی کبھی نہ کبھی میرے دن پھر کے رہیں گے"۔ ٹوٹی ہوئی سوئی شیخی مار رہی تھی اور پھول کے کُپّا ہوئی جاتی تھی۔ گلوبند کی سلوٹ میں ایسے ٹھسّے سے بیٹھی تھی جیسے کوئی بڑا آدمی سواری میں بیٹھا چلا جا رہا ہو۔

اب تو چمڑے والی سوئی کا دماغ ہی خراب ہوگیا۔ اچھے اچھوں کے مُنہ آنے لگی۔ جیسے بوکھلا

گئی ہو۔ پاس ہی لگی ہوئی سچ مچ کی ایک پن سے بولی کیا آپ سونے کی بنی ہوئی ہیں؟ ہاں آپ کی اوپر کی قلعی تو کچھ سونے کا ملمع ہی لگتی ہے! کیا ہوا، کوئی نرالی بات نہیں اور سونے کا پانی لاکھ بھی نہیں جو میری طرح ہر ایک کو نہ مل پائے" سوئی نے یہ بات کچھ ایسے اترا کے اور اکڑ کے کہی کہ اُسی میں وہ گلو بند سے ناب دان کی نالی میں جا گری۔

"واہ وا" اِس دُرگت پر بھی بے حیا سوئی بولی، "اب تو خوب سیل سپاٹے کا ڈھنگ نکلا" نارے بدبو کے مری جا رہی تھی۔ پر اپنی ڈھٹائی سے چوکتی نہ تھی ہر آفت کو راحت اور اپنی آؤ بھگت ہی جتاتی تھی۔

نالی میں چھوٹی موٹی بہت سی ردی چیزیں بھی چلی جا رہی تھیں جیسے تنکے، دال کے دانے، آلو کے چھلکے، یہ سب گویا دریائی مسافر ہماری سوئی کے اوپر سے گذرتے۔ سوئی سیدھی تو کھڑی تھی چپکے سے ہر ایک کو چرکا دے دیتی۔

"ہونہہ! یہ حقیر چیزیں، سیلاب کے چکر میں آئے ہوئے تنکے کیا جانیں" سوئی بڑے گھمنڈ سے بولی، "اس طوفانی ندی میں پیارے موتی چودھری کی ایک سوئی بھی ہے جسے پانی کے یہ تیز دھارے چھیڑنے کی بھی ہمت نہیں کر پاتے ہیں"

ایک دن کیا ہوا کہ اسی نالی میں سے کانچ کا ایک ننھا سا ریزہ گذرا۔ تھا تو کانچ ہی پر اس کی چمک دمک سے اوچھی سوئی کی آنکھیں چکاچوندھی ہو گئیں۔ ندیدی سوئی سمجھی یہ ہیرا ہے۔ اب کیا تھا، پھر بڑھ بڑھ کے باتیں بنانے لگی۔ آپ ہی آپ اس ریزے سے بھڑ گئی اور جان پہچان کرنے لگی۔ بولی "مجھے پن کہتے ہیں۔ پن جسے گلو بند وغیرہ میں لگاتے ہیں" پھر بولی "کیا آپ ہیرا ہیں؟"

"جی ہاں اور کیا، یہی سمجھئے" کانچ کے ریزے نے جواب دیا۔

اب یہ دونوں اپنے کو بھلائے اور دھوکے میں ڈالے ایک دوسرے کی اصلیت پہچاننے میں خواہ مخواہ کے شبہوں میں پڑ گئے۔ بی سوئی ریزے کو بڑی عزت سے پکارتیں اور کانچ کا بے کار ریزہ سوئی کو۔

"میں ایک لڑکی کی خوب صورت صندوقچی میں رہا کرتی تھی۔ چمڑا سینے والی سوئی بولی، اس کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں تھیں۔ دنیا میں ان انگلیوں سے زیادہ بدتمیز، بے ادب اور کٹھور کوئی اور نہ ہوگا"

"بھلا یہ انگلیاں کیا بلا ہیں، اُن کی صورت شکل کیسی تھی؟ کیا اُن میں تمہاری طرح چمک دمک تھی؟" کانچ کے ریزے نے پوچھا۔

"اجی توبہ کیجئے، بالکل نہیں! سوئی بولی میری سی آب و تاب انھیں کب نصیب ہوگی! مگر

ان کو گھمنڈ اتنا تھا جیسے بھائی مرجان کا بچہ ہوں۔
یہ کل پانچ تھیں، ہمیشہ ساتھ ہی رہا کرتیں اور ہر وقت سیدھی کھڑی رہتی تھیں، یوں تو وہ ہر وقت ایک دوسری کے پہلو میں نظر آتی تھیں مگر سب کی اونچائی ایک سی تھی۔"

"کچھ اور باتیں بھی ہوں گی؟" کانچ کے ریزے نے پوچھا۔

"بے شک" سوئی نے کہا "مگر اُن کے ذکر سے میرا تو جی جلتا ہے، بس آپ کی مروت سے مجبور ہوں، بتاتی ہوں۔ اُن کی شیخی سب سے بڑھ کر تھی۔ شہرت اور نمائش کا انھیں جیسے ہوکا سا تھا اس کے لئے وہ طرح طرح کی اوچھی حرکتیں کرتی تھیں۔ لیکن حقیقت میں وہ کیا تھیں، میں ٹھیک ٹھیک بتاتی ہوں تاکہ نالائقوں کو ویسی عزت نہ ملنے پائے جس کے وہ حق دار نہیں ہیں! اچھا تو سنئے۔"

"ان میں سے ایک انگوٹھا کہلاتی تھی، وہ ان بہنوں کا گویا بھائی تھا، باقی چار سے موٹا اور بڑا مگر اس کا ڈیل ٹھنگنا تھا، پھر بھی وہ سب کا سردار لگتا تھا، اس کی بناوٹ بھی خاص قسم کی تھی۔ پورے بدن میں ایک ہی جوڑ تھا اور بس اپنی کمر کے بند پر ہی جھک سکتا تھا۔ لیکن اس ناٹے پن پر غرّہ یہ تھا کہ فرماتے تھے: میں آدمی کی بہادری اور سپہ گری کی کنجی ہوں، میں نہ ہوں تو آدمی فوجی کاموں کے لائق نہ رہے۔"

"دوسری انگلی ظاہرا تو بڑے کام کی تھی اور پورے ہاتھ کی گویا مختارِ کل۔ ہمیشہ آگے ہی آگے رہا کرتی، ہر چیز کو چھوتی چھیڑتی، ہر کھٹی میٹھی چیز کا مزا چکھتی، چاند، سورج کی طرف اشارے کرتی اور لکھنے پڑھنے کا معزز کام بھی وہی کرتی۔ آدمیوں کے علمی ہتھیار یعنی قلم کو وہی تھامتی تھی۔ بیچ کی انگلی ذرا بہنگم یا بے ڈول سی تھی، اس کی شکل کچھ لمبوتری تھی بہنوں کے جھرمٹ کے اندر گویا کھڑی اونچی سی ناک لگتی تھی۔"

"چوتھی انگلی سچ مچ کوئی رئیس کی بچی معلوم ہوتی تھی، اس کی کمر میں ایک سنہری پٹی لگی ہوئی بہت بھلی لگتی تھی۔ لیکن میں تو یہ جانتی ہوں کہ یہ بس نمائش ہی تھی، اس کا یہ زیور یعنی انگوٹھی اصل میں مانگے کی تھی۔"

"پانچویں پورے کنبے کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ یہ تو جیسے بے کار سی چیز تھی، ہمیشہ کاہلوں کی طرح پڑی رہتی۔ لیکن ناکارہ زندگی پر اس کو بہت ناز تھا۔ وہ اس بے کاری کو اپنی رئیسی سمجھتی تھی، سچ یہ ہے کہ یہ غرور ان سب ہی میں تھا۔ انھی بے ہودہ باتوں سے تو بیزار ہوکر میں بانی کے اس دھارے میں آ ٹھہری ہوں۔"

ملہ موگا

"اچھا کیا جو آپ نے ایسے نالائقوں سے اپنا پیچھا چھڑا لیا" کانچ کے ریزے نے کہا" ان میں رہ کر اپنی اوقات خراب ہی تو کرنی تھی، اب آپ کو یہ نشان دار جگہ جو ملی ہے، آپ اسی کی حق دار تھیں، مجھے بھی آپ کی رفاقت کی عزت ملی۔ اب ہم دونوں اس آبِ رواں میں اپنی آب و تاب دکھا رہے ہیں"

بی سوئی کچھ لجائی سی جا رہی تھیں۔ مارے شیخی کے دل ہی دل میں پھول رہی تھیں کہ ٹھیک اسی وقت پانی کا ایک ریلا آیا جس سے یہ دونوں دوست بچھڑ گئے۔

"اچھا اس موئے کی یہ بے وفائی"! سوئی بولی "خیر، ان اوچھوں سے کوئی زیادہ آس بھی نہ لگے پر ہم تو اس طرح ناچے ناچے پھرنے سے رہے۔" بچاری سوئی تنہا پڑی پڑی دنوں کڑھا کی اور دل ہی دل میں اپنی بدقسمتی پر رویا کی۔

ایک دن گھر کے بچوں کے سر میں کیا سمائی کہ اس نالی میں کود پڑے۔ نالی بہت گندی تھی پر وہ تو بچے ہی ٹھیرے اُتر گئے، بھلا وہ ان باتوں کا خیال کیا کرتے، اکثر ایسی ہی گندی جگہوں میں چھینٹیں اُڑانا ان کا بہت دلچسپ کھیل ٹھہرا۔

"آف" ایک بچی زور سے چیخی، "دیکھنا یہ کیا ہے؟ میرے تلوے میں کچھ چبھ گیا۔ اچھا! یہ تو وہی تمہارا سینے والی سوئی بیگم ہیں، دنوں سے کھوئی ہوئی تھیں، لیکن دیکھو غریب اب بےکار ہو گئی ہے، پھر بھی ہمارے گھروندے کے اندر ہماری سہیلی بن کر کھیلا کرے گی"

"دیکھو دیکھو، تم کیا بک رہی ہو"، سوئی بولی میں کوئی سہیلی یا لونڈی نہیں۔ ذرا زبان سنبھال کے بولو" لیکن سوئی بیگم کا منہ اب زیادہ شیخی بگھارنے کے لائق نہ رہا تھا۔ سارا رنگ روغن اتر گیا تھا اور زنگ لگنے سے بالکل کالی ہو گئی تھی۔

اتنے میں بچوں کو ایک گھونگا نظر پڑا جھپٹ کے اُسے اُٹھا ہی تو لیا، ایک چالاک بچے نے سوئی گھونگے کے اندر بھونک دی جس کے ساتھ ہی گھونگے کے پیٹ سے کالے رنگ کا کیڑا نکل پڑا۔ سوئی کو تو ہر چیز میں عیب نکالنے کی عادت پڑی ہوئی تھی اب یہ موقع اور ملا، گھونگے کے بچے سے بولی: "کیا کہنا اس ظاہر داری کا! صورت تو حبشیوں کی سی اور اوپری پہناوا ایسا اُجلا! دنیا اس بہروپ سی شرمائی بھی نہیں"

پھر آپ ہی آپ کہنے لگی: اسی دنیا میں ایسے بھی اچھے لوگ ہیں جن کا ظاہر باطن ایک ہے مجھ ہی کو کوئی دیکھے، میرا حسن اور میری نزاکت! یہ تو بس خدا کی دین ہے، قسمت والوں ہی کو ملتی ہے ہاں یہ ٹھیک ہے کہ سمندری بیماری نے میرا رنگ روپ بدل دیا ہے"

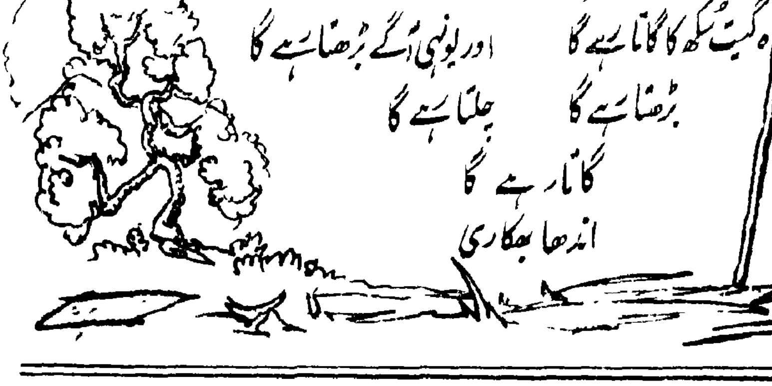
لیکن یہ تو تنخی ہی تنخی تھی۔ اور بس منہ چڑھانا اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا تھا۔ نہ وہ خوب صورت تھی نہ سمندری آب و ہوا کا کچھ اثر تھا۔ ہاں زنگ نے اُسے کھا رکھا تھا۔

لیکن اب سوئی کا آخری وقت آگیا تھا۔ ہوا یہ کہ وہ ایک ٹھیلے کے پہیے کے نیچے آگئی۔ ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہو گئی اور دنیا کو اس کی بکواس سے چھٹی ملی؛

اندھا بھکاری

از بچاری

وہ جا رہا ہے
اندھا بھکاری
کچھ کھا رہا ہے اور گا رہا ہے   مُردہ دلوں کو گرما رہا ہے
گرما رہا ہے اور گا رہا ہے
وہ جا رہا ہے اندھا بھکاری
لکڑی ہے اُس کے دُکھ کا سہارا   لکڑی ہے اُس کی آنکھوں کا تارا
مسکیں بچارا قسمت کا ہارا
آفت کا مارا اندھا بھکاری
اُس کو نہیں کچھ دولت کی چاہت   اُس کو نہیں کچھ دولت کی حاجت
سرمایہ اس کا اس کی قناعت
مجبورِ قسمت اندھا بھکاری
وہ گیت سکھ کا گاتا رہے گا   اور یونہی آگے بڑھتا رہے گا
بڑھتا رہے گا   چلتا رہے گا
گاتا رہے گا
اندھا بھکاری

شیخو

محمد یحییٰ پٹنہ

اسکول کے تمام لڑکے ہال میں جمع تھے ان کی آپس کی کانا پھوسی سے ایک طرح کی بھنبھناہٹ کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اتنے میں ہیڈ ماسٹر صاحب بولنے کے لئے کھڑے ہوئے اور ہال میں سناٹا چھا گیا۔

"میرے بچو! میں تمہارے لئے ایک بری خبر لایا ہوں۔ تم لوگوں کا اسکول جلد ہی ٹوٹنے والا ہے" تمام لڑکوں کا منہ تعجب سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر کہنا شروع کیا "مسٹر لطیف الرحمٰن نے اس زمین کو خرید لیا ہے اور اب وہ یہاں پر ایک سیمنٹ کی فیکٹری کھولیں گے"۔

لڑکوں میں ایک ہل چل مچ گئی مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر منع کیا اور تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔ تم سمجھ نہیں سکتے کہ اس کا مجھے کتنا صدمہ ہے وہ اسکول جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا جس کے لئے میں اینٹیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا آج اس کا یہ انجام ہونے والا ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے

مگر بچو! شریمتی شیلا در مالک میں ہم لوگوں کی تیرنے والی ٹیم داخل ہوئی ہے۔ بچو! اب تو میری یہی ایک خواہش ہے کہ اس سال شیلا کپ جیت لو۔ اسکول کے لئے تمہارا یہ آخری کارنامہ ہوگا!"

اتنا کہہ کر بوڑھے ہیڈ ماسٹر صاحب سر جھکائے ہوئے ہال سے نکل گئے۔ تمام لڑکے بھی نہایت افسردہ و غمگین ان کے پیچھے نکل آئے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ شیخو بھی تیرنے والی ٹیم میں تھا۔ وہ سڑک پر ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا۔

ایک چھوٹی سی بچی ایک دوکان کے سامنے ربر کے گیند سے کھیل رہی تھی۔ گیند لڑھک کر سڑک پر چلی گئی۔ بچی بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑی۔ ایک موٹر بہت ہی تیزی سے سڑک پر آ رہا تھا۔ بچی آگے تھی اور موٹر اس کے پیچھے۔ اتفاق سے شیخو نے دیکھ لیا اس نے لپک کر اس بچی کو اپنی طرف کھینچ لیا موٹر زن سے نکل گئی اور بچی بال بال بچ گئی!!

ایک ادھیڑ عمر کا مرد دوڑا ہوا آیا۔ اس نے

آتے ہی بچّی کو گود میں اُٹھالیا اور پوچھا " بیٹا چوٹ تو نہیں آئی ؟"

بچّی نے ہنس کر جواب دیا " نہیں ابا جان میں بالکل اچھّی ہوں " یہ شخص بچّی کو زمین پر اُتار کر شنو کی طرف بڑھا اور بولا " بیٹا میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں تمھارے اس احسان کا شکریہ ادا کروں تم نے میری بچّی کی جان بچالی " شنو نے کہا " جی نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔ شکریے کی کیا ضرورت ہے "

" مگر میں اسکا انعام دینا چاہتا ہوں ۔ تم کس اسکول میں پڑھتے ہو؟ تمھارا نام کیا ہے ؟"

" جی ! انعام کی کیا ضرورت ہے ۔ سبھی لوگ شنو کہتے ہیں اور میں علی اسکول میں پڑھتا ہوں "

" تب ۔ ب ب تو تم مجھے پسند نہ کروگے میرا نام لطیف الرحمٰن ہے "

شنو جی میں سوچنے لگا ۔ یہ وہی شخص ہے جو ہم لوگوں کا اسکول ختم کرنا چاہتا ہے ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اُن سے کیا کہے ۔ اتنے میں لطیف صاحب خود ہی ہنس کر کہنے لگے ۔

" بیٹا ! تمھاری وجہ سے آج میری بچّی کی جان بچی ہے میں تمھیں اس کا بدلا دوں گا ۔ تمھارا اسکول سیلاکپ میں داخل ہوا ہے نا ؟"

" جی "

" تو اگر تمھارا اسکول یہ کپ جیت گیا تو میں بھی فیکٹری کے لئے کسی دوسری زمین کا بندوبست کرلوں گا "

" سچ مچ ! "

" یقیناً میں نے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کروں گا ۔ تم بھی تیرنے والی ٹیم میں ہو ؟"

" جی ہاں ! مگر مجھے کچھ ایسا زیادہ تیرنا نہیں آتا ہے "

" میاں کوشش کرو اور اپنے اسکول کو بچالو " لطیف صاحب اتنا کہہ ، اپنی بچّی کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہوگئے "

تھوڑی دیر تک تو شنو کچھ کھویا کھویا سا رہا پھر اپنے گھر کو چلنے لگا ۔ راستے میں اُسے وہی موٹر والا مل گیا ۔ شنو کو دیکھ کر اس نے موٹر روک لی ۔

" بھئی تمھارا بہت بہت شکریہ ، تم نے اس بچّی کی جان بچائی ۔ میں نے سنا ہے لطیف صاحب نے تم سے کچھ وعدہ کیا ہے تو میں تمھاری مدد کرسکتا ہوں ۔ میں تیرنے والے کلب کا کپتان ہوں اگر تم چاہو تو میں تمھیں اچھی طرح سکھا سکتا ہوں "

" ارے یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی "

اب تو شنو نے مقابلے کے لئے سخت محنت شروع کردی ۔ ہر روز شام کو تالاب میں تیرتا کپتان اس کی غلطیاں بتاتا اور اُسے تیراکی کے

نئے نئے گُر سکھاتا۔ شنّو نے چند ہی دنوں میں نمایاں ترقی کرلی۔ اس نے لطیف صاحب والی بات کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا تھا مگر خود لطیف صاحب نے اپنا وعدہ ہیڈ ماسٹر صاحب سے ظاہر کردیا تھا اور سارے اسکول میں یہ خبر پھیل گئی کہ اسکول کی قسمت کا فیصلہ شیلڈ کپ جیتنے پر ہے۔ اس کپ کے لئے چار اور ٹیمیں داخل ہوئی تھیں۔ سب سے مضبوط ٹیم ساگر کالج کی تھی اس سے جیتنا ٹیڑھی کھیر تھا۔

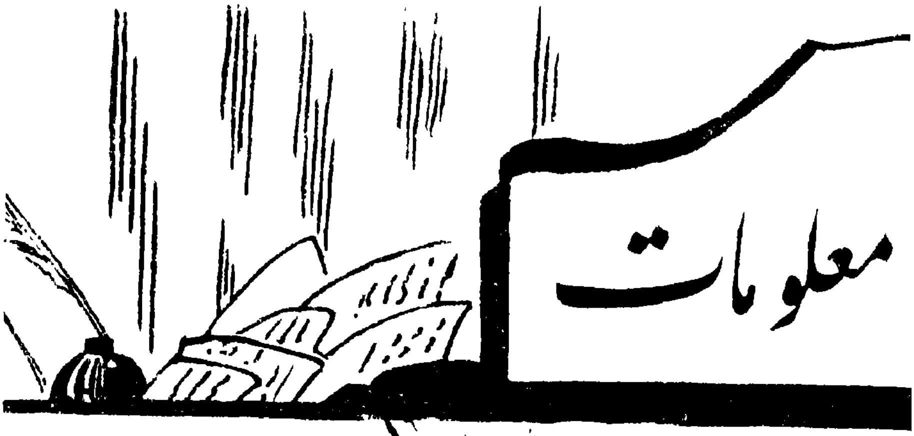
مقابلے کا دن آپہنچا ---------- !!!

شنّو نے اپنا نام سب سے اخیر تیرنے والوں میں رکھا کیونکہ اکثر اسی پر سارا دار و مدار ہوتا ہے۔ چاروں ٹیم کے ایک ایک آدمی "جاؤ" کے ساتھ ہی پانی میں دھم دھم کود پڑے۔ کنارے پر ہر لڑکا اپنے اسکول کے لئے چلا رہا تھا۔ پہلی بار علی اسکول کی ٹیم ایک گز آگے رہی مگر دوسرے اور تیسرے لڑکوں نے معاملہ خراب کردیا اور وہ گز پیچھے ہوگئے۔ لوگ نا امید ہو چلے تھے۔

اب شنّو کی باری تھی۔ سارا کھیل شنّو ہی کو ختم کرنا تھا۔ اسکول کی زندگی اب اسی پر تھی۔ پہلے چکر میں ساگر کالج کا لڑکا آگے رہا مگر دوسرے چکر کے ختم ہوتے ہی دونوں برابر جانے لگے لطیف صاحب بڑے غور سے شنّو کو تک رہے تھے اب شنّو نے اپنے تیرنے کا طریقہ بدل دیا۔ وہ بالکل سیدھا مچھلی کی طرح تیرنے لگا۔ علی اسکول کے لڑکوں کا جوش دیکھنے کے قابل تھا۔ شنّو ایک گز آگے ہو چکا تھا۔ تیسرا چکر ختم ہوتے ہوتے وہ تین گز آگے نکل چکا تھا۔ اب شنّو نے گھوم کر دیکھا۔ ساگر کالج کا لڑکا تیزی سے تیر رہا تھا۔ مگر شنّو سے کم۔ اب صرف تین گز کا فاصلہ رہ گیا۔ دونوں زور لگا رہے تھے آخرکار شنّو جیت گیا۔ چاروں طرف سے اک شور اٹھا "شنّو زندہ باد علی اسکول زندہ باد"

"شنّو نے اپنا اسکول بچا لیا"





معلومات

عمر خیام مشہور شاعر نے حساب لگا کر بتایا کہ شمسی
میں ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے اور ۴۰ منٹ
تے ہیں۔

برنارڈ ڈوبو نے جو فرانس میں بارش کے ماہر
یک" دھوئیں کی فیکٹری کا تجربہ کیا ہے۔ اُن کا
ہے کہ اگر پیرس پر ہوائی حملے کا مظاہرہ ہوگا
رہ منٹ میں پورا پیرس اس فیکٹری کے بنائے
ئے دھوئیں سے ڈھک جائے گا۔

دنیا کا سب سے پہلا گرہن جس کا ریکارڈ ملتا
۱۹ مارچ سنہ ۷۲۱ ق م میں شام کو
ج کر ۴۰ منٹ پر واقع ہوا تھا۔ تالیموس نامی
مورخ نے اس گرہن کا ذکر کیا ہے۔ یہ چاند گرہن تھا اور بابل میں اس کا مشاہدہ کیا گیا تھا۔

بحیرہ کیسپین دنیا کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اس کا کچھ حصہ یورپ میں اور کچھ حصہ ایشیا میں ہے۔ اس کی لمبائی ۷۶۰ میل ہے اور چوڑائی ۱۱۵ میل سے ۲۰۰ میل تک ہے۔ اس میں سب سے زیادہ گہرائی ایک ہزار گز ہے اور اس کا رقبہ ایک لاکھ ۷۰ ہزار مربع میل ہے۔ والگا جو یورپ کا سب سے لمبا دریا ہے اسی جھیل میں شہر استراخاں کے قریب گرتا ہے

ٹکٹوں کی خبریں

حکومت برطانیہ کو جنگ کی وجہ سے اپنی تجویزوں میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑی ہیں اِن کے باوجود مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں دنیا کے سب سے پہلے چپکانے والے ٹکٹوں کی صد سالہ برسی منائی جائے گی۔

واشنگٹن (امریکہ) میں ٹکٹوں کی ایک نمائش کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس نمائش میں دنیا کے اکثر ملکوں کے ٹکٹ ہوں گے۔ ٹکٹ جمع کرنے والے بھی اس میں خاص حصہ لیں گے۔ اس سلسلے میں امریکہ بہت سے ٹکٹ شائع کر رہا ہے۔

میکسیکو میں چھ نئے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں جن میں سے تین ڈاک کے اور تین ہوائی ٹکٹ ہیں اس سیٹ کی چھپائی بہت اچھی ہے۔ ڈاک کے (۲ c) کے کالے ٹکٹوں میں فرائر جان ڈی ذومارگا انٹونیو ڈی مینڈوزا (اسپینی وائسرائے) اور ٹکٹ کے چھاپے خانے کی عمارت کی تصویریں ہیں

ٹراونکور میں سات نئے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ ۱/۲، ۲، اور ۳ (چکرم) کے ٹکٹوں پر مہاراجہ کی تصویر ہے۔ باقی چار میں محل سری پدما نبھا۔ سوامی کا مندر، راس کماری اور پچی پارا نامی آب پاشی کے تالاب کی تصویریں ہیں۔



ٹکٹ جمع کرنے والے پیامی اچھی طرح جانتے
بادلے کے ٹکٹ جمع کرنا بہت مشکل ہے۔ مبادلے
ے ٹکٹ بآسانی جمع ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں مختلف
سے ٹکٹ تبدیل کیے جاتے ہیں بعض بڑے بڑے
رف ٹکٹ تبدیل کرنے کے لئے قائم ہیں۔ چونکہ
احب پیام تعلیم کی خاص توجہ سے پیامیوں میں
ع کرنے کا شوق بہت پھیل گیا ہے۔ اس لئے میں
ں کی تبدیلی کے لئے ایک تجویز پیش کرتا ہوں
ں میں صرف وہ ٹکٹ جمع کرنے والے پیامی
ول جو دیسی ریاستوں میں رہتے ہیں۔ یا
پاس دیسی ریاستوں کے ٹکٹ کافی تعداد میں
ں۔ مجھے یقین ہے کہ پیامی اس طریقے سے پورا
ائیں گے۔

ویز صرف یہ ہے کہ ، پیامی اپنی اپنی ریاستوں
۵۰ سے کم ۲۰۰ سے زیادہ نہ ہوں اور
ہر قیمت کے ٹکٹ تقریباً مساوی تعداد میں ہوں
س روانہ کردیں۔ ان ٹکٹوں میں قدیم اور

جدید دونوں ٹکٹ ہوں۔ اور زیادہ قیمت کے ٹکٹ
بھی شامل ہوں۔ جب میرے پاس اکثر ریاستوں کے
ٹکٹ آجائیں گے تو میں ہر ٹکٹ بھیجنے والے کو اُن کی
ریاست کے ٹکٹوں کے علاوہ دوسری ریاستوں کے
ٹکٹ بھی دوں گا۔ اس طرح پیامیوں کی اپنی ریاست
کے ٹکٹوں کے عوض جو انھیں بآسانی دستیاب ہو سکتے
ہیں مختلف ریاستوں کے ٹکٹ وصول ہو جائیں گے۔
اور کمال یہ کہ صرف ایک وقت میں اتنے زیادہ ٹکٹ
تبدیل ہو جائیں گے۔

ٹکٹوں کو تبدیل کرتے وقت بھاری اور ہلکے
ٹکٹوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے گا۔ مثلاً ٹراونکور
اور کوچین کے ٹکٹ کم قیمتی ہوتے ہیں اور پٹیالہ، جھند
نابھا وغیرہ کے ٹکٹ قیمتی ہوتے ہیں لہٰذا اگر کوئی پیامی
کوچین کے ۱۰۰ ٹکٹ بھیجیں تو انھیں مبادلے کے ٹکٹ
۱۰۰ سے کم ملیں گے۔ لیکن اگر کوئی پٹیالہ نابھا وغیرہ
کے ۱۰۰ ٹکٹ بھیجیں تو انھیں مبادلے کے ٹکٹ ۱۰۰ سے
زیادہ ملیں گے۔ اسی طرح کم قیمت مثلاً ½ ، ¼ ، ۱

وغیرہ کے ٹکٹ زیادہ ہوں تو مبادلے کے ٹکٹ کم ملیں گے۔ لیکن اگر زیادہ قیمت مثلاً دو روپئے، ایک روپیہ، آٹھ آنے وغیرہ کے ٹکٹ زیادہ وصول ہوں تو مبادلے کے ٹکٹ بھی زیادہ ملیں گے۔

مبادلے کے لئے حیدرآباد کے ٹکٹ نہ بھیجے جائیں۔ اور جہاں تک ہوسکے ٹکٹ صاف ستھرے اور درست حالت میں بھیجیں۔ پھٹے اور خراب ٹکٹوں کا مبادلہ نہ ہوسکے گا۔

اپنے ٹکٹوں کو اگر چاہیں تو رجسٹری کے ذریعے روانہ کریں نیز اپنے ٹکٹوں کے ساتھ مبادلے کے ٹکٹ واپس کرنے کے لئے غیر مستعمل ٹکٹ روانہ کریں ورنہ مبادلے کے ٹکٹ روانہ نہ کئے جائیں گے۔

چونکہ دیسی ریاستوں میں ٹکٹ جمع کرنے والے کافی تعداد میں ہیں اس لئے بہت دن تک مبادلے کے لئے ٹکٹ وصول ہوتے رہیں گے اس لئے مبادلے کے ٹکٹ بھی دیر سے روانہ کئے جائیں گے۔ لہذا اگر مبادلے کے ٹکٹ روانہ کرنے میں دیر ہو تو گھبرائیے مت۔ آپ کے روانہ کردہ ٹکٹوں کا تبادلہ بہت بہتر طریقے پر کیا جائے گا اور یقین ہے کہ آپ اس مبادلے سے بے حد خوش ہوں گے۔

مضمون کو اچھی طرح پڑھئے اور مبادلے کے ٹکٹ آج ہی روانہ کیجئے۔

حسن الدین احمد

عزیز باغ سلطان پورہ۔ حیدرآباد دکن

"رتن" جموں

بچوں اور اُستادوں کے مشہور رسالہ "رتن" کو کون نہیں جانتا۔ یہ اُن کے لئے کہانیاں، افسانے، نظمیں کارٹون، انعامی معمے، بلاک کی تصویریں یعنی دلچسپی کا ہر ایک سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اس کا سالانہ چندہ صرف دو روپے اور ایک پرچے کی قیمت ۳ سالانہ خریداروں کو اس کا خاص نمبر جو ڈیڑھ سو صفحوں کا ہوتا ہے مفت دیا جاتا ہے ...... اب سے رتن کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا تھا لیکن اب فیصلہ ہوا ہے نمونہ بھیجا جائے تاکہ وہ اسے دیکھ کر بعد میں اس کے خریدار بن جائیں آخر چندہ کوئی بڑا تو نہیں صرف دو روپئے۔ اگر پیام برادری کا کوئی ممبر رتن میں اپنی فوٹو شائع کرانا چاہتا ہے تو آٹھ آنے بھیج کر ایسا کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ رتن سبھا کا بھی ممبر بن جائے گا۔

سوچ کیا رہے ہو؟ اسی وقت ایک کارڈ میں لکھ کر "رتن" مفت طلب کریں۔



عزیز بچیّو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔

پیام تعلیم کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ دسمبر کا مہینہ بات کہتے میں گذر گیا اور مجھے تم سے بات کرنے کا پھر موقع ملا۔
س عرصے میں تمہارے بہت سے خط میرے پاس آئے۔ ان میں سے بعض میں سال گرہ نمبر کی تعریف تھی۔ بعض میں مجھے
ید کی مبارک باد دی گئی تھی۔ ایک بچی حمیرا خاتون نے مجھے تکیے کا غلاف کاڑھ کر بھیجا۔ میں اس کی کیا تعریف کروں ایسی
ہی ایسی خوب صورت کڑھائی میں نے کم دیکھی ہے۔ اس بچی کی خالص محبت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے
۔ اس نے اپنی آپا جان کی خاطر اتنی محنت کی۔ میں اس تحفے کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گی اور سب بچوں کی محبت کا
بھی میں دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

مجھے اس بات سے بھی بے انتہا خوشی ہوئی کہ اس سال کا سال گرہ نمبر بچوں کو بہت پسند آیا۔ سال گرہ نمبر کی سب سے
بڑی کامیابی یہی ہے کہ بچے اسے پسند کریں۔ میں ایڈیٹر صاحب کو اور ان کے مضمون نگاروں کو اس کامیابی پر مبارکباد
دیتی ہوں۔ کیا اچھا ہو کہ اگلی عید کے موقع پر بجائے دوسری چیزوں کے بیامی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو سالگرہ
نمبر تحفے میں دیں۔

نومبر کے معمے کے کوئی دو سَو سے زیادہ حل آئے۔ ان بچیوں اور بچوں کے حل صحیح تھے۔

(۱) اشتاق احمد ڈوڈھی سیالکوٹ
(۲) احمد عبدالستار موتی پور
(۳) زیب الدین میرٹھ
(۴) مرزا مصطفٰے علی بیگ ورنگل (حیدرآباد دکن)
(۵) اسمٰعیل یوسف بمبئی
(۶) اسلام احمد میرٹھ
(۷) محمد نسیم کانپور
(۸) سید اعزاز علی الہ آباد
(۹) عبدالشکور خاں علی گڑھ
(۱۰) سید محمد کمال الدین سارن
(۱۱) محمد احمد سیوان
(۱۲) سید شاہد ظفر حسن بریلی
(۱۳) احمد سعید علی گڑھ
(۱۴) محمد حارث جعفری پٹنہ

(۱۵) اختری بیگم ضلع ٹھانہ

(۱۶) نسیم اللہ میلسی

ان بچوں کے حل میں ایک غلطی ہے۔

(۱) محمد حسیب بنارس
(۲) منظور الحسن آرہ (بہار)
(۳) محمد اسلم لکھنؤ
(۴) میر عثمان علی حیدر آباد (دکن)
(۵) میر عابد علی خاں سیف آباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۶) پورن لال لکھنؤ
(۷) میر صادق علی خاں۔ سیف آباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۸) محمد میاں دہلی
(۹) محمد سیف الاسلام خاں۔ حیدر آباد (دکن)
(۱۰) محمد رضی انصاری جونپور
(۱۱) کیقباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۱۲) تاج محمد بھوپال
(۱۳) فاطمہ لکھنؤ
(۱۴) سعیدہ خانم ادھمی ضلع بستی
(۱۵) محمد اقبال احمد خاں حیدر آباد (دکن)
(۱۶) ایس، ایم نصر اللہ خاں۔ کوئمبٹور
(۱۷) تصدیق امین خاں فیض آباد
(۱۸) سوامی دیال لکھنؤ
(۱۹) سید محب حسین حیدر آباد (دکن)
(۲۰) محمد ظفر المہدی دہلی
(۲۱) محمد احمد خاں گوالیار
(۲۲) منصور ملک گونڈا
(۲۳) ممتاز بیگم دختر محمد غوث صاحب
(۲۴) شیخ منیر حیدر آباد (دکن)
(۲۵) عبد الرب خاں جامعہ نگر دہلی
(۲۶) سعید احمد لاہور
(۲۷) شفقت علی خاں رنگون
(۲۸) سید اقبال احمد حیدر آباد (دکن)
(۲۹) عباس علی، یوسف علی راج نند گاؤں سی پی
(۳۰) سید مظہر حسین نئی دہلی
(۳۱) ظہور اسلام نینی تال
(۳۲) سید محمد ایوب منہاجی ضلع مال موم
(۳۳) محمود الرحمن
(۳۴) مرزا سعید الدین احمد بنارس
(۳۵) ایس، ٹی عبد الجبار مدراس
(۳۶) محمد الدین موحد بدایوں
(۳۷) عبد اللطیف رائے بریلی
(۳۸) مشہود احمد۔ بدایوں
(۳۹) دختر سید محمد حسن صاحب ٹونک راج
(۴۰) امیر اللہ خاں بھوپال
(۴۱) منظور حسین بدایوں
(۴۲) عزیز اختر گوالیار
(۴۳) منصب علی لکھنؤ
(۴۴) خواجہ معین الدین محبوب نگر

(۴۵) محمد مجیب الدین خاں بجنور
(۴۶) غلام یزدانی حیدرآباد (دکن)
(۴۷) محمد علی بدایوں
(۴۸) نصیر الحسن لکھنؤ
(۴۹) اقبال محمد شفیع علی گڑھ
(۵۰) حبیب احمد ״
(۵۱) محمد عبد الحیٔ خریدار نمبر ۱۰۹۵
(۵۲) بشیر یوسف گونڈا
(۵۳) اختری بیگم لکھیم پور
(۵۴) ״ ״ ضلع ٹھانہ
(۵۵) سید فصیح الملک راج نند گاؤں
(۵۶) جعفر اتی علی گورکھپور
(۵۷) محمد رئیس احمد قدوائی بارہ بنکی
(۵۸) رکن الدین امین الدین بیجاپور (دکن)
(۵۹) محمد یوسف بلند شہر
(۶۰) ابو محمد غوث محی الدین انصاری لکھنؤ
(۶۱) شیخ مختار مسعود علی گڑھ
(۶۲) ظہیر حسین خاں بریلی
(۶۳) مس زیڈ گل محمد کراچی
(۶۴) جمیل احمد جلیل احمد ۔ اجمیر
(۶۵) محمد حبیب احمد ۔ لکھنؤ
(۶۶) سید محمد عبد الودود مدھوپور
(۶۷) انیس ہاجرہ خاتون گورکھپور
(۶۸) عزیز ہاجرہ خاتون ״
(۶۹) جمال آرا بیگم کراچی

ان بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ انھیں کتابی صورت میں انعام بھیجنا ممکن نہیں ہے ۔ اس لئے وہ اس مہینے کے معمہ کا ایک حل بغیر ٹکٹ کے بھیج دیں ۔ ہاں اوپر کی ترتیب میں جو ان کا نمبر ہے اپنے نام اور پتے کے ساتھ وہ نمبر ضرور لکھیں ۔ اگر وہ ایک حل اور بھیجنا چاہیں تو ایک آنے اور دو بھیجنا چاہیں تو دو آنے کے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہیں ۔

ایک عزیز پیامی ام ۔ اے جاوید بھوپال نے معمہ کے سلسلے میں ایک تجویز پیش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ معمہ کے انعام کی رقم بجائے دس کے پچیس کر دی جائے اور معمہ کی فیس ار کی جگہ ۲ ر رکھی جائے ۔ تین معمہ بھیجنے والوں کے ساتھ ار کی رعایت کی جائے یعنی وہ ۵ ر میں تین حل بھیج سکتے ہیں ۔ یہ تجویز تو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں اپنے پیامیوں کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں ۔ پیامی جب اپنے حل بھیجیں تو اس تجویز کے بارے میں بھی اپنے رائے ضرور لکھیں ۔

کچھ عرصہ سے گنجائش کی کمی کے سبب سے برادری کی روداد یں نہیں چھپ رہی تھیں ۔ یہ میرے لئے اور سب پیامیوں کے لئے نہایت تکلیف دہ بات تھی ۔ اب میں نے ایڈیٹر صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ برادری کے صفحوں کا قلم باریک کر دیا جائے لیکن رودادوں کے لئے گنجائش ضرور نکال لی جائے ۔ ہاں اب برادریوں

کے سکریٹری اپنی رودادیں بہت مختصر بھیجا کریں۔ ورنہ میرے لئے بہت دقت ہوگی۔
میرے پاس پچھلی رودادیں بہت سی رکھی ہیں اب اتنے دنوں کے بعد ان کا چھاپنا بیکار ہوگا۔ ان

پیام برادری کے نئے ممبر

میں کئی دفعہ دہلی کے پیامیوں کو پیام برادری میں شامل ہونے کی دعوت دے چکا ہوں۔ دوبارہ پھر جرات کرتا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوکر شکریہ کا موقع دیں گے۔
نئے ممبر یہ ہیں۔

(۱) الیاس احمد	(۲) الطاف الرحمٰن	(۳) محمد جنید
(۴) یوسف اشفاق	(۵) عبدالبصیر	(۶) آغا عباس
(۷) اشفاق محمد	(۸) سید مصور حسن	(۹) عطاء الرحمٰن
(۱۰) محمد یحیٰی	(۱۱) انوار حسین	(۱۲) ملک محمد یوسف
(۱۳) محمد اعجاز مصطفٰے	(۱۴) ظفر الہدیٰ	(۱۵) شوکت ارشاد احمد
(۱۶) برہان الدین محمود	(۱۷) محمد عزیز	

حسن احمد قنوجی
ناظم پیام برادری دہلی

ہاں ایک بات اور ضروری عرض کرنی ہے۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں جامعہ میں سردیوں کی چھٹیاں ہوجائیں گی۔ یہ چھٹیاں ایک مہینے تک رہیں گی۔ اس لئے برادری کے انتخاب فروری کے پہلے ہفتہ میں ہوسکیں گے۔ مجھے اس تاخیر کا افسوس ہے لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ ہمیں ممبروں کی تعداد بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تمام پیامی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو پیام برادری کا ممبر بننے کی ترغیب دیں گے۔

حسن احمد

میں سے صرف ایک اہم روداد دہلی کی شائع کی جاتی ہے۔ عزیزی حسن احمد قنوجی ناظم پیام برادری اطلاع دیتے ہیں کہ ستمبر میں دہلی کی شاخ کا ایک ادبی جلسہ جناب محمد یوسف صاحب صدیقی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں

نئے اور پرانے شاعروں کے حالات اور ان کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی۔ تلاوت قرآن اور نظم پڑھنے کے بعد برہان الدین صاحب محمود نے جوشؔ ملیح آبادی پر، رحیم الدین صاحب نے اقبالؔ پر، شفاعت علی صاحب نے غالبؔ پر، یوسف اشفاق صاحب نے انیسؔ پر، عبدالبصیر صاحب نے فانیؔ پر، سید رؤف علی صاحب نے ذوقؔ پر، میر عالم صاحب نے حالیؔ پر، الطاف الرحمٰن صاحب نے اکبرؔ پر، سید صلاح الدین صاحب نے میرؔ پر، سعید احمد صاحب نے حفیظ جالندھری پر اور نور احمد صاحب نے اصغر گونڈوی پر مضمون پڑھے۔ اس کے بعد ناظم نے چند تجویزیں پیش کیں بعد میں سید عروج الحسن صاحب (سرپرست) اور حکیم محمد کامل صاحب (سرپرست) نے لڑائی کے بارے میں بہت سی باتیں سمجھائیں جلسہ بہت کامیاب رہا۔ حاضری بھی کافی تھی۔

اچھا اب رخصت

تمھاری آپا جان

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

"تعلیمی تاش" جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے، ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: اردو انگریزی ۱۲ر - اردو ۸ر - ہندی ۱۲ر
چھوٹا سائز: اردو ۶ر - انگریزی ۸ر

مکتبہ جامعہ دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi

فروری ۴۶

پیام تعلیم



چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی: ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳

آخری نبی: رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے، ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰

رسول پاک: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۰

چار یار: حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۰

عقائد اسلام: یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱

ارکان اسلام: اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲

یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

پیامِ تعلیم دہلی

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

جلد ۲۳ نمبر ۲

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی



یہ پرچہ جس وقت تمھیں ملے گا۔ عید کو گذرے
کئی دن ہو چکے ہوں گے۔ اب کے ہمارا خیال تھا
کہ پیام تعلیم وقت سے پہلے شائع کیا جائے تاکہ
خاص عید کے دن تمھارے ہاتھوں میں پہنچ جائے
اور اس میں عید ہی کے بارے میں اچھے اچھے
مضمون اور نظمیں وغیرہ ہوں۔ مگر ڈاک خانے
کے قواعد کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

پچھلے دسمبر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی
کل ہند سالانہ کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ نواب
مہدی یار جنگ بہادر اس کے صدر تھے۔ کانفرنس
ہر اعتبار سے بہت کامیاب رہی۔ جامعہ کی طرف
سے جامعہ نگر اوکھلا میں نواب صاحب بہادر کے
اعزاز میں چائے نوشی کی دعوت بھی کی گئی۔ مدرسہ
ابتدائی کے بچوں نے آپ کی خدمت میں ایڈریس بھی پیش کیا

لڑائی کی وجہ سے دوسری چیزوں کی طرح لکھائی
چھپائی کا سامان اور کاغذ وغیرہ کے دام بہت
ہیں اور دوسرے رسالوں اور اخباروں۔
قسم کا کاغذ لگانا شروع کر دیا ہے اور صفحے
کر دئے ہیں۔ پیام تعلیم باوجود ان دقتوں کے ا
سے چھپ رہا ہے لیکن ہماری دقتیں دن بد
جا رہی ہیں۔ ان دقتوں کو دور کرنا ہمارے
اور اُن کے والدین کے ہاتھ میں ہے۔ اگر
پیامی ایک ایک دو دو خریدار اپنے رسالے
بنا دیں تو ہماری مشکلیں بہت کچھ حل ہو سکتی
پیامی اگلے مہینے سب سے زیادہ خریدار
اسے ہم اچھا سا انعام بھی دیں گے۔

اس مہینے سے چمن لال صاحب کے
سلسلہ پھر شروع ہو رہا ہے چمن لال صاحب
کیا ہے کہ اب ختم ہونے تک یہ سلسلہ ٹوٹنے
لالہ رُخ والی کہانی محترمہ شمسی عبادالرحمٰن
عنایت سے مرحمت فرمائی ہے۔ امید ہے کہ بچے

چڑیا اور بلّی

ایک تھی بلّی موٹی موٹی   آن کے بیٹھی نہر کنارے
تاک میں تھی اگر کوئی مچھلی   اوپر آئے تو وہ کھائے

چڑیا تھی اک چھوٹی چھوٹی   گانے والی پیاری پیاری
پاس ہی اونچا پیڑ لگا تھا   اس پر بیٹھی آن کے چڑیا

بولی بلّی اے بی چڑیا   ننھی منّی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو   آئی ہو تو کچھ دم لے لو"







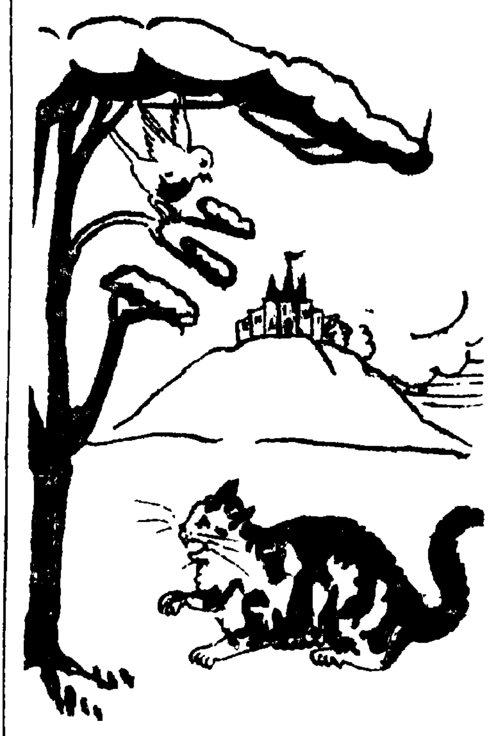
بولی چڑیا "اے بی بلّی راجا کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری اس کو گیت سناتی ہوں میں"

بولی بلّی "واں مت جاؤ تم کو لے لوں گود میں آؤ
پنجے میرے خوب ملائم جیسے روئی جیسے ریشم"

بولی چڑیا بجھنو خالا تم ہو آفت کی پرکالا
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا چوہوں سے یہ باتیں کرنا"

اُڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئی بلّی منہ پھیلا کر









ایک نئی امریکن ایجاد
بچے کو چلنے کی مشق سکھانے
کے لئے یہ گہوارا اس طرح
بنایا گیا ہے کہ بچہ گرنا نہیں

مرسلہ چمن لال سرپلست



مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے چند بچے



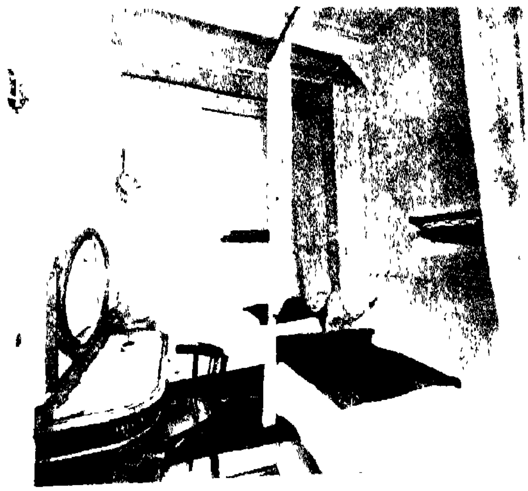
جامعہ نگر اوکھلا کے چند بچے قطب صاحب
میں لوہے کی لاٹ کے پاس



جہاز لوٹنے والے



جہاز میں کھانے کا کمرہ



رہنے کا کمرہ

صلی اللہ علیہ وسلم

برکت علی صاحب فراقؔ

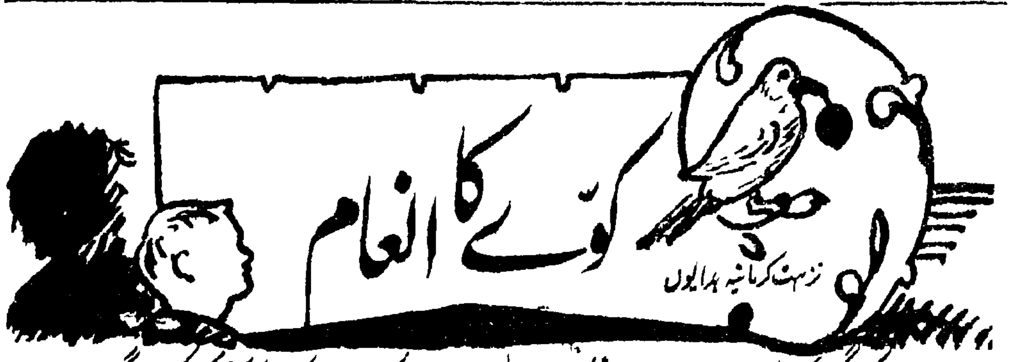
پچھلے دنوں تعلیمی مرکز جامعہ کے بچوں نے یوم قرآن بہت اہتمام سے منایا تھا۔ عبدالواحد صاحب اور دوسرے اساتذہ کی نگرانی میں سب کام بچوں نے خود ہی کیا تھا۔ اس جلسے میں مضامین کے علاوہ اچھی اچھی نظمیں بھی پڑھی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نظم ہم نیچے شائع کر رہے ہیں۔ "ایڈیٹر"

چھایا تھا دنیا پہ اندھیرا　　یکساں تھا سب شام سویرا
انساں کا تھا دشمن انساں　　انساں کیا تھے سب تھے حیواں
چوری ڈاکا جھگڑا دنگا　　یہ ہی تھا دن رات کا دھندا
اللہ کو سب بھول چکے تھے　　غیر کی پوجا کرنے لگے تھے

کنکر پتھر سورج تارے
ایک سے ایک خدا تھے نیارے

آیا تب وہ ہادیِ عالم　　صلی اللہ علیہ وسلم
اس نے سیدھی راہ دکھائی　　سب ہی نے کی اس کی بڑائی
اس کے پاس فرشتہ آیا　　اور پیغام خدا کا لایا
اس کو سن کر دنیا جاگی　　دنیا جاگی لعنت بھاگی
اس پیغام کا نام ہے قرآں　　اس قرآں پر ہم سب قرباں

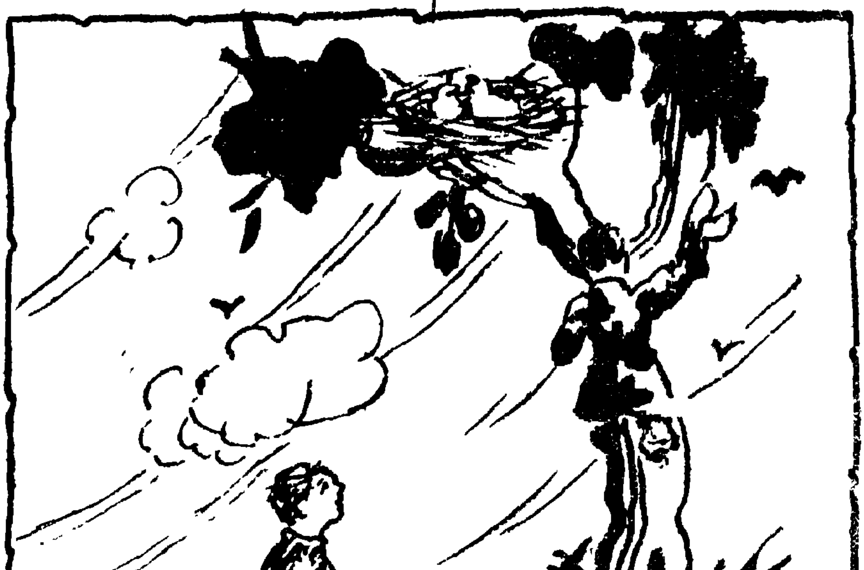
اس کی باتیں سب سے نیاری
میٹھی میٹھی پیاری پیاری



کوّے کا انعام

نزہت کرمانیہ بدایوں

حمید کے گھر کے پاس میدان میں انجیر کا پیڑ تھا۔ گرمیوں میں ایک کوے نے اس پر گھونسلا بنایا اور انڈے دیئے۔ ایک دن حمید پیڑ پر چڑھا اس



نے دیکھا کہ کوے کے بچے نکل آئے ہیں۔ بہت خوش ہوا اور نیچے اُتر کر اپنے دوست ناصر سے کہا

حمید :۔ بڑے اچھے بچے ہیں۔

ناصر :۔ کوے کے بچے تم کیا کروگے

حمید :۔ میں اُن کو نکال لاؤں گا اور پنجرے میں بند کر کے پالوں گا۔

ناصر :۔ کوا تم کو مارے گا۔

حمید :۔ میں اُسے ڈھیلوں سے ماروں گا۔

ناصر :۔ حمید یہ بہت بری بات ہے

حمید نے ناصر کا کہا نہیں مانا۔ شام کو کوے اپنے بچوں کے چوگا لینے گئے۔ گھونسلے میں بس بچے ہی تھے۔ حمید پیڑ پر چڑھا اور اس کے اندر سے ایک بچہ نکالنے لگا۔ اتنے میں کوا بھی آگیا۔ حمید کے ہاتھ میں بچہ دیکھ کر وہ غصے سے چلایا۔ حمید ڈر گیا۔ ناصر پیڑ کے نیچے کھڑا تھا۔ حمید نے بچے کو جلدی سے ناصر کی گود میں چھوڑ دیا اور پیڑ پر سے اُتر آیا۔ کوا پھر چلایا۔ دوسرا کوا نیم کے پیڑ پر تھا۔ وہ اُڑ کر آیا اور حمید کے سر پر ایک چونچ ماری۔ حمید اور ناصر بچے کو لئے پاس کے دروازے سے گھر میں چلے آئے اور چھپر کے نیچے گئے۔ وہاں بچے کو پنجرے میں بند کر دیا کوا اُڑ کر آیا اور آنگن کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ حمید دالان میں اُمّی کے پاس جانے لگا۔ جوں ہی آنگن میں آیا کوے نے جلدی سے اُڑ کر اس کے سر پر ایک اور ٹھونگ ماری۔ حمید بھاگ کر دالان میں چلا گیا۔ ناصر بھی نکلا۔ ایک اور ٹھونگ .... ناصر بھی بھاگ کر دالان میں چلا گیا۔

ناصر :۔ حمید! دیکھو بچے کے اماں اور ابا ہم کو مار رہے ہیں

حمید :۔ میں ان کو ڈھیلوں سے مار کر بھگا دوں گا۔

ناصر :۔ تب بھی وہ ہمیں ماریں گے۔

حمید :۔ میں ابّا کی بندوق سے انھیں مار ڈالوں گا۔

ابّا کے دفتر سے واپس آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ اُمّی حمید کے کرتے میں بٹن ٹانک رہی تھیں سر اٹھا کر بولیں "حمید تم کیا کر رہے ہو۔ آج اپنے ابّا کی راہ دیکھنے سڑک تک نہیں گئے"

حمید :۔ ارے میں بھول گیا تھا۔ اب جاتا ہوں۔

وہ اور ناصر دوڑ کر سڑک کی طرف گئے۔ اور کنوئیں کے پاس کھڑے ابّا کی راہ دیکھنے لگے سامنے نیم کا درخت تھا۔ دوسرا کوّا اب بھی وہاں بیٹھا تھا وہ ان دونوں کو دیکھ کر غصے سے چلاتا نیچے کی طرف اُڑ کر آیا اور حمید کے سر پر ایک ٹھونگ مار کر اُڑ گیا حمید نے جھک کر زمین پر سے ڈھیلا اٹھایا مگر کوّا جا چکا تھا۔

ابّا نے سامنے سڑک پر آتے ہوئے مہندی کے اس پار سے کوے کو حمید کے سر پر چونچ مارتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ پاس آئے اور حمید سے پوچھا " حمید! کیا تم نے کوے کا بچہ گھونسلے میں سے اتار لیا ہے ؟"

حمید نے کچھ جواب نہ دیا اور منہ لسورنے لگا۔

ناصر :۔ جی ہاں۔ ابھی انھوں نے کوے کے گھونسلے سے ایک بچہ نکالا ہے

ابّا :۔ تم بُرے لڑکے ہو۔ تم نے بچے کو اس کے

اماں اور ابا سے چھین لیا اب وہ تمھارے
سر پر ٹھونگیں مار رہے ہیں۔ اگر میرا بچہ کوئی
مجھ سے چھین لے تو میں بھی اُسے ماروں گا۔
حمید اور ناصر نے اب کوؤں کے ڈر سے
دونوں ہاتھوں سے اپنے سر چھپا لئے۔ ابا
میں رکھ آؤ۔
ابا گھر میں جانے لگے۔ حمید اور ناصر بھی اُن کے
پیچھے چلے۔ راستے میں کوے کا خیال نہ رہا اور
اپنے سروں پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔ کوا کہیں دور
بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے پھر اُڑ کر آیا اور اب کی



پھر بولے "حمید میں تم سے ناراض ہوں۔ تم نے بچہ
چرا کر اس کے اماں اور ابّا کو بڑا دکھ دیا۔ اب وہ غصے
میں تمھیں مار رہے ہیں تو ٹھیک کر رہے ہیں۔
حمید:۔ میں اُنھیں بندوق سے مار ڈالوں گا۔
ابّا:۔ ناصر نہیں! اب تم اچھے لڑکے بنو اور بچہ گھونسلے
دفعہ حمید کے سر پر اس زور سے ٹھونگ ماری کہ
خون نکل آیا وہ چیخنے اور رونے لگا۔ ابّا اسے گھر
میں لے چلے گئے۔ حمید دوڑ کر اُمّی کے پاس گیا
اُمّی نے اُسے لپٹا لیا۔ حمید نے روتے ہوئے کہا
اُمّی کوے نے میرے بڑے زور سے چونچ ماری

یہ دیکھو خون نکل آیا۔"

امّی نے جلدی سے اس کا سر پانی سے دھویا۔ دوا لگائی اور پوچھا "کیا تم نے اس کا بچہ چرایا ہے؟"

حمید :- ہوں! میں نے اس کا ایک بچہ نکال لیا

امّی :- اچھا! تم نے اس کا بچہ چرالیا ہے۔ تبھی تو وہ تمھیں مار رہا ہے۔ اگر وہ تمھیں میرے پاس سے کوئی چرا لے جائے تو میں اُسے ضرور ماروں اور اتنا ماروں کہ اس کے خون نکل آئے۔ اور وہ مجھے میرا بچہ واپس کردے

ابّا :- حمید! تم اب اچھے لڑکے بنو اور بچّے کو رکھ آؤ۔

حمید :- لیکن کوّے مجھے ماریں گے۔

ابّا :- نہیں میں انھیں بھگا دوں گا۔ تم ٹوپی اوڑھ لو۔

ناصر :- میں بھی ٹوپی اوڑھے لیتا ہوں۔

حمید اور ناصر نے اپنی اپنی ٹوپیاں اوڑھ لیں اور چھپّر کے اندر گئے۔ پنجرا کھولا اور بچہ نکال لائے دونوں کوّے آنگن کے اوپر اُڑ رہے تھے۔ وہ بچّے کو حمید کے ہاتھ سے چھیننا چاہتے تھے اور غصّے سے کائیں کائیں بھی کر رہے تھے۔ حمید ڈر کر چھپر کے نیچے جانے لگا۔ ابّا نے ایک لکڑی اُٹھائی۔ کوؤں کو بھگایا اور حمید سے کہا "میرے ساتھ چلو۔ بچّے کو گھونسلے میں رکھ آؤ۔ میں کوؤں کو بھگا دوں گا۔"

حمید اور ناصر ابّا کے پیچھے گھر سے نکل میدان میں انجیر کے پیڑ کے پاس گئے۔ کوؤں نے اُن کو آتے دیکھا تو خیال کیا کہ دوسرا بچہ بھی لینے آئے ہیں۔ وہ گھونسلے کے چاروں طرف منڈلانے لگے گویا کہہ رہے ہوں کہ ہمارا ایک بچّہ تو خیر لے گئے۔ مگر دوسرا بچہ تم نہیں لے جاسکتے۔ ابّا نے پھر کوؤں کو لکڑی سے بھگا دیا اور لکڑی اونچی کئے کھڑے رہے۔ حمید پیڑ پر چڑھا اور بچّے کو گھونسلے میں رکھ دیا۔ وہ ڈر رہا تھا اور بار بار سر اُٹھا کر دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں دونوں کوّے آکر اسے چمٹ نہ جائیں مگر ابا کی لکڑی کے ڈر سے کوے اوپر ہی اوپر اُڑتے اور کائیں کائیں کرتے رہے۔ حمید پیڑ پر سے اتر آیا اب کوّے آئے۔ ابّا نے بھی انھیں بھگایا۔ گھونسلے میں پہنچ کر اور بچّے کو دیکھ کر وہ خوشی سے چلّانے لگے۔

ابّا :- حمید! دیکھو اپنے بچّے کو دیکھ کر وہ کیسے خوش ہو رہے ہیں

حمید :- اب تو میرے سر پر وہ چونچیں نہیں ماریں گے۔

ابّا :- نہیں! اب وہ تمھارے سر پر چونچ نہیں ماریں گے۔ ٹوپی اتار کر دیکھ لو۔

حمید اور ناصر نے ڈر سے ٹوپی نہیں اُتاری

دوسرے دن سویرے حمید ابا کے ساتھ سیر کو نکلا

وہ ٹوپی اوڑھنا بھول گیا اور ننگے سر ہی چل کھڑا ہوا۔ پھاٹک کے پاس پہنچ کر اس نے اوپر دیکھا تو دونوں کوے نیم کے درخت پر بیٹھے تھے۔ حمید کو ٹوپی یاد آئی۔ وہ لوٹ کر جانے لگا۔ ابا نے روک لیا اور کہا "کوے اب تمھیں نہیں ماریں گے۔"

حمید اور اس کے ابا ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دریا میں ہلکی ہلکی لہریں اٹھ رہی تھیں حمید کو یہ سہانا منظر بہت بھلا معلوم ہوا۔ حمید اور ابا آگے بڑھ کر دریا میں اپنے



کوے نے حمید کو دیکھ کر اپنی مادہ سے کہا "اس لڑکے نے ہمارا بچہ گھونسلے میں رکھ دیا۔ اب ہم اس کو نہیں ماریں گے۔"

مادہ بولی "اب تو وہ اچھا لڑکا بن گیا ہے ہم کو اُسے کچھ انعام دینا چاہیے۔" کوا جلدی سے امرود کے باغ کی طرف اُڑ گیا۔

پاؤں ڈال بیٹھ گئے۔ حمید بیٹھا ہی تھا کہ کوئی بھاری سی چیز اس کی گود میں آکر گری۔ وہ ڈر کر اُچھلا اور ایک تازہ امرود اس کی گود سے ابا کی طرف لڑھک گیا۔ وہ حمید کے ڈرنے پر ہنسے اور جلدی سے امرود اُٹھا لیا "حمید دیکھو کیسا تازہ امرود ہے۔"

حمید حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا سامنے درخت پر نظر جو پڑی کوا بیٹھا ہوا آگے چونچ بڑھا بڑھا کر اپنی بولی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ گویا کہتا ہو "اچھے لڑکے! تم نے میرا بچہ واپس کر دیا اس کے انعام میں یہ تازہ امرود تمھارے واسطے باغ سے توڑ کر



لایا ہوں"

حمید انداز سے سمجھ گیا۔ بہت خوش ہوا اور کہا "ابا! یہ امرود مجھے کوے نے لا کر دیا ہے"

ابا:۔ بیٹے! یہ اچھے کام کا انعام ہے۔

حمید:۔ اب میں ہمیشہ اچھے کام کیا کروں گا

ابا:۔ تم ہمیشہ اُن کا انعام پاؤ گے۔

حمید امرود ابا کے ہاتھ سے لے کر کھانے لگا۔ بہت میٹھا اور مزے دار تھا۔

ایک پیام

پیام برادری کے نام

فضل الدین صاحب آثر

آؤ پیامی بھائی، بہنو! ہم بھی اب میدان میں آئیں
دنیا ہم کو دیکھ رہی ہے ہم بھی اب کچھ کرکے دکھائیں
اپنے عزم و ہمت سے ہم ایک نیا دستور بنائیں
باطل کی دیواریں ڈھاکر اپنا کعبہ اور بنائیں
اپنے خدا کے سامنے رکھیں نیک ارادے، پاک دعائیں
جس کا حاصل وہم پرستی ایسے مذہب کو ٹھکرائیں
جس کا نتیجہ کبر و خصومت اس دولت میں آگ لگائیں
جس کو آندھی بھی نہ بجھائے علم کی وہ قندیل جلائیں
خلقِ خدا کی خدمت کرکے بیگانوں کو بھی اپنائیں
بادل بن کر سایہ کریں بجلی بن کر راہ دکھائیں
پھول کی خوشبو بن کر پھیلیں جگنو بن کر موج اڑائیں
جنگل میں بھی منگل کردیں ایسے ایسے نغمے گائیں
غم کی پھانسیں دل سے چن لیں وحشت کے سامان مٹائیں
دنیا سے سب فرق مٹاکر دنیا کو فردوس بنائیں

آؤ پیامی بھائی بہنو!
ہم بھی اب میدان میں آئیں

پتیوں کا البم

احمد حسن صاحب لکھنوی

میں نے چند دوستوں سے سنا تھا کہ صباح الدین صاحب کو پتیاں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ مجھے بھی اس شغل سے دلچسپی ہے۔ میں نے اپنی سائکل لی اور اُن کے گھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا تعارف آپ کرالیا۔ صباح الدین صاحب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ چند منٹ بات چیت کرنے کے بعد میں نے کہا "اب ذرا مہربانی فرماکر اپنی پتیوں کا البم تو دکھائیے"۔ "کیا کیجیے گا دیکھ کر۔ معمولی پتیاں ہیں اپنے دیس کی"۔ انھوں نے جواب دیا۔

"ہمارے دیس میں تو سینکڑوں طرح کی پتیاں ہیں۔ اچھا اب آپ خواہ مخواہ انکار نہ کیجیے۔ البم اٹھالائیے" میرا اصرار زیادہ بڑھا تو وہ گھر میں سے اپنا البم لے آئے۔ کافی موٹا البم تھا۔ اس کی جلد ایک طرف سے نیلی اور دوسری طرف سے لال تھی۔ اس پر موٹے قلم سے "پتیاں" لکھا ہوا تھا۔ میں نے البم کی جلد دیکھ کر کہا "ایسی عمدہ جلد کہاں سے بنوائی؟" "اجی پیام تعلیم میں چھپی تو تھی ترکیب پھر دوکان پر بنوانے کی کیا ضرورت" صباح الدین صاحب نے جواب دیا۔

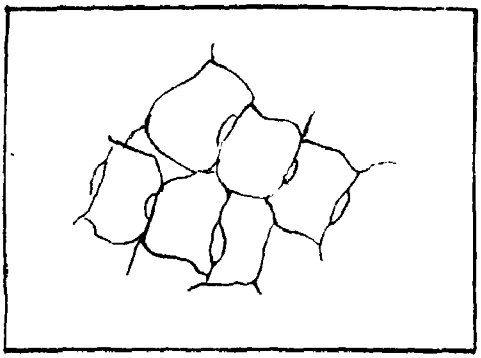
میں نے البم کا سرورق اُلٹا۔ پہلا اور دوسرا دونوں ورق سادہ تھے۔ تیسرے ورق پر لکھا تھا "صباح الدین کی جمع کی ہوئی پتیاں" اگلے صفحے پر "پتیاں اور اُن کے کام" لکھا تھا۔ اس کے بعد پتیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جاذب پر لگی ہوئی تھیں اور اُن کے مقابل صفحے پر اُن کا مفصل حال لکھا تھا۔ پتیاں تھیں تو سب معمولی مگر بہت اچھی حالت میں۔ کئی پتیوں کو مختلف حالتوں میں دکھایا تھا۔ میں نے اُن سے کہا "بھئی مجھے تو آپ کا البم بہت ہی پسند آیا۔ اگر آپ مجھے ایک دن کے لئے دے دیں تو میں اسے ذرا اطمینان سے دیکھوں"۔ انھوں نے نہایت خوشی سے میری یہ درخواست منظور کرلی۔ صباح الدین صاحب نے مضمون کو اس طرح شروع کیا تھا۔

آج پہلی جنوری سنہ ء سے میں نے پتیاں جمع کرنا شروع کیں۔ ماسٹر صاحب نے پتیوں کی تعریف یہ

بتائی کہ پتی درخت کا وہ حصہ ہے جو چپٹا اور پتلا ہو درخت میں پتیاں زیادہ تر ہرے رنگ کی ہوتی ہیں۔ یہ درخت کے واسطے بہت ضروری ہیں، اور اسے غذا پہنچاتی ہیں۔ ہمیں یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ پتیاں ہر درخت میں الگ الگ وضع کی ہوتی ہیں۔ کسی میں گول کسی میں لمبی کسی میں کنگورے دار۔ بعض درختوں کی پتیاں لمبی اور پتلی ہوتی ہیں۔ جو پتیاں ہم نے دیکھیں ان میں سے اکثر میں جال دار نسیں تھیں۔ اسکول کے پاس ہی مکئی اور جوار کا کھیت تھا۔ ہم نے مکئی کی پتیوں کو توڑ کر دیکھا اُن کی نسیں جال دار نہیں تھیں۔ متوازی تھیں۔ خود پتی نوک دار تھی۔ بالکل اسی طرح کی پتیاں جوار کی تھیں۔ دوسرے دن میں نے اس کے بارے میں شہنشاہ بھائی سے پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ جن درختوں کے بیجوں میں ایک دال ہوتی ہے۔ اُن کے پتے متوازی نسوں کے ہوتے ہیں اور جن میں دو دالیں ہوتی ہیں ان کے پتوں میں جال دار نسیں ہوتی ہیں۔

دوسرے دن مکئی کے کھیت میں جاکر اس کا مشاہدہ کیا۔ املی کی پتیاں بھی دیکھیں۔ بھائی صاحب کی بات ٹھیک نکلی۔

ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ پتیاں درخت کے واسطے بہت ضروری ہیں، اور ان کی غذا کا کچھ حصہ بھی یہی پتیاں مہیا کرتی ہیں۔ آج مدرسے میں پتیوں کے بارے میں کچھ اور باتیں پوچھیں تو ماسٹر صاحب نے کہا ایک پتی لا دو تو پھر میں تمھیں بتاؤں۔" ہم اسی وقت جاکر بیلے کی ایک ٹہنی توڑ لائے۔ پھر ماسٹر صاحب نے بیلے کے پھول سونگھتے ہوئے مجھے حکم دیا" اب ایک چھوٹا سا پودا جڑ سمیت لے آؤ۔" میں مکئی کا ایک چھوٹا سا پودا جڑ سمیت اکھاڑ لایا اتنی دیر میں ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ پر اس طرح کی شکل بنالی تھی۔



ہم نے اس شکل کو دیکھ کر ماسٹر صاحب سے پوچھا "ماسٹر صاحب یہ شکل کس چیز کی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کا چھتا۔"

ماسٹر صاحب نے کہا" یہ تصویر پتیوں کے مسامات کی ہے۔" ہمیں تو پتیوں میں دکھائی نہیں دیتے۔" میں نے حیرت سے پوچھا "یہ اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں؟" ماسٹر صاحب نے کہا" نہیں میاں یہ ۲۰۰ گنا بڑا کرکے دکھائے گئے ہیں۔ یہ تمھارے جسم کے مسامات کے مشابہ ہیں۔ یہ سانس لینے اور درخت

کا زائد پانی خارج کرنے کے کام آتے ہیں۔" اب ماسٹر صاحب نے ہمیں اس پودے کی جڑ دکھائی۔ پتلی پتلی جڑوں میں بہت باریک باریک بال نظر آ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ ان بالوں پر ایک مہین گھنڈی ہوتی ہے۔ یہ خوردبین سے نظر آ سکتی ہے۔ یہ گھنڈیاں پانی میں گھلی ہوئی کھاد کو چوس لیتی ہیں اور یہ درختوں کی نسوں میں ہوتا ہوا پتیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پتیوں میں درخت کا کھانا بنتا ہے۔ یہ کہہ کر ماسٹر صاحب نے ایک پتی توڑ کر مجھے دی۔ میں نے ماسٹر صاحب کے کہنے پر پتی کے دو ٹکڑے کئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا" اب دیکھو اس کی سطح کے کے حصے ہیں"۔ میں نے غور سے دیکھا اس کے تین حصے تھے۔ بیچ میں گودا اس کا رنگ گہرا ہرا تھا۔ نیچے اوپر دونوں طرف ایک شفّاف جھلی تھی۔ پتی اوپر سے چکنی اور نیچے سے کھردری تھی۔ نیچے رنگ ہلکا ہرا اور اوپر گہرا ہرا تھا۔ یہ سب باتیں میں نے ماسٹر صاحب کو بتائیں۔ ماسٹر صاحب بولے" دونوں طرف رنگوں کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اندر کی سبزی بھی دو تہہ والی ہوتی ہے۔ اوپری تہہ کا رنگ گہرا ہرا ہوتا ہے اور نیچے اس کا رنگ ہلکا ہرا۔ اور چونکہ جھلی شفاف ہے اس لئے یہ رنگ اوپر سے نظر آتا ہے۔ اندر کی سفیدی کو انگریزی میں (CHOLOROPHIL) کہتے ہیں کلوروفل میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ہرے خلیے یا خانے (CEELS) ہوتے ہیں۔ پھر ماسٹر صاحب نے کھریا اٹھائی اور تختۂ سیاہ کی طرف چلے اور کہا کہ اب ایک نہایت ضروری بات سمجھ لو۔ انھوں نے بلیک بورڈ پر لکھا:۔

پانی

آکسیجن (۱ حصہ) — ہائڈروجن (۲ حصہ)

کاربن ڈائی آکسائڈ

کاربن (۱ حصہ) — آکسیجن (۲ حصہ)

پھر ماسٹر صاحب نے کہا کہ پانی ایک مرکب ہے جس میں دو گیسیں ہوتی ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ بھی ایک مرکب گیس ہے جو کاربن اور آکسیجن سے مل کر بنتی ہے۔ یہ گیس ہوا میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ آکسیجن ہوا کا ایک حصہ ہے۔ یہ چیزوں کے جلنے میں مدد دیتی ہے۔ کسی چیز کے جلنے کے بعد جو کالی چیز بچ رہتی ہے وہ کاربن ہوتی ہے۔ اگر اس کالی چیز (کاربن) کو جلایا جائے تو ایک گیس بنتی ہے اس کو کاربن ڈائی آکسائڈ کہتے ہیں۔ جب ہم سانس لیتے ہیں تو سانس لینے میں آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ اور کاربن ڈائی آکسائڈ باہر نکالتے ہیں۔ اس گیس کی یہ

پہچان ہے کہ اگر اس کو صاف چونے کے پانی میں ملایا جائے تو وہ دودھیا رنگ کا ہو جاتا ہے۔ تجربے کے لئے ایک گلاس میں چونے کا پانی لو اور ایک شیشے کی نلی کو پانی میں ڈال کر پھونکو۔ تھوڑی دیر پھونکنے کے بعد تم دیکھوگے کہ یہ دودھیا ہو جائے گا۔ کاربن ڈائی آکسائڈ جلنے میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ لو میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ مگر یہ سب تمھارے کام کی باتیں ہیں ہاں تو مجھے کیا بتانا تھا؟"

"پتیوں کے اندر کھانا کس طرح تیار ہوتا ہے" میں نے جواب دیا۔ ماسٹر صاحب نے پھر شروع کیا" پتیاں دن کے وقت کافی مقدار میں کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کر لیتی ہیں۔ یہ گیس کلوروفل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پانی پہلے سے موجود رہتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائڈ اس پانی میں مل جاتا ہے اور سورج کی گرمی کی وجہ سے اس محلول (حل کیا ہوا) میں ایک زبردست کیمیائی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور ایک نئی چیز نشاستہ بن جاتی ہے۔ انگریزی میں اس کو (STARCH) کہتے ہیں۔ یہی نشاستہ درخت کی خوراک ہے۔ اب اس کے حصے بھی لکھ لو نشاستہ بھی مرکب ہے۔" ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ پر لکھا۔

نشاستہ

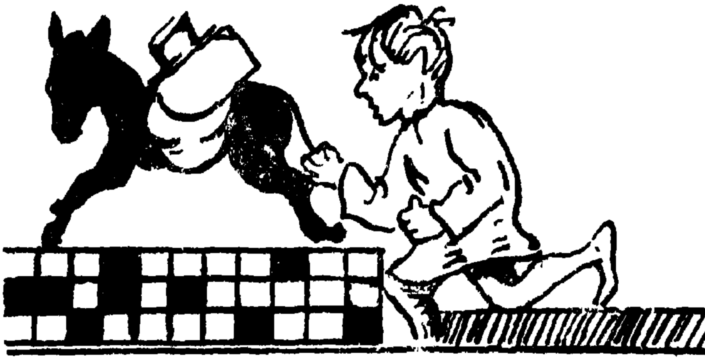
آکسیجن	کاربن	ہائڈروجن
(۵ حصہ)	(۶ حصہ)	(۱۰ حصہ)

یہ سب لکھنے کے بعد ماسٹر صاحب بولے" اب میں تمھیں ایک بہت عمدہ بات بتاؤں گا۔ تم نے سنا ہوگا کہ رات کے وقت درخت کے نیچے نہ بیٹھنا چاہئے۔"

"جی ہاں" میں نے جواب دیا۔" جانتے ہو لوگ کیوں منع کرتے ہیں؟" ماسٹر صاحب نے دریافت کیا۔ "مجھے تو معلوم نہیں" میں نے جواب دیا۔" اچھا سنو" ماسٹر صاحب نے کہا۔" تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ پتیاں بھی آدمی کی طرح زندہ رہنے کے لئے سانس لیتی ہیں اور ہوا میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتی ہیں اور آکسیجن خارج کرتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ دن کے وقت سورج کی گرمی اور روشنی میں بہت سی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس جذب کر لیتی ہیں۔ نشاستہ بننے کا کام صرف دن کے وقت ہوتا ہے۔ رات کے وقت نہیں ہوتا کیونکہ رات کو سورج کی روشنی کہاں؟"

ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" پتیوں کو ۶ حصہ کاربن حاصل کرنے کے لئے ۶ حصہ کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرنا پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ۱۲ حصہ آکسیجن بھی پہنچ جاتی ہے۔ اب پانی میں سے ۱۰ حصہ ہائڈروجن مل جاتی ہے اور ۵ حصہ آکسیجن بھی۔ نشاستہ کے واسطے صرف ۱۰ حصہ ہائڈروجن، ۶ حصہ کاربن، ۵ حصہ آکسیجن چاہئے لہذا ۱۲ حصہ آکسیجن بےکار بچ رہی۔ اس آکسیجن کو پتیاں خارج کر دیتی ہیں۔ پس دن

میں زیادہ حصہ آکسیجن اور بہت کم کاربن ڈائی آکسائڈ خارج ہوتا ہے۔ رات کو آکسیجن خارج ہونا بند ہو جاتا ہے۔ دن کے وقت یہ آکسیجن ہمارے سانس لینے کے کام آتی ہے۔" ماسٹر صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر کہنا شروع کیا:" اب شاید تم یہ سوال کر بیٹھو کہ جب پتیاں گر پڑتی ہیں تو درخت اپنی خوراک کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب پتیاں گرنے کا وقت آتا ہے تو درخت بہت سی خوراک پہلے سے جمع کر لیتا ہے اور وہ اندوختہ اس وقت اس کے کام آتا ہے۔ پتیوں کے درخت سے گرنے کی وجہیں کئی ہیں۔ ان میں سے ایک تمھیں بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ پتیاں جب کام کرتے کرتے تھک جاتی ہیں اور بوڑھی ہو کر بے کار ہو جاتی ہیں تو درخت انھیں گرا دیتا ہے اور اُن کے بدلے نئی پتیاں نکل آتی ہیں، جو پرانی پتیوں سے اچھا کام کرتی ہیں۔"



بہادری

(مدرسے کا گھنٹہ بج چکا ہے جغرافیے کے ماسٹر صاحب ابھی نہیں آئے ہیں۔ درجے میں شور ہو رہا ہے۔ دو چار شریر لڑکے رفیق کے چاروں طرف کھڑے اسے دِق کر رہے ہیں۔ اتنے میں ماسٹر صاحب کے پاؤں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ سب لڑکے جلدی جلدی اپنی جگہ آ بیٹھتے ہیں۔ اور درجے میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ ماسٹر صاحب آ جاتے ہیں، اور سب لڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب:۔ میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ جب تک میں نہ آ جاؤں، چپکے بیٹھے اپنا کام کیا کرو، مگر تمھاری سمجھ میں نہیں آتا۔ آج ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے تک تمھاری آوازیں جا رہی تھیں۔ دوسروں کا بھی ہرج ہو رہا تھا۔ بہت افسوس کی بات ہے۔ (رفیق کی طرف دیکھ کر) کیوں تم غمگین سے کیوں بیٹھے ہو۔ کسی نے پریشان تو نہیں کیا۔ (رفیق کچھ کہنے کے لئے سر اُٹھاتا ہے کہ نصیر جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

نصیر:۔ ماسٹر صاحب، ان رفیق صاحب کی وجہ سے سارے درجے کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

ماسٹر صاحب:۔ وہ کیسے؟

ارشاد:۔ جناب یہ عجیب بزدل لڑکا ہے۔

موہن:۔ کل ایک لڑکے نے اوندھے منہ گرا دیا۔

کرم چند:۔ آج ایک لڑکے نے چپت لگا دی۔

احمد:۔ ایک نے تھپڑ کھینچ مارا۔

نصیر:۔ اور یہ فلسفی صاحب (فلسفی کا لفظ سن کر سب لڑکے مسکرانے لگتے ہیں) ٹس سے مس نہ ہوئے۔

رفیق:۔ ماسٹر صاحب میں ان شریر لڑکوں سے الجھنا ان سے بدلا لینا اور ان سے دھینگا مشتی کرنا، کوئی بہادری نہیں سمجھتا......

(ماسٹر صاحب جیسے اس بات کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے ہیں پھر رفیق کی بات کاٹ کر کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب:۔ کل میں نے ایورسٹ پر مضمون

لکھنے کو دیا تھا، لکھ لائے؟

سب لڑکے :۔ جی ہاں ماسٹر صاحب۔

ماسٹر صاحب :۔ دیکھو آج اخبار میں خبر تھی کہ جرمنی کے چند بہادر ننگا پربت پر چڑھ گئے۔ یہ چوٹی اتنی اونچی تو نہیں ہے مگر اس کا راستہ بہت مشکل ہے۔

(ماسٹر صاحب کو کوئی بات یاد آجاتی ہے اور ایکا ایکی دبجے سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ سب لڑکے خاموش رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں لوٹ آتے ہیں۔ ہاتھ میں اردو اخبار ہے اُسے پڑھنے لگتے ہیں)

ماسٹر صاحب :۔ دیکھو ہمارے ملک کے پہاڑوں پر چڑھنے کی بہت سے لوگوں نے کوشش کی ہے۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی ہمارے ملک کا نہیں ہے۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے۔

(ایک آدمی دروازے پر آکر کھڑا ہوجاتا ہے)

ماسٹر صاحب : اندر آجاؤ۔

(آدمی ایک خط دیتا ہے۔ ماسٹر صاحب اسے دیکھ کر پریشان سے ہوجاتے ہیں۔ لڑکوں سے کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب :۔ بھئی سول ہسپتال سے یہ خط آیا ہے۔ کل اسلامیہ ہائی اسکول کا ایک لڑکا ہاکی کھیلنے میں سخت زخمی ہوگیا اور زخم سے بہت سا خون نکل گیا۔ اس کی وجہ سے اس کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں اگر تولہ بھر تازہ خون اُس کے بدن میں داخل کردیا جائے تو بچ جائے گا۔ ہے تم میں سے کسی میں ہمت؟

(سب لڑکے دم بخود رہ جاتے ہیں جیسے خون خشک ہوگیا۔ مگر رفیق بڑے جوش سے اُٹھتا ہے۔)

رفیق :۔ ماسٹر صاحب، میں اپنا خون دینے کو تیار ہوں۔

(سب لڑکے رفیق کی طرف غور سے دیکھنے لگتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب :۔ میاں رفیق یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ تولہ بھر خون نکل جانے کے بعد جانے تمہاری کیا حالت ہو۔ سوچ سمجھ کر بات کہو۔

رفیق :۔ کچھ بھی ہو ماسٹر صاحب میرے خون سے کسی کی جان بچ سکتی ہو تو مجھے اپنی پروا نہیں۔ (جوش سے) ماسٹر صاحب خدا کے لئے جلدی سے ڈاکٹر کو بلوائیے۔ اُس بچے کا جانے کیا حال ہوگا۔

ماسٹر صاحب :۔ (خوش ہوکر) شاباش میرے

عزیز۔ کسی بچے کو تمھارے خون کی ضرورت نہیں۔ میں تم لوگوں کی بہادری کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ اس آدمی کو میں نے ہی یہاں بھجوایا تھا۔ خیر آج معلوم ہو گیا کہ کون بہادر ہے، اور بہادری اصل میں کس چیز کا نام ہے۔

(سب لڑکوں کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔)

لالہ رُخ

شمسی عبادالرحمن

کسی ملک میں سمندر کے کنارے، ملّاحوں کا ایک گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں میں ایک بوڑھا ملّاح اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ ان کے یہاں سفید بھولا سا ایک کبوتر پلا ہوا تھا۔ لالہ رُخ اسی کا نام تھا۔ گاؤں کے سب بچّے لالہ رُخ کو جانتے تھے۔ روز صبح کو اسکول جاتے وقت وہ اس کے لئے تھوڑا سا دانہ لے جاتے اور جب ملاح کی جھونپڑی سے گذرتے اور لالہ رُخ کو جھونپڑی کے چھپّر پر بیٹھا دیکھتے تو یہ دانہ اس کے سامنے ڈالتے۔ اس کی لال چمک دار آنکھیں اُنھیں بڑی اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ اکثر دھوکا دے کر اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے، مگر لالہ رُخ کسی کے ہاتھ نہ آتا۔ بس اس کا کام یہ تھا کہ روز صبح کو جھونپڑی سے نکل کر ساحل پر جاتا اور سارا دن اِدھر اُدھر اُڑتا پھرتا۔ بھوک لگتی گودی پر اُتر کر کچھ چُگ لیتا پھر اُڑ جاتا۔ شام کو جب چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا اور کچھ نظر نہ آتا تو گھر لوٹ آتا۔

لالہ رُخ کم عمر نہ تھا۔ کیونکہ اس کے سفید پَر پرانے مورچھل کی طرح مٹیالے اور چھدرے ہوگئے تھے، مگر آنکھیں جو ہر وقت سمندر پر کسی کو ڈھونڈتی رہتی تھیں خوب چمک دار اور لال تھیں۔ ساحل پر بہت سی سمندری چڑیاں بھی رہتی تھیں اور دانے کی تلاش میں گودی پر اُتر آتی تھیں، لیکن لالہ رُخ کسی کی طرف توجہ نہ کرتا۔

ایک دن لالہ رُخ اُداس بیٹھا سمندر کی سطح پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اتنے میں ایک بڑی سی سمندری چڑیا اس کے پاس ہی گودی پر اتری اور تعجب سے لالہ رُخ کو دیکھا پھر بولی "آج بڑے چپ چاپ بیٹھے ہو، کیا بات ہے؟" لالہ رُخ نے کہا "کچھ نہیں، مگر تم آج بڑی تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو!" چڑیا بولی "ہاں، میں بہت تھک گئی ہوں، مچھلیوں کی تلاش میں آج سمندر پر بڑی دور تک نکل گئی تھی، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔"

لالہ رُخ نے پوچھا "کیا تم کبھی، اُن بڑے

جہازوں تک بھی جاتی ہو جو دور اُفق پر نظر آتے ہیں؟"
چڑیا نے کہا "کیوں نہیں۔ میں اکثر جایا کرتی ہوں کیونکہ
ان جہازوں پر بڑی اچھی اچھی چیزیں کھانے کو ملتی ہیں"۔
لالہ رُخ کے بازو بے چینی سے کانپنے لگے۔ اس
نے جلدی سے پوچھا "تو کیا تم نے کبھی جہاز پر سنہرے
بالوں والے ملّاح کو دیکھا ہے، جس کی نیلی آنکھوں
سے بہادری ٹپکتی ہے اور چہرے پر ہنسی کھیلتی رہتی
ہے؟" چڑیا نے تیوری چڑھا کر جواب دیا "میں نے ایسا
کوئی ملّاح نہیں دیکھا ہے۔ میں آدمیوں کو غور سے
نہیں دیکھتی بلکہ ان سے دور ہی دور رہتی ہوں"۔ "اچھا!
تو کیا تم اسی ملّاح کی تلاش میں روز یہاں آتے ہو؟"
لالہ رُخ نے کہا "ہاں، وہ میرا آقا ہے۔ ہم دونوں
ساتھ کھیلے ہیں۔ وہ مجھے بہت چاہتا تھا۔ لیکن
سات برس ہوئے ایک لمبے سمندری سفر پر گیا
تھا پھر واپس نہ آیا۔ پہلے اس کے ماں، باپ
دونوں اُسے ڈھونڈنے یہاں آتے تھے اب وہ
بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں اتنی دور نہیں آسکتے
اس لئے میں اپنے آقا کو دیکھنے آتا ہوں۔ مجھے یقین ہے
کسی دن اس کے جہاز کے سفید بال ضرور اُفق پر
نظر آئیں گے، پھر جہاز آہستہ آہستہ کنارے آلگے
گا اور میرا ہنس مکھ آقا مجھے مل جائے گا" چڑیا نے کہا
"جب اُسے گئے ہوئے اتنا زمانہ ہو گیا تو وہ تمھیں بھول
بھی گیا ہوگا؟" لالہ رُخ نے سر ہلا کر کہا "نہیں، وہ
مجھے کبھی نہیں بھول سکتا"۔ چڑیا نے کہا "تو پھر تم نے
یہاں بیٹھ کر اتنا وقت خواہ مخواہ ضائع کیا۔ اگر تم
اُفق پر جانے والے جہازوں پر جا کر ڈھونڈتے تو شاید
وہ اب تک مل جاتا؟" یہ سن کر لالہ رُخ نے کچھ سوچا۔
پھر خوشی سے اچھل کر بولا "تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے اُن ہی
جہازوں پر ڈھونڈنا چاہیئے"۔ یہ کہہ کر اُڑنے ہی کو تھا
کہ چڑیا نے مسکرا کر کہا "ٹھہرو، ٹھہرو، جلدی نہ کرو۔
تمھارے بازو ہمارے بازوؤں کی طرح طاقت ور
نہیں ہیں۔ اتنی دور پانی پر کیسے اُڑ سکو گے۔ سمندر
میں بڑے خوفناک طوفان آتے ہیں تم اُن کا مقابلہ
نہیں کر سکتے۔ آندھی، پانی کے تھپیڑے دم کے دم
میں تمھاری زندگی کا خاتمہ کر دیں گے"۔ لالہ رُخ
نے پکّے ارادے کے ساتھ کہا "کچھ پروا نہیں!
زندہ رہوں گا تو آقا کو ڈھونڈھ لاؤں گا، نہیں
سمندر ہی میں ڈوب مروں گا"۔ یہ سُن کر چڑیا نے
اپنے بڑے بڑے بازو ایک بار پھڑپھڑائے اور
یہ کہتی ہوئی اُڑی "اچھا تو میرے ساتھ آؤ"۔ لالہ
رُخ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

پہلا جہاز جس پر یہ دونوں اُترے تجارتی سامان
کا تھا۔ اس پر ریشم کی گٹھریاں لدی ہوئی تھیں۔ چھوٹا
سا ایک بیڑا ملاحوں کا بھی تھا۔ لالہ رخ نے مستول
پر بیٹھ کر سب ملاحوں کو غور سے دیکھا مگر بے سود!
اس کا آقا ان میں نہ تھا۔ اتنے میں ایک اور جہاز

افق پر نظر آیا۔ یہ دونوں اس کی طرف اُڑے۔ مگر اب چڑیا نے لالہ رخ کا ساتھ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ بھئی میری روزی تو بس کنارے ہی کے پاس ہے میں آگے جاکر کیا کروں گی۔ تمھیں راستہ معلوم ہوگیا، جاؤ اور کوشش کرو۔ شاید کبھی تم اپنے سنہرے بالوں والے آقا کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجاؤ۔" اب لالہ رُخ اکیلا سمندر پر اِدھر اُدھر اُڑنے لگا۔ جو جہاز نظر آتا اس پر اُتر پڑتا۔ ہر ملاح کو غور سے دیکھتا اور مایوس ہوکر پھر اُڑنے لگتا۔ رات کو کسی جہاز کے روشن دان میں گھس بیٹھتا یا کسی مستول پر بسیرا لے لیتا۔ زمین چھوڑے ہوئے اُسے بہت دن ہوگئے تھے۔ لیکن کامیابی دور دور نظر نہ آتی تھی۔ کبھی سوچتا تھا کہ جب بازو اُڑتے اُڑتے تھک جائیں گے اور کوئی جہاز دم لینے کو نہ ملے گا تو کیا حال ہوگا! اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ سمندر اتنا لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ اتنے بہت سے جہاز آتے جاتے ہیں لیکن لالہ رُخ نے ہمت نہ ہاری اپنی دُھن میں لگا رہا۔

ایک دن گرم ہوا کے جھونکوں اور آسمان کے عجیب و غریب رنگ سے معلوم ہوا کہ طوفان آنے والا ہے۔ اتنے میں ایک لمبا سا جہاز تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ لالہ رُخ طوفان سے پناہ لینے کو اس پر اُتر پڑا۔ یہ جہاز اُسے بڑا ڈراؤنا معلوم ہوا اس کے ملاحوں کا رنگ پیلا اور ناک نقشہ چپٹا تھا۔ لالہ رُخ نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ اس کا آقا ان میں بھی موجود نہیں ہے اور رنجیدہ ہوکر ایک مستول پر بیٹھا ہی تھا کہ لمبا سا ایک بانس بازو پر زور سے لگا اور وہ لوٹ پوٹ ہوتا ہوا جہاز کے عرشے پر گر پڑا۔ ایک ملاح نے دوڑ کر پکڑ لیا۔ بہت سے ملاح آس پاس جمع ہوگئے اور اپنی عجیب بولی میں باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک اُسے اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھتا اور نہ جانے اس کے متعلق کیا کہتا۔ اتنے میں طوفان آندھی، پانی اور کڑک کے ساتھ آپہنچا۔ دم کے دم میں چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، سمندر میں تلاطم برپا ہوگیا۔ لہریں پہاڑوں کی طرح اُٹھنے لگیں۔ جہاز زور زور سے جھکولے کھانے لگا معلوم ہوتا تھا اب ڈوبا، اب ڈوبا۔ جہاز کے لوگ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ لالہ رُخ پھڑپھڑا تو رہا تھا۔ طوفان کی گھبراہٹ میں ملاح کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ چھوٹتا تھا کہ اُڑا۔ مگر موسلا دھار بارش اور آندھی کے تیز جھونکوں نے جلد اُس کے بازو تھکا دئے اور اس نے بے جان ہوکر اپنے تئیں ہوا میں چھوڑ دیا اب وہ آندھی میں اس طرح اُڑتا چلا جا رہا تھا جیسے درخت سے ٹوٹ کر سوکھا ہوا پتہ! ایک گھنٹے سے زیادہ ہوگیا! اس کا دم گھٹنے لگا! وہ سمجھ رہا تھا کہ موت قریب ہے اتنے میں کسی اونچی سی چیز سے بڑے زور سے ٹکرایا۔

اور ٹکراتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو دیکھا کہ آندھی ہے نہ پانی۔ مطلع صاف ہے ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے آ رہے ہیں اور وہ تاڑ کے پیڑ کے نیچے سنہرے بالوں والے ایک آدمی کے ہاتھ پر بیٹھا ہے، جس کی نیلی آنکھوں سے بہادری ٹپک رہی ہے اور چہرے پر ہنسی کھیل رہی ہے۔ وہ لالہ رُخ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہہ رہا ہے۔ "تیری آنکھوں کی چمک بتاتی ہے کہ تو ہی میرا لالہ رُخ ہے۔ اے پیارے کبوتر تو نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا! میں اتنے برسوں سے اس جزیرے میں اکیلا پڑا ہوں جنگلی پھل کھا کر جی رہا ہوں۔ آج تک کوئی جہاز اس طرف نہیں آیا کہ میں یہاں سے جا سکتا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تو میری مدد کو آئے گا"۔ لالہ رُخ اپنے آقا کے کندھے پر بیٹھ کر خوشی سے غٹرغوں کرنے لگا اور دل میں کہا کہ "اب میری مصیبتوں کا خاتمہ ہوا۔ اب آرام سے آقا کے ساتھ اسی خوب صورت جزیرے میں رہوں گا"۔ لیکن لالہ رُخ کو دیکھ کر ملاح کے دل میں وطن، ماں اور باپ کی محبت تازہ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولا "لالہ رُخ ابھی تمھارا کام ختم نہیں ہوا ہے۔ دو چار روز آرام کر کے وطن جاؤ۔ ماں باپ کو میرا سب حال بتاؤ"۔ جب لالہ رُخ نے اچھی طرح آرام کر لیا تو ملاح نے جنگلی پھلوں کے عرق سے پتوں پر اپنا سارا حال لکھا اور جزیرے کا پتہ لکھ کر گھاس کے تنکوں سے پتوں کا پلندہ لالہ رُخ کے پاؤں میں مضبوط باندھ دیا اور ہوا میں اُچھال کر اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر تک لالہ رُخ جزیرے پر چکر لگاتا رہا، پھر اپنے آقا کا اشارہ پا کر وطن کے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ کوئی تین ہفتے تک اُڑنے کے بعد لالہ رُخ تھکا ماندہ اپنے گاؤں کے ساحل پر اسی جگہ اترا جہاں وہ آقا کے انتظار میں بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر پھر کر اڑا اور اپنی جھونپڑی کے چھپر پر اتر کر غٹرغوں کرنے لگا۔ بوڑھے ملاح اور اس کی بیوی نے پہچان کر چمکارا۔ لالہ رُخ پاس گیا تو دیکھا پاؤں میں کچھ بندھا ہے۔ کھول کر پڑھا۔ کھوئے ہوئے بیٹے کا حال لکھا تھا۔ اب کیا تھا! ملاح اور اس کی بیوی خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ دوسرے ہی دن انھوں نے گاؤں والوں کی مدد سے ایک دخانی جہاز تیار کیا اور بہت سے ملاحوں کو ساتھ لے کر چل دیے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس جزیرے میں جا پہنچے اور سنہرے بالوں والے ملاح کو گھر لے آئے۔ بوڑھے ملاح اور اس کی بیوی کو کھویا ہوا بیٹا اور لالہ رُخ کو سنہرے بالوں والا ہنس مکھ آقا مل گیا۔

دانت میں چھید

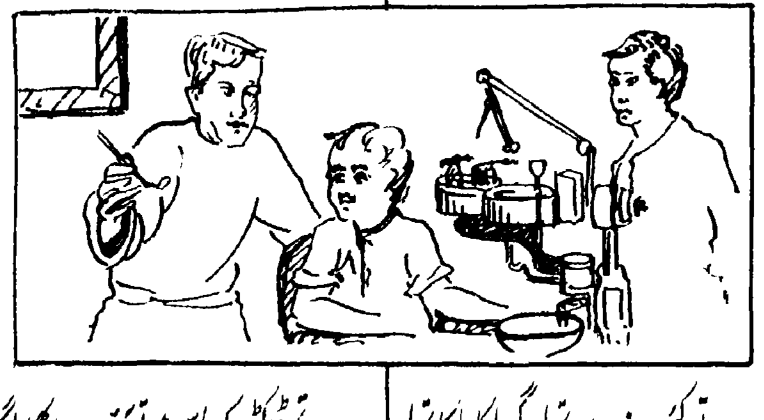
ایک دن سلیم وقت سے پہلے مدرسے سے لوٹ آیا۔ بہت پریشان، روتی صورت بنائے۔ امّی نے گھبرا کر پوچھا "کیوں بیٹا خیر تو ہے۔ آج اتنی جلدی کیسے چلے آئے"؟ سلیم نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "امّی آج دانت میں بڑی تکلیف ہے۔ بہت درد ہو رہا ہے۔"

امّی :۔ اے ہے۔ جبھی میرے بچّے کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ کب سے ہونے لگا نامراد۔ کیا بات ہے سلیم۔

ماں :۔ سلیم کے دانت میں بہت سخت درد ہے ذرا ڈاکٹر ناصر عباس کے پاس لے جاؤ۔

سلیم :۔ امّی جانے کیا بات ہے۔ میں تو روز دانت بھی مانجھتا ہوں اور کبھی کبھی مسواک بھی کرتا ہوں۔ پھر بھی یہ کم بخت درد اتنا ستا رہا ہے۔

ماں :۔ جانے بیٹا کیا بات ہے۔ ڈاکٹر ہی بتائے گا۔



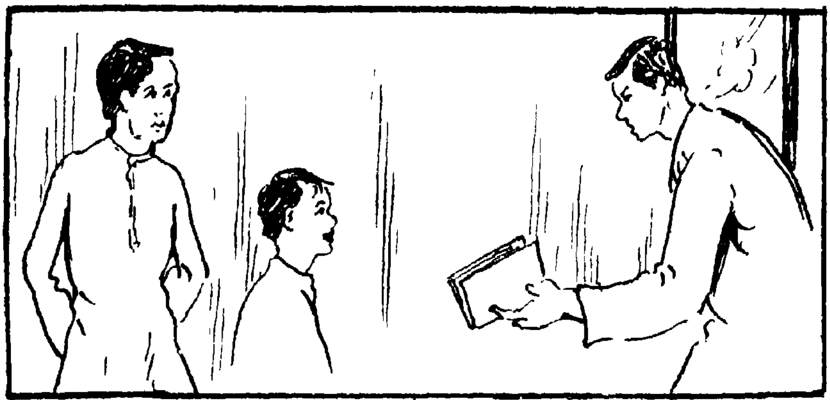
سلیم :۔ امّی درد تو کئی روز سے تھا۔ مگر ہلکا ہلکا تھا آج چوتھے گھنٹے سے بہت تکلیف بڑھ گئی۔

اُف۔ اوہ۔

سلیم کے ابّا :۔ (کتاب سے نظر اُٹھا کر) ارے بھئی تم ڈاکٹر کے پاس ہو تو آؤ۔ وہ دوا بھی لگا دے گا جس سے تمہارا درد رک جائے گا۔

سلیم نے کتابیں الٹی سیدھی میز پر رکھیں اور ابّا کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے مطب کو روانہ ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب پاس ہی رہتے تھے انھیں سلیم سے بہت محبت تھی۔ سلیم اکثر کھیلتے کھیلتے اُن کے یہاں پہنچ جاتا تھا اور ڈاکٹر صاحب بھی اُسے مزے مزے کے قصّے سناتے تھے۔ آج میاں سلیم اچھے خاصے مریض بن کر اُن کے پاس گئے۔ انھوں نے دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور بولے۔ "واہ بھئی ذرا سے درد سے بے چین ہوگئے کیسے مرد ہو؟" پھر انھوں نے دانتوں کو غور سے دیکھا اور بولے "ارے پیچھے کے دانت میں ایک ننھا سا سوراخ ہے۔ یہی



تمھیں تکلیف دے رہا تھا۔"

ڈاکٹر صاحب نے پہلے اس سوراخ کو صاف کیا پھر اس میں کوئی دوا لگا دی اس سے درد بالکل رُک گیا۔ سلیم میاں مسکرا دیے۔ ڈاکٹر صاحب ہنس کر بولے "اچھا اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ کل اور پرسوں اور آئیے گا۔ اگر درد کی شکایت نہ ہوئی تو میں اُسے دوا سے بھر دوں گا۔ پھر کبھی تکلیف نہ ہوگی۔"

دوسرے دن سلیم پھر ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا ڈاکٹر صاحب نے دانت کو دوبارا غور سے دیکھا اور اس میں کوئی دوا بھر دی۔

سلیم نے کہا "ڈاکٹر صاحب روز میں بلاناغہ منجن لگاتا ہوں۔ کبھی کبھی مسواک بھی کرتا ہوں۔ پھر میرے دانت میں یہ سوراخ کیسے ہوگیا۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا "منجن مسواک یا برش دانتوں کی صفائی کے لئے ہے لیکن اس صفائی کے باوجود کبھی کبھی دانتوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں اس کی وجہ ڈاکٹر بھی نہیں جانتے۔ ہاں اگر تم دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس برابر آتے جاتے رہو تو وہ تمھارے دانت دیکھتا رہے گا۔ اور کسی دانت میں اسے سوراخ نظر آئے گا تو تکلیف شروع ہونے سے پہلے وہ اُسے بھر دے گا۔

ہاں کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن سے تمھارے دانت خوب مضبوط اور صاف ستھرے رہیں گے۔"

سلیم:۔ وہ کیا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب:۔ دودھ خوب پیو۔ تازہ پھل اور کچّی

ترکاریاں کھاؤ۔ اس سے تمھارے دانتوں کی ورزش بھی ہو جائے گی۔

سلیم:۔ ارے ورزش ڈاکٹر صاحب! ورزش تو ہم اسکول میں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب:۔ اجی جناب کچّی ترکاریاں اور ذرا سخت قسم کی چیزیں کھانے سے آپ کے دانتوں اور مسوڑھوں کی ورزش بھی ہوگی۔ سمجھے۔ آپ کے دانتوں اور مسوڑھوں کو بھی ورزش کی ضرورت ہے اگر



آپ صرف نرم کھانا کھائیں گے تو دانتوں کی ورزش کافی نہیں ہوگی اور یہ مضبوط اور تندرست نہیں رہ سکیں گے اچھا لو میں تمھیں یہ خوب صورت سی کتاب دیتا ہوں اس میں دانتوں کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ تمھیں یہ بھی بتائے گی کہ کون سی چیزیں کھانے سے دانتوں اور مسوڑھوں کی ورزش ہوتی ہے۔

سلیم نے شکریے کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو جھک کر سلام کیا اور بولا۔ "ڈاکٹر صاحب میں اس کتاب کو خوب غور سے پڑھوں گا اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا بس اسی پر عمل کروں گا۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔ آداب عرض ہے۔"

سلیم دوڑا دوڑا گھر گیا۔ اُسے کتاب پڑھنے کی جلدی تھی۔ کتاب تھی تو چھوٹی سی مگر بہت خوب صورت تھی اس میں طرح طرح کی تصویریں تھیں اور موٹے موٹے حرفوں میں لکھی ہوئی تھی۔ سلیم نے اُسے بہت جلد پڑھ ڈالا۔ اس میں لکھا تھا۔

اپنے دانت روز صبح کو ناشتے سے پہلے ناشتے کے بعد اور رات کو سونے سے پہلے۔ منجن، مسواک یا برش سے صاف کر لیا کرو۔

مسواک نیم یا کیکر کی روز تازہ ملے تو بہت اچھا ہے۔ اگر برش کی عادت ہے تو اچھا برش استعمال کرو اسے روز صاف پانی سے دھو کر صاف جگہ سوکھنے کے لئے رکھ دو۔

کبھی کبھی نمک سے دانت مانجھ لیا کرو اس سے

تمھارے مسوڑے اور دانت بالکل صاف رہیں گے۔
چبانے سے دانت اور مسوڑے کی ورزش ہوتی ہے اور دونوں چیزیں خوب مضبوط اور اچھی حالت میں رہتی ہیں۔ گوشت، کچی ترکاریاں اور روٹی خوب چبا کر کھاؤ۔ اخروٹ، بادام اور ہڈی دانتوں سے ہرگز نہ توڑو۔ نہ مصری یا اس قسم کی کوئی سخت چیز چباؤ۔
پہلے پہل جو دانت نکلتے ہیں دودھ کے دانت کہلاتے ہیں۔ اُن کی بھی اچھی طرح حفاظت کرنی چاہیے جب یہ گر جاتے ہیں تو دوسرے دانت نکلتے ہیں۔ یہ آخر عمر تک رہتے ہیں۔ ان دانتوں کی خوب حفاظت کرو اگر یہ گر گئے تو ان کی جگہ دوسرے نہیں نکلیں گے۔
سلیم نے اپنی امّی اور ابا کو بھی کتاب دکھائی وہ بھی بہت خوش ہوئے اور بولے "بٹیا یہ کتاب سچ مچ بہت قیمتی ہے بس آج ہی سے اس پر عمل شروع کر دو میں روز بازار سے تازہ پھل اور کچی ترکاریاں لایا کروں گا اور پھر ہم سب اُنھیں خوب چبا کر کھائیں گے"۔

ہونہار

یہ ماہوار رسالہ اُردو، ہندی دونوں زبانوں میں لہریا سرائے (دربھنگہ) سے نکلتا ہے رسالے کی زبان بچوں کے لئے بہت آسان اور انداز بیان عموماً بہت دلچسپ ہوتا ہے مضامین، معلومات، کہانیاں، نظموں غرض ہر چیز کا معیار بہت اچھا ہوتا ہے۔ تصویریں بھی کافی ہوتی ہیں۔ رسالے کی لکھائی چھپائی خاص طور پر اچھی ہوتی ہے۔ اردو رسالے کی سالانہ قیمت ہے ملنے کا پتہ لہریا سرائے دربھنگہ بہار۔

بکھرے پھول

یہ جناب کامل صاحب جون پوری کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ نظمیں انھوں نے بڑے لڑکوں کے لئے لکھی ہیں۔ ان میں کامل صاحب نے بہت عمدہ پیرائے میں بہت اچھی اچھی نصیحتیں کی ہیں۔ چھوٹی تقطیع پر کل ۳۲ صفحے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی۔ قیمت ۲
ملنے کا پتہ:- مہتمم کتب خانہ اسلامیہ، بلا ٹولہ جون پور۔ یا حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر" دہلی۔



چمن لال صاحب جرنلسٹ

سالگرہ نمبر والے مضمون میں تم پڑھ چکے ہو کہ کس طرح سات سال کی مسلسل کوششوں اور متواتر ناکامیوں کے بعد مجھے ۹ر اپریل ۳۳ء میں انگلستان کا پاسپورٹ ملا۔

پاسپورٹ ملتے ہی میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسرز تھامس کک کمپنی کی معرفت انگلستان کا واپسی کا ٹکٹ خریدا اور اخبار ہندوستان ٹائمس سے چھ مہینے کی چھٹی لی۔ اس زمانے میں انگلستان میں ایک کانفرنس دنیا کی معاشی کانفرنس (WORD ECONOMIC CONFERENCE) اور پارلیمنٹری سب کمیٹی کے اجلاس ہو رہے تھے۔ مجھے ہندوستان ٹائمس نے ان کی کارروائیاں لکھنے کے لئے خاص طور پر مامور کیا۔

اگلے تین ہفتے دعوتوں اور جلسوں میں گذر گئے۔ بہت سے بزرگوں اور دوستوں نے جن میں ڈاکٹر انصاری مرحوم سابق امیر جامعہ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں پر تکلف دعوتیں کیں ہندوستان ٹائمس کے اسٹاف نے بھی دعوت کی اور معزز ساتھیوں نے وزٹنگ کارڈ رکھنے کا چاندی کا ایک ڈبہ پیش کیا۔ غرض تین ہفتے بہت دلچسپی سے گذر گئے۔

بمبئی سے اٹلی کا ایک جہاز کونٹی وردی ۵ر مئی کو روانہ ہونے والا تھا مجھے اسی جہاز سے جانا تھا۔ اس لئے میں دہلی سے سیدھا بمبئی پہنچا۔ دہلی سے روانگی کے وقت اسٹیشن پر بہت سے عزیزوں اور دوستوں نے الوداع کہا۔ اس وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

۵ر مئی کی صبح کو میں تڑکے ہی اٹھ بیٹھا۔ نہایا دھویا، عبادت کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میری پرانی آرزو کو پورا کیا۔ میرا دل مسرت سے لبریز تھا کہ تمام دنیا کے ملکوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے میں بلارڈ پیئر (بندرگاہ) کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ یہاں ہال

یں ہر صوبے کے مسافران کا مجمع تھا۔ ہال کے سامنے ایک بڑا پلیٹ فارم ہے۔ اس پلیٹ فارم پر ہمارا جہاز کانٹی وردوے کھڑا تھا۔ یہ شنگھائی (چین) کا دور دراز کا سفر طے کرکے آیا تھا اور بمبئی سے ہندوستان کے مسافروں کو لے کر وینس (اٹلی کا مشہور بندرگاہ) کا رُخ کرے گا۔

اب ڈاکٹری معائنے کی کٹھن منزل طے کرنا تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک سفید ٹوپ والا صاحب چند انگریز سارجنٹوں کے ساتھ ہماری طرف آیا۔ یہ ڈاکٹر تھا۔ سب مسافر ایک لائن میں کھڑے ہو گئے۔ اس نے باری باری ایک ایک کی نبض دیکھی۔ میری باری آئی تو ڈاکٹر نے "شمن لال" (چمن لال) پکارا۔ اور فوراً ہی دو بار "پولس مین" "پولس" مین چلایا۔ میں چند سیکنڈ تک لئے بالکل سکتے میں آ گیا۔ الٰہی خیر! گرفتاری کا حکم ہے یا دہلی کا واپسی ٹکٹ ملے گا۔

ڈاکٹر کے رجسٹر میں میرے نام کے آگے سی، آئی ڈی لکھا تھا۔ یعنی میرے متعلق سی، آئی، ڈی والوں کو رپورٹ کرنا چاہئے۔ دو منٹ بعد ایک یورپین انسپکٹر آیا۔ اس نے میرا پاسپورٹ بہت غور سے دیکھا اور کہا "O.K" (بالکل ٹھیک) اس کے بعد ڈاکٹر نے میری نبض دیکھی۔ میرے بازو پر چیچک کا ٹیکا دیکھا اور ڈاکٹری سرٹیفکٹ دے دیا۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا باہر پلیٹ فارم پر آیا۔ یہاں میرے دوستوں

اور رشتہ داروں نے ہاروں سے لاد دیا۔ مولانا شوکت علی مرحوم۔ پرنس آف برار (ولی عہد حضور نظام) کو الوداع کہنے آئے تھے۔ انھوں نے میرے گلے میں بھی ایک ہار ڈالا اور نصیحت کی کہ ولایت میں ہندوستانی بن کر رہنا۔ اب میں سب سے رخصت ہو کر جہاز کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز میں خوب چہل پہل تھی۔ تقریباً تین سو مسافر دوسرے ملکوں۔ چین، جاپان، انگلینڈ جرمنی، اٹلی، فرانس، امریکہ وغیرہ کے تھے۔ پھر تین سو ہندوستانی -ان کے علاوہ پرنس حیدرآباد کو رخصت کرنے بہت سے لوگ جہاز پر آئے تھے۔

یہ جہاز (کونٹی ور دوے) ایک اٹالین کمپنی کا اچھا بڑا جہاز تھا۔ سب سے آگے کے حصے میں ڈیوڑھے درجے کے مسافروں کے کمرے، کھانے اور سگرٹ پینے کے ہال ہیں۔ نیچے کے ایک حصے میں دوسرے درجے کے لئے کھانے اور رہنے کے کمرے ہیں۔ درمیانی حصے میں اول درجے کے لوگوں کے لئے رہنے کی جگہ ہے۔

جو مسافر کفایت شعاری کے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ایک بہت بڑا ہال ہے جو تقریباً پچاس فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے انھیں سونے کے لئے لکڑی کے تخت دئے گئے ہیں۔ سب مسافر اپنا کھانا خود پکاتے ہیں۔ اس درجے کا کرایہ بمبئی سے وینس تک کل ۱۰۰ روپیے ہے۔ کھانے کا خرچ شکل

سے ایک روپیہ روز ہوگا۔

بھائی پرمانند، مسٹر بی داس (ممبر ان لیجسلیٹو اسمبلی) مسٹر عباسی انجینیر دہلی اور مشہور ہوا باز منموہن سنگھ بھی اس جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ اور بھی کئی مسافر ہیں جنھیں میں پہلے سے جانتا ہوں۔ اس لئے اطمینان ہوگیا کہ جہاز پر اچھی گذرے گی۔

جہاز کی روانگی کا وقت ۱۲ بجے مقرر تھا مگر ایک بج گیا اور جہاز نہیں چلا۔ سب حیران کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ تھوڑی دیر میں نائب کپتان ہمارے کھانے کے ہال میں آیا اور پکارا "رستم رستم" میری میز پر ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے کہا "میں ہوں"۔ نائب کپتان نے کہا "تم نے سارا جہاز روک رکھا ہے، چلو ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ لاؤ" نوجوان کھانا چھوڑ کر باہر بھاگا اور سرٹیفکٹ لایا۔ نہ جانے وہ ڈاکٹری سرٹیفکٹ سے ڈرتا تھا یا کیا بات تھی کہ بجائے ڈاکٹری سرٹیفکٹ کے وزیٹر کا ٹکٹ لے کر جہاز پر چلا آیا۔ حالانکہ جہاز پر چڑھنے والے ہر مسافر کے لئے بندرگاہ کے ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ خیر اس کی واپسی پر جہاز نے لنگر اٹھایا اور خراماں خراماں پچھم کی طرف چلنے لگا۔ ساحل کی طرف کی شاندار عمارتیں ہم سے دور ہونے لگیں۔ پانی کی وسیع چادر پر یہ چلتی ہوئی تصویریں معلوم ہو رہی تھیں۔ جہاز اب پوری یعنی تقریباً ۲۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگا۔

ان مسافروں نے جو میری طرح بمبئی سے سوار ہوئے تھے اب اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا میں اپنے کمرے میں آیا تو وہاں تین اور مسافر اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے۔ ایک صاحب مسٹر مہتا کرکٹ کے مشہور کھلاڑی اور تاجر تھے۔ یہ چوتھی مرتبہ ولایت جارہے تھے۔ دوسرے صاحب پروفیسر عبدالغفار تعلیم حاصل کرنے اور ڈگری لینے ولایت جارہے تھے۔ تیسرے صاحب مسٹر شیام پور بنگلور کے رئیس اور رنگ کے کارخانے دار ہیں۔ یہ امریکہ کی سیاحت کو روانہ ہوئے ہیں۔ ساتھیوں سے تعارف کے بعد میں تختۂ جہاز پر گیا۔ اپنے دیس سے پہلی مرتبہ جدائی پر جی کچھ اداس اداس تھا۔

اب چاروں طرف سوائے پانی کی وسیع چادر کے کچھ نظر نہیں آتا۔ جہاز پانی کاٹتا ہوا چلا جا رہا ہے سمندر میں ہلکی ہلکی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ میں دیر تک کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ شام کو ساڑھے چھ بجے ہوں گے کہ ہمیں کھانے پر بلایا گیا۔ میری طرح گوشت سے پرہیز کرنے والوں کے لئے پوری، چاول، دال سبزی اور پھلوں کا انتظام ہے۔

کھا پی کر فارغ ہوئے تو سونے کی تیاری شروع ہوئی۔ کمروں میں باوجود بجلی کے پنکھوں کے اس قدر گرمی ہے کہ رات بھر نیند نہ آئی۔ میں صبح کو

پانچ ہی بجے اٹھ بیٹھا اور ہوا خوری کے لئے جہاز کے عرشہ پر چلا گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آرام کرسی پر لٹا دیا۔

آج (۲۶ مئی) سمندر میں کل کی سی خاموشی نہ تھی ہوا تیز چل رہی تھی۔ لہریں اتنی اونچی اٹھ رہی تھیں کہ کمروں کے روشن دانوں سے پانی آجاتا تھا۔ اس لئے روشندان بند کر دئے گئے۔ جہاز کچھ عجیب انداز سے ہچکولے کھا رہا تھا۔ ان پیہم ہچکولوں کا اثر قریب قریب پچانوے فی صدی مسافروں پر پڑا۔ جسے دیکھئے اس کا سر چکرا رہا ہے یا متلی کی شکایت میں مبتلا ہے۔ خوش قسمتی سے میں اس سمندری بیماری سے محفوظ رہا۔

اب پانی کا رنگ جامن کی طرح کا ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی سمندری پرند بھی دکھائی نہیں دیتا ہے۔ شام کو کوئی دو گھنٹے تک جہاز کے اگلے سرے پر جنگلے کے کنارے طوفانی سمندر کا منظر دیکھتا رہا۔ پچھلی رات کے تلخ تجربے کی وجہ سے کمرے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ باہر ہی آرام کرسی پر سو گیا۔

ہمارے چینی ساتھیوں میں سے کچھ لوگ پوپ سے ملاقات کے لئے روم جاتے ہیں۔ ایک چینی لڑکی کو ہندوستان کے حالات کی اچھی واقفیت ہے۔ اس نے رابندر ناتھ ٹیگور کے بارے میں بھی بہت سے سوالات کئے۔ آج (۲۷ مئی) بھی میں تختۂ جہاز پر سو گیا۔ ہوا اس زور کی چل رہی تھی کہ آدھی رات کو لوہے کی دو خالی چارپائیاں اڑ کر میرے اور ایک امریکن خاتون کے سر پر گریں۔ ان خاتون کا تکیہ اور چادر اڑ گئی۔ اگر ایک صاحب لپک کر پکڑ نہ لیتے تو دونوں چیزیں سمندر کی نذر ہوتیں۔

آج (۲۸ مئی) سمندر میں سکون تھا۔ جہاز کے ہچکولے بھی ختم ہو گئے۔ اس لئے مسافروں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ جو لوگ تین دن سے بستروں اور آرام کرسیوں پر پڑے تھے آج گھومنے نکلے ہیں ہر طرف چہل پہل ہے۔ پانی کے تالاب تیراکوں سے بھرے ہیں۔ میں بھی دو گھنٹہ تک نہاتا اور بچوں کو تیرنا سکھاتا رہا۔

آج (۲۹ مئی) کا موسم بھی نہایت خوشگوار ہے۔ اس لئے کھانے کا ہال کھچا کھچ بھرا ہے۔ بیمار آدمی بھی پیٹ بھر کر کھا رہے ہیں۔ ان دنوں مہاتما گاندھی برت (روزہ) رکھ رہے تھے آج ان کے برت کا آخری دن تھا۔ اس خبر سے تمام ہندوستانیوں میں ایک خاص قسم کی خوشی تھی۔ ہریجنوں کی مدد کے لئے ایک سو تیس شلنگ چندہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس خوشی میں دن بھر رنگ رلیاں منائی گئیں۔ شربت، مٹھائی اور حلوا سوہن وغیرہ کی خوب دعوتیں اڑیں۔ رات کو ڈیوڑھے درجے کے مسافروں

نے فینسی ڈریس کیا۔ ناچ میں چینی، ہندوستانی، فرانسیسی امریکن سب شریک ہوئے۔ عرشۂ جہاز پر شامیانہ لگایا گیا۔ اسے خوب آراستہ کیا گیا۔ رنگ برنگی روشنی کی گئی۔ مرد اور عورتیں نہایت دلچسپ دلچسپ لباس پہن کر ناچ میں شامل ہوئیں۔ میں نے بھی کاغذ کے ترکی، فرانسیسی اور فوجی ٹوپیاں پہن کر دل بہلایا۔

آج صبح چار بجے جہاز عدن سے کچھ فاصلے سے گذر گیا۔ عدن کے بندرگاہ میں نہیں ٹھہرا۔ پھر بھی سمندر کا کنارا اور پہاڑ نظر آتے تھے۔ دائیں جانب کو عرب کا اور بائیں طرف افریقہ کا ساحل تھا۔ سب مسافر کمروں سے نکل آئے اور پانچ دن کے بعد زمین کی صورت دیکھی۔

آج تالاب میں نہاتے وقت ایک پنجابی اور یورپین میں جھگڑا ہو گیا۔ یورپین نے بہت غرور سے کہا "یہ ہندوستان نہیں ہے"۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم ہندوستان کا نمک کھا کھا کر تو اس قابل ہوئے ہو کہ جہاز کا سفر کرتے ہو اور ہندوستان کو اس قدر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو"۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

راشد میاں

الطاف علی صاحب ۔ نگراں ورزش جسمانی ۔ جامعہ

دو تین روز ہوئے ہمارے بورڈنگ میں ایک نیا لڑکا داخل ہوا۔ بہت نیک اور شریف تھا مگر اتنا موٹا کہ بے چارے کو چلنا پھرنا دوبھر، دو چار روز تو گویا مہمان سمجھ کر کسی لڑکے نے اس سے کچھ نہیں کہا مگر پھر آپ جانئے لڑکے تو لڑکے ہی ہیں انھیں ایک مشغلہ ہاتھ آگیا۔ شروع شروع میں انھیں دیکھ کر مسکرا دیتے اور کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف اشارے کرنے لگتے۔ پھر چند شریر لڑکوں نے موٹے میاں سوٹے میاں کہہ کر چڑانا بھی شروع کر دیا۔ یہ غریب خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتا اور کچھ نہ کہہ سکتا۔

صبح کو ہم سب ورزش کے لئے میدان کو جاتے اور راشد میاں کوئی نہ کوئی بہانا کر دیتے۔ ایک دن ورزش کے ماسٹر صاحب ہمیں ورزش کرا کے سیدھے اُن کے کمرے میں پہنچے ہم کئی لڑکے بھی ان کے ساتھ تھے۔ راشد کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے پوچھا کیوں میاں راشد میں تمھیں ورزش کے وقت نہیں دیکھتا ہوں کیا بات ہے؟" راشد نے کہا "ماسٹر صاحب میدان بہت دور ہے۔ میں زیادہ چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور ہانپنے لگتا ہوں۔ اس سے ہمت نہیں ہوتی۔"

ماسٹر صاحب:- یہ تم ٹھیک کہتے ہو مگر بھائی کچھ ہلنا جلنا تو چاہئے ورزش نام بھی اسی کا ہے کہ جسم کو حرکت دی جائے تم سے زیادہ نہ چلا جائے تو شروع شروع میں تھوڑی دور تک یہیں بورڈنگ کے آس پاس گھوم لیا کرو۔ پھر عادت ہو جائے تو میدان تک ہو آیا کرنا۔ اگر تم یہ برابر کرتے رہے تو ایک دن ورزش بھی کرنے لگو گے (مسکرا کر) تمھارا موٹاپا بھی اسی طرح دور ہو گا۔

میں:- مگر ماسٹر صاحب آپ تو کہتے ہیں کہ بدن کو ہلانے جلانے اور حرکت دینے کا نام ورزش ہے۔

ماسٹر صاحب :- ہاں اور کیا پہلے زمانے میں لوگ اس طرح تھوڑی ورزش کرتے تھے جس طرح تم کرتے ہو۔ دور کیوں جاؤ اپنے یہاں کے دیہاتوں میں دیکھو کسان لوگ کتنے مضبوط ہوتے ہیں۔ ان بے چاروں کو تمھاری طرح ورزش کرنے کا موقع کب ملتا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ دن بھر خوب محنت مزدوری کرتے ہیں، کھلی ہوا میں رہتے ہیں، کم سے کم کپڑا پہنتے ہیں بس یہی وجہ ہے کہ وہ اتنے تندرست ہیں۔

رشید :- تو ماسٹر صاحب اس ورزش کا رواج کب سے ہوا؟

ماسٹر صاحب :- پہلے مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔ ہاں تو اسی طرح ہزاروں برس پہلے ہمارے بڑے بوڑھے بالکل وحشی جاہل اور ناسمجھ تھے۔ اپنی بھوک مٹانے کے لئے انھیں سخت محنت کرنا پڑتی تھی۔ جنگلوں جنگلوں مارے مارے پھرتے تھے مگر بھائی اُن کی تندرستی کا کیا پوچھنا۔ اس زمانے کا ایک آدمی آج کل کے دس دس آدمیوں پر بھاری تھا۔

نذر احمد :- ماسٹر صاحب، بڑے مضبوط ہوتے تھے؟

ماسٹر صاحب :- ہاں مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان میں عقل و تمیز اور تہذیب آتی گئی۔ پہلے پہلے انھوں نے رہنے سہنے کے لئے جھونپڑے بنائے اس کے بعد کچی اور پھر پکی اینٹوں کے مکان بنائے۔ گاؤں بسے، قصبے بنے اور پھر بڑے بڑے شہر آباد ہوئے۔ انھوں نے اپنے آرام و آسائش کے لئے ضرورت کی اور چیزیں ایجاد کیں۔ غرض ہمارا تمدن و تہذیب روز بروز آگے ہی بڑھتے رہے۔ ہاتھ سے کام کرنے کی جگہ مشینیں اور کلیں ایجاد ہوئیں۔ سواری کے لئے یکہ تانگا اور پھر موٹر ریل اور ہوائی جہاز بن گئے۔ اب ہم جسم سے زیادہ اپنی عقل سے کام لیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری تندرستی پہلی جیسی نہ رہی۔ لوگ عیش و آرام میں پڑ گئے۔ ہر جگہ نئی نئی بیماریاں پیدا ہونے لگیں۔ اس لئے سمجھ دار لوگوں نے ورزش کی ضرورت محسوس کی اس کے نئے نئے طریقے بنائے گئے۔ اور سب جگہ اسے رواج دینے کی کوشش کی گئی۔

اکرم :- سچ مچ ماسٹر صاحب تب تو ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہنچا۔ ایک راشد صاحب ہی کو دیکھ لیجیے۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

رشید:۔ تو ماسٹر صاحب اس قسم کی ورزش کا رواج ابھی تھوڑے دنوں سے ہوا ہے؟

ماسٹر صاحب:۔ بھئی ورزش کے رواج کو تو بہت دن ہوگئے۔ ہاں اس کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔

اکرم:۔ بہت دن کیا ماسٹر صاحب ابھی تلو پچاس برس ہوئے ہوں گے؟

ماسٹر صاحب:۔ نہیں جی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کئی سو برس پہلے بھی اس کا رواج تھا۔

رشید:۔ تو یوں سمجھئے کہ دو ہزار برس سے بھی زیادہ ہوگئے۔

ماسٹر صاحب:۔ اور کیا۔ تم نے یونان کا نام تو سُنا ہوگا۔

اکرم:۔ جی ہاں ماسٹر صاحب یورپ کے جنوب میں ہے۔

رشید:۔ ہاں تو اب اس کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ مگر اب سے دو ہزار برس پہلے وہاں کے لوگ بہت پڑھے لکھے اور سمجھ دار ہوتے تھے۔ تم نے ارسطو اور افلاطون کا نام سُنا ہوگا۔ اسکندر بھی یونانی تھا۔

نذر احمد:۔ ہاں ماسٹر صاحب ان تینوں کا حال ہم نے ریڈروں میں پڑھا ہے۔

ماسٹر صاحب:۔ تو یونان کے لوگوں نے دیکھا کہ ہماری تہذیب تو ترقی کر رہی ہے۔ مگر لوگوں کی تندرستی اتنی اچھی نہیں رہی ہے۔ اُن کے اخلاق بھی رفتہ رفتہ خراب ہوتے جا رہے ہیں انھیں سب سے اچھا علاج ورزش ہی نظر آیا۔ کیونکہ جب تندرستی اچھی ہوتی ہے تو انسان میں اخلاقی خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

یونان کے دو بڑے شہروں ایتھنز اور اسپارٹا میں ورزش یا تربیتِ جسمانی کا بہت زور تھا۔ اسپارٹا میں حکومت سات سال کے بچّے کو ماں باپ سے لے لیتی اُس سے سخت محنت اور ورزش کراتی اور انھیں ملک کا بہترین سپاہی بنا دیتی۔ اور ایتھنز میں یہ طریقہ تھا کہ سات سال کے بچّے کی دیکھ بھال اچھے خاندان کا غلام کرتا بچّے کو جمناسٹک اور دوسری چیزیں حکومت سکھاتی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ حکومت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہو جاتا تو اس سے قومی خدمت کے لئے قسمیں لی جاتیں۔ حکومت اسے دو سال اور تعلیم دیتی پھر اسے اختیار ہوتا چاہے فلسفی بنے یا شاعر۔ یا ڈراما نویس یا مورّخ یا بُت تراش یا سوداگر یا سیاست داں۔ سقراط، ارسطو اور افلاطون ایتھنز ہی کے رہنے والے تھے۔

ویسے یونان میں کھیل بھی ایسے رائج تھے
ن سے تندرستی پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ مثلاً
یزے بازی، دوڑ، وزن اُٹھانا، کشتی لڑنا
ھونسہ بازی، گھوڑدوڑ، گاڑی کی دوڑ وغیرہ

اکرم:۔ ماسٹر صاحب یہ کھیل تو اب بھی کھیلے جاتے ہیں اور شاید ہر ملک میں۔

ماسٹر صاحب:۔ یہ ہیں ہی اتنے اچھے اور دل چسپ کھیل۔ ہاں تو تھوڑے دنوں بعد یونان کی ترقی کا ستارہ ماند پڑنے لگا۔ اب ایک اور قوم اُٹھی یہ رومی تھے انھوں نے یونان کو فتح کر لیا۔ اُن کا رہن سہن اسپارٹا والوں سے ملتا جلتا تھا۔ ورزش کو بھی یہ بہت اہمیت دیتے تھے۔ آخر حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے کوئی پونے چارسو سال بعد یہ حکومت بھی ختم ہوئی اور اب حضرت عیسیٰ کا مذہب پھیلنے لگا۔ عیسائی لوگوں اور ان کے بادشاہوں کو ورزش اور کھیل کود سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ نے اولمپک کھیل بند کرا دیئے۔

نذیر احمد:۔ ماسٹر صاحب بڑا منحوس تھا۔

ماسٹر صاحب:۔ رفتہ رفتہ اور کھیل بھی بند ہوگئے۔ اس مذہب کے ماننے والوں میں رہبانیت یعنی اس دنیا سے بے تعلقی کی طرف زیادہ رجحان تھا۔ کہیں چودھویں اور پندرھویں صدی میں جاکر یورپ والوں نے یونانی ورزشوں اور کھیلوں کی خوبیوں کو سمجھا اور اُن پر مضمون لکھے اٹھارھویں صدی سے جسمانی تربیت پر بہت زور دیا جانے لگا لوگوں میں اپنے ملک و قوم کی عزت کو قائم رکھنے اور دشمنوں سے ملک کی حفاظت کے خیال سے جسمانی تربیت سے دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ اب بچوں کو بچپن ہی سے ورزش کرائی جاتی ہے کہ اُن کے جسم مضبوط ہوں اور جوان ہوکر وہ ملک و قوم کے مفید سپاہی بنیں۔ آج کل جسمانی تربیت کے میدان میں امریکہ انگلستان جرمنی، سوئیڈن اور ڈنمارک پیش پیش ہیں۔ خیر اب ساری دنیا کی طرح ہم نے بھی ورزش اور جسمانی تربیت کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے اور ہمارے دیس میں بھی لوگ اس کی طرف بہت توجہ کر رہے ہیں اس لئے کہ جس قوم کی صحت اچھی نہیں ہوتی اس میں بس یہی ایک بیماری نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جوں جوں ہماری

تندرستی اچھی ہوگی ہم میں جرأت، دلیری
سچائی خوش اخلاقی، غلامی سے نفرت
اور آزادی سے سچی محبت پیدا ہوگی۔
اکرم:۔ ماسٹر صاحب بے چارے راشد صاحب
کا تو کھڑے کھڑے بُرا حال ہوگیا دیکھئے
کتنا پسینہ آرہا ہے۔
ماسٹر صاحب:۔ ارے بھئی مجھے خیال نہیں
رہا تھا۔ اوہو اب اسکول کی گھنٹی میں
پندرہ منٹ رہ گئے۔ جاؤ جلدی سے
ناشتہ کرو۔

معلومات

دنیا کا سب سے چھوٹا آدمی مدراس میں ہے۔ اس کا نام ادبالا راؤ ہے۔ اس کا قد صرف دو فٹ چھ انچ ہے اور وزن کل اُنیس پونڈ۔ اس کی عمر اکیس سال ہے۔ پچھلے دس سال میں وہ صرف ایک انچ بڑھا ہے۔

کاربن ڈائی اوکسائڈ کا تھوڑا سا حال تم پتوں کے البم والے مضمون میں بھی پڑھ چکے ہو لوگ اسے سوکھی برف بھی کہتے ہیں۔ یوں تو اس سے اور بہت سے کام لئے جاتے تھے۔ مگر اب سائنس داں مینہہ برسانے میں بھی اس سے مدد لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ کاربن ڈائی اوکسائڈ یا سوکھی برف ہوائی جہازوں کے ذریعے بادلوں پر بکھیری جائے۔ کہتے ہیں کہ ہالینڈ میں ایک جگہ زویڈرزی میں اس کا تجربہ بھی کیا گیا ہوائی جہازوں کے ذریعے یہ سوکھی برف کوئی ۱۰۰ من بادلوں پر بکھیری گئی اس سے بادلوں میں گرمی پیدا ہوئی اور وہ نیچے اُترنے لگے۔ بارش شروع ہوگئی اور تھوڑی دیر میں تمام علاقہ جل تھل ہوگیا۔

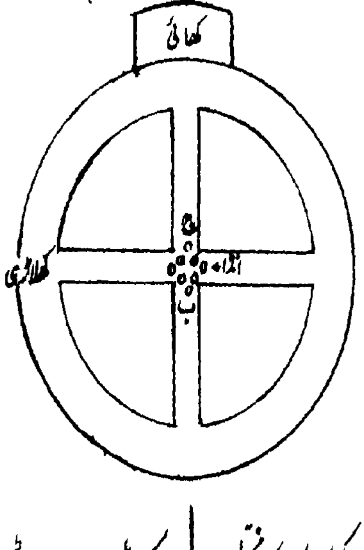
زنجبار کا نام تو تم نے سُنا ہوگا۔ یہ جزیرہ گرم مسالے اور لونگوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کے ایک بادشاہ نے اپنے ملک کے تمام بے کار درخت کٹوا دئے اُن کی جگہ اس نے پھل والے اور کارآمد درخت لگائے۔ اب ہر جگہ انھی درختوں کی کثرت ہے اگر کوئی پھل خریدنا چاہے تو پانچ روپئے مہینے دے جائے مالی ہر طرح کی ترکاریاں اور پھل اس کے گھر پہنچائے گا۔



انڈوں کی مرغی

تعداد :۔ ۵ سے ۲۰ تک
جگہ :۔ میدان ، صحن ، کشادہ جگہ
طریقہ :۔ ذیل میں دیے ہوئے نقشے کو زمین پر ٹھیکری یا کوئلہ یا لکڑی سے کھینچ لو۔ اس کا سائز

ہوں (جتنے کھلاڑی ہوں۔ اتنے ہی انڈے ہوں) کھلاڑیوں میں سے ایک انڈوں کی مرغی چنی جائے باقی کھلاڑی گلیوں میں منتشر ہو جائیں۔
کھیل شروع ہونے پر انڈوں کی مرغی دوسرے



کھلاڑیوں کی تعداد کے لحاظ سے رکھا جائے۔ مختلف گلیوں کی چوڑائی تین فٹ اور کھائی (گڑھے) کی چوڑائی چار فٹ کے قریب رہے۔ دائرے کے مرکز "ب" میں انڈوں کی صورت میں پتھر رکھے

کھلاڑیوں سے انڈے کی حفاظت کرتی ہے اور اُن کو چھوتی بھی ہے۔ کھلاڑی بیک وقت ایک انڈا اُٹھا کر صرف گلی 'ج' سے ہوتے ہوئے کھائی کے اس پار چھلانگ لگاتے ہیں جو گلی 'ج' سے نہ

بھاگے یا کھائی کو نہ کو دسکے۔ وہ پکڑا ہوا سمجھا جائے آخری انڈے کے لئے (اور آخری کھلاڑی کو بھی) صرف حق ہے۔ کہ انڈا اُٹھا کر جس جانب سے چاہے بھاگ نکلے۔

جو کھلاڑی کامیابی کے ساتھ انڈا اُٹھا کر بھاگ نکلیں۔ وہ ایک طرف ایک گروپ میں باہر بیٹھ جائیں اور جو اس کوشش میں ناکامیاب رہے اور پکڑا جائے۔ وہ دوسرے گروپ میں دوسری طرف۔ اور چھینے ہوئے انڈے کو واپس رکھ دے۔ کھلاڑی صرف گلیوں میں بھاگیں گے۔ کھیل کے نقشے کی کسی لائن کو چھو نہیں سکتے۔ اگر چھو لیں تو باہر ناکامیاب گروپ میں بیٹھیں۔

جب کھیل کے دائرے میں کھلاڑی کوئی نہ رہے تو پھر انڈوں کی مرغی، ناکامیاب کھلاڑیوں کو دائرے سے بیس گز پر کھڑا کرے اور کامیاب کھلاڑیوں کو دائرے کے پاس کھڑا کرے۔

اب انڈوں کی مرغی، تالی بجائے۔ جس پر دائرے والے کھلاڑی باہر والوں کو چھوئیں گے اور باہر والوں کی کوشش ہوگی۔ بغیر پکڑے دائرے میں پہنچ جائیں۔ جہاں وہ محفوظ ہیں۔ اگر کوئی دائرے سے باہر پکڑا گیا۔ تو وہ پکڑنے والے کو وہیں سے پیٹھ پر اُٹھا کر دائرے تک لائے۔

ناکامیاب کھلاڑیوں میں سے جو دائرے میں آخر میں پہنچے وہ کھیل کو دوسری مرتبہ شروع کرنے میں انڈوں کی مرغی بنتا ہے۔

احتیاط:۔

(۱) پتھر انڈوں کے سائز کے لینے چاہئیں:

لطیفے

مالکہ:۔ (ماما سے جو ملازمت چاہتی ہے) جہاں تم پہلے ملازم تھیں وہاں سے کیوں چلی آئیں۔

خادمہ:۔ میں کبھی بچوں کو نہلانا بھول جاتی تھی۔

سب بچے:۔ تو اماں۔ اماں اسی کو رکھ لو۔

مجسٹریٹ:۔ (ملزم سے) تمھارا کوئی گواہ ہے؟

ملزم:۔ میرا گواہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے

مجسٹریٹ:۔ اچھا اسی کو بلاؤ۔

ملزم:۔ (دو روپے میز پر پھینک کر) سمن کے لئے کورٹ فیس میں ادا کرتا ہوں اور سمن سرکار جاری فرمائیں۔

(مصطفےٰ کمال دسنوی)



پیاری بچیو اور بچو، تندرست رہو اور خوش۔ جس وقت یہ پرچہ تمھارے پاس پہنچے گا، تم عید منا چکے ہوگے تاہم میں تمھیں عید کا دن ہنسی خوشی گذارنے پر مبارک باد دیتی ہوں۔ ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم۔

کل میں اپنی برادری کے بارے میں کچھ سوچ رہی تھی اور اپنے دل میں اس بات کا جائزہ لے رہی تھی کہ ہم نے اب تک کیا کام کیا ہے اور جس مقصد کے لئے ہم نے اپنی برادری قائم کی ہے اس مقصد میں ہمیں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

ہمارا مقصد کیا تھا؟

یہ برادری ہم نے اس لئے قائم کی تھی کہ بچے اپنا وقت صحیح گذارنا سیکھیں۔ ان میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں دلچسپی پیدا ہو۔ ان میں سیر و تفریح کا شوق پیدا ہو۔ مل جل کر کام کرنا سیکھیں۔ انھیں اپنے اوپر بھروسہ کرنا آجائے اور آپس میں اپنے شہر یا دوسرے شہروں اور ملکوں کے ہم عمر بچوں سے دوستی اور بھائی چارا پیدا ہو۔

میں ان دو تین سال کے کاموں پر غور کرتی ہوں تو مجھے ایک خوش گوار مسرت سی ہوتی ہے۔ اردو جاننے والے بچوں کے لئے ہماری برادری ایک نئی چیز تھی اور اب اس برادری کے قائم ہونے کے بعد ملک میں اس قسم کی کئی انجمنیں بن گئی ہیں اور یہ پیام برادری کی بہت بڑی کامیابی ہے مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ لوگ اب ان چیزوں کی ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔

اس عرصے میں برادری کی بہت سی شاخیں کھلیں اور اب تک کھل رہی ہیں۔ انھوں نے جیسا کچھ بھی اُن سے بن پڑا کام کیا اور کر رہی ہیں ان میں سے چند نے اپنا قدم ذرا تیزی سے آگے بڑھایا۔ بعض نے کچھ سستی سے کام کیا۔ کبھی یہ بھی ہوا کہ کسی شاخ نے شروع شروع میں بہت سرگرمی دکھائی۔ مگر بعد میں وہ جوش باقی نہ رہا

پھر بھی کچھ نہ کچھ کام بہرحال سبھی نے کیا اس معاملے میں بے قصور میں بھی نہیں ہوں۔ میں اپنی برادری پر اتنی توجہ نہ کر سکی جتنی کرنی چاہیے تھی۔ اس کی وجہ زیادہ تر میری مشغولیت ہے۔ میں مشغول اب بھی ہوں۔ مگر کوشش کر رہی ہوں کہ اپنی برادری کے لئے جتنا وقت بھی نکال سکتی ہوں نکالوں۔

مجھے امید ہے کہ برادری کی تمام خصوصاً علی گڑھ، میرٹھ، ساگر، بریلی، کانپور، بھوپال، حیدرآباد، گلبرگہ اور دہلی کی شاخیں نئے سال سے پوری دلچسپی اور نئی سرگرمی سے اپنا کام شروع کر دیں گی۔

نئے سال کے لئے تمام برادریاں (سوائے سہارنپور کے جو ابھی قائم ہوئی ہے) زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فروری تک اپنی مجلس کا انتخاب کر لیں۔ ان انتخابات کا حال مجھے دس فروری تک بھی مل جائے تو میں مارچ کے پرچے میں شائع کر دوں گی۔ بچوں کو برادری کا ممبر بناتے وقت عمر کا لحاظ خاص طور پر رکھا جائے۔

اس مرتبہ برادریاں یہ بات خاص طور سے اپنے پروگرام میں شامل کر لیں کہ برادری کا ہر ممبر اپنے محلے یا اس پڑوس کے ایک ان پڑھے لکھے آدمی کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔

اس مرتبہ معمے بہت کم تعداد میں یعنی کل پچاس آئے ہیں ان میں سے کوئی حل صحیح نہیں ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ صرف محمد عبدالغفور حیدرآباد کا حل ایسا ہے جس میں ایک غلطی ہے۔ ظفر حسین خاں بریلی۔ تصدیق امین خان فیض آباد۔ ظفر علی، جامعہ دہلی کے حلوں میں دو دو غلطیاں ہیں ان سب کو انعام بھیج دیا جائے گا۔

شاید اب کی معما کچھ مشکل ہو گیا تھا اسی لئے بہت سے بچوں نے ہمت نہیں کی اور جن بچوں نے ہمت کی اُن کے حل غلط ہو گئے۔ میں نے معما بنانے والے صاحب کو تاکید کر دی ہے کہ معما بہت آسان اور دلچسپ بنائیں۔ اس مہینے کا معما انھوں نے بہت آسان بنایا ہے آئندہ وہ اور بھی آسان بنائیں گے مجھے پوری توقع ہے کہ اب کی سب بچے اپنے حل بھیجیں گے۔

ایڈیٹر صاحب کو شکایت ہے کہ پیامی خصوصاً برادری کے ممبر رسالے کی اشاعت بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ہر پیامی اپنے پرچے کا ایک ایک خریدار بھی پیدا کر دے تو پیام تعلیم کی اشاعت کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم ان کی یہ شکایت دور کر دو گے۔ تم اگر ذرا سی توجہ کرو تو کم سے کم ایک ساتھی کو تو خریدار بنا سکتے ہو۔ علاوہ اس کے بچوں کے والدین۔ استادوں اور اپنے مدرسے کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو مجبور کرو کہ وہ اپنے یہاں پیام تعلیم جاری کرائیں۔ اچھا اب رخصت

تمھاری آپا جان

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں۔ ابھی ایک تاش منگائیے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ساتھ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: اردو انگریزی ۱۲۔ اردو ۸ ہندی
چھوٹا سائز: اردو ۶ ۔ انگریزی ۶

مکتبہ جامعہ دہلی

مارچ ۵۲ء

پیام تعلیم دہلی



چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳؍

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰؍

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے، کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵؍

چاریار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۹؍

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰؍

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰؍

پیامِ تعلیم
دہلی

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

پیامِ تعلیم
یوپی، سی پی، برار، میسور
اور حیدر آباد کے لئے سرکاری
طور پر منظور شدہ



جلد ۲۳ | مارچ سنہ ۴۴ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

قیمت سالانہ ؎ فی پرچہ ۳ر
پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پچھلے پرچے کے چند مضمون 'لالہ رُخ' 'ہمارا سفر' پتیوں کا البم اور نظم چڑیا اور بلی۔ بچوں نے بہت پسند کئے اس پرچے کے مضمون انشاءاللہ انھیں اور بھی پسند آئیں گے۔

اس پرچے میں گلشن کی آزادی اور آب دوز کشتی ہم نے خاص طور سے لکھوائے ہیں۔ ان کے علاوہ "ہمارا سفر" کا تیسرا حصہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہے اور ہاں وہ نظم "چڑیا اور باز" اسے تو تم بہت ہی پسند کروگے۔ اس قسم کی باتصویر نظمیں اب ہر پرچے میں چھپیں گی۔ کبھی ایک کبھی دو۔

اس مرتبہ آب دوز کشتی والا مضمون بہت لمبا ہو گیا اس کی وجہ سے کئی اچھے اچھے مضمون شائع نہ ہو سکے یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے۔ مضمون نگار بھائیوں سے ہماری درخواست ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھا کریں۔

آب دوز کشتی والا مضمون اثر صاحب نے بہت محنت سے اور دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ امید ہے کہ تم اسے توجہ سے پڑھوگے۔ آئندہ پرچے کے لئے انھوں نے دخانی جہاز پر مضمون لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

بہت سے بچوں اور بہت سے استادوں نے ہم سے شکایت کی ہے کہ گتے والا مضمون کیوں بند کر دیا گیا۔ بچوں میں گتے کی چیزیں بنانے کا شوق بڑھتا جاتا ہے۔ بہت سے بچوں نے پیام تعلیم میں ترکیبیں پڑھ کر چیزیں بنائیں اور انعام حاصل کئے۔ ...یں مضمون نگار صاحب کو فرصت بالکل نہیں ملی انھوں نے آئندہ مہینے سے مضمون کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

خاص حیدرآباد کے لئے حیدرآباد ایڈیشن مہینوں سے چھپ رہا ہے۔ ہم نے حیدرآباد کے استادوں اور دوسرے حضرات سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال بھیجا کریں۔ ہمیں شکایت ہے کہ ان بزرگوں نے درخواست پر ابھی تک توجہ نہیں کی اور ہمیں دقتوں سے حیدرآباد کے متعلق اس قسم کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

تن اور من صاف رہے

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

دنیا میں اگر خوش رہنا ہے، تن صاف رہے من صاف رہے
مجھ کو تو یہی بس کہنا ہے ، تن صاف رہے من صاف رہے

ہو بیماری کا دور اثر ، ہو بیکاری کا دور خطر
اس طرح کرو تم عمر بسر ، تن صاف رہے من صاف رہے

یہ جسم ہمارا چیز ہے کیا ، اک کل کہنا ہے اس کو بجا
اس کل کو رکھو تم ٹھیک سدا ، تن صاف رہے من صاف رہے

ہر حصّہ جسم کا پاک رکھو ، ہرگز نہ بدن پر خاک رکھو
دل کو نہ کبھی غمناک رکھو ، تن صاف رہے من صاف رہے

میلے ہوتے ہی نہا لو تم ، کپڑے اپنے دھوڈالو تم
یہ کام نہ کل پر ٹالو تم ، تن صاف رہے من صاف رہے

دل میں نہ کسی کے کینا ہو ، ہاں پاک سبھی کا سینہ ہو
یوں جینا ہو یوں جینا ہو ، تن صاف رہے من صاف رہے

ستھرا رہنے میں ہرج ہے کیا ، بتلاؤ تو اس میں خرچ ہے کیا
ہے نیّر کا یہ قول بھلا ، تن صاف رہے من صاف رہے

پیارے ستارے

سندر نیارے پیارے پیارے — جھلمل جھلمل کرتے تارے
سب کے پیارے پیارے ہمارے — کتنے سندر ہیں یہ ستارے

سونے دیس میں بستے کیوں ہو — دیکھ کے ہم کو ہنستے کیوں ہو
چپکے کیوں ہو کچھ تو بولو — دیکھتے کیا ہو آؤ کھیلو
نیچے آؤ مل کے کھیلیں — گانا گائیں جھولا جھولیں
آؤ کھلونے تم کو دکھاؤں — میٹھے میٹھے گیت سناؤں

اچھے اچھے میوے کھلاؤں
گدگدی کر کے خوب ہنساؤں

(الہام)



دو شریر بچے

جمیلہ عبداللہ

ایک تھے ننھے میاں اور ایک تھیں منّی بائی۔ یہ دونوں بہن بھائی تھے اور ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ منّی بائی ننھے میاں سے دو سال چھوٹی تھیں اور ننھے میاں کی عمر کوئی سات سال تھی۔ یہ دونوں بہن بھائی بہت شریر تھے اور اپنی امی اور ابّا کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ اس لئے ابّا انھیں اچھے اچھے کھلونے لاکے نہیں دیتے تھے اور امّی اچھی اچھی کہانیاں نہیں سناتی تھیں۔ ایک دن جب اُن کے ابّا دفتر سے آئے تو ننھے میاں کھڑے سگرٹ پی رہے تھے اور منّی بائی پاس کھڑی ہوئی تالیاں بجارہی تھیں۔ ننھے میاں اور منّی بائی نے ابّا جان کو دیکھا تو بھاگ کر چھپ گئے۔ مگر ابّا جان اُنھیں پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے دونوں کو بہت پیار کیا۔ پھر ننھے میاں کو گود میں بٹھاکر کہنے لگے "دیکھو بیٹا سگریٹ بڑی بری چیز ہے چھوٹے بچے اسے نہیں پیا کرتے۔ اس کے پینے سے پیٹ میں دھواں بھر جاتا ہے اور پھر وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بہت سے تو مر بھی جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر ابا جان نے دونوں کو مٹھائی دی اور کہا "اب تم جاکر کھیلو" اور ننھے میاں سے کہنے لگے کہ اب تم پھر سگرٹ نہ پینا اس وقت تو ننھے میاں چپ چاپ سنتے رہے۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ ابّا کی نصیحت بھول گئے اور شرارتیں کرنے لگے۔

ایک دن اُن کی پیاری امی بہت بیمار ہوگئیں ڈاکٹر نے ننھے میاں اور منی بائی کو بلاکر کہا کہ وہ اپنی امّی کے کمرے میں نہ جائیں کیونکہ شوروغل سے امّی کی طبیعت زیادہ خراب ہوجائے گی۔ لیکن یہ دونوں کب ماننے والے تھے۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی چپکے سے دروازہ کھول کر امّی کے کمرے میں چلے گئے۔ ننھے کی نظر میز پر جو پڑی تو اُسے ایک سگرٹ دکھائی دیا اس نے لپک کر سگرٹ لے، اپنی جیب میں چھپا لیا اور پھر دونوں کھیلنے اور شور مچانے لگے۔ امّی سو رہی تھیں چونک کر اٹھ بیٹھیں۔ جب ننھے میاں اور منّی بائی نے انھیں اٹھتے دیکھا تو دونوں باہر بھاگ آئے اور پھر سارے گھر میں گھومنے لگے۔ پھرتے

پھراتے وہ ایک اور کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے میں امی کی بڑی اچھی اچھی ساڑھیاں رکھی تھیں۔ منی بائی کو جو شرارت سوجھی تو ایک اچھی سی ساڑھی بدن پر لپیٹ لی اور کہنے لگی" اہا جی۔ آہاہا ہم رانی بن گئے۔ ہم رانی بن گئے"۔ ننھے میاں نے جب یہ دیکھا تو ابا جان کا ایک نیا ٹوپ پہن لیا اور کہنے لگے "ہم راجہ بن گئے، ہم راجہ بن گئے"۔ اتنے میں ننھے میاں کو سگرٹ کا خیال آیا اور وہ منی بائی سے کہنے لگے" ارے منی، منی۔ دیکھو تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔ جاؤ، جاکر راجہ کے لئے دیا سلائی کی ڈبیہ لے آؤ۔ پھر راجہ تمہیں گاڑی میں بٹھاکے گاڑی چلائے گا"۔ منی بائی کو یہ بات بہت اچھی لگی۔ بھاگم بھاگ باورچی خانے گئی اور دیا سلائی کی ڈبیا اٹھالائی۔ خیر ہوئی کہ بڑی بی نے اسے نہیں دیکھا ورنہ منی بائی کو اسی وقت سزا ملتی۔ ننھے میاں کہنے لگے" منی ذرا دروازہ بند کردو"۔ منی نے دروازہ بند کردیا پھر کہنے لگے" منی زنجیر بھی چڑھادو کہیں ابا جان نہ آجائیں" لیکن منی کا ہاتھ زنجیر تک نہیں پہنچتا تھا۔ اس لئے ننھے میاں نے ایک اسٹول دروازے کے پاس رکھا اور زنجیر لگادی۔ منی بائی بولیں" بھیا، بھیا میری گاڑی کہاں ہے" ننھے میاں پہلے تو کچھ سوچتے رہے پھر اسٹول کو الٹا کیا اور کہنے لگے" لے بیٹھ جا منی اس میں میں اسے دھکیلوں گا۔ جیسے راجہ رانی کی گاڑی چلاتا ہے"۔

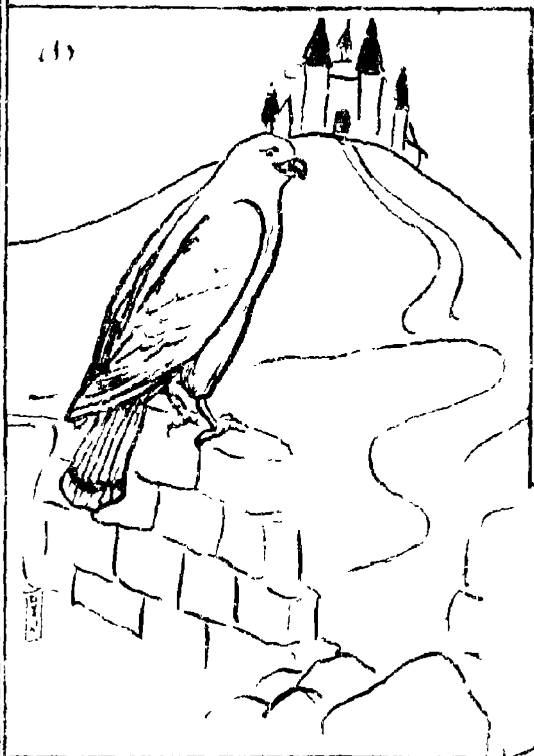
منی بائی۔" بھیا یہ اسٹول تو بہت چھوٹا ہے۔ میں اس میں کیسے بیٹھوں"۔ ننھے میاں" اچھا ٹھہر میں بٹھاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر ننھے میاں نے منی بائی کو اسٹول کے اندر گھسیڑ دیا اور اسٹول کو دھکیلنے لگے جب تھک گئے تو کہنے لگے" میں ذرا سگرٹ پی لوں، پھر گاڑی چلاؤں گا" اور سگرٹ پینے لگے۔ منی بائی اسٹول میں بہت پھنسی ہوئی اور تکلیف سے بیٹھی تھی کہنے لگی" بھیا مجھے نکالو"۔ ننھے میاں نے کہا" ٹھہر جاؤ میں سگرٹ پی کر نکالتا ہوں" لیکن منی بائی کی پیٹھ میں تو درد ہو رہا تھا وہ رونے لگی۔ ننھے میاں نے جب اسے روتے دیکھا تو سگرٹ پھینک کر اسے نکالنے لگے۔ لیکن منی بائی تو اسٹول میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ وہ نکل نہ سکی۔ ابھی ننھے میاں اسے نکالنے میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ منی بائی کی ساڑھی کے کنارے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اب تو وہ بہت ہی گھبرائے اور دروازے کی طرف بھاگے۔ مگر دروازے پر زنجیر چڑھی تھی۔ اب کیا کرتے۔ ادھر آگ اور بھڑک اٹھی۔ منی بائی نے رونا شروع کردیا۔ ننھے میاں بھی چلانے لگے۔" آ........ آ......... آگ .... آ۔آ......... آگ" گھر کے سارے نوکر دروازے پر آگئے اور کہنے لگے" ننھے میاں دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولو"۔ لیکن ننھے میاں

دروازہ کیسے کھلتے اسٹول میں تو ننھی پھنسی ہوئی تھی اتنے میں ابا جان بھی دفتر سے واپس آگئے جب انھوں نے یہ دیکھا تو کلہاڑی لے کر دروازہ توڑنے لگے امی نے ننھے میاں اور منی بائی کی چیخیں سنیں تو وہ بھی گرتی پڑتی باہر نکل آئیں لیکن بے ہوش ہوکر گر پڑیں منی بائی بھی بے ہوش ہوگئی۔ اس کی ساڑھی اور بال جل گئے۔ ابا جان نے دروازہ توڑ ڈالا۔ نوکروں نے آگ بجھائی اور منی بائی کو باہر نکالا۔ ننھے میاں تو اچھے خاصے تھے مگر منی بائی کا بدن بری طرح جل گیا تھا۔ ابا جان نے جلدی سے ڈاکٹر کو بلوایا۔ ڈاکٹر نے منی بائی کے دوا لگائی اور پٹی باندھی۔ امی کے بھی دوا پلائی۔ اور دونوں کو ایک ہی کمرے میں لٹا دیا۔ ننھے میاں کو ان کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی وہ بچارے سارا دن اکیلے پھرتے رہتے۔ بہت ہی اداس رہتے۔ اور اپنے کئے پر بہت پچھتاتے۔ رات کے وقت جب سب سو جاتے تو اپنی پیاری امی

اور منی کے اچھے ہو جانے کی دعا کرتے۔ بہت دنوں کے بعد امی اور منی اچھی ہوگئیں۔ مگر منی بائی گنجی ہوگئی تھیں۔ ایک دن ابا جان نے دونوں بچوں کو اپنے پاس بلا کر پوچھا "میرے بچو سچ سچ بتاؤ اس دن آگ کیسے لگی تھی"۔ ننھے میاں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔ اور پھر دونوں نے ابا جان سے معافی مانگی اور کہنے لگے "ہم آپ کا کہنا ضرور مانیں گے"۔ ننھے میاں بولے "اب میں کبھی سگرٹ نہیں پیوں گا"۔ ابا جی نے دونوں کو گلے سے لگا لیا اور کہنے لگے "تم نے بہت اچھا کیا جو سچ سچ کہہ دیا مگر اب تم دونوں اللہ میاں سے معافی مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو"۔ ننھے میاں اور منی بائی نے پھر اللہ میاں سے معافی مانگی اور رو رو کر توبہ کی اس دن کے بعد وہ دونوں بڑے اچھے بچے بن گئے۔ سب کا کہنا مانتے تھے۔ ابا جان انھیں نئے نئے کھلونے لاکر دیتے اور امی انھیں اچھی اچھی کہانیاں سناتیں

چڑیا اور باز

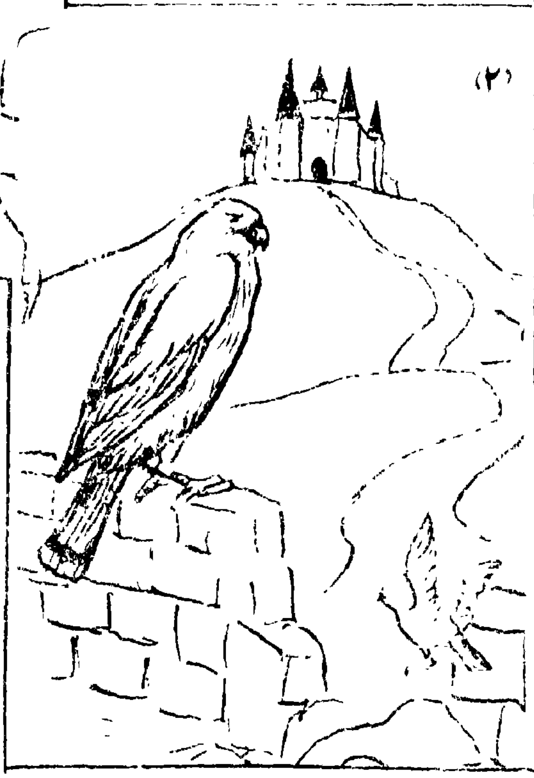
(۲)



(۱)

۱

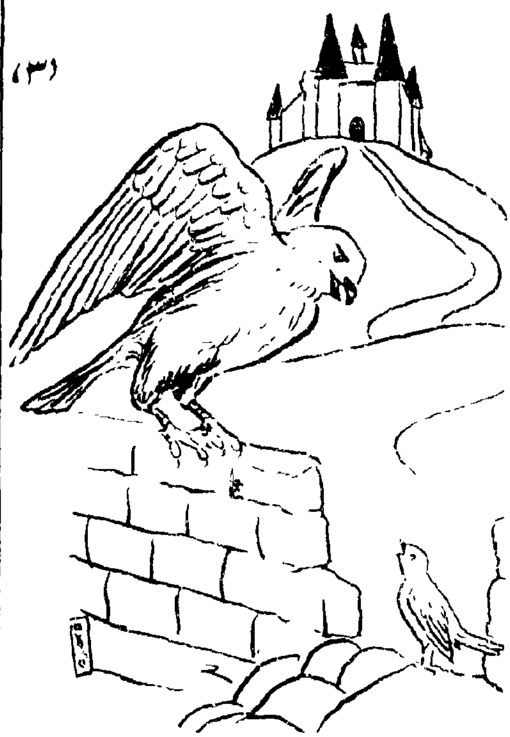
دیوار اک تھی ٹوٹی پھوٹی
آکر بیٹھا باز وہاں پر
بھوک کے مارے سٹّی گم تھی
سوچ رہا تھا جھپٹے کس پر



(۲)

۲

آئی چڑیا چوں چوں کرتی
چوں چوں کرکے اینٹ پہ بیٹھی
باز نے اس کو غور سے دیکھا
خوش ہو کر یہ اس سے بولا

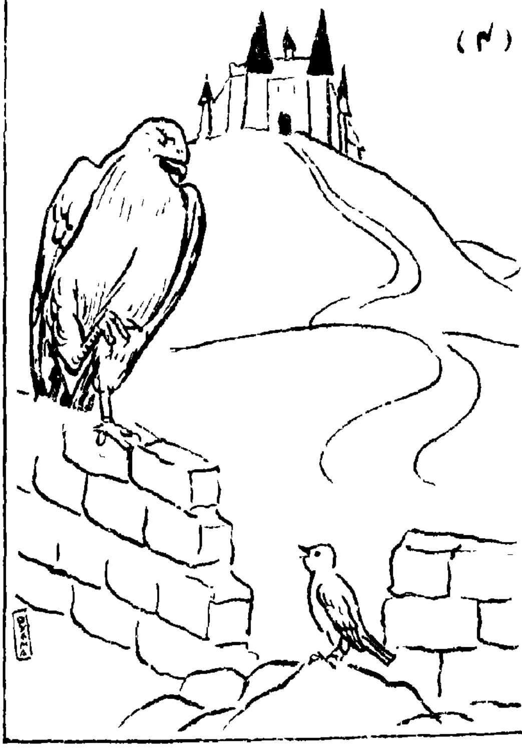


۳

"اچھی تو ہو اے بی چڑیا
ننھی منی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو
آئی ہو تو کچھ دم لے لو"

۴

چوں چوں کر کے چڑیا بولی
"راجہ کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری
اس کو گیت سناتی ہوں میں





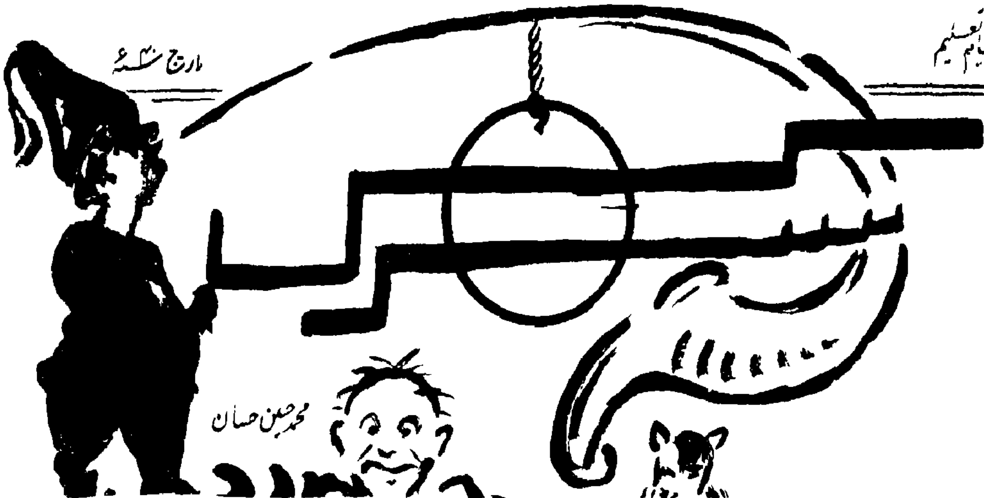
۵

بولا باز "وہاں مت جاؤ
پیار کروں میں تم کو آؤ
میری چونچ ہے ایسی اچھی
جیسے ریشم کی ہو لچھی"



۶

بولی چڑیا "بخشو حضرت
تم سے تو بس دور کی الفت
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا
اوروں سے یہ باتیں کرنا"
اُڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئے حضرت پر پھیلا کر



ابراہیم، رشید، احسن، محسن اپنے قصبے کے مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ ایک دفعہ چھٹیوں میں اُن کے ابا انھیں سرکس دکھانے لے گئے۔ بچوں کو بڑا مزا آیا۔ انھوں نے ایسے تماشے کبھی کاہے کو دیکھے تھے۔ سائکل کی سواری۔ ورزشی کھیل۔ مسخروں کے ناچ گانے۔ گھوڑوں



ہاتھیوں، شیروں وغیرہ کے کرتب اور جانے کیا کیا۔

کھیل دیکھ کے لوٹے تو اُن کے دماغ میں بس سرکس ہی سرکس تھا۔ گھر پہنچ کر تو رات دن اُسی کی نقلیں کرتے۔

ایک دن احمد پاس کے قصبے سے اُن سے ملنے آیا۔ یہ اُن کا ماموں زاد بھائی تھا۔ شام کو سب کی صلاح ہوئی کہ کہیں ٹہلنے چلیں۔ مگر تھوڑی دیر میں آسمان پر بادل گھر آئے۔ رشید نے کہا "اب کیسے جائیں۔ اے لو ہلکی ہلکی بوندیں بھی پڑنے لگیں" ابراہیم نے کہا "آؤ یہیں گھر میں سرکس سرکس کیوں نہ کھیلیں" سب نے اس رائے پر صاد کیا۔

اب تیاری شروع ہوئی۔ چاروں طرف سے نئے پرانے کپڑے تلاش کئے گئے۔ ان ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کو پہن کر سب کی شکلیں عجیب وغریب ہو گئیں دیکھ کر ہنسی آتی تھی

ابراہیم اپنی پونی پکڑ لائے۔ اور اسے کبھی دُلکی بھی پونیا بھگایا۔ پونی بھی خوب سدھا ہوا تھا۔ ذرا سے اشارے سے فوراً رک جاتا تھا۔ احسن محسن نے ایک خوب مضبوط رسی کی الگنی بنائی اور اس پر الٹے لٹکے۔ سر کے بل کھڑے ہوگئے اور عجیب عجیب ورزشیں کیں۔ احمد بھی ان دلچسپیوں میں لکھوایا ہوا تھا۔ اس نے بھی احسن محسن کی نقل شروع



کی۔ الگنی میں الٹا لٹکنا تو آگیا مگر بھائی سر کے بل کھڑا ہونا ذرا ٹیڑھی کھیر تھا۔ مگر حمید نے ہمت نہیں ہاری۔ برابر کوشش کیے گیا آخر کار کامیاب ہو گیا۔ اتنا خوش تھا، اتنا خوش تھا کہ کچھ پوچھو مت۔

ادھر میاں رشید نے اپنے اوپر اتنے کپڑے لاد لیے تھے کہ اچھے خاصے لالہ جی بن گئے تھے۔ یہ ایک بکس پر خوب اچھل کود رہے تھے اور ناچ رہے تھے اور مذاقیہ گانے گا رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر سب کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ گئے اور اپنا کھیل چھوڑ چھاڑ سب انھی کا تماشا دیکھنے لگے۔

دوسرے دن احمد سو کر اٹھا تو اس کے تمام بدن میں درد تھا۔ اس کے پھوپھا نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کل تم نے بہت زیادہ محنت کی ہے اور شاید تمھیں روزانہ ورزش کی عادت نہیں ہے اگر عادت ہوتی تو تمھیں اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ ورزش کرنے سے رگ پٹھوں میں خوب طاقت آجاتی ہے۔ ورزش کرنے والا آدمی کسی دن زیادہ محنت بھی کرے تو اس کے جسم میں درد نہیں ہوتا۔ اب تم خود ہی دیکھو کہیں ابراہیم، رشید اور احسن محسن نے بھی درد کی شکایت کی؟ تو بات کیا ہے! بات یہ ہے کہ یہ لوگ روز صبح کو دور تک ٹہلنے جاتے ہیں۔ اسکول

میں ورزش کرتے ہیں۔ اور جب چھٹی ہوتی ہے تو گھر پر خوب کھیلتے کودتے ہیں۔

دو دن کے بعد احمد میاں ٹھیک ہو گئے۔ درد بالکل جاتا رہا۔ گھر جاتے وقت رشید سے بولے۔ اب میں پھوپھا میاں کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ بس روز ورزش کروں گا کہ دوسری بار سرکس میں کھیلتے وقت بدن میں درد نہ ہونے لگے۔

رشید نے کہا۔ ہاں بھائی ضرور اور دیکھئے اب کے آپ آئیے گا نا! تو کوئی نیا کرتب ضرور سیکھے آئیے گا۔ بڑا مزا آئے گا۔

گلش کی آزادی

از حامد حسین صاحب متعلم جامعہ

(۲۵۰۰ ق م کی ایک کہانی)

تیموز بابل میں رہتا تھا۔ اس کا باپ گلش ایک غلام تھا اور اس کی ماں مر چکی تھی۔ گلش کا مالک مرابی بہت امیر آدمی تھا۔ اس کے محل میں ۳۵ کمرے تھے۔ آس پاس خوب صورت باغ تھا۔ گلش اس باغ کا مالی تھا۔ وہ اسی جھونپڑے میں رہتے تھے۔ مرابی کے شاندار باغ کے ایک کونے میں چھوٹی چھوٹی اینٹوں کا ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔

محل کے آس پاس چھوٹے بڑے تمام مکان اونچی زمین پر بنے ہوئے تھے۔ بابل سے گذرنے والی بڑی ندی میں اکثر سیلاب آجاتا تھا اور شہر میں پانی ہی پانی ہو جاتا تھا۔ لوگ مکان بنانے کے لئے اونچی زمین تلاش کرتے تھے۔

تیموز باغ کے کاموں میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ غلام کی اولاد تھا اسی لئے وہ بھی غلام تھا۔ گلش دنیا میں سب سے زیادہ اپنے بیٹے سے محبت کرتا تھا اکثر اس سے کہتا "تیموز مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔ جاؤ بیٹا کھیلو۔"

تیموز کے لئے وہ بڑی خوشی کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس بڑے شہر میں روزانہ کوئی دلچسپ اور مزے دار بات ہوتی ہی رہتی تھی۔

کبھی کبھی تیموز بابل کے بڑے مندر برس نمرود کے صحن میں چلا جاتا تھا۔ وہاں ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی تھی۔ خریدنے اور بیچنے والے پھیرے سپاہی، تاجر، پادری، وکیل خط لکھنے والے سب ہی ہوتے۔ کتے، بلبیوں اور بچوں کا جمگھٹا بھی ہوتا جو کام میں مشغول لوگوں کے پیروں میں کھیلتے پھرتے اور ہاتھا پائی کرتے رہتے۔

تیموز کو ان لوگوں کے دیکھنے میں بہت مزا آتا جو قربانی کے لئے جانور اور پرندے مندر میں لاتے تھے۔ کبھی غراتا ہوا سوٗر یا بھیں بھیں، میں میں کرتی ہوئی بھیڑ یا بکری مالک کے ہاتھ میں سے چھوٹ جاتی اور وہ

اس کے پیچھے دوڑتا اور اس کو تمام بُرے بُرے ناموں سے پکارتا اور گالیاں دیتا۔ اس پر لوگ اس کا مذاق اڑاتے اس پر ہنستے اور ٹھٹھے مارتے۔ لڑکے اور کتے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے بھاگتے رہتے کتوں کے بھونکنے، چلانے اور چیخنے سے تموز خوب ہنستا تھا اور ان کے پیچھے دوڑتے دوڑتے وہ بے دم ہو جاتا تھا۔

وہ خط لکھنے والوں اور وکیلوں کو غور سے دیکھتا رہتا۔ اس زمانے میں ایک چھوٹی سی لکڑی سے لکھتے تھے جس کی نوک میخ کی ہم شکل ہوتی تھی۔ نم دار مٹی کے تختے کاغذ کا کام دیتے تھے۔ کوئی وکیل یا پادری کوئی معاہدہ لکھ لیتا تو دونوں فریق اس پر اپنی مہریں لگا دیتے۔ پھر تختی بھٹی میں رکھ کر پکالی جاتی تھی تاکہ لکھا ہوا نہ مٹ سکے

تموز کو وکیلوں سے زیادہ خط لکھنے والے پسند تھے۔ یہ بھی لکھنے کے لئے مٹی اور چھوٹی چھوٹی تیلیاں ہی استعمال کرتے تھے۔ مگر غیر دلچسپ تجارتی معاہدوں کی جگہ وہ اُن لوگوں کے خط لکھتے جو لکھنا نہیں جانتے تھے وہ ماؤں کے خط ان کے اُن بیٹوں کے نام لکھتے جو لڑائی پر ہوتے تھے، بیویوں کے خط اُن کے شوہروں کے نام لکھتے جو بہت دور دریاؤں پر ہوتے۔ یا پھر ایسے لوگوں کے خط لکھتے جو کسی سے محبت کرتے ہوں اور کچھ دنوں کے لئے اس سے الگ ہو گئے ہوں خط لکھنے والے لکھتے وقت مذاق کرتے جاتے۔ عجیب باتیں بناتے اور خوب ہنستے تھے تاکہ اُن کا لکھنا دیکھنے والے

بھی ہنسیں۔ ایک دوسرے کی پیٹھ پر مُکے لگائیں اور ایک دوسرے کی چٹیاں توڑیں۔

تموز کبھی بازار کی طرف نکل جاتا۔ وہاں بڑے بڑے قافلے، قالینوں، ریشم کے کپڑوں، کھجوروں، انجیروں اور ہر قسم کے سوکھے پھلوں کا ڈھیر کا ڈھیر اونٹوں پر سے اتارنے کے لئے پڑاؤ ڈالتے تھے۔ بازار میں بہت سی دکانیں تھیں اور دکان دار اپنے یہاں کے سامان کا نام لے کر چلا رہے تھے۔ مثلاً تازہ مچھلی، سوکھی مچھلی۔ انڈے مکھن، بکری کا گوشت، پھل، ان کے علاوہ سونا، چاندی اور ہیرے، جواہر، انگوٹھیاں اور آرائش کا تمام سامان اور باورچی خانے کے لئے ہر قسم کے برتنوں کی آوازیں ہر طرف سے آتی رہتی تھیں۔

بابل میں بہت سے مدرسے تھے۔ مگر تموز تو غلام کا لڑکا تھا۔ مدرسے کیسے جاتا۔ وہ اس بات سے خوش بھی تھا جس دن صبح کو دھوپ نکلتی اور اُسے کھیلنے کا موقع ملتا اس دن تو وہ بہت ہی خوش ہوتا تھا۔

تموز کو سب سے زیادہ لطف شہر کے باہر کھلے میدانوں اور درختوں کے جھنڈ میں پھرنے میں آتا تھا۔ وہ باریک اور لانبی گھاس پر بیٹھ جاتا۔ چڑیوں کے گیت اور کیڑے مکوڑوں کی بھنبھناہٹ سنتا۔ وہ پرندوں، کیڑے مکوڑوں کی حرکتوں اور عادتوں سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا بغیر دیکھے چڑیوں کے صرف گیت سُن کر اُن کو پہچان جاتا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کب اور کہاں گھونسلا بناتی

ہیں۔ کبھی کبھی اس کا باپ اس کے اِدھر اُدھر گھومنے پر بُرا بھلا بھی کہتا مگر خفگی کی نوبت مار پیٹ تک نہ پہنچی۔ حالانکہ گلشن خود اس لئے پیٹا جاتا محض اس لئے کہ باغ کے پھول مالک کی منشا کے مطابق خوب صورت کیوں نہیں ہیں۔ ہاں جب تیموز نافرمانی کرتا تو گلشن غصے میں آکر کہتا "تیموز اب تم کوڑے کھانے ہی والے ہو"

اس رئیس یعنی مرآبی کا بھی ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام حمیش تھا۔ مرابی سب سے زیادہ اپنے اس اکلوتے بچے سے محبت کرتا تھا۔ وہ لڑکے کی حفاظت اپنے گھر بار اپنے تلو غلاموں، اپنے خوب صورت باغ، اپنے اونٹوں بیلوں، بھیڑوں، گدھوں اور اپنے تمام سونے سے زیادہ کرتا تھا۔ تیموز دس برس کا تھا اور حمیش اس سے ایک سال چھوٹا۔ وہ تقریباً ۴ سال سے اسکول جاتا تھا حمیش کا مدرسہ بڑے مندر کے پیچھے تھا۔ اس کے تمام استاد پجاری تھے۔ اسکول سے حمیش کا گھر کا راستہ صرف دس منٹ کا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک غلام اس کی دیکھ بھال کے لئے جاتا تھا اور جب مدرسے کی چھٹی ہوتی تو اس کو واپس گھر لاتا تھا۔

جب حمیش چھوٹا تھا تو اسے غلام کے ساتھ مدرسے جانا اچھا لگتا تھا۔ مگر اپنی نویں سال گرہ پر وہ اپنے باپ مرابی کے پاس گیا اور کہا "ابا جان، اب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ (یعنی (غلام) اسکول جائے۔

مرآبی نے یہ سنا تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور چلایا" ارے بیٹا تم کو راستے میں اونٹ چبا جائے گا یا کوئی بیل کسی چھت پر اچھال دے گا۔ حمیش نے بہت سی چالیں اکیلے مدرسے جانے کے لئے چلیں مگر مرآبی نے ایک نہ سنی اور کہا" بارھویں سال گرہ کے بعد تم کو اکیلے مدرسے جانے کی اجازت ملے گی"

دوسرے دن دوپہر کو حمیش نے مدرسے کے پجاری سے جلدی چھٹی لے لی اور غلام کے آنے سے پہلے ہی وہ گھر کی طرف اکیلا روانہ ہو گیا۔ لیکن اس ڈر سے کہ راستے میں غلام نہ مل جائے۔ اُس راستے سے نہیں گیا جس سے وہ روز گھر جاتا تھا۔ وہ شہر سے باہر نکل کر کھیتوں کھیتوں ٹیڑھی ترچھی پگڈنڈی پر ہو لیا .... اور یہ سمجھا کہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر بعد ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے۔ فوراً بُرے بُرے ڈراؤنے خیال اس کے دل میں آنے لگے۔ وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے جنگلوں سے گذر چکا تھا۔ اب جو اسے ہوش آیا تو واپس ہونے کی ٹھانی مگر پیچھے مڑا تو شہر کے میناروں کا کہیں پتہ تک نہ تھا۔ اب اُس نے دوڑنا شروع کیا۔ وہ خوفناک جنگلی جانوروں، چوروں اور بھوتوں کے ڈر سے روتا بھی جاتا تھا جب اس کا ڈر اور خوف بڑھنے لگا تو وہ لانبے گھاس کے ایک بڑے سے میدان میں لیٹ گیا اور روتے روتے وہیں سو گیا۔

جمیش کے کھو جانے کی وجہ سے مراپی کے شاندار محل میں ہل چل مچی تھی۔ رونے، چلانے اور چیخنے کی آوازیں حشر کا سماں تھا۔ اور ان آوازوں میں سب سے بڑی مالک مکان کے گرجنے کی آواز تھی جو کہہ رہا تھا "او گدھو میرا لڑکا کہاں ہے؟ تمھاری جانیں اُس کے بدلے میں لی جائیں گی۔ جاؤ شہر میں ڈھونڈو .....

ہائے جمیش میرے پیارے بیٹے۔"

تیموز محل کی اس گڑبڑ اور ہل چل سے گھبرا کر کچھ دیر شہر کی سڑکوں پر گھوما کیا۔ پھر بابل کے باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ چڑیاں گھونسلوں میں گھس چکی تھیں۔ آسمان پر ایک دھندلا سا ستارہ چمک رہا تھا۔ تیموز کھیتوں میں گھوما کیا اور کچھ دیر بعد اس کی نظر دو چڑیوں پر پڑی جو تیموز کی دائیں طرف بہت دور کھیت کے بیچ میں ایک جگہ پر پھیلائے کبھی نیچے آتیں کبھی اوپر جاتیں اور کبھی ایک دوسرے کی طرف جھپٹتی تھیں۔ دونوں چڑیاں غصّے اور خوف سے بھری ہوئی چوں چوں کی آواز بھی نکال رہی تھیں۔ تیموز پہچان گیا کہ وہ جنگلی چڑیاں ہیں۔ گھاس میں اپنا گھونسلا بناتی ہیں وہ سمجھا کہ اُن کے گھونسلے کے پاس سانپ ہے۔ اس سے ڈر رہی ہیں۔ پھر اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ اس لانبی گھاس میں چڑیوں کی طرف بہت تیزی سے لپکا۔ قریب پہنچا تو چڑیاں خوف اور غصّے سے اسی طرح چوں چوں کرتی اُڑ گئیں۔ تیموز کی آنکھیں غصّے سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جمیش پڑا سو رہا تھا۔ اس نے جمیش کو جھنجھوڑا۔ وہ خوف سے چلا اُٹھا۔ تیموز نے کہا "ڈرتے کیوں ہو؟ میں ہوں میں۔ تمھاری وجہ سے گھر والے بہت پریشان ہیں۔ سب تمھیں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اور تمھارے لئے رو پیٹ رہے ہیں۔ آؤ جلدی چلو" اس نے جمیش کو کھڑا کیا اور دونوں گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

جمیش نے آستین سے اپنے آنسو پوچھتے ہوئے پوچھا "کیا گھر مل جائے گا ہم تو کھو گئے ہیں؟"

"کھو گئے ہیں، واہ" تیموز نے ہنستے ہوئے کہا "میں ایک آنکھ بند کر کے واپس گھر جا سکتا ہوں"

جب وہ دونوں مراپی کے محل کے قریب پہنچے تو تیموز چپکے سے اپنی کوٹھری میں چلا گیا اور اپنے باپ کو یہ قصہ سنانے لگا۔

وہ بمشکل چند لفظ کہنے پایا ہو گا کہ بڑے زور سے کوٹھری کا دروازہ کھلا اور مراپی اندر داخل ہوا اس نے تیموز کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور خوشی میں بار بار پیار کرنے لگا۔ تیموز اس کی لمبی ڈاڑھی سے گھبرایا اور اُس کے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا مراپی نے پوچھا "بیٹا اس بہادری کا جو انعام چاہو مانگو۔ میں دینے کو تیار ہوں۔"

تیموز نے کہا "سچ مچ، میں جو مانگوں گا آپ دیں گے"

"میں پاک بیل کے سینگوں کی قسم کھاکر کہتا ہوں" مرآبی نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے چلاکر کہا۔

"بس؟" مرابی نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔



حمیش کی واپسی

"اچھا تو میرے باپ گلش کو آزاد کر دیجئے!" تیموز ہمت کرکے بولا۔

"جی ہاں" "جناب کا بہت شکریہ" تیموز نے جواب دیا

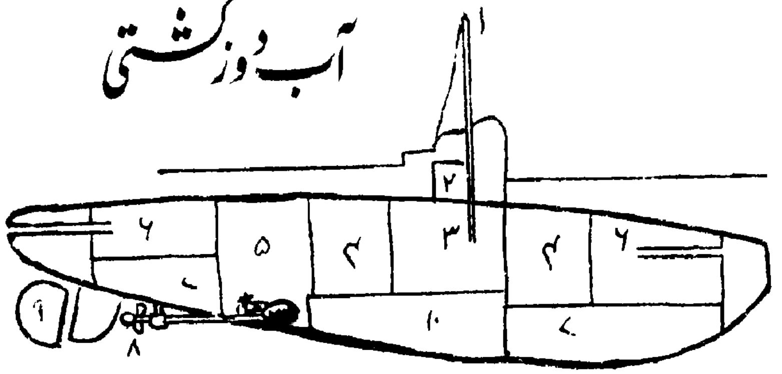
مرابی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "گلشن تم آج سے آزاد ہو۔ کل سے تم میرے باغ کے نگراں مقرر کیے جاتے ہو۔ میں تمھارے لئے اس ڈربے کی جگہ ایک بہترین گھر بنوا دوں گا۔"

پھر مرابی نے تیموزن کی طرف رُخ کیا اور ہنس کر کہا "تم بھی آزاد ہو۔ اسکول جانے کے لئے حبشی کا کوئی نہ کوئی ساتھی ہونا چاہیے۔ اچھا تم آج سے اُس کے بھائی ہو اور میرے بیٹے"۔

جب تیموزن بڑا ہوا اور ایک دولت مند تاجر بنا تو وہ اپنے غلاموں سے صرف پانچ سال کام لیتا اور اس کے بعد اُن کو آزاد کر دیتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے اکثر ذکر کرتا "میں ایک زمانے میں غلام کا لڑکا تھا اور خود بھی غلام۔ میں نے کوڑوں اور زنجیروں کی مار دیکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ انسان کے لئے آزادی کتنی ضروری چیز ہے"۔



آج کل تم صبح کو کوئی اخبار پڑھو یا شام کو یا کسی ریڈیو اسٹیشن سے خبریں سنو۔ تمھیں یہ ضرور بتایا جاتا ہے کہ فلاں آب دوز کشتی نے فلاں مسافروں کا یا مال کا یا جنگی جہاز تارپیڈو (TORPEDO) مار کر تباہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کی ایجادوں نے لڑائی کا خاکہ ہی بدل دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب انسان آمنے سامنے لڑا کرتے تھے اُن میں جو زیادہ طاقت ور یا اچھا شمشیر زن ہوتا تھا وہ اپنے دشمن پر



(۱) پیرسکوپ اور ایریل (۲) کپتان کا کمرہ آب دوز کشتی میں یہیں سے داخل ہوتے ہیں) (۳) انجن چلانے کا کمرہ (۴) ملاح اور جہازراں (۵) انجن (۶) تارپیڈو (۷) وہ حوض جس میں پانی اس غرض سے بھر لیا جاتا ہے کہ آب دوز اس کے وزن سے نیچے چلی جائے اوپر آنے کے لئے ان حوضوں سے پانی نکال دیا دیا جاتا ہے (۸) آب دوز کو آگے لے جانے والے پنکھ (۹) وہ پنکھا جو آب دوز کا رخ بدل دیتا ہے (۱۰) تیل پٹرول وغیرہ۔

غالب آجاتا تھا۔ پھر بندوق کی ایجاد نے بہادری اور دلیری دکھانے کے موقع بہت ہی کم کر دیئے۔ اگر ایک بچہ بھی تین سو، دو سو گز کے فاصلے سے رائفل کا گھوڑا دبا دے تو تمھارا رستم کچھ کر سکے گا نہ گاما۔ آگے چل کر جنگ کے طریقوں میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ لوگ زمین کے علاوہ ہوا اور پانی پر بھی لڑنے لگے۔ اگر ہوائی لڑائی کے سلسلے میں وہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے جو بادلوں سے اونچے اُڑ کر بم برسا سکیں تو سمندر پر لوگوں نے ایک دوسرے کے جہاز کو سامنے سے یا اوپر سے لے مار کر ڈبونے کا طریقہ نکالا علاوہ اس کے یہ بھی چاہا کہ پیچھے سے پانی کے اندر ہی اندر دشمن کے جہاز کے نیچے پہنچیں اور اُسے بارود سے اُڑا دیں۔ بس اس ضرورت کا نتیجہ وہ آبدوز کشتیاں ہیں جن کی تباہ کاریوں کا حال روز دنیا دیکھتی اور سنتی ہے۔

آبدوز کشتی کی ایجاد کا خیال آج سے ۱۶۵ برس پہلے امریکہ والوں کو ہوا تھا اس وقت انگریزوں کا ایک جنگی جہاز "ایگل" (EAGLE) امریکہ کے مشرقی ساحل پر نیویارک (NEW YORK) کی جانب اپنی بندوقوں کا رُخ کئے کھڑا تھا۔ ایک طرف امریکہ والے انگلستان سے بغاوت کا اعلان کر چکے تھے اور دوسری طرف انگلستان توپوں اور بندوقوں کے ذریعے اپنی حکومت قائم رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا

ایک امریکن نے جس کا نام ڈیوڈ بشنیل (DAVID BUSHNELL) تھا۔ قومی غیرت سے مجبور ہو کر ایک چھوٹا سا جہاز بنایا اور اس کا نام ٹرٹل (TERTLE) رکھا۔ ٹرٹل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کچھوے کی شکل وصورت کا جہاز تھا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ یہ پانی میں سیدھا یعنی اپنی پونچھ پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس میں صرف ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا یہی اس کا کپتان ہوتا تھا اور یہی اس کا جہاز راں۔ ٹرٹل دو چپوؤں کی مدد سے چلتا تھا۔ یہ چپو جہاز کے اندر سے چلائے جاتے تھے۔ ٹرٹل پانی کے اندر آدھ گھنٹے سے زیادہ نہیں رہ سکتا تھا۔ ٹرٹل کے جہاز راں کے لئے لازمی تھا کہ وہ ٹرٹل کو پانی میں لے جانے کے لئے پیندے کا حوض کھول دے تاکہ اس میں سمندر کا پانی بھر جائے اور پانی کے اس وزن کی وجہ سے جہاز نیچے پانی میں رہ سکے۔ اوپر آنے کے لئے اس حوض سے پانی نکال دینا ہوتا تھا۔ آج کل یہ پانی پمپ کے ذریعے بہت جلد نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن ٹرٹل میں کوئی ایسا انتظام نہ تھا۔ ٹرٹل کے پیندے میں ناک سے لے کر پونچھ تک سیسے کا دو من سے زیادہ وزنی دُھرا لگایا گیا تھا تاکہ وہ سمندر میں پانی کے زور سے الٹ نہ سکے شاہ بلوط کی لکڑی کے دو کھوکھلے ٹکڑے بارود سے بھرے رکھے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ٹرٹل دشمن کے جہاز کے پیندے میں سوراخ کر کے لکڑی کا بنا ہوا تارپیڈو لگائے اور جہاز کو اُڑا دے۔ چنانچہ بڑی

اُمیدوں کے ساتھ ٹرٹل انگریزوں کے "ایگل" جہاز کے نیچے پہنچا۔ لیکن ایگل پرتا نبا چڑھا ہوا تھا اور اسی لئے ٹرٹل اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکا اور تھوڑے عرصے بعد مع اپنے ایک ساتھی جہاز کے غرق ہوگیا۔

دُخانی جہاز کے موجد روبرٹ فلٹن (ROBERT FULTON) نے بھی آب دوز کشتی بنائی تھی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے اپنی سب سے پہلی آب دوز کشتی نوٹیلس (NAUTILUS) کے نام سے سنہ ۱۸۰۰ء میں بنائی تھی۔ دوسرے سال فلٹن نے اسی نام سے ایک اور بہتر آب دوز کشتی بنائی اور تجربے کے لئے ایک ملاح کے ساتھ خود ہزاروں تماشائیوں کے سامنے اس میں بند ہوکر پانی کے نیچے اُترا۔ فلٹن کی یہ آب دوز کشتی بیس منٹ پانی کے اندر ہی رہی اور اسی دوران میں تجربے کے لئے اس نے ایک تارپیڈو بھی چلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فرانس میں نپولین انگلستان سے لڑرہا تھا اور انگلستان کے جنگی جہاز فرانس کے ساحل کی ناکہ بندی کئے ہوئے تھے۔ نپولین نے فلٹن کی ایجاد سے فائدہ اُٹھانا چاہا چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ اگر فلٹن اپنی آب دوز کشتی سے انگریزوں کا دس توپوں والا سمندری جنگی جہاز تباہ کردے گا تو اس کو ساٹھ ہزار فرینکس انعام دئے جائیں گے اور اگر وہ تیس توپوں سے زیادہ والے جہاز کو غرق کرے گا تو اُسے چار لاکھ فرینکس نذر کئے جائیں گے۔ چنانچہ فلٹن اپنی آب دوز کشتی میں مہینوں انگریزی جہازوں کا پیچھا کرتا رہا لیکن مسلسل ناکامیابی نے فلٹن کا جوش اور فرانسیسیوں کا اعتماد ختم کردیا۔

بالآخر فلٹن نے انگلستان جاکر سرکاری حلقوں میں اپنی ایجاد کی نمائش کی۔ ولیم پٹ (WILLIAM PITT) جو اس وقت انگلستان کا وزیرِ اعظم تھا اس ایجاد سے بہت متاثر ہوا اور اسے یقین ہوگیا کہ وہ تباہ کاری کے اس آلے سے دنیا کا ہر سمندری بیڑا غارت کرسکتا ہے۔ پٹ کو اطمینان دلانے کے لئے فلٹن نے پٹ ہی کے گھر کے پاس پانی میں ایک بڑے مگر پرانے جہاز پر تارپیڈو آزماکر دکھایا۔ اس تارپیڈو میں صرف ۴۵ سیر بارود تھی۔ لیکن ایک دھماکے کے ساتھ پورا جہاز پانی سے اُٹھا اور دو ٹکڑے ہوکر ختم ہوگیا۔

پٹ کے مرنے کے بعد انگلستان والوں کو فلٹن سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ رہی۔ انگریزی حکومت نے اتنا ضرور چاہا تھا کہ فلٹن اپنی ایجاد کو انگلستان کے ہاتھ فروخت کردے۔ لیکن جواب میں فلٹن نے کہا "ممکن ہے کسی وقت میرے ہی ملک کو میری ان ایجادوں کی ضرورت پڑے اس لئے میں انھیں ۲۰ ہزار پونڈ کے عوض بھی فروخت کرنا گوارا نہیں کرتا۔"

سنہ ۱۸۶۱ء میں امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جنوبی ریاستوں کی طرف سے ایک آب دوز کشتی ہنڈلے (HUNDLEY) کے نام سے بنائی گئی۔ یہ کشتی سطح

کے قریب ہی صرف تھوڑی دیر پانی میں رہ سکتی تھی ۱۸۶۴ء میں فروری کی ایک سرد رات کو اس آب دوز نے چارلس ٹاؤن کے بندرگاہ میں گھس کر دشمنوں کے ایک جنگی جہاز ہاؤساٹانک (HOUSATONIC) پر تارپیڈو مارا۔ تاریخ میں آب دوز کشتی کی سب سے پہلی کامیابی یہی تھی مگر ہنڈلے بھی سمندر کی تہہ میں اپنے ہی مارے ہوئے تارپیڈو کی زد سے باہر نہ نکل سکا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غرق ہوگیا۔

خانہ جنگی ختم ہو جانے کے بعد امریکہ میں کسی نے آب دوز کشتی کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ آب دوز کشتی بنانے والوں کی راہ میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ پانی کے اندر کشتی کو آگے پیچھے چلانے کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ آب دوز کشتی میں دُخانی یعنی بھاپ کا انجن استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ بھاپ کا انجن چلانے کے لئے کافی ایندھن اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور کافی ایندھن اور ہوا کے لئے اس چھوٹی سی کشتی میں جگہ نکالنا مشکل تھا۔

لیکن ایک وقت آیا جب یہ مشکلیں بھی آسان ہوگئیں بھاپ کے انجنوں کی جگہ تیل کے انجنوں نے لے لی۔ تیل کے انجن زیادہ وزنی نہیں ہوتے اور جہاز میں تیل رکھنے کے لئے زیادہ جگہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ آب دوز کشتی سطح پر اوپر رہنے کے لئے یہی تیل کے انجن استعمال کرنے لگی۔ اب رہا سطح کے نیچے رہ کر کشتی چلانے کا سوال تو اس کا بھی ایک حل نکل آیا۔ لوگوں نے معلوم کیا کہ اگر وہ پانی کے اندر کشتی چلانے کے لئے بیٹری سے چلنے والا بجلی کا موٹر استعمال کریں تو انھیں زیادہ ہوا فراہم کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

ان سہولتوں کے فراہم ہو جانے پر ایک شخص سائمن لیک (SIMON LAKE) نے اس مال واسباب کو باہر نکالنے کا فیصلہ کیا جو جنگ کے دوران میں سمندر کی نذر کیا جا چکا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ۱۸۹۴ء میں آرگوناٹ جونیئر (ARGONAUT JUNIOR) کے نام سے چودہ فیٹ لمبی ایک آب دوز کشتی بنائی اور اس غرض سے کہ وہ سمندر کی تہہ پر بآسانی چل سکے اس میں پہیے بھی لگا دئے اس کے پیندے میں ایک ایسا راستہ بھی بنا دیا گیا تھا جس سے غوطہ خور نکل کر سمندر کی تہہ میں اپنا کام کر سکے۔ تجربے پر گو یہ آب دوز کشتی ۲۰ فیٹ سے زیادہ نیچے نہیں پہنچ سکی تاہم اپنی جگہ بہت کامیاب تھی۔ لیک نے دو کشتیاں اور بنائیں اور یہ اتنی بڑی تھیں کہ ان میں ملاحوں کے سونے کے لئے بھی جگہ تھی اور اتنی ہوا کی بھی اُن میں گنجائش تھی کہ ۴۸ گھنٹے کے لئے کافی ہو سکے۔ ان میں سے ایک آب دوز کشتی روس نے خرید کر دلا ڈیلسواسٹک منگوا لی۔

لیکن موجودہ آب دوز کشتی کا حقیقی موجد جان پی ہالینڈ (JOHN. P. HOLLAND) تھا۔ یہ آئرلینڈ کا

باشندہ تھا اور ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی ہی میں ہالینڈ امریکہ چلا گیا تھا یہاں اس نے سات آب دوز کشتیاں بنائیں۔ لیکن زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر ۱۹۰۰ء میں اس نے اپنے ہی نام پر "ہالینڈ نمبر ۸" (HOLLAND No 8) ایک آبدوز کشتی بنائی۔ یہ کشتی پانی میں بالکل ایک مچھلی کی طرح تیر سکتی تھی اور بہ یک وقت پندرہ سو میل کے لئے ایندھن اپنے ساتھ رکھ سکتی تھی۔ اب لوگ سمجھ گئے کہ آبدوز کشتی کا زمانہ آگیا ہے۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ، انگلستان، جاپان اور جرمنی نے ہالینڈ سے آبدوز کشتیوں کی تجاویز اور انھیں بنانے کا حق خرید لیا اور بہتر سے بہتر آب دوز بنانے کی کوشش کرنے لگے ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور اسی کے ساتھ ساتھ آب دوز کشتیاں بھی اپنا حق ادا کرنے لگیں۔ ہالینڈ اپنی ایجاد کی یہ ترقی یافتہ صورتیں نہ دیکھ سکا اعلانِ جنگ سے دو ہفتے پیشتر وہ ہماری دنیا چھوڑ چکا تھا۔

آب دوز کشتیوں میں پٹرول کا انجن بہت زیادہ خطرے کی جڑ تھا کیونکہ پٹرول میں آگ بہت جلد لگ جاتی ہے لیکن یہ خطرہ بہت جلد مٹ گیا۔ جرمنی میں ایسے انجن ایجاد ہو گئے جو بہت ادنیٰ درجے کے تیل سے بہت زیادہ طاقت پیدا کر سکیں یہ انجن "DIESEL OIL ENGINE" کہلاتے ہیں

جنگ میں جرمنی کو برطانیہ کا مقابلہ کرنا تھا۔ برطانیہ کی سمندری طاقت جرمنی سے بہت بڑھی چڑھی تھی اس لئے جرمنی نے اپنی تمام تر توجہ آب دوز کشتیوں پر صرف کی۔ لڑائی میں جتنا وقت گذرتا گیا اتنی ہی بڑی اور تیز رفتار آب دوز کشتیاں بھی بنتی گئیں جرمنی کی آب دوز کشتیاں عموماً سو گز لمبی ہوتی تھیں۔ اُن کی رفتار کوئی ۲۰ میل فی گھنٹہ ہوتی تھی

آبدوز کشتیوں کے لئے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ وہ پانی میں نیچے اُترتے اُترتے کہیں پانی کے دباؤ سے وہیں دب کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ انھیں سگار کی شکل کا بنایا گیا تاکہ پانی کا دباؤ ان پر زیادہ اثر نہ کر سکے۔ پیندے میں ایک وزنی دھرا بھی لگا دیا گیا تھا تاکہ یہ سمندر میں آسانی سے الٹ نہ جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ آبدوز کشتی اپنے دو پنکھ برابر چلاتی رہتی ہے جو اُسے پانی میں دائیں بائیں یا اوپر نیچے لیجا سکتے ہیں کیونکہ کشتی ۲۰۰ فیٹ سے زیادہ گہرائی پر پہنچ کر پانی کے دباؤ کے باعث خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

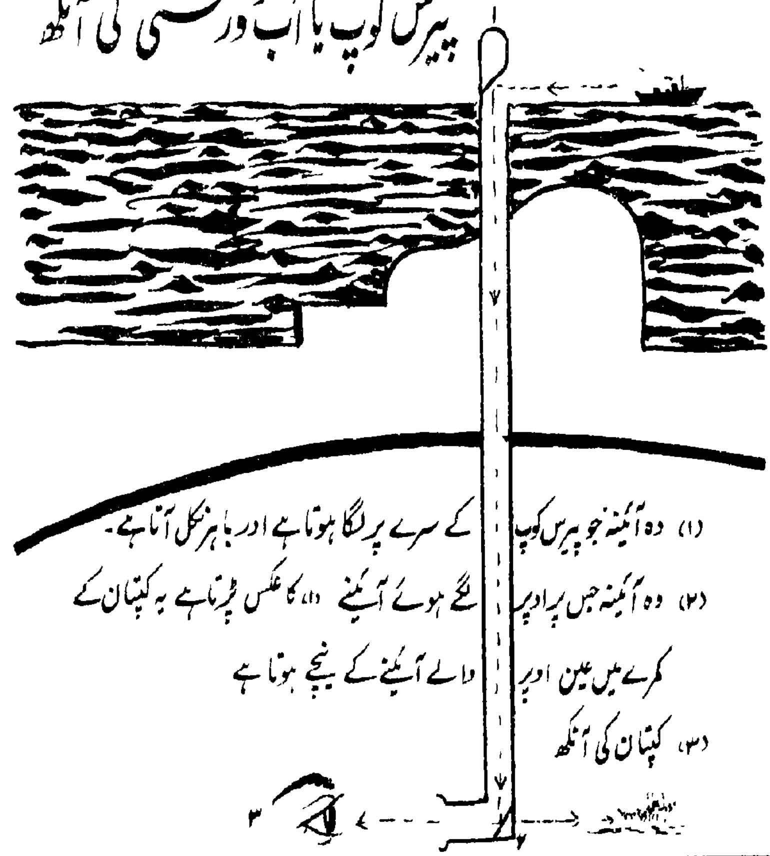
جرمن آبدوز کشتی ایک دن میں اوسطاً تین گھنٹے پانی کے اندر رہ سکتی تھی اُسے بار بار سطح پر آکر تیل کا انجن چلانا پڑتا تھا تاکہ وہ پانی کے اندر بجلی کا موٹر چلانے کے لئے اپنی بیٹری دوبارہ بھر سکے

بعد میں اتنی بڑی بڑی آبدوز کشتیاں بنائی جانے لگیں کہ ان میں چالیس چالیس آدمی بیٹھ سکیں۔ ایک لطف کی بات یہ ہے کہ آبدوز کشتیوں کے لئے

موٹے تازے آدمی کبھی پسند نہیں کئے گئے۔ آب دوز کشتی میں بیٹھنے والوں کو بالخصوص سردی کے موسم میں یا اس وقت جب انھیں برف سے ڈھکے ہوئے پانی میں جانا ہوتا ہے بہت سے گرم کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور موٹا آدمی اتنے کپڑے پہن کر اتنا موٹا ہوجاتا ہے کہ وہ آب دوز کشتی کے دروازے سے گذر بھی نہیں سکتا۔

کپتان کے کمرے میں تین چار اور لوگ بھی بیٹھ سکتے ہیں اسی کمرے میں سمتیں معلوم کرنے کے لئے قطب نما ہوتا ہے اور یہیں عموماً آب دوز کشتی کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ آنکھیں پندرہ پندرہ۔ بیس بیس فیٹ لمبی نالیاں ہوتی ہیں ان کے سرے پر ایسے شیشے لگے ہوتے ہیں جو پانی سے باہر نکلے ہیں اور آب دوز کے اندر بیٹھنے والوں کو باہر کی تیرہ تیرہ میل کی تمام چیزیں دکھا دیتے ہیں۔ ان آنکھوں کو "پیرس کوپس" (PERISCOPES) کہتے ہیں۔

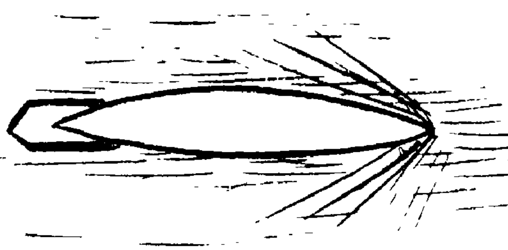
پیرس کوپ یا آب دوز کشتی کی آنکھ



جب تک پیرس کوپ پانی کے اندر رہتا ہے اس وقت تک آبدوز کشتی سمندر کی سطح کے اوپر کی دنیا سے بالکل بے خبر رہتی ہے اور وہ وقت جب آبدوز کشتی اپنی پیرس کوپ سطح تک پہنچانے کے لئے اوپر اٹھتی ہے بہت خطرناک ہوتا ہے یہ ہر وقت ممکن ہے کہ پیرس کوپ کسی جہاز کے پیندے سے ٹکرا جائے یا کسی جنگی جہاز سے اس قدر قریب نکلے کہ وہ فوراً اسے دیکھ کر آبدوز کشتی پر بم پھینک دے جب پیرس کوپ سطح سے باہر نکل آتا ہے اس وقت بھی خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے۔ کیونکہ پیرس کوپ سمندر میں ایک لکیر بناتا چلتا ہے جسے دوسرے جہاز دیکھ کر آبدوز کشتی کے موجود ہونے کا پتہ لگا لیتے ہیں اور پھر ڈوبنے سے پہلے ہی اس کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔ ان خطروں سے محفوظ رہنے کے لئے جرمنوں نے ایک ایسی پیرس کوپ بنائی جو ضرورت کے وقت تو ایک لیور (LEVER) کی مدد سے اُٹھ جاتی تھی اور خطرے کے وقت نیچے گر جاتی تھی۔

آبدوز کشتی کی اغل بغل میں وہ نالیاں ہوتی ہیں جن سے تارپیڈو مارا جاتا ہے۔ ان نالیوں میں سے دو چار ہر وقت بھری رہتی ہیں پانی روکنے کے لئے ان نالیوں کے سرے پر ایک ٹوپی لگی ہوتی ہے

تارپیڈو



ضرورت کے وقت ٹوپی ہٹا کر ہوا کے دباؤ کے ذریعے تارپیڈو چلا دیا جاتا ہے۔

تارپیڈو پندرہ فیٹ سے بیس فیٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ اور بالکل سگار کی شکل کا ہوتا ہے درحقیقت تارپیڈو بذاتِ خود ایک چھوٹی سی موٹر سے چلنے والی کشتی ہوتی ہے۔ آبدوز کشتی سے نکلتے ہی اس کا اپنا انجن کام کرنے لگتا ہے اور یہ سمندر میں

طح سے پندرہ فیٹ نیچے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار
سفر کرتا ہے۔ انجن کے ساتھ تارپیڈو میں دو پنکھے
اسے پانی میں آگے بڑھانے کے لئے لگے ہوئے
۔ تارپیڈو کے اگلے حصے میں قریب پانچ من
دد بھری ہوتی ہے

تارپیڈو چونکہ بہت قیمتی ہوتا ہے اس لئے بعد کے
مانے میں آبدوز کشتیاں چھ چھ انچ چوڑی نال
کھنے والی توپیں بھی اپنے ساتھ رکھنے لگیں تاکہ اگر سطح
اوپر جنگ کا موقع آجائے تو تارپیڈو کی جگہ
ن توپوں کو استعمال کیا جاسکے۔

یہ آبدوز کشتیاں ریڈیو کے ذریعے اپنے اپنے
دوں سے ہدایات منگالیتی ہیں۔ رات کو سطح پر آکر
ریل وغیرہ لگا کر انھیں لاسلکی پیغام بھیجنے اور منگانے
آزادی ہے۔ دوبارا غوطہ مارتے وقت ایریل وغیرہ
رالئے جاتے ہیں۔ بعض کشتیوں کی لنبوں میں تیز
ا قو بھی لگے ہوتے ہیں تاکہ یہ کشتیاں تاروں کے
ں جال کو کاٹ کر گذر سکیں جو دشمن سمندر میں انھیں
وکنے کے لئے لگا دیتا ہے۔

آبدوز کشتیوں کی کاری گری میں انگریز بھی
چھ پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے ایک کشتی ۳۴۰ فیٹ
بی بنائی تھی۔ یہ کشتی پانی کی سطح پر بھاپ کے انجنوں
سے چلتی ہے اور غوطہ لگاتے وقت دھواں نکالنے
کی چمنیاں موڑ لیتی ہیں۔ پانی کے اندر یہ کشتی دوسری
کشتیوں کی طرح بجلی کے موٹر سے چلتی تھی۔ انگریزوں
نے اس سے بھی زیادہ ایک اور حیرت ناک آبدوز کشتی
ساحلی قلعوں پر بمباری کے لئے بنائی تھی اس آبدوز
کشتی پر ایک فٹ چوڑی نال کی توپ چڑھائی گئی تھی۔

ترقی کرتے کرتے اب آبدوز کشتی اس منزل
پر پہنچ گئی ہے کہ دو دو دن پانی کے نیچے پڑی رہتی
ہے۔ اور اب سانس لینے کے لئے ہوا فراہم کرنے
میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ ہم سانس کے
ذریعے جب ہوا اندر سے کر باہر خارج کرتے ہیں
تو ہوا کی کچھ آکسیجن (OXYGEN) ہمارے پھیپھڑوں
میں خون صاف کرنے میں صرف ہوجاتی ہے یہ پہلے ہی
معلوم ہوچکا تھا کہ پوٹاش (POTASH) ناک سے نکلی
ہوئی ہوا میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ (CARBON
DIOXIDE) جذب کرلیتی ہے۔ چنانچہ صاف ہوا فراہم
کرنے کے لئے آبدوز کشتیوں میں پوٹاش رکھا جانے
لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ٹنکیوں میں کچھ آکسیجن گیس بھی
بھرنے لگے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ناک سے باہر نکلی ہوئی ہوا کے
زہریلے اثرات تو پوٹاش ختم کر دیتی ہے اور آکسیجن کی
کمی پوری کرنے کے لئے آکسیجن کی ٹنکیوں سے مدد
لے سکتے ہیں۔ اس طرح آبدوز کشتی میں دم گھٹ کر
مرجانے کا امکان بالکل ختم ہوگیا۔ غوطہ خور کو بھی اب
کوئی دشواری نہیں رہی۔ پہلے غوطہ خور کو پانی کے
نیچے آبدوز کشتی کی مرمت کے لئے نکلتے وقت ایک

ایسی نلی ناک پر لگانی پڑتی تھی جس کا دوسرا سرا آب دوز کشتی میں ہوا کی ٹنکی سے ملا ہوا ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ جھنجھٹ باقی نہ رہا۔ غوطہ خور اس ٹوپ میں جو اسے پہننا پڑتا تھا یہی پوٹاش کی ٹکیاں رکھ کر پانی میں اتر جاتا تھا اور وہ ہوا جو ایک مرتبہ ناک سے خارج ہو جاتی تھی پھر دوبارہ پوٹاش سے صاف ہو کر اس قابل ہو جاتی تھی کہ سانس لینے کے لئے استعمال ہو سکے۔

جنگ عظیم کے ابتدائی زمانے میں تو آب دوز کشتی کی خوب مزے میں گذری۔ لیکن تھوڑے دنوں میں آب دوز کشتی کے بھی دشمن پیدا ہو گئے اور تمھیں تعجب ہو گا کہ آب دوز کشتیوں کی دشمن آب دوز کشتیاں ہی تھیں۔ یہ کشتیاں بہت چھوٹی اور بہت زیادہ تیز رفتار تھیں۔ آب دوز کشتیاں ان چھوٹی چھوٹی دشمن آب دوز کشتیوں پر تارپیڈو مارنا تو یوں بے کار سمجھتی تھیں کہ تارپیڈو اکثر ان پر صحیح نہیں لگتا تھا۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی اور ہلکی کشتیاں سمندر کے اوپر ہی اوپر تیرتی رہتی تھیں اور تارپیڈو اپنا کام پانی کے اندر کم سے کم ۱۵ فیٹ کی گہرائی میں کر سکتا ہے۔ اگر وہ پانی میں زیادہ اوپر اٹھ آئے تو موجوں کے زور سے الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان دشمن کشتیوں کے خوف سے آب دوز کشتی کو اپنی آنکھیں یعنی پیرس کوپ استعمال کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ جہاں قریب کی کسی کشتی نے پیرس کوپ دیکھا اور بس وہیں بم مار دیا

جنگ عظیم میں آب دوز کشتیوں کے شکار کے لئے انگریزوں نے ایک بڑی دلچسپ حرکت کی تھی۔ انھوں نے بعض سمندری پرندوں کو آب دوز کشتیوں کا پیچھا کرنا سکھا دیا تھا۔ پرند یا ہوائی جہاز اوپر سے پانی میں ۵۰ فیٹ کی گہرائی تک صاف دیکھ سکتے ہیں۔ ان چڑیوں کو جاسوسی سکھانے کا طریقہ بھی عجیب و غریب تھا۔ انگریز سطح پر آ کر اپنی آب دوز کشتیوں کے باہر کے حصے پر ان چڑیوں کے کھانے کے لئے کچھ چیزیں ڈال دیتے تھے۔ چڑیاں کھانے کے لالچ میں ہر آب دوز کشتی کے ساتھ ساتھ اڑنا سیکھ گئیں اسی طرح انگریز ملاحوں نے سیل مچھلیوں کو بھی آب دوز کشتیوں کا پیچھا کرنا سکھا دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرند اور مچھلیاں آب دوز کشتیوں کی جاسوسی میں مدد دینے لگے اور ان جہازوں کا تو کہنا ہی کیا جو کنارے کے قریب آب دوز کشتیوں کو تاکنے کے لئے اڑا کرتے تھے۔ یہ جہاز آب دوز کشتی کو دیکھتے ہی چھوٹی چھوٹی پیچھا کرنے والی کشتیوں کو اشارہ کر دیتے تھے اور اس طرح آب دوز کشتی کی زندگی اب واقعی بڑی مصیبت کی زندگی ہو گئی۔

مال کے جہازوں نے بھی آب دوز کشتیوں سے محفوظ رہنے کی عجیب عجیب ترکیبیں نکالیں۔ اول تو مال کے جہازوں نے سمندر میں سیدھا باندھ کر چلنا چھوڑ دیا بلکہ سانپ کا سا راستہ بنا کر چلنا سیکھا جس کی وجہ سے تارپیڈو کا نشانہ پر لگنا دشوار ہو گیا

پھر ان جہازوں نے اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل اُڑانے کی سوچی جس کی وجہ سے آب دوز کشتی پیچھے سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ اس سے بھی دلچسپ یہ کہ اپنے پیچھے سمندر کی سطح پر دھوئیں کے ساتھ ساتھ تیل اور کولتار بچھاتے چلتے تھے چنانچہ آب دوز کشتی جب بھی اپنی آنکھیں یا پیرس کوپس اُوپر اُٹھاتی تو یہ تیل اور کولتار اس پر چپک جاتا اور آب دوز کشتی اندھی ہو جاتی تھی۔ لیکن اس اندھے پن سے محفوظ رہنے کے لئے آب دوز کشتی نے اپنی آنکھوں کے قریب ایک ایسا فوارہ لگا لیا جو تیل وغیرہ کو دھو کر شیشوں کو صاف کر دیتا ہے

آب دوز کشتیوں کو تباہ کرنے کے لئے ایسے بم بھی ایجاد کئے گئے جو پانی میں اِدھر اُدھر ہٹے بغیر سیدھے اُترتے چلے جائیں۔ ان بموں میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ جس جگہ یہ پھٹتے ہیں وہاں سے سو سو فیٹ دائیں بائیں اوپر نیچے آب دوز کشتی کے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے۔

آب دوز کشتیوں کا پتہ لگانے کی ترکیبوں پر ہمیشہ دنیا والے غور کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں امریکہ کے موجدوں نے پانی میں آواز پکڑ لینے والے آلے (HYDROPHONES) ایجاد کرکے دنیا کی غارت گری کو کم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے۔ یہ آلے میلوں سے آب دوز کشتی کے انجن کی آواز معلوم کر لیتے ہیں اور یہ پتہ بھی لگا لیتے ہیں کہ آب دوز کشتی کس طرف جا رہی ہے۔



(دہلی سے نیویارک)

(۳۳)

پہلی جون کی صبح کو ۶ بجے ہمارا جہاز بندرگاہ سوئز پر پہنچ گیا۔ بمبئی کے بعد پہلی بار ہمارا جہاز یہاں دو گھنٹے ٹھہرا۔ جہاز کے لنگر ڈالتے ہی درجنوں کشتیاں آس پاس آگئیں ایک کشتی رسوں کے ذریعے جہاز پر چڑھائی گئی جو پورٹ سعید تک جہاز ہی میں رہی۔ کشتیوں میں اخبار تصویریں اور دوسرا سامان بیچنے والے تھے۔ یہ ہر چیز کے دام چار گنا مانگتے تھے مگر دو ہی منٹ میں چار شلنگ سے ایک شلنگ پر آجاتے تھے۔ میں نے کئی درجن تصویریں خریدیں بہت جھگڑنے پر ایک شلنگ فی درجن قیمت طے ہوئی۔ مگر پورٹ سعید پر آکر معلوم ہوا کہ میں نے اُن کے چار گنے دام دئے ہیں۔

یہاں ہندوستانی سکوں کو انگریزی سکوں سے بدلنے والے بہت سے صراف بھی آئے۔ پولیس بھی آئی ایک ڈاکٹر بھی معائنے کے لئے آیا اگرچہ اس نے معائنہ نہیں کیا اور چار پی کر چلا گیا۔

ہم لوگوں کو جہاز سے اُترنے کی اجازت نہیں ملی مجبوراً جہاز کے عرشے ہی سے شہر سوئز پر نظر ڈالی۔ بہت اچھا اور خوب صورت شہر معلوم ہوتا ہے۔ یہاں سے پورٹ سعید تک جہاز کو نہر میں سے گذرنا پڑتا ہے اور کوئی دس گھنٹے میں یہ فاصلہ طے ہوتا ہے۔ مصر کا مشہور شہر قاہرہ جو اس ملک کا دارالسلطنت ہے یہاں سے کل ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے ہمارے بہت سے ساتھی یہاں اُتر گئے اور ریل یا موٹر کے ذریعے قاہرہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے قاہرہ اور اہرام مصری کی سیر کی اور شام کو پورٹ سعید میں ہم سے آملے۔ اکثر مسافر آتے یا جاتے پورٹ سعید یا سوئز اُتر کر قاہرہ چلے جاتے ہیں۔ اور دوسرے بندرگاہ پر آجاتے ہیں۔ اس طرح صرف تھوڑے سے داموں (کوئی ۲ پونڈ) میں انھیں مصر اور اہرام مصر دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

سوئز سے قاہرہ تک پکی سڑک بھی ہے اور چند میل تک نئی دہلی کی سڑکوں کی طرح اسفالٹ کی ہے۔ باقی سڑک بھی اسفالٹ کی بنے گی یہ ایک ریتیلے میدان سے ہو کر گذرتی ہے

درخت کا کہیں نام نشان نہیں۔ نہ آبادی ہے۔ سڑک پر کام کرنے والے مزدوروں کے لئے کھانے کا سامان اور پینے کا پانی قاہرہ سے آتا ہے کوئی ۸۲، ۸۳ سال ہوئے یہ سڑک خدیو اسمٰعیل پاشا نے حاجیوں کے لئے بنائی تھی جب نہر سوئز نکالی گئی تو اسے پختہ کر دیا گیا اور برابر اچھی حالت میں رکھی جاتی ہے۔ اب ہر ۱۰ میل پر پولیس کی چوکی بھی ہے اس لئے آنے جانے والوں کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

اس نہر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ سب سے پہلے تیرھویں صدی قبل مسیح یعنی آج سے کوئی ۳۲۰۰ سال پہلے فرعون ثانی نے اس کی بنیاد ڈالی اور دریائے نیل سے بحر احمر تک نہر کھودنا شروع کی مگر کام یکایک بند کر دیا گیا پھر چھٹی صدی قبل مسیح فرعون "نیکو" نے ایک لاکھ مزدور لگا کر اس کام کو دوبارہ شروع کیا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں دارا شاہ فارس نے مصر فتح کرنے کے بعد اسے مکمل کیا لیکن ایک زمانے کے بعد یہ ریت سے بھر گئی۔ پہلی صدی عیسوی میں رومن شہنشاہ طرجان نے اسے صاف کرایا۔ دسویں صدی عیسوی میں وینس کی حکومت نے اس نہر کو صاف کرایا اس کے بعد یہ پھر ریت سے بھر گئی اٹھارھویں صدی میں نپولین نے اس کی پیمائش ایک فرانسیسی انجینیر سے کرائی آخر ۱۸۵۴ء میں شاہ مصر نے ایک فرانسیسی انجنیر موسیو فرڈی نینڈ کو موجودہ نہر بنانے کی اجازت دی۔

سوئز نہر کی وجہ سے اب اس قدر مشہور اور اہم بندرگاہ ہے لیکن نہر بننے سے پہلے یہاں ایک معمولی سا گاؤں تھا گاؤں والوں کا پیشہ مچھلیاں پکڑنا تھا پینے کے پانی کی بہت دقت تھی۔ سوئز سے قریب چند کنوئیں تھے گاؤں والوں کو یہاں سے پانی خریدنا پڑتا تھا۔ اب یہاں پانی پینے کی ایک نہر ہے جو قاہرہ سے اسمٰعیلیہ (شہر) ہوتی ہوئی یہاں آتی ہے اور یہاں سے نہر سوئز کے ساتھ ساتھ پورٹ سعید تک جاتی ہے۔ اس نہر کی وجہ سے پانی کی افراط ہوگئی ہے اب سوئز کی آبادی کوئی ۴۰ ہزار ہوگی

سوئز میں ہمیں ایک بڑا سا مجسمہ نظر آیا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لفٹننٹ دکھارن ایک برطانوی افسر کا مجسمہ ہے۔ اس نے ۱۸۳۷ء میں یہاں ہندوستان کے لئے پہلی بار خشکی کی ڈاک کا راستہ معلوم کیا اس نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ سوئز سے ایک نہر نکالی جائے [illegible] انگریزی حکومت نے اس کی سخت مخالفت کی تمھیں یہ سن کر بہت تعجب ہوگا کہ انگریزی حکومت جو آج کل اس نہر سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہی ہے پہلے سوئز میں نہر بنانے کی سخت مخالف تھی۔ دکھارن بے چارا اپنے مقصد میں ناکام بہت کس مپرسی کی حالت میں مرا۔ مگر موسیو فرڈی نینڈ ایک فرانسیسی انجینیر نے ۱۸۶۹ء میں یہ نہر مکمل کی تو اس برطانوی افسر کا مجسمہ بھی بنایا۔ دکھارن واقعی اس عزت و عظمت اور ناموری کا مستحق تھا لیکن یہ عزت اُسے اپنے ملک والوں سے نہیں بلکہ ایک غیر ملک کے قدردان کی بدولت نصیب ہوئی۔

۱۸۵۵ء میں موسیو فرڈی نینڈ خود انگلستان گیا

انگریزوں کے سامنے اس نہر کے فائدے بیان کئے۔ اور نہر بنانے والی کمپنی کے حصے خریدنے کی درخواست کی۔ لیکن اس کی درخواست نامنظور کر دی گئی۔ آخر سعید پاشا بادشاہِ مصر اور فرانسیسی حکومت کی مدد سے موسیو فرڈی نینڈ نے یہ کام شروع کر دیا۔ ۱۸۶۹ء میں نہر مکمل ہوئی، ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو ۸ بجے صبح اس کا افتتاح کیا گیا۔ ۶۸ جہازوں کا ایک شاندار جلوس پورٹ سعید سے نہر میں داخل ہوا آگے فرانسیسی شاہی جہاز تھا اس میں ملکہ فرانس سوار تھی پیچھے شاہانِ آسٹریا، جرمنی، ہالینڈ۔ امیر عبد القادر اُمرائے آسٹریا، ہنگری، روس اور سب سے آخر میں خدیو مصر کے جہاز تھے۔

غرض انیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا اور سب سے مفید کارنامہ ایک مشرقی بادشاہ کی امداد کی بدولت ایک فرانسیسی انجینیر کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔ موسیو فرڈی نینڈ کا شاندار مجسمہ پورٹ سعید میں ہے۔ جو سفر میں آج دس دن میں کر رہا ہوں یہ اسی جہاز سے پہلے کئی مہینوں میں طے ہوتا تھا۔ پہلے راستے سے لندن اور کلکتہ کے درمیان تیرہ ہزار میل کا فاصلہ تھا اب کل آٹھ ہزار میل رہ گیا ہے پہلے وینس سے بمبئی چھ ہزار میل تھا اب سوئز کے راستے سے تقریباً چار ہزار میل ہے۔

نہر سوئز کی کل لمبائی ۸۷ ½ میل ہے چوڑائی ۲۰۰ فٹ سے لے کر ۳۲۵ فٹ تک ہے۔ گہرائی ۳۵ اور ۴۰ فٹ کے درمیان ہے نہر کی آمدنی تمام خرچ نکالنے کے بعد ۵ اور ۶ کروڑ کے درمیان ہے۔ جو جہاز نہر سے گذرتا ہے اُسے ۷ ½ گولڈ فرانک فی ٹن کے حساب سے کمپنی کو دینا پڑتا ہے ہمارا جہاز سترہ ہزار ٹن کا ہے اور اس پر ۹۳۲ مسافر ہیں اس جہاز سے کمپنی کو دو ہزار پونڈ یعنی چھبیس ہزار پانچ سو روپیہ ملا ہے سالانہ چھ، سات ہزار جہاز اس نہر سے گذرتے ہیں اس سے آمدنی کا اندازہ کر لو۔ نہر کا انتظام ایک کمپنی کے ہاتھ میں تھا مگر جب انگریزوں نے دیکھا کہ نہر کی آمدنی اس قدر زیادہ ہے تو خدیو مصر سے مصر کے حصے خرید لئے اور آہستہ آہستہ نہر کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ نہر کے بارے میں بادشاہِ مصر اور کمپنی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے نہر ۹۹ برس کے بعد مصری حکومت کے قبضے میں چلی جائے گی۔ مصری حکومت کو نہر کا معاوضہ دینا ہوگا یہ مدت ۱۹۶۸ء کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اب مصری حکومت چاہتی ہے کہ نہر اس کے قبضے میں آ جائے اور کمپنی چاہتی ہے کہ معاہدے کی میعاد اور بڑھ جائے۔

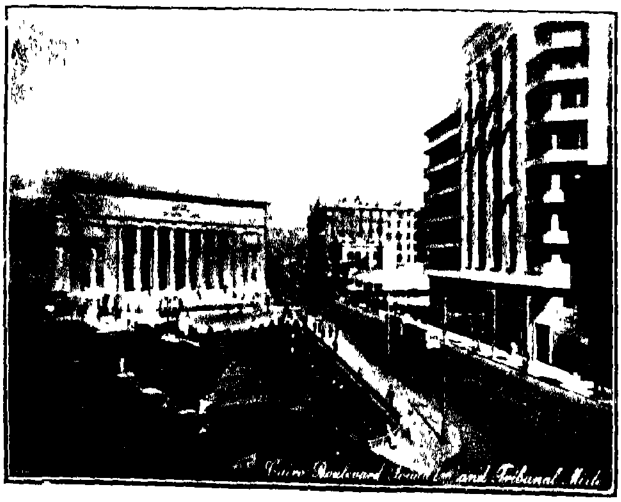
مصر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ تم نے فرعون مصر کا نام سنا ہوگا۔ یہ یہیں کا بادشاہ تھا مصر میں بہت سے فرعون ہوئے۔ یہ آج سے ۸، ۹ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ فرعونوں کے بعد مصر بہت دنوں تک حضرت موسیٰؑ کی قوم کے قبضے میں رہا۔ کچھ عرصے تک شاہِ ایران دارا کی حکومت رہی پھر اسے رومیوں نے فتح کر لیا چھٹی صدی عیسوی میں یہ مسلمانوں کے پاس آ گیا اور جب سے اب تک کسی نہ کسی صورت سے یہ مسلمانوں کے پاس ہے



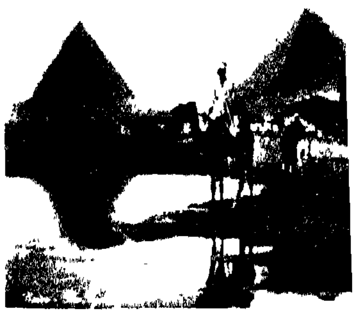
بیر سونر (مصر)



ابو الهول



[illegible]



اهرام مصر



جناب خان بہادر حاجی محمد خان صاحب
ایم۔ ایل۔ سی۔ (ممبر) نے جامعہ کے لئے ماہانہ
دو سو روپے کی مستقل امداد جاری فرمائی ہے۔
اس سال ادبی سفر کے بعد آپ نے جامعہ کو
دو ہزار روپے عنایت فرمائے ہیں۔

دواء نباتی کے ممبر



محمد صادق (کلکتہ) دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ



عبدالغنی چمن

ہیں کچھ عرصے یہاں انگریزوں کا عمل دخل بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ اور اس کی حیثیت ایک غلام ملک کی سی ہوگئی تھی اب تھوڑے دنوں سے اسے کچھ کچھ آزادی ملی ہے۔ اس ملک میں یورپ کے تمدن کا اثر بہت زیادہ ہے۔ قاہرہ تو یورپ ہی کا ایک شہر معلوم ہوتا ہے۔

آبادی زیادہ تر مسلمانوں کی ہے تھوڑے سے قبطی عیسائی بھی ہیں یہاں کی کھیتی باڑی کا دارمدار دریائے نیل پر ہے۔ روئی یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ تمباکو بھی بہت اچھا پیدا ہوتا ہے یہاں کی تجارت دوسرے ملک کے لوگوں، انگریزوں، فرانسیسیوں، یہودیوں وغیرہ کے ہاتھ میں ہے۔

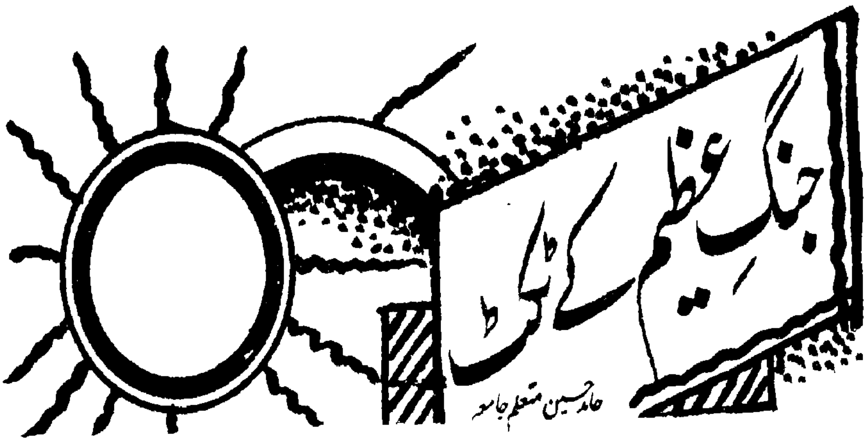
نہر سوئز کو پار کرنے میں ہمارے جہاز نے دس گھنٹے لگائے۔ ساڑھے آٹھ بجے سوئز سے چلے تھے اور چھ بجے پورٹ سعید پہنچے۔ راستے میں سیدھی طرف ریگستان اور بائیں طرف میٹھی نہر اور موٹر کی سڑک تھی۔ عجیب نظارہ تھا۔

جہاز نے بندرگاہ سے ایک میل ادھر لنگر ڈالا۔ سوئز کی طرح یہاں بھی بہت سی کشتیاں جہاز کے آس پاس جمع ہوگئیں۔ ان میں سوداگر ہوٹلوں کے ایجنٹ پولیس کے افسر، اخبار بیچنے والے، غرض طرح طرح کے لوگ تھے۔ بہت بڑا زینہ لگا دیا گیا اور کشتیوں سے لوگ جہاز پر آگئے۔ پاسپورٹ افسر نے ہمیں ایک گھنٹے کے بعد اترنے کی اجازت دی اور کوئی سات بجے ہم لوگ چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں جہاز سے اتر کر اگن بوٹ میں سوار ہوئے اور پندرہ منٹ میں بندرگاہ پہنچ گئے یہاں بے شمار گائڈ، ہوٹل والے اور معمولی بیوپاری ہمارے گرد جمع ہوگئے ہم نے شہر کے بازاروں کا آدھے گھنٹے تک پیدل چکر لگایا۔ یہاں کی عمارتیں بہت عالی شان تھیں۔ دکانیں بہت بڑی اور خوب صورت۔ تمام چیزیں یہاں تک کہ پھل اور سبزیاں بھی نہایت قرینے سے چنی ہوئیں۔ بڑے بڑے ہوٹل اور ریسٹورنٹ ہر بازار میں ایک یہودی کی دکان اتنی بڑی تھی کہ اس میں لاہور اور دہلی کی پچاس دکانیں سما جائیں۔ ساٹھ آدمی اور عورتیں تو چیزیں بیچنے پر ملازم تھیں۔ رات کو ہم نے ایک مصری ہوٹل میں کھانا کھایا۔ روٹی گول، موٹی اور لذیذ تھی پھر ایک ٹیکسی پر ایک گھنٹے میں ہم نے سارے شہر کا چکر لگایا رات کے دس بجے تک بازاروں میں خوب چہل پہل اور رونق تھی مصری جبہ اور عمامہ باندھے اور عورتیں خوب صورت کالا لباس پہنے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ یہاں کی عورتیں بہت سخت پردہ کرتی ہیں۔

ساڑھے دس بجے ہم جہاز پر واپس آئے

۲رجون کی صبح کو ہمارا جہاز پورٹ سعید سے روانہ ہوا اور اب ہم ہیں اور ہمارا جہاز۔

"پھر وہی زندگی ہماری ہے"



حامد حسین متعلم جامعہ

آج کل جنگ چھڑی ہوئی ہے اس لئے قدرتی طور پر ہر جمع کرنے والے کو جنگ کے ٹکٹوں سے دلچسپی ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جنگِ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸) کے ٹکٹ بڑے دلچسپ ہیں۔ یہ ٹکٹ "ریڈ کراس" "لڑائی کا ٹیکس" "لڑائی کے لئے چندہ" "قبضہ" اور "یادگاری" ٹکٹوں کے نام سے جاری ہوئے تھے ابھی تک اس قسم کے ٹکٹ جرمنی اور فرانس کی لڑائی کے سلسلے میں جاری نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ جلد ہی جاری ہو جائیں گے۔ ان کے شائع ہونے سے پہلے ہمیں گذشتہ جنگ کے ٹکٹوں پر ایک نظر ڈالنا چاہئے تاکہ آیندہ کے ٹکٹوں کے مطالعہ میں آسانی ہو۔

"ریڈ کراس" کے سلسلے میں بہاماس میں ۱۹۱۶ء میں تین بڑے اور تصویروں والے ٹکٹ چھپے تھے لندن میں مختلف ٹکٹوں پر "لڑائی کا ٹیکس" ۱۲ فروری ۱۹۱۸ء اور جون ۱۹۱۸ء سے لم اچولائی ۱۹۱۹ء تک دوبارہ کالے اور لال رنگ میں چھاپا گیا۔

ملک کے زیبنے والے ٹکٹوں پر "لڑائی کے لئے چندہ" دوبارہ جنوری ۱۹۱۹ء میں چھاپا گیا۔

یکم مارچ ۱۹۲۰ء میں امن کی خوشی میں ٹکٹ جاری ہوئے۔

"برطانوی قبضہ" جن ٹکٹوں پر چھپا ہے اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ دو روسی ٹکٹوں پر "برطانوی قبضہ" دوبارہ چھاپا گیا۔ ایران کی ایک بندر گاہ بوشہر میں جس پر ۸ اگست ۱۹۱۵ء میں برطانیہ کا قبضہ ہوا تھا۔ تمام ٹکٹوں پر "بوشہر برطانیہ کے قبضے میں" دوبارہ چھپا ہوا ہے۔

"یادگاری ٹکٹ" کی سب سے اچھی مثالیں ہمیں نیوفاؤنڈ لینڈ میں ملتی ہیں۔ یہ ٹکٹ ۲ جنوری ۱۹۱۹ء میں جاری ہوئے تھے۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیوفاؤنڈلینڈ

...ں میں کس طرح حصہ لیا اور مدد کی۔
۲۷ جنوری ۱۹۲۰ء میں نیوزی لینڈ میں "فتح" ...ٹ جاری ہوئے
ہندوستان میں جنگ کے سلسلے میں کوئی ٹکٹ نہیں ہوا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ہندوستانی ... نے ہندوستانی ڈاک کے ایسے ٹکٹ استعمال ...ن پر I. E. F. (یعنی ہندوستان سے متعلق مہم) ...رہ چھپا تھا۔ یہ ٹکٹ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک ...یں لائے گئے۔
لڑائی کے ٹکٹ مخالف دشمن کی طرف سے بھی جاری کئے گئے تھے۔ یکم مارچ ۱۹۱۷ء میں آسٹریا میں ایک ٹکٹ چندے کے لئے شائع ہوا جرمنی نے ایسے ٹکٹ شائع کئے جو اس جگہ کی یاد دلاتے ہیں۔ جس پر اس کی فوج نے کچھ عرصے کے لئے قبضہ کیا تھا پولینڈ پر حال میں روس اور جرمنی کا جو قبضہ ہوا ہے اس سلسلے میں ابھی تک ہمارے خیال میں کوئی ٹکٹ جاری نہیں ہوا ہے۔ اگر کوئی ٹکٹ جاری ہوا ہو تو اس کی تفصیل ہمیں بھیجئے اور اس جنگ کے دوران میں کوئی خاص ٹکٹ جاری ہوئے ہوں اور آپ کو ان کا علم ہو تو وہ بھی لکھئے۔

نئے نئے کھیل

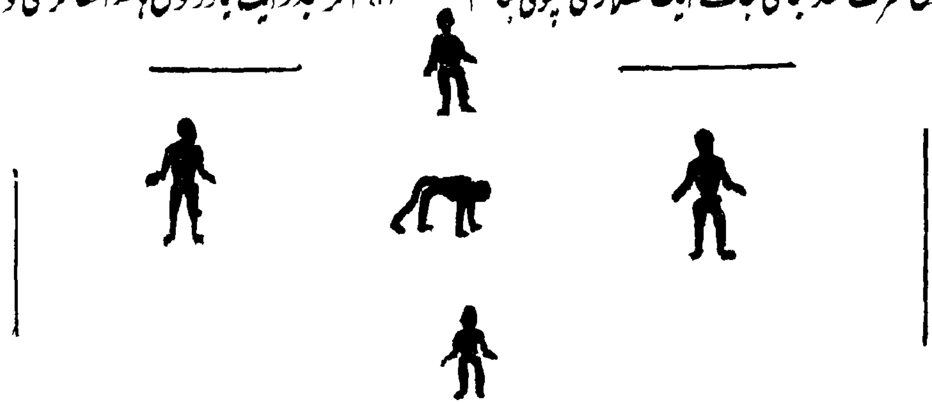
بندر بندر

از جناب الطاف علی صاحب۔ استاد ورزش جسمانی جامعہ نگر اوکھلا

راد:۔ ۴ سے ۲۰ تک

۱سکرا۔ آنگن یا کھیل کا میدان

قہ:۔ کھلاڑیوں کی تعداد کے مطابق میدان کے
وں طرف حد بنا لی جائے ایک کھلاڑی چھوٹی بنایا



ئے۔ وہ مقررہ حد کے بیچوں بیچ بندر کی طرح ہاتھو
وں پر کھڑا ہو جائے۔ باقی لڑکے ارد گرد کھڑے ہو جائیں
یل شروع ہوتے ہی چھوٹی اپنے ہاتھوں پیروں
بندر کی طرح کھلاڑیوں کے پیچھے بھاگے اور
نھیں چھوئے۔ لیکن ہاتھ زمین سے نہ اُٹھیں۔
رف ٹانگوں سے چھوئے۔ جو کھلاڑی چھو جائے
حد سے باہر نکل جائے وہ چھوتی کی جگہ لے گا۔

یعنی بندر بنے گا۔ اور چھوتی یعنی بندر کھلاڑیوں میں
شامل ہو جائے گا۔

احتیاط:۔

(۱) اگر بندر ایک یا دونوں ہاتھ اٹھا کر کسی کو چھوئے
تو نہیں مانا جائے گا۔

(۲) کھلاڑی وقتاً فوقتاً بندر کو دق کرنے کے لئے
آہستہ آہستہ اس کے چپت لگا سکتا ہے۔

(۳) اگر کھلاڑیوں کی تعداد زیادہ ہو تو ایک
سے زیادہ بندر بنائے جاسکتے ہیں اور جوجس کو چھوئے
وہ ایک دوسرے کی حالت اختیار کرلے یعنی چھونے
والا کھلاڑی اور جو چھو گیا ہے وہ بندر



معلومات

امریکہ میں جنگلوں کے علم کے ماہروں کی انجمن نے
ی تحقیقات کے بعد اعلان کیا ہے کہ اہمیت کے لحاظ
دنیا کے دس خاص درخت یہ ہیں۔

(۱) کھجور :- اس سے کھجوریں، تیل، لکڑی، پتے
کر حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ناریل :- اس سے گولا اور ناریل حاصل ہوتا ہے اور
ی وغیرہ بھی کام میں آتی ہے

(۳) بادام :- اس سے بادام، بادام کا تیل اور
وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۴) سیب :- یہ ایک دل پسند پھل ہے۔

(۵) انجیر :- یہ بھی اکثر ممالک کے باشندوں کا مرغوب پھل ہے۔

(۶) شہتوت :- اس کی پتیاں ریشم کے کیڑوں کی غذا ہیں۔

(۷) زیتون :- اس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ لکڑی وغیرہ
کام آتی ہے۔

(۸) لیموں :- پھل بھی حاصل ہوتا ہے اور تیل بھی نکالا
ہے۔

(۹) سنکونا :- اس سے کونین حاصل ہوتی ہے۔

(۱۰) ربر :- اس سے ربر حاصل ہوتا ہے جو ہزاروں
کام آتا ہے۔

سترہویں صدی کے ۱۴ سالہ ۲۰۰۰ لڑکوں کے اوسط وزن اور لمبائی کے ریکارڈ کا مقابلہ آج کل کے ۱۴ سالہ لڑکے کے وزن اور لمبائی سے کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں لڑکے کی لمبائی ۳ انچ اور وزن ۱۸ پونڈ بڑھا ہوا ہے۔ سولہ سالہ ۴۰۰ لڑکیوں کے ریکارڈ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آج کل کا لڑکا اوسطاً ۶۳½ انچ لمبا اور ۴۲ پونڈ وزنی ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ چائے برطانیہ میں پی جاتی ہے ۱۹۳۷ء میں وہاں اتنی ہی چائے صرف میں لائی گئی جتنی کہ برطانیہ کو چھوڑکر پوری دنیا میں لائی گئی تھی۔

تمباکو کے ایک پودے میں ۹۲۴۸۷۵ بیج ہوتے ہیں جن سے ۶۶ ایکڑ زمین میں تمباکو کی کاشت کی جا سکتی ہے۔

مرغی خانہ

خالد حسن قادری آگرہ

ہندوستان میں ہر جگہ اور خصوصاً دیہاتوں میں مرغیاں پالنے کا عام رواج ہے۔ اور یہ بھی
می مفید چیز۔

مرغیوں کو بند کرنے کے لئے ہندوستان میں عام طور پر بید کی قسم کی لکڑی کا بنا ہوا خانہ ہوتا ہے۔
ہ کو ڈربہ کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شوقیہ مرغیاں پالتے ہیں وہ خوب صورت ڈربہ بنواتے ہیں۔ ایک کاغذ
بہ تم بھی بنا ڈالو۔

سامان :-

وہی یعنی کاغذ، گتا، چاقو اور قینچی۔

لہ :-

خاکے کا عکس موٹے کاغذ پر اتار لو اور نہایت صفائی سے

نے کی ترکیب

جہاں لائنیں پوری ہیں وہاں سے کاٹ دو اور جہاں نقطہ دار ہیں وہاں سے کاغذ موڑ دو۔

ا ب، ج، د کو پیچھے کی طرف موڑو۔ ح، خ اور ع، غ کو ا، ج اور ب، د پر چپکا دو۔

اب مرغی خانہ بالکل تیار ہو گیا

جالی کو چاقو سے ہوشیاری سے کاٹ کر نکال دو۔

جرمنی اور برطانیہ اور فرانس کی لڑائی کا بازار ان دنوں کچھ ٹھنڈا ہے۔ گرم گرم خبریں نہیں آرہی ہیں سنتے ہوں مارچ میں لڑائی پھر زور پکڑے گی دیکھئے کس کل اونٹ بیٹھے۔ ہاں روس اور فن لینڈ میں بہت دنوں سے ٹھنی ہوئی ہے فن لینڈ انتہائی شمال میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے روس اسے نرم نوالا سمجھ کر ہضم کرنا چاہتا ہے ان دونوں کا مقابلہ بس یوں سمجھو کہ ریچھ اور بلی کا مقابلہ ہے۔ مگر بلی نکلی بہت طاقت ور۔ اس نے میاں ریچھ کے ناک چنے چبوا دئے ہیں اور ریچھ صاحب کو تارے نظر آنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ فن لینڈ ایک برفانی ملک ہے اور آج کل وہاں انتہائی سردی پڑ رہی ہے دوسرے اسے دوسرے ملکوں سے مدد بھی بہت کافی مل رہی ہے۔

پچھلی جنوری میں ایک حادثہ بہت افسوس ناک ہوا ترکی کے زلزلے کا حال تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا یہ زلزلہ بہار اور کیٹے کے زلزلے سے کچھ کم خوفناک نہیں تھا۔ دوسری مصیبت یہ آئی کہ پاس کے سمندر (بحر اسود) میں سخت طوفان آگیا اس کی وجہ سے جان و مال کا اور بھی زیادہ نقصان ہوا۔ ان دونوں حادثوں میں کوئی ۴۰ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ زخمیوں اور خانماں برباد لوگوں کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ غرض ترکی اس وقت اس ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہے۔ ترکی حکومت اس مصیبت کو کم کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ دوسری حکومتیں بھی اس وقت اس کی مدد کر رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی جگہ جگہ امدادی انجمنیں بن گئی ہیں۔ ان کے ذریعے چندہ کیا جا رہا ہے اور ترکی بھیجا جا رہا ہے کیا اچھا ہو کہ ہمارے پیامی بھی اس نیک کام میں حصہ لیں۔ مصیبت کے وقت کسی کی مدد کرنا سب سے بڑی انسانیت ہے۔ تھوڑا بہت جو کچھ بھی ان سے ممکن ہو خود چندہ دیں اور دوسروں سے دلوائیں اور اپنے شہر کی انجمن میں لے جا کر جمع کر دیں۔ پیام برادری کی شاخوں کو میں خاص طور سے توجہ دلاتی ہوں۔

آگرے کی شاخ نے پچھلے مہینے اپنی روداد بھیجی تھی اور گنجائش کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی تھی۔ ان کا پندرھواں جلسہ یونس منزل میں منعقد ہوا تھا" عورتوں کا جنگ میں حصہ لینا ضروری نہیں" مباحثے کا عنوان تھا عبدالرؤف، اختر رشید۔ محمد صابر۔ عثمان الحق۔ وحید الدین۔ ظفر احمد۔ سرور احمد۔ محمد یونس۔ مسعود الاختر۔ مبارک الدین (سکریٹری) غلام دستگیر نے مباحثے میں حصہ لیا۔ جلسے میں شریک ہونے والے پیامیوں کی چائے اور پان سے تواضع کی گئی۔

"آپا جان"

شریر لڑکا کس طرح شریف بن گیا

رام چند " یار تمھارا لڑکا تو آج کل بہت شریف ہوگیا ہے۔ پہلے تو تمام محلے والوں کا ناک میں دم کیے رکھتا تھا لیکن اب جب بھی کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھتا ہے تو اس کی مدد کرنے کو دوڑتا ہے "

محمد اقبال:۔ " ٹھیک ہے دوست۔ اب وہ شریف بن گیا ہے "

رام چند:۔ " میرے لڑکے کو بھی تو دیکھو نا۔ تمام دن مجھے تنگ کرتا رہتا ہے اور برے لڑکوں کی صحبت میں بیٹھا رہتا ہے مجھے بھی کوئی تدبیر بتاؤ جس سے وہ سدھر جائے "

محمد اقبال:۔ " تدبیر وغیرہ تو کچھ نہیں۔ ایک سال سے میں اُسے رتن پڑھا رہا ہوں اس سے وہ سب سے قابل ہوگیا ہے اور اب اپنی کلاس کا مانیٹر ہے "

رام چند:۔ " وہی رتن جو جموں سے نکلتا ہے "

محمد اقبال:۔ " ہاں ہاں۔ وہی اس کا سالانہ چندہ صرف دو روپے ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت کا مسالا مہیا کرتا ہے۔ ہر ماہ اس میں دلچسپ اور حیرت انگیز باتیں درج ہوتی ہیں جن سے معلومات میں بے حد اضافہ ہوتا ہے اس کی سبق آموز اور نتیجہ خیز نظموں سے طالب علم صحیح معنوں میں انسان بن جاتا ہے ابھی گذشتہ ماہ میرے لڑکے نے ایک کہانی لکھی تھی جس پر اس کا فوٹو رتن میں شائع ہوا تھا۔ رتن میں لطیفے بھی دیے جاتے ہیں اور انعامی معمے بھی ان معموں کے حل کرنے سے نہ صرف دماغی قوت بڑھتی ہے بلکہ انعام بھی ملتا ہے "

رام چند:۔ " افسوس کہ اتنی دیر سے میں نے اپنے لڑکے کو اس کارآمد رسالے کے مطالعے سے محروم رکھا۔ میں ابھی دو روپے کا منی آرڈر بھیجتا ہوں۔ اس کا پتہ کیا ہے؟"

محمد اقبال:۔ " اس پتے پر منی آرڈر بھیجیے۔ نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے "

رسالہ رتن دربار گڑھ روڈ جموں (کشمیر)

بچوں کی علمی کِتابیں

کائنات:- سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دُنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مِثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

دہلی:- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچّے:- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے:- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر:- ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۹ر

تعلیمی کھیل:- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی:- سائنس کے مشکل مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۹ر

Regd. No. L. 196

اپریل ۷۰ء

پیام تعلیم

دہلی



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳۰ر

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵ر

چار یار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۲

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

پیام تعلیم

ایڈیٹر:- محمد حسین حسان

جلد ۲۲ | اپریل سنہ ۴۴ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

ہمارے سامعوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان کا پیامِ تعلیم اب پنجاب کے صوبے میں بھی مڈل اور ہائی اسکولوں کے لئے سرکاری طور پر منظور ہو گیا ہے۔ پیامِ تعلیم کے جو قدردان اس رکاوٹ کی وجہ سے رسالہ منگانے میں تامل کرتے تھے وہ اب ہماری سرپرستی میں پس و پیش نہ فرمائیں گے۔

اس رسالے میں کہانیوں اور نظموں کے علاوہ بہت اچھے اچھے اور دلچسپ مضمون شائع ہوئے ہیں۔ ان میں مقناطیسی سرنگ، دخانی انجن، بچوں کا شہر اور فن لینڈ بہت اہم ہے۔

پچھلے مہینے (۱۱ مارچ) اعلیٰ حضرت نواب صاحب رام پور بانقابہٗ جامعہ (اوکھلا) تشریف لائے تھے۔ جامعہ نگر کے بچوں نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جس کا آپ نے مناسب جواب دیا۔ مدرسے کے معائنے کے علاوہ بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی آپ نے بہت توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور بہت پسند کیا۔ آپ کے سامنے بچوں نے بنوٹ کا مظاہرہ بھی کیا

اس پرچے میں چمن لال صاحب کا سفرنامہ شائع نہیں ہو رہا ہے۔ پچھلے مہینے وہ اپنے چند ضروری کاموں کی وجہ سے مضمون لکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ سفرنامے کی جگہ انہوں نے فن لینڈ پر ایک مضمون بھیج دیا ہے۔ یہ بھی وقت کی چیز ہے اور امید ہے کہ بچے اسے بہت پسند کریں گے۔

گتے کا کام تعلیمی مرکز جامعہ میں پچھلے سال سے شروع ہوا ہے۔ اس عرصے میں بچوں نے اس کام میں غیر معمولی ترقی کر لی ہے۔ جناب احمد علی صاحب نگران تعلیمی مرکز اور جناب عروج الحسن صاحب نے ہمارے پاس ایک بستہ بھیجا ہے۔ بستہ بالکل نئے نمونے کا ہے اور کسی بہت اچھے اور کاریگر کے ہاتھ کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے تعلیمی مرکز جا کر اور چیزیں بھی دیکھیں اور ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ یہ سب بچوں ہی نے بنائی ہیں۔

جناب عروج الحسن صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں بیچی بھی جاتی ہیں۔ اس وقت یہ چیزیں بکنے کے لئے موجود ہیں۔ (۱) سنگل بلاٹنگ پیڈ (۲) ڈبل بلاٹنگ پیڈ (۳) بستے مختلف نمونوں کے (۴) سنگل اور ڈبل فائل (۵) فائل کاپی (۶) ہینڈ بیگ (۷) لیٹر ریک (۸) پنسل ٹرے (۹) البم (۱۰) ڈبے وغیرہ

جو قدردان ان چیزوں کو خریدنا چاہیں وہ جناب نگران صاحب تعلیمی مرکز سے جامعہ قرول باغ نئی دہلی کے پتے پر خط کتابت کریں۔

قوالی

یہ نظم قوالی کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اگر بچے فرضی قوالوں کا ایک طائفہ سا بنا کر اس نظم کو آپس کے جلسوں میں گائیں تو کافی دلچسپی کا سبب ہو سکتی ہے خاص خاص مصرعوں کو جن میں کام کی خوبی بتائی گئی ہے بار بار دہرانے سے قوالی کا سماں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ (نیرؔ)

ایک دن عرض مرشد سے میں نے کیا ایسا رستہ کوئی مجھ کو دیجے بتا
بے کئے کام ہو میری حاجت روا مسکرائے وہ پہلے تو پھر یہ کہا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہے کہیں

میں نے پھر عرض کی اے مرے رہنما مجھ کو ایسے وظیفے کا دیجے پتا
جس سے ملتی رہے کامیابی سدا بولے حیرت سے وہ تم یہ کہتے ہو کیا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

میں نے کی التجا اے مرے پیشوا   کیجے اللہ سے میرے حق میں دعا

ہو دعا ہی سے پورا مرا مدعا   اس پہ فرمایا مرشد نے ہو کر خفا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں

تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

پھر محبت سے مجھ کو بٹھا کر کہا   خالی خولی دعاؤں سے کیا فائدا

کام کر کام کر کام سے لو لگا   کامیابی کا ہے بس یہی راستا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں

تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

ہو سکا جو نہ پاؤں پہ اپنے کھڑا   پاؤں سے دوسروں کے وہ کچلا گیا

تم نہ تکنا کبھی غیر کا آسرا   تم نہ کرنا کبھی غیر سے التجا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کبھی

تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

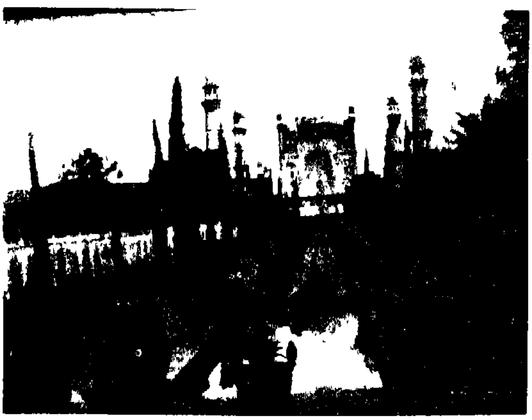
مولوی تیغ الدین صاحب نیر



جھولے (مقصود احمد سنجری جامعہ)



بچوں کی آرام کے لئے چھتری
(انیس احمد جمیل جامعہ)



مسجد جامع دولتاباد اورنگ آباد



شہسوار (محمد اسماعیل اردو جامعہ نگر)

[illegible]



[illegible] اللہ [illegible]



[illegible] اللہ خاں [illegible]



[illegible] اللہ [illegible]

شیرا



صفیہ درانی
دہلی

ہمیں کتا پالنے کا بہت ہی شوق تھا۔ جب ہمارے دوست نعیم صبح صبح اپنے کُتّے کی زنجیر پکڑ کر سیر کو جاتے تو ہمارے دل میں بڑی حسرت پیدا ہوتی۔ آخر ایک دن ہم اباجان سے کہہ ہی بیٹھے۔

"ہم تو کتا پالیں گے اباجان"۔

"کیوں کیا بلیوں سے دل بھر گیا"۔ انھوں نے ہنس کر پوچھا۔

"جی نہیں ہمیں تو اپنی مخملی بہت پیاری ہے۔ لیکن اگر ایک کُتّا بھی پال لیں تو کیا ہرج ہے"۔ انھوں نے کہا "تلاش میں رہیں گے"۔

کئی دن اسی طرح گذر گئے۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کب کتا آتا ہے۔ چمڑے کا ایک پٹا اور زنجیر ہم نے پہلے ہی سے منگوا رکھی تھی۔

آخر ایک دن ابا دفتر سے آئے۔ دروازے ہی سے ہمیں آواز دی۔ ہم نے جو دیکھا تو دفتر کا ایک اردلی سیاہ رنگ کی کوئی چیز گود میں اُٹھائے ابا کے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ پہلے تو ہم یہ نہ پہچان سکے کہ یہ کتا ہے یا بلّی۔ کیونکہ یہ بہت چھوٹی سی چیز تھی لیکن فوراً ہی ہمیں اپنی فرمائش یاد آگئی۔

"آہا! ابا آپ کتا لے آئے"۔ ہم نے خوش ہو کر کہا۔

ابّا نے کہا "ہاں دیکھو تمھیں پسند ہے؟"

ہم نے بغیر اچھی طرح دیکھے ہی کہہ دیا "جی بہت پسند ہے"۔ اور گود میں لے کر گھر میں آئے امّاں جان کو جو دکھایا تو وہ بالکل خوش نہیں ہوئیں کہنے لگیں "کتے کی ہے آفت ہی"۔ خیر ہم اُسے لے کر پھر باہر آئے نوکر سے کہا کہ اسے باندھ دے وہ بولا "میاں یہ بھاگ کر کہیں نہ جائے گا۔ اتنا چھوٹا سا تو ہے۔ آپ اسے صحن میں چھوڑ دیجئے"۔ ہم بھی اس کے کہنے میں آگئے۔

تھوڑی دیر میں باہر سے چھوٹے بہن بھائیوں کے چیخنے کی آواز آئی۔ دیکھا تو ہمارے کتے صاحب بیچ میں کھڑے ہیں۔ اور بچے نہ وہاں سے ہٹتے ہیں

اور نہ چیخنا بند کرتے ہیں۔ ہم نے کہا "کیا ہوا" خدیجہ چلائیں۔ "بھائی جان آپ کے کتے نے ننھی کا کرتا پکڑ لیا۔"

ہم نے کتے کو پکڑ لیا۔ اور بچوں کو ڈانٹا کہ ننھی سے ہم سب سے زیادہ محبت کرتی تھیں۔

کچھ دن اور گذر گئے اب ہم اس ادھیڑ بن میں تھے کہ اپنے کتے کا نام کیا رکھیں۔ کبھی خیال آتا کہ لاڈ موتی رکھ لو۔ لیکن موتی جوتی نام ہمیں پسند



نہ تھے۔ آخر ابا سے پوچھا وہ بولے "اب نام بھی ہمیں بتائیں" ہم نے کہا "جی ہاں نام تو سب کی صلاح ہی سے رکھا جاتا ہے۔" وہ ہنس پڑے چند انگریزی نام انھوں نے بتائے لیکن وہ کچھ

کوئی شیر تھوڑا ہی تھا جو کھا جاتا۔ دراصل ہم اماں سے ڈرے ہوئے تھے۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ "کتے کی ہے آفت ہی" اگر وہ یہ شور وغل سن پائیں تو ہم پر ضرور خفا ہوتیں ویسے بھی وہ

تو ہماری سمجھ میں نہ آئے اور کچھ لینے مشکل سے تھے
آخر ابّا نے کہا "شیرا رکھ لو"۔ ہماری سمجھ بھی میں آ گیا۔
"یہ بہت اچھا نام ہے ابّا۔ بس یہی رکھے لیتے ہیں"۔
اب ہم تمام صحن میں شیرا شیرا چیختے پھرتے
لیکن شیرا صاحب کو خبر نہ ہوتی۔ ہمیں اکثر اس بات

ہم شیرا کے بڑے ہونے کی خوب خوب
دعائیں مانگا کرتے۔ اُسے دودھ پلاتے۔ اگر ہمارا
بس چلتا تو ننھی کے حصے میں سے کاٹ کر بھی شیرا ہی
کو پلا دیتے۔ لیکن اماں ہمیں ایک وقت میں پاؤ بھر سے
زیادہ دودھ نہ لینے دیتی تھیں۔ خیر ہمارے شیرا



پر غصہ آ جاتا۔ لیکن پھر بھی ہم سوچتے کہ ابھی تو
بہت چھوٹا ہے۔ جب بڑا ہو جائے گا تو جو ہم کہیں
گے وہی کرے گا ابھی ہم اُسے اپنے ساتھ سیر کو
بھی نہ لے جا سکتے تھے کیونکہ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ
سڑک کے کُتّے اُسے پھاڑ ڈالتے۔

بڑھ رہے تھے اور بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے۔
کوئی دن جاتا تھا کہ وہ اصلی شیر بننے والے تھے۔
اب ہم اسے باقاعدہ سیر کرانے بھی لے جاتے
گھر میں اونچا کودنا (HIGH JUMP) اور لمبا
کودنا (LONG JUMP) بھی سکھاتے۔ اگرچہ ہم

کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہمیں دس دس دفعہ صابن سے ہاتھ دھونے پڑتے تب بھی اماں کی تسلی نہ ہوتی۔ جو نوکر شیرا صاحب کو نہلاتا تھا اُسے تو وہ بغیر نہلوائے کھانا نہ دیتی تھیں۔

شیرا ایسا سدھ گیا تھا کہ بغیر زنجیر کے ہمارے ساتھ چلا جاتا۔ اور ایسا بہادر تھا کہ سڑک کے کتے بھونکتے تو وہ خوب اُن کا مقابلہ کرتا تھا۔

ایک دن نوکر اُسے نہلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ شیرا کے پیٹ پر دانے نکل آئے ہیں۔ اس نے مجھے بھی دکھائے۔ میں نے کہا اچھی طرح نہلادو صابن سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن چار پانچ روز اور گذر گئے۔ دانے اچھے تو کیا ہوتے اور بڑھ گئے اباجان نے دیکھا اور کھجلی تجویز کی۔ جانوروں کے ہسپتال بھیجا۔ وہاں سے نہلانے کی ایک دوا ملی لیکن اُس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اماں جان کہنے لگیں یہ بیماری اس نے سڑک کے کتوں سے لگائی ہے۔ بڑی ہی لگنے والی بیماری ہے۔ میں نہ کہتی تھی کہ "کتے کی ہے آفت ہی" یہ بڑا گندا جانور ہے۔ ہے تو بڑا وفادار لیکن اب کیا کیا جائے۔ گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اللہ نہ کرے کسی اور کو لگ گئی تو کیا ہوگا۔ بیٹا تم اسے غفور (نوکر) کو دے دو اگر اچھا ہو جائے تو واپس لے لینا۔ گھر میں اس کا رکھنا ٹھیک نہیں"۔

ہمیں شیرا سے نتھی سے کچھ ہی کم محبت تھی اس لئے ہمارا دل اُسے کسی کو دینے کو نہ چاہتا تھا لیکن اماں کا کہنا ماننا ہمارا فرض تھا۔ کبھی سوچتے کہ لاؤ اماں سے کہہ دو کہ ہم اسے باندھ کر رکھیں گے اور کسی بچے کو اس کے قریب نہ جانے دیں گے آپ اسے کہیں نہ بھیجئے۔ پھر خیال آتا کہ ہمیں تو شیرا کو صرف چھ مہینے اپنے پاس رکھنے سے ایسی محبت ہو گئی اماں نے تو ہمیں بارہ برس تک پالا ہے۔ انھیں ہم سے کتنی محبت ہوگی۔ اگر ہم اُن کا کہنا نہ مانیں گے تو انھیں کتنا افسوس ہوگا۔ اول تو جب پہلے روز انھوں نے کہا تھا کہ "کتے کی ہے آفت ہی" تو ہمیں اسے نہ پالنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم نے ان کی مرضی کے بغیر یہ کام کیا تھا۔

ہم نے اسی روز شیرا کو غفور کو دے دیا۔ لیکن اپنے دل میں یہ سوچ لیا۔ کہ جب بڑے ہوں گے نوکر ہوں گے اور اپنے لئے ایک نئی کوٹھی بنوائیں گے۔ تو سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ شیرا کو غفور سے چھین لیں گے۔ کیا بتائیں ہمیں شیرا سے محبت ہی بہت ہو گئی تھی:

چڑیا اور لومڑی

بھائی جان



۱

ومڑی تھی اک بے حد بھوکی
صبح سویرے کھوہ سے نکلی
بے چینی تھی بھوک کے مارے
تاک رہی تھی کس کو کھائے



۲

چڑیا آئی چوں چوں کرتی
آ کر اک دیوار پہ بیٹھی
لومڑی کی تب کھِل گئیں باچھیں
روشن ہو گئیں اس کی آنکھیں



۳

لومڑی بولی اے بی چڑیا
ننھی منی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو
آئی ہو تو کچھ دم لے لو



۴

چوں چوں کرکے چڑیا بولی
راجہ کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری
اس کو گیت سناتی ہوں میں



۵

مڑی بولی واں مت جاؤ
تم کو لے لوں گود میں آؤ
د ہے میری ایسی عمدہ
جیسے روئی کا ہو گدا



٦

بولی چڑیا واہ ری بڑھیا
تو تو ہے آفت کی پڑیا
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا
بھیڑوں سے یہ باتیں کرنا
اڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئی لمڑی منھ پھیلا کر

لٹل کراؤ

محمد حسین حسّان ندوی جامعی

تمھیں معلوم ہے ریڈ انڈین یا لال ہندوستانی کون سی قوم ہے۔ اب تو اس کا حال اردو کتابوں میں

آج ہم تمھیں ایک رڈ انڈین بچے کا حال سنائیں اس کا نام لٹل کراؤ تھا۔ یہ بڑا اچھا بچہ تھا۔ نہ کبھی روتا

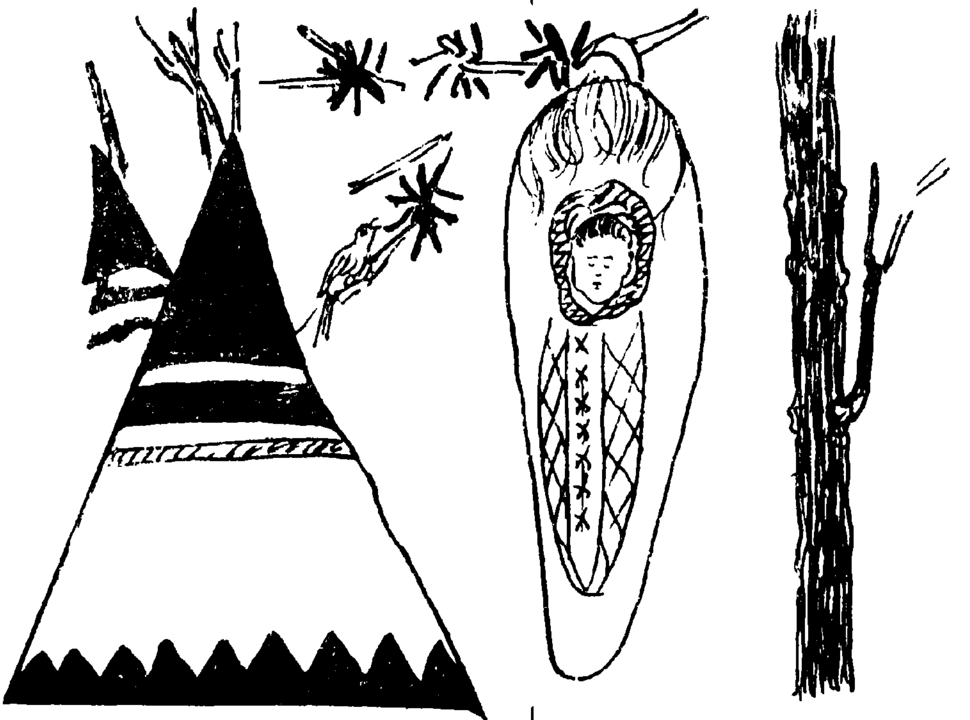


بھی آگیا ہے۔ یہ امریکہ کے اصلی باشندے ہیں یورپ کے لوگوں کے آنے سے پہلے یہی اس نئی دنیا کے مالک تھے

تھا نہ چیختا چلاتا تھا۔ بس دن بھر اپنے پالنے میں پڑا سوتا رہتا تھا۔ ماں باپ تو اس پر جی جان سے فدا تھے

اس کا باپ خوب مضبوط تندرست لمبا تڑنگا آدمی تھا دوڑنے پہ آجائے تو ہرن سے بھی آگے نکل جائے۔ لٹل کراؤ کی ماں محبت کے جوش میں اکثر کہا کرتی کچھ دنوں بعد میرا ننھا بھی اپنے باپ کی طرح خوب مضبوط تندرست اور لمبا تڑنگا مرد ہوگا۔

اب یہ پالنا یا ہنگورا وہ درخت میں لٹکا دیتی ہے۔ اور ہوا کے ہلکے ہلکے، ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے لوریاں دے دے کر بچے کو سلا دیتے ہیں لٹل کراؤ ہمیشہ اس عجیب وغریب ہنگورے میں باہر ہی سوتا ہے اور تازی تازی ہوا اور دھوپ کھا کھا کر دن پر دن خوب موٹا تازہ ہوتا جاتا ہے۔



اس کا پالنا بھی عجیب وغریب تھا ایسا تھوڑی تھا جیسے تمہارے یہاں لکڑی یا نواڑ کا بنواتے ہیں وہ بس چمڑے کا بنا ہوا تھا اور ایک لکڑی کے تختے میں لگا ہوا۔ لٹل کراؤ کی ماں اسے اس پالنے میں سیدھا لٹا دیتی ہے۔ پھر وہ اُسے اس طرح باندھ دیتی ہے کہ گرنے نہ پائے۔

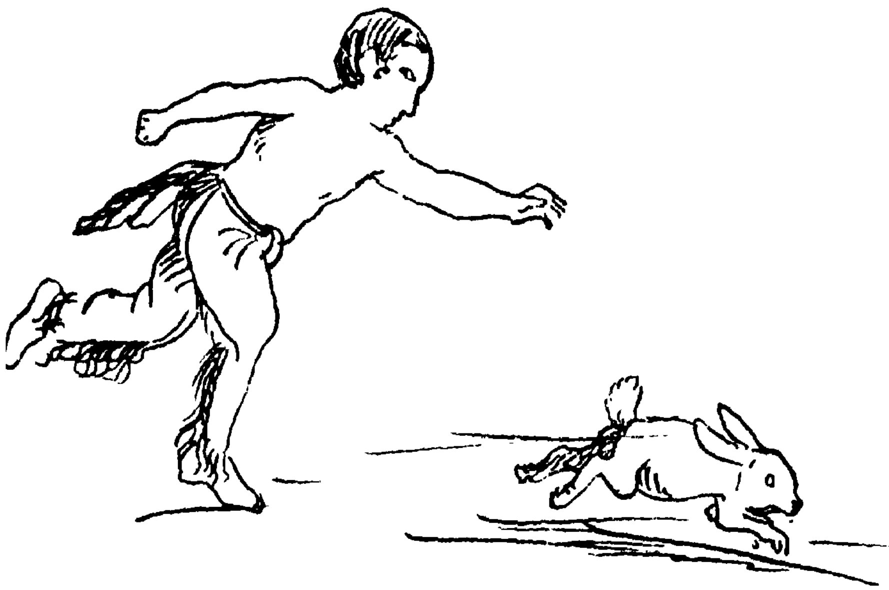
جب وہ دو تین سال کا ہوگیا تو ہنگورے کی جگہ زمین پر سونے لگا۔ اس کے لئے چمڑے کا نرم نرم بستر کر دیا جاتا۔

رات کو سویرے ہی سو جاتا۔ جوں ہی شام کا دھند لکا ہوتا اس کی ماں کہتی لو بیٹا وہ پہلا تارا آسمان پہ نکل آیا اب تم بستر پر جاکر سو رہو۔ خدا حافظ۔

کبھی کبھی لٹل کراؤ کا باپ اسے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر اِدھر اُدھر کی سیر کراتا۔ جب لٹل کراؤ چھ برس کا ہوا تو اس کے باپ نے کہا "میرا بیٹا خیر سے سیانا ہو گیا ہے اب میں اس کے لئے پونی لاؤں گا۔"

پونی آ گئی۔ لٹل کراؤ اتنا خوش تھا کہ بس کچھ پوچھو مت۔ اس نے دو چار ہی روز میں چڑھنا سیکھ لیا۔ اور روزانہ پونی پر دور دور کا چکر لگا آتا۔

تھوڑے ہی دنوں میں وہ اچھا خاصا شہسوار بن گیا۔ وہ دن بھر پونی پر چڑھا چڑھا گھوما کرتا اور ذرا بھی نہ تھکتا۔



کبھی کبھی وہ جنگل میں خرگوش کے پیچھے لگ جاتا اور خوب دوڑتا، خوب دوڑتا۔ تھک جاتا تو کسی درخت کے سائے میں ذرا دیر کے لئے آرام لے لیتا وہ خوب جانتا تھا کہ زیادہ تھکنا ٹھیک نہیں ہے۔

نیند، آرام، ورزش تازہ ہوا اور دھوپ یہی سب چیزیں تو تھیں جنھوں نے اسے اتنا تندرست مضبوط اور طاقت ور بنا دیا بڑا ہو کر اپنے باپ کی طرح وہ بھی لمبا تڑنگا جوان نکلا۔

بچوں کا شہر

ابو محمد امام الدین رام نگری

ہر شہر اپنی تاریخ رکھتا ہے اور جو شہر پرانا ہوتا ہے اس کی تاریخ اتنی ہی اہم ہوتی ہے [cut off] شہر کا میں حال بیان کر رہا ہوں وہ ابھی بالکل [cut off] ہے۔ پھر بھی اس کی ایک تاریخ ہے بہت دلچسپ [cut off] اہم۔

اس شہر کا نام بلاچ مِن ہے اسے تمھاری [cut off] کے بچوں نے آباد کیا ہے اور وہی اس کا سارا [cut off] نظام کرتے ہیں یہاں پڑھائی لکھائی کے ساتھ [cut off] کو دستکاری، زراعت، کاروبار، بنک [cut off] اور تعمیر، صفائی، ٹیکس، عجائب خانے وغیرہ [cut off] ترتیب اور انتظام کی اتنی کافی تعلیم دی جاتی ہے [cut off] بچے مدرسے سے نکلنے کے بعد روزی کمانے [cut off] محتاج نہیں رہتے، وہ اپنا کاروبار جاری [cut off] نے کے قابل بھی ہوتے ہیں اور دوسروں کے [cut off] خانوں اور دکانوں میں کام کر کے بھی روزی [cut off] اسکتے ہیں۔

کیلی فورنیا (امریکہ) میں سنٹا میریا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے "بلاچ مِن" اس سے کوئی ۵ میل کی دوری پر پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ مسز بلی پھولر امریکہ کی ایک ماہر تعلیم خاتون ہیں یہ شہر انھی کے خواب کی تعبیر ہے۔ اب سے آٹھ سال پہلے انھوں نے تعلیم کے متعلق ایک نئے تجربے کا ارادہ کیا اور اسی کے نتیجے کے طور پر یہ شہر وجود میں آیا۔

جب سے اس شہر کی بنیاد پڑی یہ برابر ترقی کر رہا ہے اس میں کل دس عمارتیں ہیں، صاف ستھری سڑکیں ہیں۔ خوش نما اور پر فضا باغ ہیں۔ یہ سب چیزیں طلبا کی بنائی ہوئی ہیں۔

اس شہر کا انتظام ایک مجلس کے سپرد ہے اس مجلس کے ممبر بھی بچے ہی ہوتے ہیں اور بچے ہی اُن کو منتخب کرتے ہیں۔ ہر بچے کو رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ اس مجلس کے ممبر تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ سب کو ایک سی تنخواہ ملتی ہے۔ شہری ضرورتوں کے لئے الگ الگ محکمے قائم ہیں۔ ان محکموں کے افسر اور کارکن اپنے اپنے کام کے مطابق تنخواہ

پاتے ہیں۔ شہر کا میئر پانسو ڈالر سالانہ پاتا ہے۔ اور ٹیکس افسر کو سو ڈالر سالانہ ملتے ہیں۔

بچوں کی تیار کی ہوئی چیزیں فروخت ہوتی ہیں اُسی آمدنی سے اسکول کا خرچ چلتا ہے اور افسروں اور کارکنوں کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کا ایک بنک بھی ہے۔ جس میں ان کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے ضرورت پڑنے پر لڑکے بنک سے قرض بھی لیتے ہیں۔ بنک سے لین دین کرنے میں لڑکوں کو بنک کے ضابطوں کی پوری پابندی کرنی پڑتی ہے تاکہ ان میں شروع ہی سے اصول اور ضابطے کے برتنے کی عادت پڑ جائے۔ لڑکوں کو جو آمدنی ہوتی ہے اس کے متعلق انھیں اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پاس رکھیں یا بنک میں جمع کریں۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ان کی دماغی تفریح اور جسمانی صحت کے لئے کھیل کود کا بھی معقول انتظام ہے اور اس قسم کے مشغلے لازمی قرار دئے گئے ہیں۔

بلاچ مین کے باہر زمین کو کھیتی کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر تقسیم کردیا گیا ہے۔ یہ زمین بھی بچوں کی ملک ہے۔ بچے ان ٹکڑوں کی مال گذاری دیتے ہیں۔ سینچائی کے لئے بھی انھیں دو دو ڈالر سالانہ دینے پڑتے ہیں۔ وہ موسم کے مطابق ان میں کھیتی کرتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں کچھ بچے ایسے بھی ہیں جو کھیتی باڑی نہیں کرتے بلکہ کھیتوں سے پیدا ہونے والی چیزوں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں۔

مسٹر پھولر کو شروع شروع میں اس شہر کے لئے زمین حاصل کرنے اور روپیہ جمع کرنے میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ آخر مسٹر جان ولیم سن صدر، پائر اسٹینڈرڈ آئل کارپوریشن نے انھیں آئل کارپوریشن کی طرف سے زمین دیدی جس پر اب شہر بلاچ مین آباد ہے۔

مسٹر جان سے زمین کا معاملہ طے کرنے کے بعد مسٹر پھولر نے یہ تجویز اپنے طلباء کو سنائی طلباء نے اس جوش اور شوق سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا کہ مسٹر پھولر کی خوشی کی حد نہ رہی اس کے دو ہی تین دن کے بعد مسٹر پھولر کی نگرانی میں لڑکوں نے زمین کی ناپ شروع کردی اور شہر کی بنیاد پڑ گئی۔ دیکھ بھال ایک انجنیئر کرتا رہا۔ باقی سارے کام لڑکوں نے کئے۔

ایک سیاح بلاچ مین کو دیکھنے گیا تھا وہ لکھتا ہے "مجھے شہر بلاچ مین کے دیکھنے کا شوق ہوا تو میں مسٹر پھولر سے ملا اور ان سے شہر دیکھنے کی درخواست کی۔ وہ مجھے شہر کے چیمبر آف کامرس کی پریسیڈنٹ مس جین ولسن کے پاس لے گئیں۔ جس وقت مسٹر پھولر نے مجھ سے پریسیڈنٹ سے

ے کے لئے کہا تو مجھے کوئی عجیب بات نہیں معلوم
۔ لیکن جب میں مس جین کے پاس گیا اور ہما
ہمی التعارف ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ
ی سن رسیدہ خاتون نہیں بلکہ بارہ سال
ب لڑکی تھی جو چیمبر آف کامرس کے پریسیڈنٹ
رائض ادا کرتی تھی۔

مس جین نے بڑی سنجیدگی سے مجھے اپنے ساتھ
ور شہر دکھانے لے گئی۔ اس نے مجھے پہلے عجائب
ر دکھایا جہاں اکثر ایسی چیزیں تھیں جن سے بچے
ت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ بچوں کی بنائی ہوئی
ا چیزوں کے ماڈل تھے کتنی ایسی چیزوں کی نقلیں
ں جو امریکہ کے قدیم باشندوں میں رائج تھیں۔

اس کے بعد میں نے اسٹور دیکھا۔ پھر ہسپتال
ایک لڑکے نے چھری سے ہاتھ کاٹ لیا تھا جس کی
ادائی دیکھ بھال ایک بچی کر رہی تھی اس بچی کا نام
ما اسٹیونس تھا۔ ہسپتال کے پاس ہی پھلوں
ترکاریوں کی منڈی تھی اُسے دیکھ کر میں بینک دیکھنے
ا۔ میں بینک کے پاس کھڑا تھا کہ ایک بچہ جس کا نام
ن ٹارٹر تھا رقم جمع کرنے کی کھڑکی کی طرف آیا اور
ڈالر جمع کئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بینک
سے قرض لیا ہے اسی کا کچھ حصہ ادا کرنے آیا تھا
ل چاہا کہ لڑکے سے کچھ پوچھوں اس لئے جب وہ
چلنے لگا تو میں نے پوچھا " تم نے قرض کیوں لیا
تھا ؟ "۔

جان ٹارٹر نے ایسی صورت بنا کر جیسے وہ اقتصادیات پر لیکچر دینا چاہتا ہو کہنا شروع کیا۔ " اگر آپ کو کسی زمین یا مکان خریدنے کی ضرورت ہو اور آپ کے پاس روپئے نہ ہوں تو آپ کو قرض لینا ہی پڑے گا اور جب آپ قرض لیں گے تو بینک کے پاس ضرور ہی آئیں گے جارج برجر اور میں نے زمین کا ایک ٹکڑا دو ہزار ڈالر میں خریدا ہے برجر نے تو اپنے حصّے کے ڈالر دے دئے لیکن میرے پاس پوری رقم نہ تھی اس لئے مجھے پانسو ڈالر بینک سے قرض لینے پڑے۔ میں اسی قرض کے ادا کرنے کے لئے ہر مہینے یہاں آتا ہوں اگلے مہینے میں سارا قرض ادا ہو جائے گا، میں نے قرض چکانے میں کبھی سُستی نہیں کی اس لئے بینک مجھ پر اعتبار کرتا ہے۔ جارج اور میں زمین کی پیداوار بڑھانے اور اُسے سدھارنے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اگلے سال اس کی مالیت اب سے ضرور بڑھ جائے گی اس وقت ہم اُسے نفع کے ساتھ بیچ ڈالیں گے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی چیز کو جتنا سدھارا اور بنایا جائے اتنا ہی اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا"۔

بلاچ مین کی تعلیم گاہ میں جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم صرف کتابی سبق رٹوا کر نہیں دی جاتی بلکہ

پاتے ہیں۔ شہر کا میئر پانچ سو ڈالر سالانہ پاتا ہے۔ اور ٹیکس افسر کو سو ڈالر سالانہ ملتے ہیں۔

بچوں کی تیار کی ہوئی چیزیں فروخت ہوتی ہیں اُسی آمدنی سے اسکول کا خرچ چلتا ہے اور افسران اور کارکنوں کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کا ایک بینک بھی ہے جس میں اُن کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے ضرورت پڑنے پر لڑکے بینک سے قرض بھی لے لیتے ہیں۔ بینک سے لین دین کرنے میں لڑکوں کو بینک کے ضابطوں کی پوری پابندی کرنی پڑتی ہے تاکہ ان میں شروع ہی سے اصول اور ضابطے کے برتنے کی عادت پڑ جائے۔ لڑکوں کو جو آمدنی ہوتی ہے اس کے متعلق انھیں اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پاس رکھیں یا بینک میں جمع کریں۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ان کی دماغی تفریح اور جسمانی صحت کے لئے کھیل کود کا بھی معقول انتظام ہے اور اس قسم کے مشغلے لازمی قرار دئے گئے ہیں۔

بلاچ مین کے باہر زمین کو کھیتی کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے یہ زمین بھی جو بچوں کی ملک ہے۔ بچے اِن ٹکڑوں کی مال گذاری دیتے ہیں۔ سینچائی کے لئے بھی اُنھیں دو دو ڈالر سالانہ دینے پڑتے ہیں، وہ موسم کے مطابق ان زمینوں میں کھیتی کرتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں کچھ بچے ایسے بھی ہیں جو کھیتی باڑی نہیں کرتے بلکہ کھیتوں سے پیدا ہونے والی چیزوں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں۔

مسٹر بھولر کو شروع شروع میں اس شہر کے لئے زمین حاصل کرنے اور روپیہ جمع کرنے میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ آخر مسٹر جان ولیم سن صدر پائر اسٹینڈرڈ آئل کارپوریشن نے انھیں آئل کارپوریشن کی طرف سے زمین دیدی جس پر اب شہر بلاچ مین آباد ہے۔

مسٹر جان سے زمین کا معاملہ طے کرنے کے بعد مسٹر بھولر نے یہ تجویز اپنے طلباء کو سنائی طلباء نے اس جوش اور شوق سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا کہ مسٹر بھولر کی خوشی کی حد نہ رہی اس کے دو ہی تین دن کے بعد مسٹر بھولر کی نگرانی میں لڑکوں نے زمین کی ناپ شروع کر دی اور شہر کی بنیاد پڑ گئی۔ دیکھ بھال ایک انجینیر کرتا رہا۔ باقی سارے کام لڑکوں نے کئے۔

ایک سیاح بلاچ مین کو دیکھنے گیا تھا وہ لکھتا ہے "مجھے شہر بلاچ مین کے دیکھنے کا شوق ہوا تو میں مسٹر بھولر سے ملا اور اُن سے شہر دیکھنے کی درخواست کی۔ وہ مجھے شہر کے چیمبر آف کامرس کی پریسیڈنٹ مس جین ولسن کے پاس لے گئیں۔ جس وقت مسٹر بھولر نے مجھ سے پریسیڈنٹ سے

ملنے کے لئے کہا تو مجھے کوئی عجیب بات نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن جب میں مس جین کے پاس گیا اور ان سے میرا تعارف ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کوئی سن رسیدہ خاتون نہیں بلکہ بارہ سال کی ایک لڑکی تھی جو چیمبر آف کامرس کے پریسیڈنٹ کے فرائض ادا کرتی تھی۔

مس جین نے بڑی سنجیدگی سے مجھے اپنے ساتھ لیا اور شہر دکھانے لے گئی۔ اس نے مجھے پہلے عجائب خانہ دکھایا جہاں اکثر ایسی چیزیں تھیں جن سے بچے بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ بچوں کی بنائی ہوئی کتنی چیزوں کے ماڈل تھے۔ کتنی ایسی چیزوں کی نقلیں تھیں جو امریکہ کے قدیم باشندوں میں رائج تھیں۔

اس کے بعد میں نے اسٹور دیکھا۔ پھر ہسپتال گیا ایک لڑکے نے چھری سے ہاتھ کاٹ لیا تھا جس کی ابتدائی دیکھ بھال ایک بچی کر رہی تھی اس بچی کا نام نارما اسٹیونس تھا۔ ہسپتال کے پاس ہی پھلوں اور ترکاریوں کی منڈی تھی اُسے دیکھ کر میں بنک دیکھنے گیا۔ میں بنک کے پاس کھڑا تھا کہ ایک بچہ جس کا نام جان ٹارٹر تھا رقم جمع کرنے کی کھڑکی کی طرف آیا اور کچھ ڈالر جمع کئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بنک سے قرض لیا ہے اسی کا کچھ حصہ ادا کرنے آیا تھا دل چاہا کہ لڑکے سے کچھ پوچھوں اس لئے جب وہ چلنے لگا تو میں نے پوچھا "تم نے قرض کیوں لیا تھا؟"۔

جان ٹارٹر نے ایسی صورت بنا کر جیسے وہ اقتصادیات پر لیکچر دینا چاہتا ہو کہنا شروع کیا۔ اگر آپ کو کسی زمین یا مکان خریدنے کی ضرورت ہو اور آپ کے پاس روپئے نہ ہوں تو آپ کو قرض لینا ہی پڑے گا اور جب آپ قرض لیں گے تو بنک کے پاس ضرور ہی آئیں گے جارج برجر اور میں نے زمین کا ایک ٹکڑا دو ہزار ڈالر میں خریدا ہے برجر نے تو اپنے حصے کے ڈالر دے دئے لیکن میرے پاس پوری رقم نہ تھی اس لئے مجھے پانسو ڈالر بنک سے قرض لینے پڑے۔ میں اسی قرض کے ادا کرنے کے لیے ہر مہینے یہاں آتا ہوں اگلے مہینے میں سارا قرض ادا ہو جائے گا۔ میں نے قرض چکانے میں کبھی سستی نہیں کی اس لئے بنک مجھ پر اعتبار کرتا ہے۔ جارج اور میں زمین کی پیداوار بڑھانے اور اسے سدھارنے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اگلے سال اس کی مالیت اب سے ضرور بڑھ جائے گی اس وقت ہم اسے نفع کے ساتھ بیچ ڈالیں گے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی چیز کو جتنا سدھارا اور بنایا جائے اتنا ہی اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا"۔

بلایح مین کی تعلیم گاہ میں جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم صرف کتابی سبق رٹوا کر نہیں دی جاتی بلکہ

تجربے اور عمل سے بھی دی جاتی ہے وہاں بہت سے تاریخی واقعات کے خاکے بنا کر رکھے گئے ہیں پہاڑ، دریا اور جزیرے وغیرہ کے نمونے موجود ہیں۔ زمین پر دنیا کا ایک بہت بڑا نقشہ بنایا گیا ہے جس میں بہت سی قدرتی چیزوں کو تصویروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔

کتابوں کے ذریعے بچوں کو پورے طور پر یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ مٹی کا تیل کیسے نکلتا ہے؟ صاف کیسے کیا جاتا ہے؟ اس کی درآمد برآمد کیسے ہوتی ہے؟ لیکن مسٹر بھولر کی درس گاہ کے بچے مٹی کے تیل کے چشمے آنکھوں سے جا کر دیکھ آئے ہیں۔ کپڑا بننے کی مشینوں کا معائنہ کرچکے ہیں۔ پھر ملوں کی خاص خاص باتوں اور کام کرنے والی مشینوں کی ساختوں کو سامنے رکھ کر بہت سے پرزے بچوں نے خود تیار کئے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں بنا بنا کر جمع کی جارہی ہیں ان بچوں کے جانے کے بعد جو بچے آئیں گے وہ اسکول کے کاموں کو بہت کچھ ہلکا پائیں گے کیوں کہ بہت سی چیزیں تیار مل جائیں گی۔

وہاں کھیتی کے کاموں کے تجربے ہورہے ہیں مویشیوں کے پالنے اور اُن سے کام لینے کے طریقے سکھائے جارہے ہیں کھاد اور بیج کے بارے میں تعلیم دی جارہی ہے۔ غرض بلاچ مین ایک تجربہ گاہ بن رہا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے بچے اپنی عمر ہی کے مطابق تعلیم نہیں پا رہے ہیں بلکہ وہ بہت سے ایسے کام بھی سیکھ رہے ہیں جو تعلیم گاہ چھوڑنے کے بعد زندگی کے میدان میں داخل ہونے پر اُن کے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہوں گے

مسٹر بھولر سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک کم سن بچہ ایک چھوٹا سا رجسٹر لئے ہوئے مسٹر بھولر سے دستخط کرانے آیا۔ مجھے خیال آیا کہ غالباً اس رجسٹر پر یہاں آنے والوں سے رائیں لکھوائی جاتی ہیں جو یقیناً تعریفی قسم کی ہوتی ہوں گی۔ مگر مسٹر بھولر نے مجھے وہ رجسٹر دکھایا تو میری غلط فہمی دور ہوگئی اس رجسٹر کے ذریعے چیمبر آف کامرس کے ممبروں کو اگلی بیٹھک کی اطلاع دی گئی تھی۔

مسٹر بھولر نے کہا "مجھے معلوم نہیں کہ مجلس کیوں بلائی جارہی ہے لیکن اگلے ہفتے کی انتظامی کارروائی سے متعلق تجویز رکھی گئی ہے۔ یہ بچے بے ضرورت مجلس بلا کر وقت خراب کرنے کے عادی نہیں ہیں"!

اس کے بعد تھوڑی دیر تک کچھ سوچ کر مسٹر بھولر نے کہا "بچوں کو موقع کیوں نہ دیا جائے کہ وہ تجربہ کے ذریعے کچھ سیکھیں بچے ہماری زندگی کا بہت اہم حصہ ہیں وہ جب تک بالغ نہ ہو جائیں انھیں اہم ذمہ داریوں کے کام سکھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ایسی تعلیم دینی چاہیئے کہ وہ اپنی حیثیت اور ذمہ داری کے کام سنبھالنے کے قابل ہو جائیں۔

فضل الدین صاحب اثر ایم اے

دُخانی انجن

فضل الدین صاحب اثر ایم اے نے تمہارے لئے یہ مضمون بہت محنت اور توجہ سے لکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم اتنی ہی دلچسپی اور توجہ سے اسے پڑھوگے۔ اثر صاحب بہت مصروف آدمی ہیں مگر تمہارے پیام تعلیم کے لئے تھوڑا وقت نکال لیتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

آج سے کئی سو سال پہلے کا ذکر ہے انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں کوئلہ کھودنے والوں نے محسوس کیا کہ جس قدر کوئلہ وہ کھود کر نکالتے ہیں اُن کی ضرورت کے لئے کافی نہیں۔ کوئلہ زمین میں بہت گہرائی تک ملتا ہے۔ لیکن یہ لوگ مجبوریوں تھے کہ زیادہ گہرائی میں اگر یہ کوئلہ کھود بھی لیں تو اسے باہر نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ پھر بعض مرتبہ کوئلے کی کان میں پانی نکل آتا تھا اسے باہر نکال کر کان کو خشک کرنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ دشواریاں صرف انگلستان کے کوئلہ کھودنے والوں کی دشواریاں نہ تھیں بلکہ یورپ میں اور مقامات پر بھی جہاں کوئلہ نکلتا تھا یہی مشکلیں پیش آئی تھیں

یہ مثل تو تم نے سُنی ہوگی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو سنہ ۱۶۹۰ء میں ایک فرانسیسی نے بھاپ کا ایک ایسا انجن بنانا چاہا جو کانوں سے کوئلہ بھی باہر نکال سکے اور پانی بھی کھینچ سکے اس فرانسیسی کا نام ڈینس پیپن (DENIS PAPIN) تھا پیپن کا انجن بہت سادہ شکل کا تھا۔ اس میں کل پرزوں کی کوئی الجھن نہ تھی۔ صرف ایک پسٹن (PISTON) ایک سلنڈر (CYLINDER) میں بھاپ کے زور سے اُٹھ جاتا تھا۔ سلنڈر میں پسٹن کے نیچے پانی بھر کر آگ جلادی جاتی تھی جس سے پانی بھاپ بن کر پسٹن کو اوپر اُٹھا دیتا تھا۔ پسٹن کے اوپر اُٹھ جانے کے بعد سلنڈر کے نیچے سے آگ

ہٹائی جاتی تھی تاکہ بھاپ جم جائے اور پسٹن پھر نیچے اُتر آئے۔ اسی طرح اس انجن کو چلانے کے لئے بار بار بھاپ سے اس کا پسٹن اُٹھانا اور گرانا پڑتا تھا۔ یہ انجن کئی منٹ میں پہیئے کو چکر دے سکتا تھا۔ ہیپن نے اپنا یہی سیدھا سادہ انجن ایک کشتی میں لگا کر اسے دریا میں چلانے کی بھی کوشش کی لیکن آس پاس کے ملاح جانتے تھے کہ ہیپن کی ایجاد اُن کی روزی کو نقصان پہنچائے گی اس لئے موقع پا کر انھوں نے ہیپن کی کشتی کو مع انجن کے توڑ ڈالا۔

ہیپن سے پیشتر مارکوئس آف وورسٹر (MARQUIS OF WORCESTER) نے بھی ایک ایسا بھاپ کا انجن بنایا تھا جو پانی کو سطح سے چالیس فیٹ اوپر کھینچ سکتا تھا۔ یہ انجن نمائش کی غرض سے ۱۶۶۳ء سے ۱۶۷۰ء تک واکس ہال (VAUX HALL) میں رکھا ضرور گیا تھا لیکن کبھی اس سے کام نہیں لیا گیا۔

روزمرہ کے کاموں میں مدد کرنے والا بھاپ کا انجن سب سے پہلے ڈیون شائر DEVONSHIRE کے ایک لوہار ٹامس نیوکومن (THOMAS NEWCOMEN) نے بنایا تھا اور سب سے پہلے ایک ٹین کی کان سے پانی نکالنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا نیوکومن کا انجن بہت آہستہ آہستہ چلتا تھا اور وہ اس لئے کہ اس کے سلنڈر میں نلوں کے ذریعے باری باری بھاپ اور سرد پانی داخل کیا جاتا تھا۔

نیوکومن کے انجن میں سب سے پہلی ترقی ایک لڑکے کے ہاتھوں ہوئی۔ اس لڑکے کا نام ہمفرے پوٹر (HUMPHREY POTTER) تھا۔ ایک دن ہمفرے کو کان میں یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ انجن کے پاس کھڑا کھڑا باری باری سلنڈر میں بھاپ اور سرد پانی داخل کرنے کے لئے نلوں کی ٹونٹیاں کھولتا اور بند کرتا رہے لیکن ہمفرے اپنے کام سے بہت جلد اُکتا گیا اس نے جیب سے ایک رسی کا ٹکڑا نکالا اور انجن کی حرکت کرنے والی سلاخ سے ٹونٹیوں کو اس طرح باندھ دیا کہ ٹونٹیاں سلاخ کی حرکت کے ساتھ ساتھ کھلتی بند ہوتی ہیں۔ کان کے منیجر نے ہمفرے کی ایجاد کو بہت سراہا اور رسی کے ٹکڑے کی بجائے لوہے کی سلاخ لگوا دی۔

بڑی مدت تک بھاپ کے انجن میں کوئی ترقی نہیں ہوئی بالآخر ۱۹ جنوری ۱۷۳۶ء کو وہ شخص پیدا ہوا جس نے بھاپ کے انجن کو مکمل کر دیا اس کا نام جیمس واٹ (JAMES WATT) تھا واٹ کو بچپن ہی سے کل پرزوں سے دلچسپی تھی۔ اُسے ڈرائنگ کا شوق ضرور تھا۔ لیکن پڑھنے لکھنے سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ واٹ کے متعلق بہت سی

دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے والدین کے ساتھ چائے پینے بیٹھا۔ اس کے ماں باپ تو چائے پیتے رہے لیکن وہ خاموش بیٹھا بیٹھا کیتلی سے نکلتی ہوئی بھاپ پر چمچہ لگا لگا کر بھاپ کی قوت کا اندازہ لگاتا رہا۔

واٹ جب بڑا ہوا تو گلاسگو کے دار العلوم میں مستری ہو گیا۔ اسی دوران میں اس کے پاس نیوکومن کا بنایا ہوا ایک انجن مرمت کے لئے آیا۔ واٹ نے سوچنا شروع کیا کہ وہ کس طرح اس انجن کو بہتر بنا سکتا ہے۔ سنہ ۱۷۶۵ء میں ایک اتوار کی شام کو واٹ کے دماغ میں ٹہلتے ٹہلتے ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ سلنڈر کے برابر ایک اور ٹنکی بنا دے تاکہ بھاپ سلنڈر میں پسٹن کو اٹھا چکنے کے بعد اس ٹنکی میں پہنچ کر منجمد ہو جائے۔ اس طرح سلنڈر کو بار بار گرم اور ٹھنڈا بھی نہیں کرنا پڑے گا اور انجن بھی تیزی سے چل سکے گا۔ واٹ نے گھر آکر اس طرح ایک انجن بنانا شروع کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

غنچہ سال گرہ نمبر

بچوں کا یہ ہفتہ وار رسالہ ایک عرصے سے بجنور سے نکل رہا ہے۔ لیکن جب سے شائل فخری صاحب اس کے ایڈیٹر ہوئے ہیں اسے ترقی دینے میں خاص طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ انھی کی کوششوں سے شاید پہلی بار اس کا سال گرہ نمبر بھی نکلا ہے۔ اسے ہر طرح مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون، قصے، کہانیاں نظمیں، لطیفے، معمے غرض سب ہی چیزیں ہیں۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ غنچہ کی سالانہ قیمت ۵ روپے فی پرچہ ۱۰ نئے پیسے

سال گرہ نمبر کی قیمت سالانہ قیمت میں شامل ہے

مقام اشاعت :- غنچہ بجنور یو پی

سعادت سال گرہ نمبر :-

اس رسالہ کا ذکر کسی پچھلے پرچے میں آچکا ہے۔ اس نے بھی اپنا شاندار سال گرہ نمبر سنہ ۷۰ء نکالا ہے اس میں ویسے تو سبھی مضمون اچھے ہیں مگر پنسل کی چوری (ڈرامہ) ضروری کام (مضمون) سردی (نظم) بچوں کی استانی (ڈرامہ) کئے کی سزا (نظم) پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت للعہ ہے۔ خاص نمبر کی قیمت اسی میں شامل ہے۔

مقام اشاعت لاہور

خود غرض دیو

افتخار خاتون

بہت دنوں کی بات ہے۔ سڑک کے کنارے ایک دیو کا باغ تھا۔ اس میں قسم قسم کے خوب صورت پھولوں اور پھلوں کے درخت تھے۔ تمام زمین ہری بھری گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ بہار کے موسم میں درخت سفید کلیوں اور خوش رنگ پھولوں سے لد جاتے تھے۔ اسی سڑک کے قریب ایک گاؤں بھی تھا۔ اس گاؤں کے بچے اسکول کے بعد یہاں کھیلنے آیا کرتے تھے اور اپنا وقت نہایت ہنسی خوشی گذارتے تھے۔

اس باغ کا مالک یعنی دیو اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا وہ بہت دنوں تک اپنے دوست کے یہاں رہا۔ جب وہ اپنے وطن کو واپس آیا اس نے دیکھا کہ اس کا باغ خوب سرسبز ہے اور ننھے ننھے بچے اس میں خوب مزے سے کھیل کود رہے ہیں تو اسے بہت بُرا لگا۔ اصل میں وہ نہایت خود غرض دیو تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے باغ میں کوئی نہ آئے بس وہ اکیلا ہی باغ کی خوب صورتی سے لطف اٹھائے۔ اس نے نہایت زور دار آواز میں بچوں کو مخاطب کر کے کہا "تم سب یہاں کیا کر رہے ہو؟ کل سے میرے باغ میں کوئی نہ آئے میں باغ کے چاروں طرف ایک دیوار بنا دوں گا"۔ سب بچے یہ سن کر ڈر گئے اور باغ سے بھاگ گئے۔ دوسرے دن اس خود غرض دیو نے باغ کے گرد ایک دیوار بنائی اور تختے پر یہ لفظ لکھ کر تختہ باغ کی دیوار پر لٹکا دیا۔

"اس طرف سے گذرنے والوں کو سزا ملے گی"۔

اب بچوں کے لئے کہیں کھیلنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ اسکول کے بعد سڑک پر کھیلتے مگر وہاں سوائے پتھروں کے کچھ نہ تھا۔ وہ لوگ باغ کے گرد چکر لگاتے اور حسرت سے کہتے "ہم وہاں کس قدر ہنسی خوشی اپنا وقت گذارتے تھے"۔

بہار کا موسم آیا تو ہر جگہ سرسبزی نظر آنے لگی باغ باغیچے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھے مگر اس خود غرض دیو کے باغ میں بہار نہ آئی۔ وہاں اب بھی خزاں کا موسم تھا۔ چڑیاں بھی وہاں گانے کے لئے نہ جاتی تھیں۔ درخت گویا کلیوں کے لئے ترس رہے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خوب صورت پھول نے اپنا سر سوکھی گھاس سے نکال کر باغ کو دیکھنے کی کوشش

کی مگر جب اس کی نظر تختے پر لکھے ہوئے الفاظ پر پڑی تو اس کو بچوں سے بڑی ہمدردی ہوئی اور اس نے دوبارہ اپنا سر گھاس میں چھپا لیا اور خود غرض دیو کے باغ میں اب پھر کہرے، آندھی اور برف کا راج ہوگیا۔

دیو نے باغ کی طرف دیکھ کر کہا "آخر ابھی تک بہار کا موسم کیوں نہیں آیا۔ میرے خیال میں اب جلدی ہی موسم بدل جائے گا" مگر بہار اس کے باغ میں کبھی نہ آئی۔ ملک کے سارے باغوں میں اچھے اچھے پھول پھل آئے مگر دیو کے باغ میں اس کی خودغرضی کے باعث ہمیشہ کہرے برف اور طوفان کا راج رہا۔

ایک صبح کو دیو اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بہت اچھا گانا گا رہا ہو اس نے سوچا کہ اس قدر میٹھی آواز اس نے کبھی نہیں سنی۔ شاید بادشاہ کے دربار کا کوئی گانے والا قریب سے گذر رہا ہے۔ دراصل ایک چڑیا اس کی کھڑکی کے پاس گا رہی تھی۔ اس نے تو مدت سے کسی چڑیا کی بھی آواز نہ سنی تھی اس لئے اسے یہ گانا اتنا اچھا معلوم ہوا۔ مگر فوراً ہی آندھی چلنے لگی اور کہرا چھا گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر کہرا صاف ہوگیا اور آندھی رک گئی اس نے سوچا اب کے ضرور موسم بہار آگیا جلدی سے اس نے کھڑکی سے جھانکا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے دیکھا کہ باغ کی دیوار ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی اور بچے باغ میں آگئے تھے۔ بچے درختوں پر بیٹھے تھے۔ تمام درخت خوشی سے جھوم رہے تھے۔ خوب صورت سفید کلیوں نے درختوں کو ڈھانک دیا تھا۔ چڑیاں خوشی سے گا رہی تھیں۔ پھول ہنستے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ غرض بہت ہی خوب صورت منظر تھا۔ مگر باغ کے ایک کونے میں اب بھی خزاں کا موسم تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹا بچہ ایک درخت کے پاس کھڑا تھا مگر وہ اس پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے اس درخت پر اب بھی برف پھیلا ہوا تھا اور ایک بھی کلی نہ تھی بچہ روتا جاتا تھا اور درخت پر چڑھنے کی ناکام کوشش کرتا جاتا تھا۔

اس منظر کو دیکھ کر دیو کا دل پگھل گیا اور وہ بہت ہی افسوس کے لہجہ میں کہنے لگا "میں کس قدر خودغرضی کرتا رہا! میں اس بچے کو درخت پر چڑھا دوں گا اور فوراً باغ کی چہار دیواری گرا دوں گا۔ اب میرا باغ بچوں کے کھیل کا میدان بن جائے گا" خودغرض دیو اپنے کئے پر اب بہت پشیمان تھا۔ وہ چپ چاپ بچے کے پاس پہنچا۔ مگر جیسے ہی اور بچوں کی نظر دیو پر پڑی وہ خوف زدہ ہوکر بھاگ گئے۔ ان کے جاتے ہی باغ میں پھر خزاں چھا گئی مگر صرف وہ چھوٹا بچہ نہ بھاگا کیونکہ وہ دیو کے آنے سے بے خبر تھا۔ دیو نے بچے کو نہایت پیار سے گود میں لے کر درخت پر چڑھا دیا۔ ایک دم اس درخت میں کلیاں پھوٹ نکلیں اور اس کونے میں بھی بہار آگئی۔ بچے نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے اور اپنی باہیں دیو کی گردن میں ڈال دیں اور دیو

کو محبت سے پیار کیا۔ جب دوسرے بچوں نے یہ دیکھا کہ دیو بچے پر اس قدر مہربان ہے تو وہ سب باغ میں دوبارہ آگئے۔ ان کے آتے ہی بہار نے سارے باغ پر قبضہ کرلیا اس کے بعد دیو نے باغ کی چہار دیواری گرادی اور خود بھی بچوں کے کھیل میں شامل ہوگیا۔ اس وقت اس کا باغ پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ بچے اور دیو تمام دن کھیلتے رہے۔ جب شام ہوئی تو بچوں نے دیو سے رخصت چاہی۔ دیو نے پوچھا "وہ تمہارا چھوٹا ساتھی کہاں ہے؟ وہ مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوتا ہے۔" بچوں نے کہا "ہمیں نہیں معلوم شاید وہ چلا گیا۔" دیو نے بچوں سے کہا "کل تم بھی آنا اور اسے بھی لانا۔" مگر بچوں نے بتایا کہ ان میں سے کسی کو اس کا گھر نہیں معلوم۔ اس کے بعد دیو نے اس ننھے بچے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا اس کو بڑا افسوس رہا۔ ہر شام کو بچے دیو کے باغ میں کھیلنے آتے مگر وہ چھوٹا بچہ کبھی نہ آیا۔ دیو سب بچوں پر مہربان تھا مگر اسے اپنا چھوٹا دوست بہت یاد آتا تھا۔

اسی طرح مدت گذر گئی دیو اب بہت کمزور ہوگیا تھا وہ کافی بوڑھا بھی ہوگیا تھا۔ اب وہ بچوں کے کھیلوں میں حصہ نہ لیتا تھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور بچوں کے کھیلوں کی تعریفیں کیا کرتا تھا وہ کہتا تھا مجھے باغ کے پھولوں سے زیادہ یہ بچے بھلے لگتے ہیں۔

ایک دن صبح کے وقت ٹھنڈ خوب پڑ رہی تھی۔ دیو اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے اپنا لباس بدل رہا تھا تو اس نے باغ کے ایک کونے میں نہایت ہی عجیب اور خوب صورت منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ باغ کے ایک کونے میں خزاں کے موسم میں ایک درخت کلیوں سے لدا ہوا ہے اس کی تمام شاخیں سنہری معلوم ہوتی تھیں اور چاندی کے مانند سفید پھل اس درخت میں لگے ہوئے تھے۔ درخت پر وہی چھوٹا بچہ بیٹھا ہوا تھا جس کو ایک مرتبہ دیو نے گود میں لے کر درخت پر چڑھایا تھا اور جسے وہ اکثر یاد کیا کرتا تھا۔

یہ دیکھتے ہی دیو تیزی سے اس طرف دوڑا مگر جب قریب جاکر اس نے دیکھا کہ بچے کے ہاتھوں اور پاؤں پر چند زخم ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے دیو غصہ سے لال ہوگیا اور بچے سے پوچھا کہ کس نے اس کو اس قدر تکلیف دی ہے؟ بچے نے کہا "یہ تو محبت کے زخم ہیں" تب تو دیو رکا اور پوچھا "تم کون ہو؟" یہ کہتے ہی اس پر ایک قسم کی دہشت طاری ہوگئی اور اس نے بچے کے سامنے اپنا سر ادب سے جھکا دیا۔ بچہ مسکرایا اور کہا "تم نے ایک مرتبہ مجھے اپنے باغ میں کھیلنے دیا آج تم کو میرے باغ میں میرے ساتھ جانا ہوگا جو جنت الفردوس میں ہے۔"

اسی دن شام کو جب بچے باغ میں کھیلنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ دیو درخت کے نیچے بے جان پڑا ہے اور اس کا سارا جسم خوب صورت اور خوشبو دار کلیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

شکاری اپنا شکار

حمید اللہ خاں لاہور

مجھے شکار کا شوق ہے اور نشانے بازی کی مشق بھی اسکول کی چھٹیوں میں اکثر سیر و شکار کا اتفاق ہوتا ہے۔ ایک بار میں اور سیالکوٹ ڈسٹرکٹ بورڈ کے سینیر وائس چیرمین صاحب ہیڈ مورالہ پہنچے۔ یہ مقام سیالکوٹ سے جنوب مشرق کی جانب ۱۰ میل کے فاصلے پر دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے اور بڑی دل کش شکار گاہ ہے یہاں دریا کا ایک بند بھی بنایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی ایک میل اور چوڑائی ڈھائی میل ہے۔ اس قطعہ پر کاشت کی جاتی ہے وہاں ہم نے غلّے کے کئی کھیت بھی دیکھے۔ بند کے ذریعہ پانی کا جو ذخیرہ یہاں جمع ہوتا ہے وہ جہلم کی مشہور نہر کو پہنچایا جاتا ہے۔ اس مقام پر شکار کھیلنے کے لئے ہم نے اتوار کا دن تجویز کیا تھا۔ کیونکہ مرغابیوں کا تو یہ گھر ہے۔ شکار کا وقت بھی ہم نے دوپہر سے غروب آفتاب تک کا مقرر کر لیا تھا۔

غرض اتوار کو ۲ بجکر ۵ منٹ پر ہمارا قافلہ جس میں سینیر وائس چیرمین ان کے ۲ ساتھی اور میں شامل تھے۔ وہاں پہنچ گیا۔ اور ہم دو کشتیوں پر سوار ہو کر بند کے وسط تک آئے۔ ہم چاروں کے پاس بندوقیں تھیں۔ ایک کشتی میں ریاض اور میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری میں وائس چیرمین اور نبی بخش۔ اتنے میں ہم نے کیا دیکھا کہ کوئی دو سَو بطخیں ہماری طرف اڑی چلی آ رہی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے فوراً اپنی اپنی بندوق دو دو کارتوسوں سے بھری سینیر وائس چیرمین نے پکار کر کہا "فیر کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ" میرے ساتھی ریاض نے چلا کر جواب دیا "جی ہاں ہم تیار ہیں" بس پھر کیا تھا بنگ بنگ بنگ کی آواز کے ساتھ ہماری بندوقوں کے چھ فیر ہوئے۔

میں اور ریاض اچھے نشانہ باز تھے اس لئے ہم نے دس بطخیں ماریں دوسرے دو ساتھی صرف چھ ہی مار سکے وہ اتنے مشتاق نہ تھے۔ اس طرح صرف ۱۶ مرغابیاں ہمارے ہاتھ لگیں۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر ہم نے دوسرے جھنڈ سے سولہ اور مار گرائیں۔ اب ہم ایسے مقام پر تھے جہاں سے پانی دو دھاروں میں بہہ کر غلّے کے ایک بڑے کھیت کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے تھا۔ یہاں سے ہماری کشتیوں کا رخ بدل گیا۔ ریاض اور میں نے داہنی

جانب والی دھار میں اپنی کشتی ڈال دی اور وہ بائیں طرف چلے گئے۔ اب ہمارے داہنی طرف غلہ کا ایک چھوٹا سا کھیت پڑتا تھا۔ اس کھیت کے شمالی مشرقی حصہ میں ایک تلیا تھی جو لہلہاتی فصل کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھی ہم نے چونکہ دیکھ لیا تھا کہ مرغابیاں اڑ کر ادھر ہی کہیں آئی ہیں اس لئے ہم کھیت کے کنارے فوراً ہی اپنی کشتی لائے۔ بندوقیں تو پہلے ہی سے بھری ہوئی تھیں مگر ہم نے پانچ پانچ کارتوس اور لئے اور تلیا کی طرف بھاگے۔ اتفاق سے مرغابیاں ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی اڑ گئیں میں ریاض سے پیر اگر آگے دوڑ رہا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ میں تلیا کے پاس ہی جا کر رکوں گا اور وہاں ٹھہر کر ریاض کا انتظار کروں گا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرح میرے ہاتھ سے بندوق دن سے چل گئی اور کچھ چھرے میری پیر کی انگلی پر لگے۔ میرے منھ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ریاض دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اس نے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا زخمی انگلی کی طرف دیکھ کر رو رہا ہوں۔ اس نے فوراً اپنا رومال پھاڑ کر میرے زخم پر پٹی باندھ دی۔ مجھے اٹھا کر کشتی تک لایا اور اس میں بٹھا دیا۔

اب ہم واپس جا رہے تھے کہ اتنے میں سینئر واسکٹ چیمپین کی کشتی جو بڑے کھیت کے شمالی کونے کے موڑ سے گذر کر ہماری طرف آ رہی تھی ہم تک پہنچ گئی۔ میں نے اپنے چہرے کو سنجیدہ بنانے کی کوشش کی مگر ان کے آتے آتے تو میری قوت ضبط نے جواب دے دیا اور درد کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ میرے چہرے پر زردی چھا گئی۔ میری حالت دیکھ کر سینئر چیمپین بھڑک گئے اور خفا ہو کر کہنے لگے "یہ تم نے کیا حماقت کی" وہ مجھے سخت سست کہہ سکتے تھے کیونکہ میرے چچا تھے۔ مگر بعد میں انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خیر ہوئی جو میں بچ گیا صرف انگلی ہی کا نقصان ہوا۔ پھر ہم گھر لوٹ آئے اور اپنے ساتھ ۱۲ مرغابیاں اور اپنے پیر کی آدھی انگلی لائے۔

ابوبکر اور دو چوہے

مولانا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی

ابوبکر نامی ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں بیٹھا ہوا کچھ حدیث شریف لکھ رہا تھا۔ رات تھوڑی گذر چکی تھی ان دنوں میرا ہاتھ ذرا تنگ تھا۔ میں لکھتا اور یہ سوچتا جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے جو یہ تنگی دور ہو۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا سا چوہا اپنے بل میں سے نکلا اور اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ ذرا دیر بعد ایک اور نکل آیا۔ یہ دونوں میرے سامنے خوب اچکنے، کودنے اور چہلیں کرنے لگے۔ خوب کشتی لڑتے رہے۔ کبھی دونوں گڈمڈ ہو جاتے تھے کبھی یہ اسے ٹیک دیتا اور کبھی وہ اسے۔ غرض دیر تک کھیلتے رہے۔ یہ دونوں بار بار بالکل میرے قریب آجاتے تھے۔ اب ان میں سے ایک اور زیادہ آگے بڑھا اور میرے پاس ہی آگیا۔ اس وقت میرے پاس ہی ایک تسلا رکھا تھا جھٹ میں نے اسے اوندھا کر ڈھانک دیا۔ چوہا اس کے نیچے بند ہو کر رہ گیا۔ اب تو دوسرا چوہا بہت پریشان ہوا بہت گھبرایا وہ کبھی، اس تسلے کو سونگھتا تھا۔ کبھی اس کے آس پاس گھومتا اور کبھی اسے اٹھانے کے لئے زور لگاتا کبھی اپنے کو تسلے پر دے دے مارتا تھا۔ غرض اس نے اپنے ساتھی کو آزاد کرانے کی بہت کوشش کی لیکن بیچارا کامیاب نہ ہوا۔ میں خاموش بیٹھا ہوا لکھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہا۔ آخر نا امید ہو کر یہ چوہا اپنے بل میں چلا گیا۔ اور ذرا دیر بعد پھر نکلا۔ اب جو میں نے دیکھا تو یہ چوہا اپنے منھ میں ایک اشرفی دبائے ہوئے تھا۔ اشرفی لاکر اس نے میرے سامنے ڈال دی اور خاموش اُداس میری سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے چپکے سے دیکھا مگر کچھ نہ بولا، برابر اپنا کام کرتا رہا۔ چوہا تھوڑی دیر تک سامنے بیٹھا میرا منھ تکتا رہا آخر پھر اپنے بل میں گیا اور ایک اشرفی اور دبا لایا وہ بھی میرے سامنے لاکر رکھ دی اور چپکا بیٹھا ہوا پھر میرا منھ تکنے لگا۔ اس دفعہ زیادہ دیر تک اس نے انتظار کیا مگر میں اب بھی چپ لکھتا رہا۔ چوہا پھر گیا اور ایک اشرفی اور لے آیا۔ اس طرح اس نے شاید چار یا پانچ پھیرے کئے۔ آخری دفعہ بڑی دیر تک بیٹھا رہا دیکھتا رہا کہ میں چوہے کو چھوڑ دوں۔ لیکن اب بھی میں چپ چاپ اپنے لکھنے میں لگا رہا نہ چوہے کو کھولا نہ اس کی طرف دھیان کیا۔ اب یہ چوہا پھر اپنے بل

آن حضرت صلعم کی باتیں یا ان کا حکم

میں گیا اور ایک چھوٹی سی چمڑے کی تھیلی منہ میں دبائے ہوئے نکلا اور جتنی اشرفیاں اس میں تھیں سب میرے سامنے انڈیل دیں۔ میں سمجھ گیا کہ اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ تھا بے چارا اپنے ساتھی کو چھڑانے کے لئے لایا۔ میں نے تسلا اٹھا دیا۔ اب تو دونوں کودتے اچھلتے بھاگے اور جھٹ اپنے بل میں گھس گئے۔ اس وقت ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی مجھ پر بھی بڑا اثر ہوا۔ میں نے اشرفیاں اٹھائیں خدا کا شکر ادا کیا اور دن نکلتے ہی بازار جاکر اپنی ضرورتیں پوری کیں۔ یہ اشرفیاں بالکل کھری اور معمولی اشرفیوں سے سوائی نہیں۔

ترانہ

از جناب عبدالقادر صاحب سیالکوٹی استاد جامعہ نگر (اوکھلا)

یہ ترانہ روز صبح کو جامعہ نگر اوکھلا میں گایا جاتا ہے۔

ہے ہر شے سے اعلیٰ تری ذات پاک
بیاں ہم سے کیونکر ہوں تیرے صفات

کیا اک اشارے سے پیدا جہاں
یہ خشکی، تری، یہ زمیں آسماں

یہ پھل پھول، یہ باغ پھلواریاں
ترے دست قدرت کی گلکاریاں

عطا کی ہے تو نے ہمیں زندگی
ہے زیبا کریں ہم تری بندگی

تری نعمتوں کا نہیں کچھ شمار
تو ہے کل جہانوں کا پروردگار

برائی سے بچنے کی توفیق دے
بھلے کام کرنے کی توفیق دے

ہمیں علم وہ دے جو ہو سودمند
کرے دین و دنیا میں جو سربلند

ہمیں نوجواں مرد میداں بنا
دبے جن سے باطل وہ انساں بنا

جہالت کے بندوں سے آزاد کر
غلامی کے پھندوں سے آزاد کر

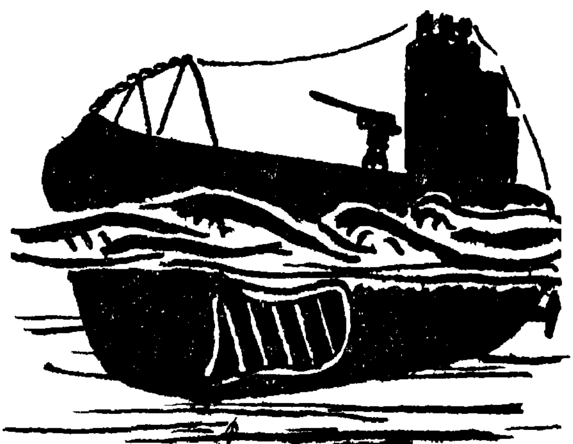
بنا اپنے بندوں کا خدمت گذار
کریں ملک و ملت پہ تن من نثار

ترے نام کا بول بالا کریں
مٹائیں اندھیرا اُجالا کریں

مقناطیسی سُرنگ

محمد عبدالحی حیدرآباد (دکن)

آج کل کی بڑی لڑائی میں کوئی تین چار مہینے پہلے اخباروں میں مقناطیسی سرنگوں کی خبریں بہت آتی تھیں اِن سرنگوں کی وجہ سے بہت سے جہاز تباہ و برباد ہوگئے۔



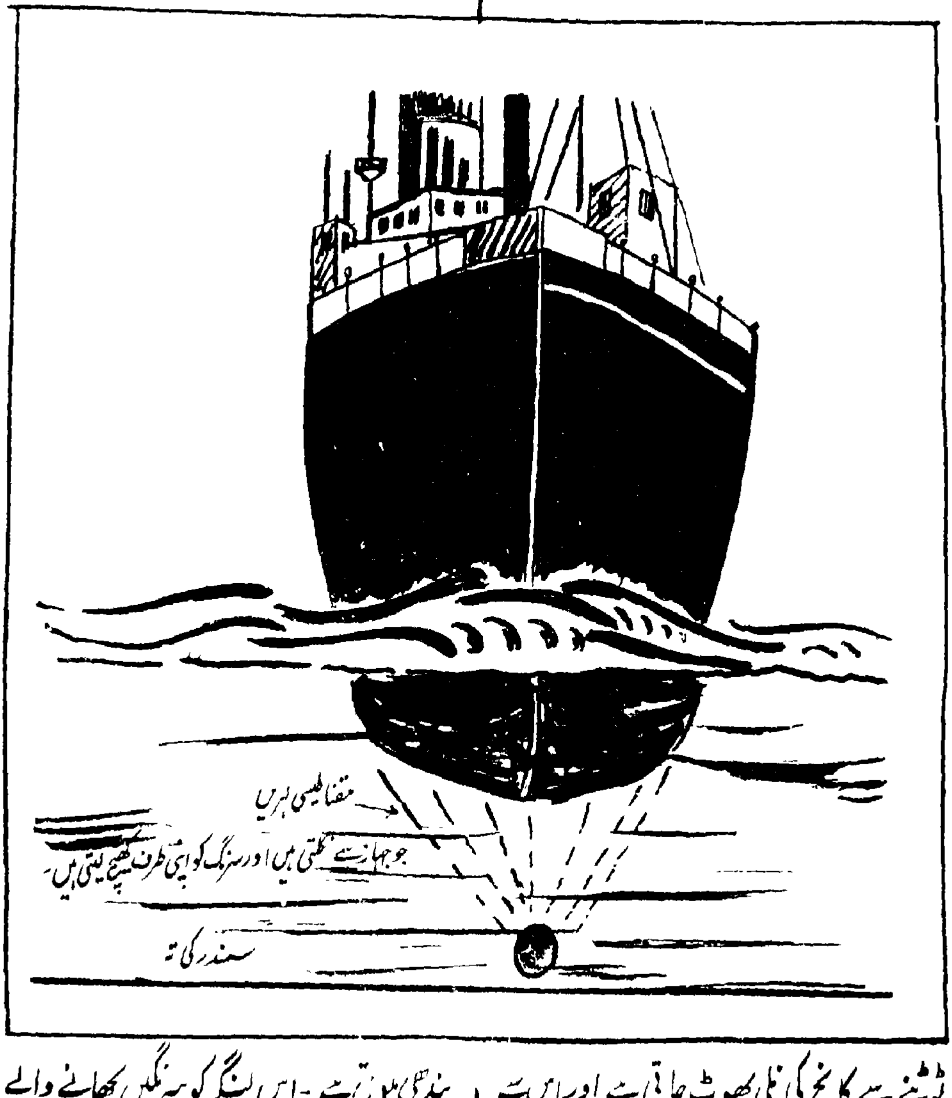
جہاز کا وہ حصہ جہاں بم سرنگیں رکھی جاتی ہیں

یہ مقناطیسی سرنگ ایک معمولی گول یا ناشپاتی کی شکل کا تیرتا ہوا پیپا ہے۔ اس کا قطر کوئی تین فٹ ہوتا ہے۔ اور اس میں ڈھائی سو سے لے کر تین سو پونڈ تک آتش گیر مادہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مادہ آگ بھڑکانے والی بیٹریوں سمیت کوئی آدھی جگہ گھیر لیتا ہے۔ آدھی جگہ میں ایک ہلکا سا مادہ ہوتا ہے۔

سرنگ کے بالائی حصے میں اوپر کی طرف اور اسی طرح نیچے کی طرف سینگ ہوتے ہیں۔ ان کا قطر ایک انچ سے سوا انچ تک ہوتا ہے۔ ان کے اندر کانچ کی ایک نلی ہوتی ہے جس کے اوپر ربڑ مڑا ہوا ہوتا

ہے ۔ تاکہ ملنے ڈلنے سے کوئی اثر نہ ہو ۔ اس کانچ کی نلی میں ایک خاص کیمیاوی مرکب ہوتا ہے ۔ یہ سینگ پچاس پونڈ وزن کی ضرب سے ٹوٹ سکتا ہے ۔ اس کے پاش پاش کر دیتی ہے ۔

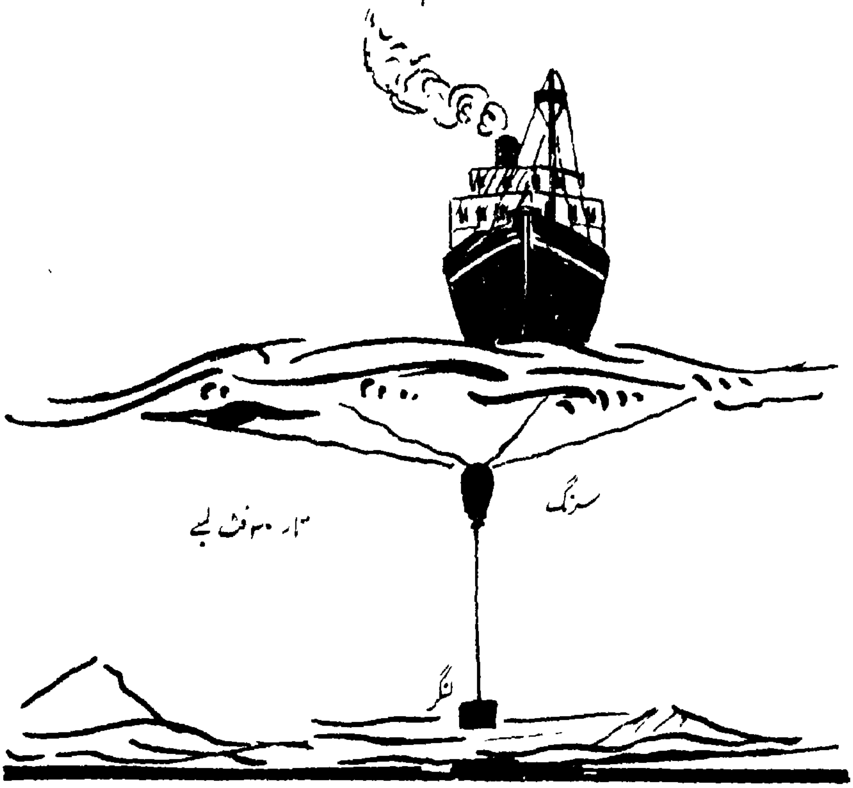
سرنگ میں ۔ کوئی رسی ہوتی ہے نہ کوئی پہیا ہاں ایک لوہے کے تار کے ذریعہ ایک وزنی لنگر سے



ٹوٹنے سے کانچ کی نلی پھوٹ جاتی ہے اور اس سے سیال (بہنے والا) مادہ نکلتا ہے ۔ اس سے بیٹری اور آتش گیر مادہ میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور یہ بھڑک اٹھتا ہے ۔ اب یہ سرنگ جس چیز سے ٹکراتی ہے اسے بندھی ہوتی ہے ۔ اس لنگر کو سرنگیں بچھانے والے جہاز یا یو ۔ بوٹ (U . BOAT) کے ذریعے سمندر میں چھوڑا جاتا ہے ۔ لنگر سرنگ کو سمندر کی تہہ میں لے جاتا ہے ۔ تھوڑی دیر میں سرنگ لنگر کو دبیے چھوڑ

گرا اوپر کو اٹھنا شروع ہوتی ہے - اس میں پندرہ سے
لے کر تیس منٹ لگتے ہیں - اتنے عرصے میں سرنگ بچھانے
والا جہاز آگے نکل جاتا ہے - سرنگ کی نچلی طرف

سے نہیں پھینکی جاتی - سی پلین (ہوائی جہاز جو سمندر
میں بھی چلتا ہے) کے ذریعے بھی یہ سرنگ پانی میں ڈالتے
ہیں -



ایک اور چیز ہے یہ سرنگ کو سطح
سمندر سے نیچے مقررہ جگہ پر قایم
رکھتی ہے -

سرنگ پیراشوٹ یا ہوائی
چھتری کے ذریعہ بھی سمندر میں پھینکی
جاتی ہے - یہ سرنگ ہلکی ہوتی ہے
اور پچاس فٹ سے زیادہ بلندی

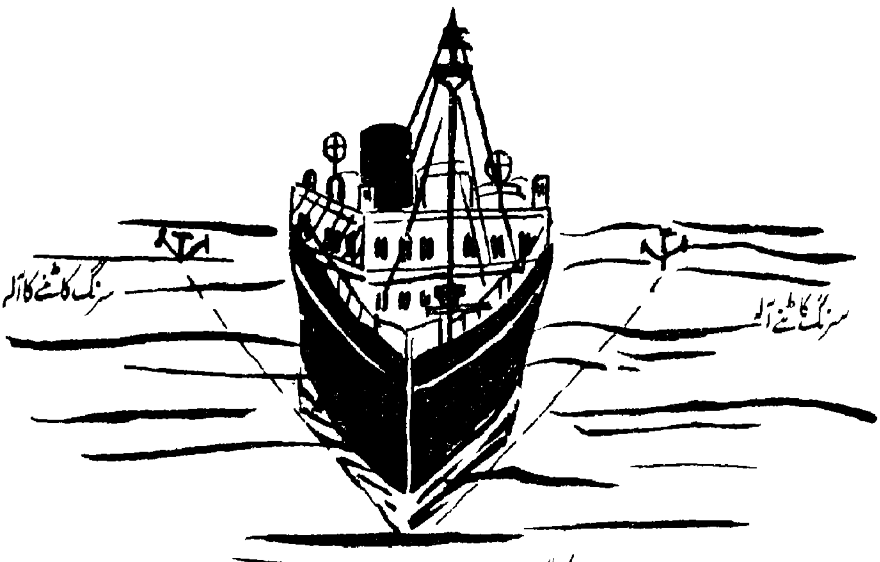


ہلکا مادہ جو پندرہ یا بیس فٹ نیچے پانی میں حل ہو جاتا ہے

اگر پانی اتھلا ہوتا ہے اور
پچاس ساٹھ فٹ سے زیادہ گہرا
نہیں ہوتا تو سرنگ تہ میں پڑی
رہتی ہے اور اس کے اوپر سے
جب کوئی جہاز گذرتا ہے تو جہاز
کے نیچے کی لوہے کی چادروں میں
جو مقناطیسی کشش پیدا ہوتی ہے

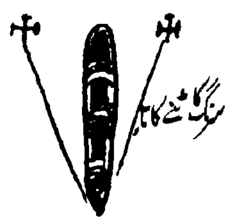
اس کا اثر سرنگ کی سوئی پر ہوتا ہے سرنگ نیں میں پھٹ جاتی ہے اور جہاز کو غرق کر دیتی ہے۔

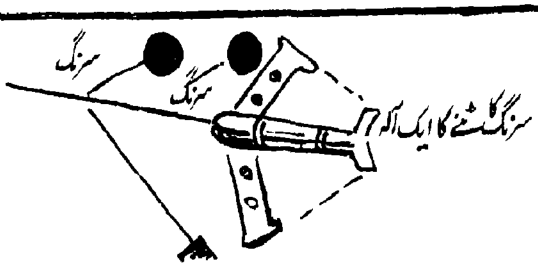
اس تباہی سے بچنے کی ترکیب بھی سوچ لی گئی ہے اور سرنگ اس سے الگ ہو کر سطح پر تیرنے لگتی ہے اب اسے بندوق یا توپ سے اڑا دیتے ہیں۔



جہاز کا اگلا حصہ

ابھی ابھی برطانیہ کے بحری افسروں نے ایک طریقہ اور ایجاد کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاز اور وہ یہ ہے کہ سرنگوں کو صاف کر دیتے ہیں۔ ان کے صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو جہازوں کے





درمیان ایک لمبا تار باندھ دیا جاتا ہے اور یہ دونوں جہاز آگے کو چلتے ہیں اور تار کو ڈھیلا کر کے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ سرنگ والا تار اس تار سے ٹکرا کر کٹ جاتا پر ایک تار سا لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس میں بجلی کی رو دوڑا دی جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جہاز اور اس کے سامان میں مقناطیسی کشش باقی نہیں

رہتی۔ اس کی وجہ سے مقناطیسی سرنگیں نہ تو جہاز سے ٹکراتی ہیں نہ اس کے قریب آتی ہیں۔ اس پٹے یا تار کو مقناطیسی سرنگ شکن گاڑ کہتے ہیں۔ یہ پتا یا تار ہر جہاز کے گرد لپٹیا جا سکتا ہے۔

یہ دعوی تو نہیں کیا جا سکتا کہ جرمن سرنگوں کا یہ کمل علاج ہے پھر بھی اب تک کوئی ایک بھی جہاز غرق نہیں ہوا۔ جس کے گرد یہ سرنگ شکن گاز لپیٹ دیا گیا۔ دنیا کے سب سے بڑے جہاز کوئن میری نے اپنا سفر اسی سرنگ شکن گاز کی مدد سے طے کیا ہے۔

نئی کتابیں

تبصرے

گوتم بدھ

گوتم بدھ کا مفصل بیان تم پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ محترمہ خدیجہ بیگم مانٹی سوری ٹرینڈ لندن نے اسی کو بچوں کے لئے ڈرامے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ڈرامے کی زبان بہت سادہ آسان اور دلچسپ ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ بچے اسے آسانی کے ساتھ کھیل سکتے ہیں۔ ضخامت کل چوبیس صفحے ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی کاغذ عمدہ دو رنگین تصویریں۔ قیمت درج نہیں ہے۔ ملنے کا پتہ:۔ اعظم اسٹیم پریس مغل پورہ حیدر آباد (دکن)

دسرتھ

یہ ڈراما بھی خدیجہ بیگم کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں راجہ دسرتھ کے شکار۔ رام چندر جی کے بن باس کے قصہ کو ڈرامے کی صورت میں لکھا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی وہی خصوصیتیں ہیں جو گوتم بدھ والے ڈرامے میں ہیں۔ اس میں چار رنگین تصویریں ہیں۔ تصویروں کی چھپائی میں ذرا اور احتیاط کی ضرورت تھی یہ ڈرامہ بھی اوپر کے پتے سے مل سکتا ہے۔

فن لینڈ

چمن لال صاحب جرنلسٹ

فن لینڈ اور روس کی لڑائی کی خبریں تم روزانہ اخباروں میں دیکھتے ہو گے۔ لڑائی کئی مہینے رہی اور فن لینڈ کی ننھی سی حکومت نے روس جیسی بڑی طاقت کا بہت دنوں تک پوری بہادری سے مقابلہ کیا۔ دوسری قوموں نے بھی اس کی مدد کی مگر ٹڈی دل روسیوں سے پیش لے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی مجبوراً روس سے صلح کرنی پڑی۔ اس صلح کو ایک طرح سے شکست ہی سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ فن لینڈ کو روس کی تمام شرطیں ماننا پڑیں اور اپنا کافی علاقہ روس کو دینا پڑا۔

فن لینڈ یورپ کے شمال میں سمندر کی سطح سے بہت اونچائی پر واقع ہے۔ اس کے جنوب میں سائمی، انا ری پائی جاتی ہے۔ اولیٹرننگ، لڈوگا بڑی بڑی اور مشہور جھیلیں ہیں۔ ان کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی جھیلیں بھی ہیں۔ بہت سے چھوٹے بڑے دریا بھی ہیں جن میں کشتیاں چلتی ہیں۔

فن لینڈ میں بڑے بڑے جنگل ہیں۔ ان جنگلوں میں صنوبر کے درخت زیادہ ہیں۔ جنگل کی لکڑی کشتیوں کے ذریعے تجارتی منڈیوں میں لائی جاتی ہے۔ لکڑی کی تجارت زیادہ ہوتی ہے۔ گھوڑوں کی تجارت کا نمبر اس کے بعد ہے۔ ان کے علاوہ گوند، کاغذ، ڈائنمو اور دیا سلائی کے بھی کارخانے ہیں۔

فن لینڈ کی کل آبادی ۳۳۶۵۵۰۰ ہے۔ عموماً فنی زبان بولی جاتی ہے۔ سوئڈش زبان کا بھی رواج ہے۔ دارالسلطنت ہلسنکی ہے اس کی مردم شماری ۲۸۸۹۰۰ ہے۔

یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح فن لینڈ میں بھی تعلیم عام ہے۔ چھوٹے سے ملک میں تین یونیورسٹیاں ہیں۔ ابتدائی مدرسے تو بے شمار ہیں۔ ان کے علاوہ مڈل اسکول، ہائی اسکول، تجارتی اسکول، صنعتی اسکول، لڑکیوں کے اسکول اور کالج بھی بہت ہیں۔

اس ملک کے لوگوں کو صرف دو ہی شوق ہیں اپنی تندرستی کو ٹھیک رکھنے کا اور تعلیم حاصل

کرنے کا۔ کتابوں کے مطالعہ کا شوق ان میں عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اور اس میں مرد اور عورتیں سب برابر ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں عورتوں اور مردوں کی تعداد قریب قریب برابر ہی ہے۔ فن لینڈ کی عورتیں تمام کاموں میں مردوں کے برابر حصہ لیتی ہیں۔ ڈاکٹری کرتی ہیں، ہوٹل چلاتی ہیں، کلرکی کرتی ہیں، ریلوے اور ٹرام میں کام کرتی ہیں اور قلی کا کام مردوں کے برابر بڑی مستعدی سے کرتی ہیں۔

فن لینڈ کے لوگ بہت جوشیلے ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے ملک سے بے انتہا محبت ہے۔ اس کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں اور اس کا ثبوت اسی موجودہ لڑائی میں بہت کچھ مل چکا ہے ویسے یہ لوگ امن پسند ہیں۔ ڈاکا اور چوری کی وارداتیں یہاں بہت کم ہوتی ہیں۔

یورپ کے دوسروں ملکوں کے خلاف انھیں جلد بازی سے بھی نفرت ہے۔ سڑکوں یا بازاروں میں ہارن یا گھنٹہ بجانے یا آواز لگا کر چیزیں بیچنے کی سخت ممانعت ہے۔ اس لئے فن لینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں ہر طرف ایک خاموشی اور سکون نظر آتا ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کو اپنی صحت ٹھیک رکھنے کا بہت خیال رہتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ کھانا بہت اچھا کھاتے ہیں دودھ بہت زیادہ پیا جاتا ہے اور روز بروز اس کا استعمال بڑھتا جاتا ہے۔

یہاں قصبوں میں لوگ پکے مکانوں میں رہتے ہیں ان مکانوں کا کرایہ نہیں دیا جاتا۔ ہر عمارت ایک پرائیوٹ کمپنی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کے حصے دار اس عمارت میں رہتے ہیں۔

گرمی کے دن گذارنے کے لئے ہر خاندان کے پاس ایک جھونپڑی بھی ہوتی ہے۔ فن لینڈ میں جھیلیں اور دریا کثرت سے ہیں اس لئے اکثر جھونپڑیاں بہت خوشگوار اور پر فضا مقامات پر ہیں۔

فن لینڈ کے لوگ اخبار پڑھنا اور اپنے ملک اور دوسرے ملکوں کے حالات سے خبردار رہنا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر شخص اپنا اخبار خود خریدتا ہے دوسروں سے مانگ کر پڑھنا بہت برا سمجھتا ہے صرف ہل سنکی میں نو روزانہ اخبارات ہیں حالانکہ اس کی آبادی دہلی سے آدھی ہے۔ یہ اخبار بہت زیادہ تعداد میں چھپتے ہیں۔

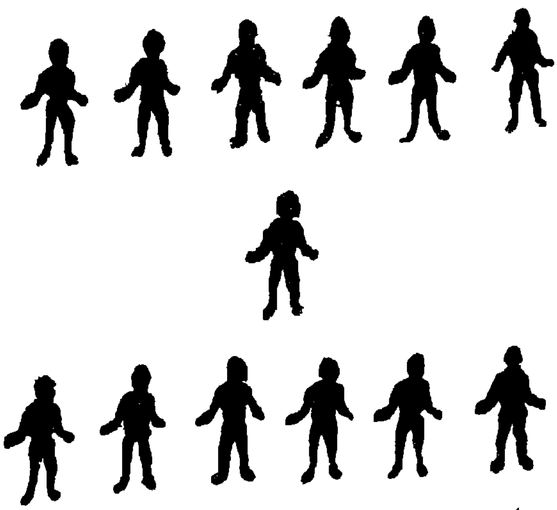
نئے نئے کھیل

آلو ، بیگن ، پوری ، حلوا

تعداد :- پندرہ سے ساٹھ تک

جگہ :- صحن ، کھیل کا میدان ، جنگل

طریقہ :- دو برابر لکیریں آمنے سامنے کھینچی جائیں اور کھلاڑیوں کو برابر تقسیم کرکے ایک دوسرے کے



مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے - ایک چھونی بھی چن لیا جائے جو ان لکیروں کی درمیانی جگہ پر کھڑا ہو -

کھیل شروع ہونے پر چھونی بہت لے سے پکارتا ہے - آلو ، بیگن ، پوری ، حلوا - جیسے ہی وہ لفظ حلوا ختم کرتا ہے دونوں جماعتوں کے کھلاڑی درمیانی فاصلہ طے کرکے مقابلے کی لکیر پہ جانے کی کوشش کرتے ہیں - چھونی انھیں چھونے کی تاک میں رہتا ہے جتنے کھلاڑیوں کو وہ چھو لیتا ہے اتنے ہی اس کے مددگار بن جاتے ہیں اور کھیل پھر شروع ہونے پر اس کی مدد کرتے ہیں - سب کھلاڑیوں کے چھو جانے پر کھیل ختم ہو جاتا ہے -

احتیاط :- چھونی کھلاڑیوں کو دھوکا بھی دے سکتا ہے - مثلاً وہ آخر میں حلوا کہنے کی جگہ آلو کہے ـــــ اگر آلو ہی کا لفظ سن کر کوئی کھلاڑی درمیان سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو وہ چھونی کا ساتھی بن جاتا ہے -

(الطاف علی صاحب نگران ورزش جسمانی (وکملا)

معلومات

کوہستان کاریتھلین کی وادی میں ایک ایسی عجیب و غریب جھیل ہے جس کی خصوصیت کی کوئی جھیل غالباً دنیا میں نہیں۔ اس جھیل کا پانی میٹھا بھی ہے شور بھی۔ گرم بھی ہے اور سرد بھی۔ اوپر کا حصہ میٹھے پانی کا ہے۔ اس کے بعد کا حصہ گرم و شور پانی کا ہے جو آٹھ فٹ گہرا ہے۔ اس کے بعد نہایت سرد پانی شروع ہو جاتا ہے۔ جھیل کے پانی کے اس فرق پر علماء حیران ہیں اور اب تک وہ اس کے اسباب کی تحقیق نہیں کر سکے۔

ٹوکیو میں ایک ہوٹل ہے جو مینڈک کچھوا اور سانپ کو بطور غذا کے پیش کرنے میں کافی مشہور ہو گیا ہے ہوٹل والوں نے بہت سے زندہ سانپ شیشوں میں بند کر کے بطور اشتہار کھڑکیوں میں رکھے ہیں۔ سینکڑوں پیشہ ور سانپ پکڑنے والے اس ہوٹل کے لئے یہ جنس مہیا کرنے میں مصروف ہیں۔

ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مسیح تک ہندوستان میں کپڑا بننے کا کام ہوتا تھا

منجودہارو کی کھدائی میں ایک برتن ملا ہے جس کے اوپر کوئی چیز لپٹی ہوئی تھی جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی کپڑا تھا جو گل گیا ہے۔ اہل بابل کی قدیم زبان میں سوتی کپڑوں کو سندو اور سندن کہتے تھے۔ اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ نام ان کے یہاں کیوں قایم ہو گیا تھا۔ اب جدید تحقیقات سے یہ پتہ چلا ہے کہ سوتی کپڑے ان کو سندھ سے پہنچتے تھے۔ اس لئے ان کا نام سندو یا سندن رکھ دیا گیا۔

(دورِ جدید)

حضرت مسیح کے پیدا ہونے سے سینکڑوں برس پہلے کمہار روزانہ کے استعمالی برتنوں پر ٹھپے کے ذریعے اپنے نام نقش کر دیتے تھے۔

نویں صدی عیسوی میں چین کے لوگ لکڑی کے بلاک بنا بنا کر کتابیں چھاپتے تھے۔

کہتے ہیں آگ بجھانے کا انجن حضرت مسیح کے پیدا ہونے سے کوئی دو سو سال پہلے یونان میں ایجاد ہو چکا تھا

گتّے کا کام

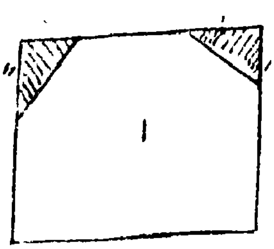
سید عروج الحسن صاحب

ایک عرصے کے بعد اب پھر "گتے کا کام" کے مضامین کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے جن نمونوں کے بنانے کا طریقہ بتایا جا چکا ہے ان کو تم نے تیار بھی کر لیا ہوگا اور اب اس کام میں اتنی مشق ہو گئی ہوگی کہ نیا نمونہ بنانے کے لئے چند اشارے کافی ہوں گے۔

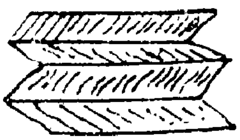
اس مرتبہ ہم لیٹر ریک بنانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ یہ نمونہ گتے کے ان ٹکڑوں سے بھی تیار کیا جا سکتا ہے جو بڑے نمونوں میں سے بچ رہتے ہیں۔

کسی لمبائی اور چوڑائی کے دو مستطیل گتے کاٹ لو۔ ان میں سے ایک دوسرے سے چوڑائی میں کم سے کم دو انچ چھوٹا ہو۔

بڑے مستطیل کی چوڑائی کے دو کونے کاٹ دو

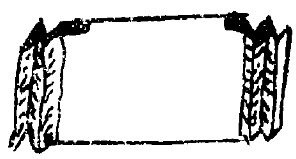


(شکل نمبر۱) اب کپڑے کی تین انچ چوڑی دو پٹیاں لو۔ ان کی لمبائی چھوٹے مستطیل کی چوڑائی سے ۱½ انچ زیادہ ہو۔ ان پٹیوں کو چار حصوں میں موڑ دو



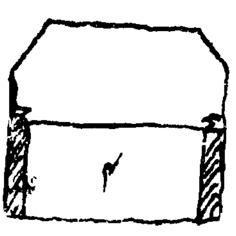
نمبر۲

(شکل نمبر۲) اب چھوٹے مستطیل پر چپکا دو (شکل نمبر۳)



۳

پھر اس مستطیل کو بڑے مستطیل پر رکھ کر پٹی کا دوسرا



۱۰۔ ـــ میں خیانت ہرگز نہ کرو

۱۲۔ غلہ

۱۴۔ بھید

۱۵۔ عدد (بے ترتیب)

۱۷۔ ـــ سہارنپور کا مشہور ہے۔

۱۰۔ کانگریس کے صدر (بے ترتیب)

۱۱۔ بھیڑ

۱۲۔ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں + ـــ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

۱۳۔ بدلا

۱۶۔ نس

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں، استاد کی تصدیق ضروری ہے معمے کے ساتھ کوئی خط وغیرہ نہ بھیجا جائے۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ار کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زاید حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۲۰ر اپریل تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ لفافہ کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔

معما نمبر ۵ کا صحیح حل

ا	ج	۴ ر	۳ گ	■	م	۲ ا	ی	۱ پ
■	■	س	■	■	■	م	■	■
۹ ف	■	و	۸ ج	■	۷ ب	۶ ل	■	۵ آ
ر	■	ج	۱۱ آ	■	ن	۱۰ ی	■	ز
و	۱۳ ج	■	■	■	■	■	ک	۱۲ ا
ر	■	۱۷ د	۱۶ ب	■	۱۵ ہ	۱۴ ن	■	د
ی	■	و	ڑ	■	ر	و	■	ی
■	■	ن	■	■	■	م	■	■
ی	د	ا	۱۹ د	■	و	گ	ا	۱۸ ج

خط و کتابت

خط لکھنے والے پیامی اختصار کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ خط جتنا مختصر ہوگا اتنا ہی جلد چھپ سکے گا۔

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا انتہائی شوق ہے اور ممالک اسلامیہ کے جمع کرنا چاہتی ہوں۔ امریکہ انگلستان، جرمنی، فرانس اور اٹلی کے ٹکٹ میرے پاس بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کیا کوئی پیامی بھائی یا بہن میری اعانت فرما سکیں گی۔ نوازش ہوگی شکریہ!

مس کاش ایم اے ہندی
"گینجز دیو" سول لائنس کانپور

میرے پاس انگلینڈ کے کنگ ایڈورڈ ہشتم کے اور بادشاہ جارج ششم کے کارونیشن کے ٹکٹ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ میں ان کے بدلے میں سلور جوبلی اور کارونیشن دوسرے ملکوں کے چاہتا ہوں۔ جو صاحب تبادلہ کرنا چاہتے ہیں مندرجہ ذیل پتے پر خط و کتابت کریں۔

ملک عبدالجبار خاں
۷۵ رنگین چوپال
شاہجہانپور

میرے پاس یہ یہ ٹکٹ ہیں۔ میں ان ٹکٹوں کا مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ جلد سے جلد پیامی بھائی مجھ سے خط و کتابت کریں گے۔

بلجیم، انگلینڈ، جرمنی، جاوا، عدن، حیدرآباد (دکن)، ڈنمارک، افغانستان، انڈیا کے ۳۰ روالے نئے۔

میں یہ یہ ٹکٹ چاہتا ہوں۔ نیویارک، ورلڈ فیئر فلسطین، ہندوستان سلور جوبلی اور کارونیشن جرمنی (ہٹلر کی تصویر والا) حیدرآباد کے جوبلی کے۔

عتیق الرحمٰن قدوائی
بذریعہ جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی ادارہ تعلیم و ترقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پیام بھائیو! میں آپ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہوں جو بھائی دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہو۔
مقام ڈاکخانہ فورٹ سندیمن ضلع لورالائی ژوب
سید محمد زماں شاہ جماعت ششم

پیامِ برادری

ابّا جان

عزیز بچیّو اور بچو خوش رہو اور تندرست

پچھلے مہینے میں نے روس اور فن لینڈ کی لڑائی کا ذکر کیا تھا۔ تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ اب ان دونوں ملکوں میں صلح ہوگئی۔ یہ لڑائی کئی مہینے جاری رہی اور فن لینڈ نے آخری دم تک بڑی مردانگی کے ساتھ روسیوں کا مقابلہ کیا لیکن جب اس کی طاقت ختم ہونے لگی اور باہر سے جلد مدد پہنچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے مصلحت اور اپنے ملک کا فائدہ اسی میں دیکھا کہ صلح کرلی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صلح دب کر کی گئی ہے اور اسے ایک طرح کی شکست سمجھنا چاہئے۔ مگر بغیر اس کے چارہ بھی کیا تھا۔ صلح کی جو شرطیں ہیں ان کی رو سے فن لینڈ کو گوناکنا سے کریلیا کا تمام علاقہ، جھیل لڈوگا کے تمام کنارے، شمالی اور مشرقی ملک کا کچھ علاقہ، ان کے علاوہ بعض علاقے کچھ دنوں کے لئے روس کے حوالے کردینا ہوں گے اور تمام شرطیں بھی روسیوں ہی کے حق میں ہیں۔ اس لڑائی میں فن لینڈ کے لوگوں کا جانی و مالی نقصان بے اندازہ ہے۔ انھیں اپنے ملک کو پھر سے ٹھیک کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑے گی۔ فن لینڈ کے صدر نے اپنے ایک بیان میں کہا بھی ہے کہ اب ہمارے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں بیلچہ ہوگا۔

پچھلے مہینے کا دوسرا افسوس ناک واقعہ لندن میں سر اڈائر کا قتل اور پنجاب اور بمبئی کے دو سابق گورنروں اور لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند کا زخمی ہونا ہے۔ سر مائکل اوڈائر آج سے کوئی بیس برس پہلے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے۔ جلیان والہ باغ امرتسر کے ایک جلسے میں گولی انھی کے زمانے میں چلی اور انھی کے حکم سے پنجاب میں مارشل لا یعنی فوجی قانون جاری ہوا۔ گولی چلانے والے کا نام اودھم سنگھ بتایا جاتا ہے۔

ہندوستانیوں میں عام طور پر اودھم سنگھ کی اس حرکت کو بری نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس قسم

کی ناسمجھی کی باتیں لوگ اس سے پہلے بھی کرتے رہے ہیں مگر نتیجہ کبھی اچھا نہ نکلا۔ اسے سوائے پاگل پن کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اس مہینے پیام تعلیم کا چھٹا معما شائع ہو رہا ہے۔ پچھلے معمے کی آخری تاریخ ۲۰ مارچ رکھی گئی تھی۔ پیام تعلیم اس تاریخ سے بہت پہلے چھپنے چلا جاتا ہے اس لئے اس پرچے میں نتیجہ شائع نہ ہو سکے گا۔ اگلے پرچے میں چھپیگا۔ اب کے معما بہت آسان رکھا گیا ہے اس لئے امید ہے کہ سبھی پیامی اس کے حل کرنے میں حصہ لیں گے۔ اس معمے کا حل بھی زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانا چاہئے۔

میں نے تھوڑے دن ہوئے پیام برادری کی شاخوں سے خواہش کی تھی کہ ہر شاخ اپنا اپنا قلمی رسالہ نکالا کرے۔ سب پیامی یہ سن کر خوش ہوں گے کہ لکھنؤ کی شاخ نے اس کی پہل کر دی ہے۔ انھوں نے اپنا رسالہ میرے پاس بھیجا ہے۔ کاپی کا سائز ہے اور ۱۲ صفحے ہیں۔ فہرست مضامین کے بعد "ہماری بات چیت" ہے۔ پھر مصطفیٰ کمال سلمہ نے شکسپیر پر ایک مضمون لکھا ہے۔ شکسپیر کی ایک اچھی سی تصویر بھی ہے۔ پھر عزیزی احمد حسن سلمہ نے اپنا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے پھر برادری کے جلسوں کی کارروائی ہے۔ اس کے بعد انعامی مقابلوں کے سلسلے میں ایک اعلان ہے۔ آخر میں احمد حسن سلمہ نے پھر اپنا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

رسالہ کا نام "جاگو اور جگاؤ" ہے۔ صباح الدین سلمہ اس کے اڈیٹر ہیں۔ انھوں نے یہ خوش خبری بھی سنائی ہے کہ آیندہ سے رسالہ چھپوانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ ہمیں رسالہ کے مضمون، ترتیب، لکھائی سب چیزیں پسند آئیں۔ کیا اچھا ہو کہ دوسری شاخیں بھی لکھنؤ کے پیامیوں کی طرح قلمی یا چھپا ہوا رسالہ نکالیں۔

ہم صباح الدین سلمہ اور لکھنؤ کے دوسرے پیامیوں کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ رسالہ کا نام بہت بڑا ہے۔ صرف "جاگو" یا "جگاؤ" کافی ہے۔ بڑا نام آسانی سے زبان پر نہیں چڑھتا۔

میرے پاس نئی دہلی کی ایک رپورٹ آئی ہے مگر اس میں صرف اتنا لکھا ہے کہ فلاں تاریخ کو برادری کا جلسہ ہوا اور بس۔ اب ایسا بھی کیا اختصار۔ تھوڑی بہت تفصیل ضرور ہونا چاہئے۔ مثلاً صدر کا نام، شریک ہونے والوں کی تعداد، کس عنوان پر تقریریں ہوئیں، کس کی تقریر سب سے اچھی ہوئی۔

آپا جان

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات:۔ سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی:۔ دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور ان کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے:۔ دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے:۔ اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر:۔ ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۶ر

تعلیمی کھیل:۔ اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی:۔ سائنس کے مشکل مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۴ر

1961

Regd. No. L. [redacted]

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں۔ ابھی ایک تاش منگائیے کھیلنے کے قاعدے کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس: بڑا سائز انگریزی ۱۲/ اردو ۱۱/ ہندی ۱۲/
چھوٹا سائز اردو ۸/ انگریزی ۸/

مکتبہ جامعہ دہلی

پیامِ تعلیم

دہلی



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی: ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳

آخری نبی: رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات نہ نے چھوٹے چھوٹے اور ملکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲

رسول پاک: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۰۔

چاریار: حضرت خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۰

عقائد اسلام: یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱

ارکان اسلام: اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت ۲

پیامِ تعلیم دہلی

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ/ فی پرچہ ۳/

جلد ۲۳ | مئی سنہ ۴۰ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

چمن لال صاحب کا سفرنامہ اس مہینے سے پھر شروع ہو رہا ہے پچھلے مہینے چند اور ضروری کاموں کی وجہ سے وہ یہ سلسلہ توڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اب انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے گا

اپنے مضمون کے سلسلے میں انھوں نے تصویریں بھی بہت اچھی اچھی کھینچی ہیں۔ ان میں سے کچھ اس پرچے میں چھپ رہی ہیں باقی آئندہ پرچوں میں چھپیں گی۔[1]

عزیزی اسلام زبیری کے ایک خط سے یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ ان کا چھوٹا بھائی اور مخدومی جناب سعید احمد صاحب مارہروی منیجر شعیب محمدیہ ہائی اسکول کے سب سے چھوٹے بچے کا پچھلے مہینے انتقال ہوگیا مرحوم کو پیام تعلیم سے عشق تھا جس وقت پیام تعلیم پہنچتا تو اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ پہلے خود پڑھے۔

اس صدمے میں ہمیں اور تمام پیامیوں کو قبلہ مولوی صاحب عزیزی اسلام زبیری، عزیزہ اسلام فاطمہ زبیری اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ جو پیامی تعزیت کا خط لکھنا چاہیں وہ اس پتے پر لکھیں۔

جناب مولوی سعید احمد صاحب مارہروی منیجر شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ

جامعہ میں ۶ مارچ سے ۱۳ اپریل تک قومی ہفتہ بہت اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ اس مرتبہ ثانوی مدرسے کے بچوں نے ایک جدت اور کی۔ ۱۲ اپریل کی شام کو انھوں نے اردو اور انگریزی دو ڈرامے کئے۔ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں اور تصویروں کی نمائش کی ۱۳ اپریل کو بچوں نے مختلف عنوانوں پر اچھے اچھے مضمون پڑھے

اس پرچے میں دخانی جہاز، سفرنامہ، الف لیلہ کی کہانی کے علاوہ اور تمام مضمون اور نظمیں بھی بہت دلچسپ ہیں۔ امید ہے کہ تمھیں پسند آئیں گی۔

اگلے مہینے کے مضمون اور بھی اچھے ہوں گے۔ ایک خاص مضمون شہد کی مکھی پر ہوگا ایک بہت دلچسپ نظم چڑیا اور بچہ بھی اس پرچے میں شائع ہوگی۔

پیام برادری حیدرآباد کے سابق صدر رحیم الدین۔ صاحب ظہیرآبادی انگریزی اور اردو کے دو تقریری مقابلوں میں اول آئے ہیں۔ ہم انھیں اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں:۔

---

[1] ٹائٹل والی تصویر بھی اسی مضمون کے متعلق ہے۔ یہ اٹلی کی ایک لڑکی کی ہے۔

سہرا

ابھی پچھلے دنوں عزیزی صالح میاں سلمہٗ کے ماموں مسعود اختر صاحب (استاد جامعہ ملیہ) کی شادی تھی۔ اس موقع پر بہت سے اچھے اچھے سہرے پڑھے گئے ایک ننھا منا سہرا صالح میاں کا بھی تھا۔ جو انھوں نے بہت کڑک کر براتیوں کو سنایا۔ چھوٹوں بڑوں سبھی نے اسے پسند کیا اور صالح میاں کی بہت تعریفیں ہوئیں۔ صالح میاں بچوں کے شاعر شفیع الدین صاحب نیر کے صاحب زادے ہیں۔ یہ سہرا تمھاری دلچسپی کے لئے ہم یہاں لکھتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

سُنئے سہرا میری زبانی — ماموں لائے ایک ممانی
اچھّی اچھّی پیاری پیاری — جیسے امّی جان ہماری
سب سے محبّت کرنے والی — اُلفت کا دم بھرنے والی
ہنسنے اور ہنسانے والی — قصّے روز سُنانے والی
گود میں ہم کو لینے والی — خوب مٹھائی دینے والی
اللہ جو سب کی سُنتا ہے — اُس سے ہماری بھی یہ دعا ہے
ابّا، امّاں، نانا، نانی — اور یہ ماموں اور ممانی

شاد رہیں آباد رہیں سب
غم سے سدا آزاد رہیں سب

کوئل

از ایس، ایم، جبرئیل جبل پوری

باغ میں شور مچاتی آئی گیت سہانے گاتی آئی
بن میں کوکو کرکے لہکی جھیل کنارے کیا کیا چہکی
آم پہ بیٹھی بیٹھی گائے پیارے پیارے گیت سنائے
کوسوں اُڑنے کا دم بھرتی کالے پروں میں چھم چھم کرتی
بن میں پہنچی باغ میں آئی شاخ پہ جھومی ڈال پہ گائی
کالے کالے بادل گرجے رم جھم، رم جھم پانی برسے
دریا، چشمے لہریں ماریں جنگل جنگل مور پکاریں
پانی میں تو بھیگی آئی بیٹھ کے آموں پر لہرائی
میٹھی میٹھی تیری صدائیں سب کے دل کو مست بنائیں

جی کو لبھانے والی ہے تو
مست بنانے والی ہے تو

الف لیلہ کی ایک کہانی

الیاس احمد مجیبی صاحب

اگلے وقتوں کی بات ہے ملک ایران میں ایک بہت بڑا بادشاہ تھا۔ بہت بڑا، اتنا بڑا کہ دوسرے بڑے بڑے بادشاہ گویا اس کی پرجا تھے۔ اُن دنوں اُس سے بڑا زمین کے تختے پر کوئی بادشاہ تھا نہیں۔ سب کچھ تھا پر اولاد نہ ہونے سے بچارا دن رات کڑھا کرتا۔ پوری سَو بیویاں کیں، مگر بچہ ایک سے نہ ہوا۔ خیر خیرات، پیر فقیر، منتیں مرادیں، گنڈے تعویذ، ٹونے جادو غرض سب سب جتن کئے پر ابھی تک خدا کا حکم نہ تھا۔ ایک دن اسی غم میں اُداس بیٹھا تھا کہ خواجہ سرا نے حاضر ہو، عرض کی: "عالم پناہ! جان کی اماں! ایک سوداگر بہت دور سے ایک لونڈی لایا ہے جو خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔" حکم ہوا: "سوداگر کو لونڈی سمیت حاضر کرو۔" بادشاہ نے اس کی چال ڈھال دیکھی، پھر چہرے سے نقاب اُٹھوائی تو جیسے چودھویں کا چاند! دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ سوداگر کو دس ہزار اشرفی ایرانی گھوڑا اور کئی بڑھیا بڑھیا جوڑے انعام دے رخصت کیا۔

نئی دلہن کو دریا کنارے ایک محل میں رکھا گیا۔ ماما، اصیلیں، لونڈیاں باندیاں خدمت کو رکھی گئیں۔ اچھے سے اچھا کھانا، کپڑا، دل بہلانے کو طرح طرح کے کھیل تماشے اور گانے بجانے مہیا۔ کوئی مہینہ بھر بعد بادشاہ نئی دلہن سے ملنے گیا، دیکھ کر بہت خوش ہو، خیال کیا اس کا انداز لونڈیوں جیسا تو ہے نہیں! ہو نہ ہو یہ کسی امیر گھرانے کی لڑکی ہے۔ ایسا ریجھا کہ اور سب بیویوں کو چھوڑ بس دریائی محل میں رہنے لگا۔ یوں تو اُسے دیکھ دیکھ پھولا نہ سماتا لیکن ایک بات ایسی تھی کہ سارا مزا کرکرا ہو رہا تھا۔ بادشاہ بہتیری کوشش کرتا لیکن وہ لڑکی بات چیت نہ کرتی۔ پورا ایک برس ہو گیا پر اس کی زبان نہ ہلی۔ ایک دن بادشاہ نے کہا: "بیگم! بھلا یہ کیا بات ہے کہ تم بولتی نہیں ہو۔ آخر بھید کیا ہے؟ میں ہار گیا

پر تمہارے دل کا حال نہ کھلا، میری بڑی بدنصیبی
ہوگی جو تم جیسی پری گونگی نکلے۔ دیکھو! اب مجھ میں
تاب نہیں! میں دن رات اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا
ہوں اور خدا سے لو لگائے ہوں کہ ہمیں ایک سپوت
ایسا ملے جو ہمارا نام جگائے اور میرا جانشین ہو
بولو تو بولو نہیں تو میں اسی دریا میں ڈوبا جاتا ہوں
لڑکی نے مزا لے لے کر یہ باتیں سنیں اور مسکرائی۔ اب
تو بادشاہ کے دل کی جیسے کلی کھل گئی "وعالم پناہ!"
لڑکی بولی:۔ "آپ سا نیک انسان زمین کے تختے
پر تو میں نے کوئی دیکھا نہیں، آپ نے جو جو نیکیاں
کیں اُن کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ یوں تو بہت
سی باتیں کرنی ہیں لیکن سب سے پہلے ایک خوش
خبری سنا دوں کہ بس اب پانچ، چھ مہینے بعد
آپ کی لونڈی ----- ماں بننے والی ہے!" یہ
جو سنا تو مارے خوشی کے بادشاہ اُچھل پڑا۔ وزیر
کو بلوا حکم دیا کہ ایک لاکھ اشرفی غریبوں کو بانٹی جائیں
پھر بیوی سے پوچھا:۔ "یہ تو بتاؤ تم اتنے دن چپ
کیوں رہیں تم تو بات کیا کرتی ہو منہ سے پھول
برساتی ہو! اچھا اب اپنا نام ونشان اور حال بھی
تو بتاؤ۔"

وہ بولی:۔ "میرے باپ دریائے آتشین
کا بادشاہ تھا، میرا نام ہے گلنار۔ ایک میری ماں
ہے۔ ایک میرا بھائی ہے ملک صالح۔ میرے باپ
دنیا سے سدھارے۔ پھر بھی ہم سکھ چین سے رہا
کرتے لیکن اچانک دشمن نے ہم پر چڑھائی کی صالح
نے مجھے تو دریا سے باہر لا کے چھوڑ دیا اور بولا "میں
تو چاہتا ہوں تیری شادی زمین ہی کے بسنے والے
شہزادے سے کر دوں" یہ کہہ وہ تو دشمن سے
لڑنے چل دیا۔ پر مجھے اس بات سے دکھ ہوا،
میں سمجھتی تھی کہ زمین کے باشندے اکثر بہت برے
ہوتے ہیں پانی ہی کی راہ مہتاب تالو میں جا اتری
اور ایسی جگہ چھپ کے لیٹی جہاں کسی کی بھی پہنچ نہ
تھی۔ لیکن ہونے والی بات۔ ایک سردار اُدھر آنکلا
اور مجھے سوتے میں اُٹھا لے گیا۔ اس نے خوشامد بھی
کی، ڈرایا، دھمکایا بھی پر میں اُس کے بس میں نہ آئی
بلکہ میں نے ایسی سزا دی کہ تنگ آ کر اس نے مجھے
سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا" گلنار نے کہا: "اگر آپ
بھی داب، دھونس بتاتے ہرگز آپ کے قابو میں نہ
آتی لیکن آپ نے اُمید سے زیادہ میری دل داری
کی اور مجھے موہ لیا۔ میں سوچتی تھی کہ میرے
بھائی اور میری ماں کو خبر لگے گی کہ میں لونڈی بن
کے جی رہی ہوں تو وہ مارے غیرت کے مجھے مار
ہی ڈالیں گے۔ دیکھئے! ویسے تو میں آپ کی لونڈی
ہوں لیکن آپ میری عزت شہزادیوں جیسی کیجئے
گا تاکہ وہ لوگ جو آ جائیں تو کچھ خیال نہ کریں۔"
بادشاہ گلنار کی داستان سن کر بہت خوش

خوش ہوا، اُسی دن سے ملکہ ایران کا خطاب دیا اور وزیر کو بلوا منادی کرائی کہ نئی بیگم لونڈی نہیں دریائی ملک کی شہزادی ہے پھر بادشاہ نے دریائی ملکوں کا حال پوچھا۔ گلنار نے ایک ایک بات بتائی کہ ہم لوگ دریا میں کیسے رہتے ہیں۔ پھر بولی: "اب جو آپ اجازت دیں تو میں اپنی ماں اور بھائی کو بلاؤں جو اتنے دن سے میری جدائی میں بے چین ہوں گے۔" بادشاہ نے کہا: "بی بی! تم میری چہیتی ملکہ ہو، انھیں شوق سے بلاؤ۔ اُن کی مہمانی کا سامان کرو اور مجھے بھی بتاؤ کہ میں اُن کی خاطر تواضع کے لئے کیا کروں؟" گلنار نے کہا: "آپ تو بس ذرا آڑ میں ہو جائیے اور پیچھے کھڑکی سے تماشا دیکھئے۔ میں ابھی انھیں بلاتی ہوں۔" بادشاہ آڑ میں ہو گیا۔ اِدھر گلنار تھوڑی سی آگ سلگا جادو کے بول پڑھنے لگی، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دم دریا کا پانی بڑھنے لگا، دیکھتے دیکھتے محل کے برابر آ لگا، پھر اس میں سے ایک خوب صورت سجیلا جوان نکلا۔ یہ گلنار کا بھائی تھا، ملک صالح، اس کے پیچھے ایک بیگم، یہ گلنار اور صالح کی ماں تھیں، اُن کے پیچھے پانچ بی بیاں اور تھیں یہ سب سیدھے گلنار کے کمرے میں پہنچے گلنار آگے بڑھی ایک ایک سے ملی سب نے اُسے گلے لگایا۔ گلنار نے اُن کا، اُنھوں نے گلنار کا حال پوچھا۔ گلنار نے بادشاہ کی نیکی اور شرافت غرض سب ماجرا کہہ سنایا۔

اب گلنار بادشاہ کو سامنے لائی، وہ سب سے ملا، سب دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر کھانا کھایا گیا۔ خدا کا کرنا کہ کچھ دنوں کے بعد گلنار کے بیٹا ہوا۔ بچہ بے حد خوب صورت، بس جیسے چاند! اسی لئے اس کا نام بدر رکھا گیا۔ اُسی دن صالح بدر کو دائی سے لے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ اور ایک دم دریا میں کود یہ جا وہ جا۔ بات کی بات میں غائب۔ اب تو محل میں کھلبلی مچ گئی۔ بادشاہ سر دے مارتا کہ ہائے یہ کیا ہوا؟ گلنار اُس کی ماں اور دوسری بی بیوں نے بادشاہ کو دم دلاسا دیا کہ آپ فکر نہ کیجئے۔ خدا چاہے بچے پر آنچ نہ آئے گی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ صالح بدر کو گود میں سنبھالے اور ایک بغل میں صندوقچی دبائے آ موجود ہوا اور کہنے لگا: "گستاخی معاف، ہمارے دیس اور اور ہماری قوم کی یہ ریت ہے کہ ہمارے یہاں جب کوئی بچہ زمین پر پیدا ہوتا ہے تو پہلے ہم اُسے دریا کی سیر کراتے ہیں۔ پھر صندوقچی کھول طرح طرح کے سیکڑوں ہیرے جواہر نکالے۔ ایسے کہ زمین پر تو کسی کے پاس ویسے جواہرات ہوتے نہیں، وہ سب اپنے بہنوئی بادشاہ ایران کو پیش کئے، بادشاہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

کچھ دن بعد ملک صالح وغیرہ اپنے گھر چلے گئے۔

یہاں شہزادہ بدر جوں جوں بڑا ہوتا، بادشاہ اور ملکہ دیکھ دیکھ پھولے نہ سمائے۔ بدر جب پندرہ برس کا ہوا تو لکھ پڑھ کے ایسا نکلا کہ ہر فن میں استاد! اب بادشاہ نے اسے اپنا جانشین بنایا۔ وہ پرجا کی دیکھ بھال ایسی کرتا کہ سب اسے دل سے چاہتے۔ جب بادشاہ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ بدر حکومت کے کام ٹھیک چلا رہا ہے تو خود سب کو چھوڑ جنگل میں جا رہا۔ دن رات بس اللہ اللہ کیا کرتا۔ آخر انھی دنوں میں اس نے دنیا ہی سے کوچ کیا۔ اب بدر کی کہانی سنیے: الف لیلہ کی کہانیوں میں یہی تو خاص بات ہے۔ کہانی میں کہانی چلی جاتی ہے۔ ہاں تو کئی برس کے بعد صالح بہن سے جو ملنے آیا تو ایک دن بولا: "گلنار! بدر تو اب سیانا ہوا۔ شادی کے لائق ہے۔ تم نے ابھی تک فکر نہیں کی؟ کہو تو میں اپنے دریائی ملکوں میں کوئی شہزادی تلاش کروں" اسی رات جب دیکھا کہ بدر سو گیا ہے شہزادی جواہر کا حال سنایا جو سلطان سمندال کی بیٹی تھی۔ گلنار نے جواہر کو بچپن میں دیکھا تھا۔ بولی: "بس بالکل ٹھیک ہے۔ یہ جو ہو جائے تو کیا ہی کہنا۔" لیکن صالح نے کہا: "سلطان ہے بڑا گھمنڈی۔ شاید ہی مانے۔ خیر، یا قسمت یا نصیب" میں جاؤں گا ضرور۔ پیام دوں گا۔ پھر دیکھا جائے گا جو ہوگا۔ لیکن خبردار! بدر کو خبر نہ ہو۔ نہیں تو وہ بن دیکھے جواہر کا عاشق ہو جائے گا۔"

یہ بہن بھائی سمجھتے تھے کہ بدر سو گیا ہے مگر وہ میرا نیر سوتا بن کے یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ صبح ملک صالح رخصت ہونے لگا تو بدر اڑ گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ماں سے شکار کا بہانہ کر ماموں کے ساتھ چل دیا۔ شکار میں ایک دن دونوں کا ساتھ چھوٹ گیا۔ صالح بہت پریشان ہوا آخر کئی دن بعد بدر کو اس حال میں پایا کہ زار زار رو رہا ہے اور شہزادی جواہر کی رٹ لگی ہے۔ صالح کا ماتھا ٹھنکا کہ بدر نے ضرور ہماری باتیں سن لیں۔ بدر جب ہوش میں آیا تو بولا: "ماموں ابا! میری جان پیاری ہے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے۔" صالح نے مجبوراً بدر کو لے چلنے کی ہامی بھری۔ اسے جادو کی انگوٹھی پہنائی اور کہا: "اب تم بے دھڑک میرے پیچھے چلے آؤ۔ کتنا ہی گہرا پانی ہوگا تمھارا کچھ نہ بگڑے گا۔" چلتے چلتے بدر کی ننھیال آئی۔ نانی بدر کو دیکھ بہت خوش ہوئی۔ صالح نے ماں سے سب ماجرا بیان کیا۔ بولیں: "ٹھیک تو ہے۔" پھر بہت سے قیمتی جواہرات اور فوج ساتھ میں کر، صالح کو سلطان سمندال کے پاس بھیجا۔ صالح دربار میں پہنچا۔ شاہی آداب بجا لایا۔ پھر جواہرات نذر کیے۔ سلطان بہت خوش ہوا۔ اب صالح نے

مطلب کی بات جو کہی تو سلطان ایک دم بگڑ گیا ایسا کہ حکم دیا اس بدتمیز کا سر اڑادو۔ مگر بے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ صالح ترکیب سے بچ گیا۔ بدر نے جو یہ گڑبڑ دیکھی تو بہت پچھتایا کہ میں نے ان لوگوں کو مفت پریشان کیا۔ ایک دم وہاں سے نکل ملک ایران کی راہ لی۔

چلتے چلتے وہاں پہنچا جہاں سلطان ہندال نے اپنی بیٹی جواہر کو چھپایا تھا۔ وہ بچاری مصیبت کی ماری جھاڑیوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔ کسی نے کہا ہے نا کہ "حسن پر جب غم پڑتا ہے تو لطف کو اور بڑھاتا ہے" بدر نے دیکھا تو دل پر ایک تیر سا لگا۔ ادھر جواہر کی نظر پڑی تو وہ بھی بے چین ہوگئی۔ پہلی مصیبت کو تو بھول گئی۔ نہ جانے بدر نے کیا کردیا دونوں نے اپنا حال اور نام نشان بتایا تو قسمت کی بڑی بڑی پر دنگ رہ گئے۔ خوش خوش ایران آئے۔ یہاں کمہار نے خوب دھوم دھام سے بیٹے کی شادی رچائی۔ اب یہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ جیسی اُن کی بنی ویسی خدا سب کی بنائے۔

(آل انڈیا ریڈیو سے اجازت کے بعد)

نورجہاں

اس سے پہلے محترمہ خدیجہ بیگم کے دو ڈراموں کا ذکر پیام تعلیم میں آچکا ہے۔ یہ ڈراما بھی انھی کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں مغل بادشاہ جہانگیر کی مشہور ملکہ نورجہاں کے حالات ڈرامے کے انداز میں لکھے ہیں زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے البتہ رنگین تصویریں بہت بدنما ہیں۔ اول تو اچھی بنی نہیں ہیں دوسرے چھپائی بہت خراب ہوئی ہے۔ کتاب پر قیمت نہیں لکھی ہے۔
سید عبدالقادر اینڈ سنز مغل پورہ۔ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے

چڑیا کا بیاہ

بھائی جان

(۱)



(۱)

تڑکے اک دن صبح سویرے چڑیا آئی پھوں پھوں کر کے
چوں چوں کر کے گیت سنایا رانی کو وہ بے حد بھایا

(۲)



(۲)

بولی رانی اچھی چڑیا
میری ننھی منی چڑیا
بول تجھے کیا تحفہ دے دوں
کون سی چیزیں تجھ کو بخشوں

(۳)



(۳)

بولی چڑیا میرے راجہ
اچھی رانی، اچھے راجہ
مالک دونوں میرے تم ہو
مجھ کو تم اک چِڈّا دے دو



(۴)

رانی نے اک چڑا منگایا
منگوا کر چڑیا کو دکھایا
شرمائی جب دیکھا چڑا
اس کو خوب ہی بھایا



(۵)

آئے وکیل اور آئے قاضی
دونوں کی پھر ہو گئی شادی
راجہ بھی آیا رانی بھی آئی
سب نے اس کی شادی رچائی

چڑیا کو ہو چڑا مبارک بچوں کو یہ قصہ مبارک

منہ خراب ہو گیا

محمد حسین حسان

مسعود اور محمود کے ابا کو باغبانی کا بہت شوق تھا۔ گھر میں اچھا خاصا خوب صورت باغیچہ لگا رکھا تھا۔ ایک دن وہ چھوٹے سے گملے میں ایک خوب صورت سا پیڑ لائے اس میں لال لال ننھے ننھے پھل بھی لگے تھے۔

نہ ہو یہ گوندنی کا پیڑ ہے۔

مسعود: واہ بھیا گوندنی کا پیڑ تو خوب بڑا ہوتا ہے اسے گملوں میں تھوڑی بوتے ہیں۔

محمود: بھئی بات تو ٹھیک ہے مگر ہو سکتا ہے کہ نئی قسم کی گوندنی ہو اور کسی دوسرے ملک سے



شام کو مسعود اور محمود مدرسے سے آئے تو اس نئے گملے پر نظر پڑی۔ دونوں نے جلدی جلدی کتابیں الماری میں رکھیں اور سیدھے گملے کے پاس پہنچے۔

مسعود: بھیا محمود دیکھو کیسا خوب صورت پودا ہے۔

محمود: اور پھل کیسے لال لال لگے ہیں۔ ہو

آئی ہو۔ دیکھو پھل تو بالکل گوندنی جیسے ہیں۔

مسعود: خیر اسے ذرا چکھ کر تو دیکھیں۔

محمود: ہاں دیکھو۔

(دونوں نے ایک ایک پھل منہ میں رکھا)

مسعود: ارے یہ تو عجب طرح کی گوندنی ہے جانے کیسا مزا ہے۔ گوندنی کا سا تو بالکل نہیں۔

تھوڑی دیر میں دونوں کے مُنہ میں خوب مرچیں لگنے لگیں۔ مسعود نے مُنہ بنایا اور اس پھل کو جلدی سے تھوکا۔

محمود:۔ اُف فوہ اس گوندنی نے تو مُنہ میں آگ لگا دی۔

مسعود:۔ ارے، رے رے میرا مُنہ تو جیسے جلا جا رہا ہے۔

دونوں کے مُنہ اور ہونٹوں میں اتنی جلن پیدا ہو گئی کہ آنسو نکل آئے۔

اُمّی باورچی خانے میں سالن پکا رہی تھیں۔ اُن کی آواز سُن کر باہر نکل آئیں۔ پوچھنے لگیں کیوں چیخ رہے ہو؟

محمود:۔ اُف، فوہ۔ اَمّی میرا مُنہ جلا جا رہا ہے

مسعود:۔ اَمّی ہم نے گوندنیاں چکھی تھیں مگر وہ تو بالکل آگ نکلیں منہ پھکا جا رہا ہے۔

اَمّی:۔ گوندنی! تمھیں کہاں سے ملیں؟

محمود:۔ یہ اس گملے والے پودے میں لگی ہیں

اَمّی:۔ لو اور سُنو۔ میں کہتی ہوں تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ بھلا گوندنی کا پیڑ اتنا ذرا سا ہوتا ہے۔ احمق کہیں کے، جانتے کا ہے، پودا ہے۔ اِسے گوندنی سمجھ لیا۔ یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔

محمود:۔ چکھنے کے بعد تو ہمیں بھی یہی اندازہ ہوا۔

اُمّی:۔ چلو تھوڑا سا دودھ پی لو اور روٹی کھا لو دودھ سے مُنہ میں ٹھنڈک پڑے گی اور روٹی سے جلن دور ہو جائے گی۔

دودھ اور روٹی سے سچ مچ جلن جاتی رہی اَمّی نے کہا "اب کبھی ایسی چیز نہ کھانا جس کے بارے میں تمھیں یقین نہ ہو کہ یہ کھانے کی ہے یا نہیں؟"

محمود: اب تو میں خود احتیاط کروں گا۔

مسعود:۔ اور میں بھی۔ اِن گوندنیوں کا مزا عمر بھر یاد رہے گا۔ دوسرے دن محمود اور مسعود مدرسے گئے تو آپا جان سے گوندنی کا ذکر آ گیا۔ آپا جان یہ سُن کر بہت ہنسیں اور پھر سب بچے اور آپا جان اِدھر اُدھر کی نئی نئی چیزیں چکھنے کے خطرے پر باتیں کرنے لگے آپا جان نے سب بچوں کو نصیحت کی کہ کوئی نئی چیز ہرگز مت کھاؤ جب تک تمھیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ کھائی جاتی ہے اور نقصان نہ کرے گی۔ کبھی کوئی میلی اور گندی چیز مُنہ میں نہ رکھو۔ گری پڑی مٹھائی بالکل نہ کھاؤ۔ پھل ہمیشہ کھانے سے پہلے دھو لو یا چھیل لو۔ پنسل، روپیہ، پیسہ یا اپنی انگلیاں مُنہ میں نہ لو۔ جس خوانچے والے کے پھل گلے سڑے ہوں یا جس حلوائی کی مٹھائی پر کپڑا نہ ڈھکا ہو اس سے سودا نہ لو اگر ان باتوں کی احتیاط نہ کرو گے تو ایک نہ ایک دن ضرور بیمار پڑو گے۔

کیمرا

زہرا عبدالمجید خاں

آج نوید کی بارھویں سالگرہ تھی نوید کی امّی نے اس خوشی میں بہت سے مہمانوں دعوت کی تھی سب مہمان اس کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ لائے تھے ان میں سے ایک تحفے کو دیکھ کر تو نوید کا دل زور زور سے اُچھلنے لگا۔ یہ تصویر کھینچنے کا خوب صورت سا کیمرا تھا۔ نوید کے چچا کے پاس بھی ایک کیمرا تھا۔ انھوں نے تصویریں کھینچنے کے سلسلے میں بہت سی باتیں نوید کو بتا دی تھیں۔ بس جبھی سے نوید کو کیمرا خریدنے کی دھن لگ گئی۔ ایک دن وہ اپنے ابّا سے کیمرے کے لئے ضد کر رہا تھا اس کی پھوپھی بھی اتفاق سے اس روز موجود تھیں۔ وہ نوید سے بہت محبت کرتی تھیں انھوں نے دوسرے ہی دن اچھا سا کیمرا منگوایا اور سالگرہ کے دن اپنے ساتھ لیتی آئیں۔

نوید اس کیمرے کو پا کر اتنا خوش تھا اتنا خوش تھا کہ بس کچھ پوچھو مت۔ جہاں جاتا کیمرا ساتھ ہوتا کوئی اچھا منظر کوئی دلچسپ چیز اس کے سامنے آتی تو فوراً تصویر لے لیتا۔

ایک دن کا قصہ سنو۔ نوید صاحب کیمرا بغل میں دبائے کہیں سیر کو جا رہے تھے۔ راستے میں اُن کی مڈبھیڑ ایک نوجوان آدمی سے ہوگئی۔ یہ ایک بچے کو اخبار سے مار رہا تھا اور بچہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔ نوید کے لئے یہ منظر بہت اچھا تھا۔ اس نے فوراً کیمرا آگے کیا اور تصویر لے لی۔ پھر آگے بڑھ کر نوجوان سے پوچھا جناب آپ خواہ مخواہ اس لڑکے کو کیوں مار رہے ہیں۔" نوجوان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور گھٹنا سہلاتا اور بچے کو قہرآلود نگاہوں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جوں ہی اس آدمی نے پیٹھ پھیری، لڑکے کا رونا چیخنا سب ختم ہوگیا۔ نوید کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے ہمدردی کے لہجے میں پوچھا "تمھارے چوٹ تو نہیں لگی۔"

لڑکا:۔ ذرا بھی نہیں۔

نوید:۔ پھر تم اس قدر شور کیوں مچا رہے تھے۔

لڑکا:۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ وہ مجھے بہت زور سے مار رہا تھا

نوید :۔ اور وہ تمھیں مار کیوں رہا تھا؟

لڑکا :۔ میں نے اس کے گھٹنے پر ٹھوکر ماری تھی۔

نوید :۔ (حیرت سے) اور تم نے ٹھوکر کیوں ماری تھی۔

لڑکا :۔ اس لئے کہ میں ایک غصیلا لڑکا ہوں۔

نوید :۔ تم سے یہ کس نے کہا کہ تم غصیلے ہو

لڑکا :۔ امّی نے اور کیا جی امّی نے۔ اچھا اچھا میں ذرا آپ کو بھی بتا دوں کہ میں کیا غصیلا لڑکا ہوں

نوید (گھبرا کر) نہیں نہیں رحم کرو ... ... مجھے معلوم ہے کہ تم کیسے غصیلے لڑکے ہو۔

لڑکا :۔ نہیں نہیں اب تو مجھے بتانا پڑے گا۔ ورنہ تمھیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں کیسا غصیلا لڑکا ہوں۔ اچھا لاؤ ذرا اپنا کیمرا دو میں تصویر کھینچوں گا۔

نوید اپنا کیمرا بھلا کیسے دے دیتا وہ اُسے توڑ دیتا، خراب کر دیتا تو وہ اس کا کیا کر لیتا۔

نوید :۔ تمھیں معلوم بھی ہے کہ تصویر کیسے لی جاتی ہے

لڑکا :۔ نہیں مگر میں ایک تصویر لینا چاہتا ہوں۔

نوید :۔ میں تو اپنا کیمرا نہیں دوں گا۔

لڑکا : نہیں دوگے؟ اچھی بات ہے!

یہ کہہ کر لڑکے نے ٹھنکنا شروع کیا اور لگا زمین پر لوٹنے اور ایڑیاں رگڑنے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چیخوں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی

"الو گدھے باجی کہیں کے" اس نے روتے ہوئے کہا "تم نے میرا کیمرا چھین لیا صرف اس لئے کہ تم طاقت ور ہو اور میں کم زور الو ... ... "

اس وقت نوید کی حالت قابلِ رحم تھی راہ گیر ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے سچ مچ اسی کا قصور ہو اب اسے احساس ہوا کہ اس بچارے نوجوان پر کیا گذری ہوگی۔ آخر اس نے تنگ آکر کیمرا لڑکے کو دے دیا۔ لیکن خیر گذری کہ لڑکے نے کیمرا ایک دو بار اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور صرف ایک فلم خراب کرکے نوید کو واپس کر دیا۔

لڑکا :۔ اب تم کہاں جا رہے ہو؟

نوید :۔ گھر

لڑکا :۔ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔

نوید :۔ خوب! مگر تمھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں ہوں کون؟

لڑکا :۔ (حاکمانہ لہجے میں) کیا پروا ہے! تم ابھی مجھے بتا دوگے!!

نوید :۔ نا بابا رحم کرو میرے حال پر۔ میں ہرگز تمھیں اپنا نام نہ بتاؤں گا؟

لڑکا :۔ اچھا نہیں بتاؤگے؟ جلدی بتاؤ۔ ورنہ جانتے ہو کیا ہوگا؟

اس نے اپنے بوٹ کی ٹھوکر اس کی طرف اٹھائی گویا وہ اُسے مارا ہی چاہتا ہے۔

نوید بالکل گھبرا گیا اور ہاتھ سے حملے کو روکنے

ہوئے بولا:۔ "بھائی میرا نام نوید ہے، نوید۔ اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔

لڑکا:۔ اور میرا نام شرافت ہے شرافت سمجھے؟ شرافت۔

نوید:۔ بھئی بہت ہی اچھا نام ہے تم واقعی شر اور آفت کے بنے ہوئے ہو۔

لڑکا:۔ اچھا اب آپ زیادہ باتیں نہ بنائیے۔ سیدھے سیدھے مجھے اپنے گھر لے چلئے۔

نوید کے گھر پہنچتے ہی میاں شرافت نے جھٹ ریحانہ سے ہاتھ ملایا اور اس زور سے دبایا جیسے کسی نے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔ کچھ تو تکلیف اور کچھ حیرانی۔ بے چاری ریحانہ کا منہ دیکھنے کے لائق تھا۔ شرافت جلدی سے کود کر الگ ہو گیا کہ کہیں ریحانہ اس سے بدلا نہ لے لے۔

نوید نے ریحانہ کو شرافت میاں کی ملاقات کا سارا قصہ سنایا اور تاکید کردی کہ یہ جو کچھ کرے کرنے دینا ورنہ آفت برپا کرے گا۔

ساری دوپہری شرافت نوید کے گھر میں اودھم مچاتا رہا۔ وہ نوید کے ابا کے کمرے میں بھی پہنچ گیا اور ان کی کتابیں اور کاغذ لوٹ پوٹ کرنے لگا۔ نوید نے منع کیا تو فرش پر لیٹ گیا اور لگا رونے چیخنے اور دولتیاں جھاڑنے۔ نوید نے سیب دینے کا وعدہ کیا تب کہیں وہ چپ ہوا۔ شرافت جلدی جلدی تین چار سیب کھا گیا۔ نوید نے اور سیب دینے سے انکار کر دیا۔ تو پھر وہی چیخنا چلانا اور ایڑیاں رگڑنا۔

نوید نے فوراً اس ضدی کی تصویر کھینچ لی۔ اب تو اور بھی آفت آگئی۔ یہ چیخ پکار ہو رہی تھی کہ نوید کی امی بھی اِدھر آگئیں۔ شرافت انھیں دیکھ کر بالکل چپ ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور اُن سے پوچھنے لگا "تمھارا نام کیا ہے؟" نوید کی امی نے لڑکے کی اس بدتمیزی پر دانتوں تلے انگلی دبالی۔ اور بولیں "میرا نام جمیلہ ہے۔ آپ اپنا مطلب کہئے"

لڑکا میں ہمیشہ بڑوں کے نام ہی لیا کرتا ہوں۔ کیونکہ لوگ اسے گستاخی سمجھتے اور اس سے خوب چڑتے ہیں۔ اچھا تو میں آپ کا نام ہی لیا کروں گا۔ کیوں؟ جمیلہ!!

نوید اور ریحانہ نے شرافت کو بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کر گھر سے نکالا۔ چلتے چلتے وہ ریحانہ کو جھنجھوڑتا اور نوید کے ٹھوکر مارتا گیا۔

نوید کی امی نے کہا "ارے ہے یہ لڑکا تو سچ مچ آفت کا بنا ہوا ہے۔ جب اس نے اتنی سی دیر میں ہم لوگوں کا ناک میں دم کر دیا تو اس کے ماں باپ کا کیا حال ہوتا ہوگا جن کے ساتھ یہ آٹھوں پہر رہتا ہے؟"

ریحانہ اور نوید دونوں ایک زبان ہو کر بولے: جی ہاں امی وہ بے چارے تو بہت پریشان ہوں گے

اس وقت ریحانہ نے ایک تجویز پیش کی اور وہ یہ کہ شرافت کی اصلاح کی جائے اس تجویز کو سن کر سب ہنس پڑے اس لئے کہ شرافت میاں کو سیدھے راستے پر لانا سب ناممکن سمجھتے تھے آخر میں سب کی رائے یہی ہوئی کہ کوشش کرکے دیکھ لیا جائے۔ کیا ہرج ہے۔

دوسرے دن نوید کے سب بھائی بہنوں اور اُمی نے شرافت کے ساتھ بہت نرمی اور محبت کا سلوک کیا مگر توبہ کرو کہیں پتھر میں بھی جونک لگی ہے۔ اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ انھیں ٹھوکریں مارتا، جھنجھوڑ دیتا اور طرح طرح سے انھیں ستاتا۔ اس کا رونا چیخنا۔ زمین پر لوٹنا بڑھتا ہی گیا۔ جتنا جتنا لوگ اس سے نرمی اور محبت سے پیش آتے اتنا ہی اس کا مزاج اور بگڑتا اب تو نوید اور ریحانہ دونوں کے لئے یہ بات برداشت سے باہر ہوگئی۔

آخر ایک دن نوید سے ضبط نہ ہوسکا۔ اس نے شرافت کی ایک بدتمیزی پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ شرافت کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی۔ ذرا کے ذرا تو وہ بھونچکا ہوکر نوید کو دیکھنے لگا اور پھر تو اس نے وہ آفت ڈھائی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اس کا رونا، چیخنا، ٹھوکریں مارنا۔ زمین پر لوٹنا۔ پورے ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ نوید اور ریحانہ نے بڑی مشکل سے اسے بہلا پھسلا کر مٹھائی کا لالچ دے کر چپ کیا۔

اب شرافت میاں اپنے گھر گئے نوید بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنی ماں کو بتایا کہ نوید نے میرے تھپڑ مارا ہے شرافت کی ماں نے اپنے بیٹے کو چمکار کر گلے سے لگا لیا اور غصے سے بولیں "واہ بھیا نوید تم کون ہوتے ہو۔ میرے بچے کو مارنے والے" پھر اسے اس طرح پیار کرنے لگیں جیسے دنیا میں بس ایک انھی کا بچہ تو ساری دنیا میں نیک ہے۔

گھر آکر نوید نے ریحانہ سے کہا "بہن جب خود اس کی ماں ایسے ضدی اور ہٹیلے بچے کو اتنا پیار کرتی ہے اور اس قدر نیک سمجھتی ہے تو ہمیں کیا پڑی ہے جو اس کی اصلاح کی کوشش کریں"۔ اس دن سے نوید کی اصلاح کا خیال بالکل چھوڑ دیا گیا۔

نوید نے جو تصویریں شرافت کو غصے اور بدمزاجی کی کھینچی تھیں وہ بننے کے لئے فوٹو گرافر کے پاس بھیج دی تھیں۔ آج یہ تصویریں بن کر آئیں تو نوید نے ابا کو دکھائیں ابا نے کہا "بمبئی کے ایک انگریزی اخبار میں تصویروں کا انعامی مقابلہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویریں تم وہاں بھیج دو تمھیں انعام ضرور مل جائے گا۔ کیا عجب جو پہلا انعام مل جائے۔"

نوید نے جھٹ ایک اچھی سی تصویر لفافے میں رکھی ہاں ایک تصویر اور اس نے چپکے سے رکھ دی اور ابا سے انگریزی میں پتہ لکھوا کر ڈاک میں ڈال آیا۔

نوید اور ریحانہ نے شرافت کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیا تھا لیکن خود شرافت نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے نجات ملے

نوید کو اپنی تصویروں کے نتیجے کا بھی بہت انتظار تھا۔ آخر ایک ہفتے کے بعد لفافہ آیا اس میں ایک تصویر ضدی بچے کے اوّل آنے کی خوش خبری تھی۔ پندرہ روپئے انعام دیا گیا تھا۔ دوسری تصویر بھی مقابلے میں آگئی تھی اور انعام میں فونٹین پن دیا گیا تھا

دوسرے دن صبح کو اخبار آیا تو اس میں دونوں تصویریں موجود تھیں۔ ایک تصویر میں ریحانہ بی منہ پھلائے ماتھے پہ بل ڈالے دبچی پرچھلی کف گیر چلا رہی تھیں۔ ریحانہ بی اس تصویر کو دیکھ کر بہت خفا ہوئیں مگر جی میں خوش بھی تھیں اخبار میں تصویر جو چھپ گئی تھی۔

لیکن شرافت نے جو تصویر اخبار میں دیکھی تو اس پر جیسے بم گر پڑا اور وہ خود بھی بم کی طرح نوید کے گھر میں آگرا۔ آتے ہی نوید سے انتہائی غصے میں کہا "کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں اس تصویر جیسا ہوں کیوں؟"

ریحانہ اور نوید نے ایک زبان ہوکر کہا "بے شک بے شک بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بُرے"

کچھ دیر تک تینوں چپ چاپ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ شرافت کی کچھ عجیب کیفیت تھی اس کا چہرا نہ جانے کیوں تمتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کہنے لگا "بھائی نوید اور ریحانہ بہن آج سے میں شرارت اور ضد سے توبہ کرتا ہوں اب میں نیک بچہ بننے کی کوشش کروں گا" اس وقت اس کے چہرے سے متانت ٹپک رہی تھی۔

نوید اور ریحانہ حیران رہ گئے "کیا سچ مچ۔۔"

شرافت:۔ ہاں بالکل سچا وعدہ۔ ایسا وعدہ جو آج تک میں نے کبھی نہ کیا"

نوید نے قریب آکر شرافت کے زور سے ٹھوکر ماری مگر وہ بس مسکرا دیا۔

ریحانہ چیخ کر بولی "ارے! وہ تو سچ مچ نیک ہوگیا" نوید خوشی سے ناچ رہا تھا دونوں اچانک اس کی اصلاح میں کامیاب ہوگئے تھے۔ یہ کچھ کم خوشی کی بات تھی؟ اور بھائی سچ پوچھو تو اس کامیابی کا سہرا نوید کے کیمرے کے سر تھا۔

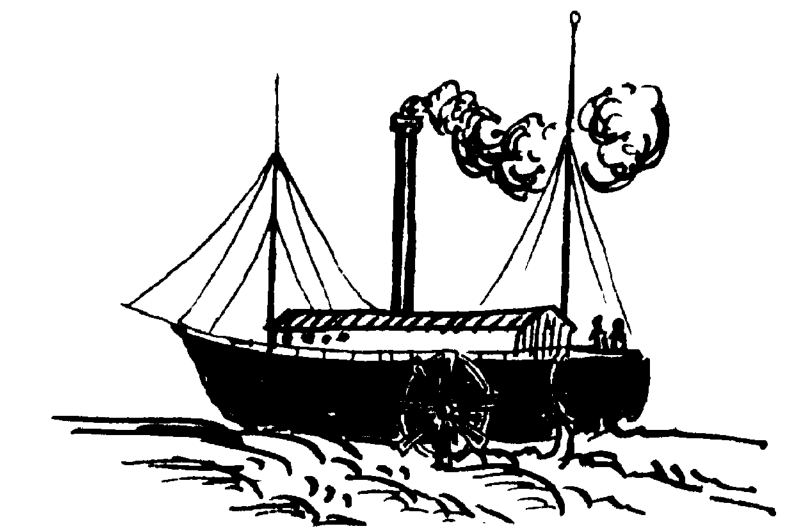
شرافت کی طبیعت اب بالکل بدل گئی۔ اب وہ کبھی شرارت نہ کرتا نہ غصہ ہوتا اور نہ چیختا چلاتا۔ روزانہ اسکول جاتا۔ پڑھنے کے وقت پڑھتا اور کھیلنے کے وقت کھیلتا۔ پہلے تو بس اُس کی ماں اُسے نیک سمجھتی تھیں اب سب اُسے نیک سمجھتے اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور ریحانہ اور نوید سے تو اس کی گہری دوستی ہے۔

(خیال انگریزی سے لیا گیا)

دُخانی جہاز

فضل الدین صاحب اثر

جیمس واٹ کے ہاتھوں بھاپ کا انجن مکمل ہو گیا تو کوشش کی گئی کہ اُسے پانی اور خشکی پر آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے



کلرمونٹ۔ دنیا کی سب سے پہلی دخانی کشتی

بھاپ کے انجن کی مدد سے کشتی چلانے کا سہرا ٹامس فلٹن کے سر ہے۔ فلٹن کا ذکر آپ دوز کشتی کی ایجاد کے سلسلے میں بھی آ چکا ہے۔ فلٹن امریکہ کا باشندہ تھا۔ دُخانی جہاز بنانے کے شوق میں وہ انگلستان آیا۔ برمنگھم میں واٹ کے بنائے ہوئے انجنوں کو اس نے بغور دیکھا اور پھر ایک انجن اپنے لئے بنوا کر امریکہ منگوایا۔ امریکہ میں فلٹن نے مالی ضرورت کی وجہ سے چانسلر لونگ سٹون (CHANCELLOR LIVINGSTONE) کو اپنا ساجھی بنایا۔ لونگ اسٹون نے ایک بڑی سی کشتی کلرمونٹ (CLERMONT) کے نام سے بنوائی اور

فلٹن نے اس میں اپنا انگلستان سے آیا ہوا انجن لگایا۔ جس زمانے میں فلٹن اپنی کشتی تیار کرنے میں مصروف تھا لوگ فلٹن کا بہت مذاق اڑاتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ نہ فلٹن کو کبھی پانی کے بہاؤ اور ہوا کے رُخ پر قابو حاصل ہوگا اور نہ کبھی اس کی کشتی چل سکے گی۔ اس لئے وہ اس کشتی کو بجائے کلرمونٹ۔ فلٹن کی حماقت (FULTON'S FOLLY) کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

لیکن فلٹن اپنی دھن کا پکا تھا۔ لوگ اس پر ہنستے تھے۔ اس نے انھیں ہنسنے دیا اور اپنے کام میں لگا رہا۔ آخر جمعہ کے دن ۱۱ اگست سنہ ۱۸۰۷ء کو فلٹن نے اپنی کشتی مکمل کرکے دریائے ہڈسن نیویارک میں اتار دی۔ دریا کے دونوں کناروں پر تماشائیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ان میں فلٹن کے بہی خواہ بھی تھے بدخواہ بھی۔ آخر فلٹن نے انجن چلایا۔ انجن کے چلتے ہی کشتی کے دائیں بائیں لگے ہوئے پہیے گھومنے لگے اور دنیا کی سب سے پہلی دخانی کشتی اپنے سب سے پہلے سفر پر روانہ ہوگئی۔ کلرمونٹ کو بارہ ۱۲ مسافروں کے ساتھ نیویارک سے البنی تک جانا تھا۔ نیویارک سے البنی ایک سو باون ۱۵۲ میل کا فاصلہ ہے۔ کلرمونٹ پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار سے قریب تیس ۳۰ گھنٹے میں یہ سفر طے کر سکی۔

ایک مورخ نے اس سفر کا حال بہت دلچسپ الفاظ میں لکھا ہے "کلرمونٹ دریائے ہڈسن پر بہت کامیابی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی شکل بہت بھیانک تھی۔ چمنی سے کبھی دھوئیں کے کالے کالے بادل اٹھتے تھے اور کبھی اس میں چنگاریاں اڑنے لگتی تھیں۔ ہوا مخالف تھی اور جب لوگ اسے ہوا کے خلاف چلتے ہوئے دیکھتے تو حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ اور بعض لوگ تو انجن کی آواز سن کر اس قدر ڈرتے کہ وہیں سجدے میں گر جاتے اور خدا سے دعا مانگتے کہ وہ انھیں اس بلا سے بچائے رکھے۔"

اس کے بعد دریائے ہڈسن کے کنارے کے شہروں کے درمیان مستقل طور پر فلٹن کی دخانی کشتی کے ذریعے آمدورفت ہونے لگی اور جس وقت فلٹن اکیاون ۵۱ سال کی عمر میں مرا ہے اس وقت سترہ ۱۷ دخانی جہاز اس کی یادگار موجود تھے۔

فلٹن کے تمام جہاز ان پہیوں کی مدد سے آگے بڑھتے تھے جو دائیں بائیں پانی کو چھوتے ہوئے انجن سے چلتے تھے۔ ان پہیوں کی جگہ جہاز کو پانی کے اندر پنکھوں کے ذریعے آگے بڑھانے کا خیال ایک شخص فرانسس پیٹٹ اسمتھ (FRANCIS PETTIT SMITH) کے دماغ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام بعد میں اس کی ایجاد کی نسبت سے (SCREW-SMITH) (یعنی پیچ گر) پڑ گیا تھا۔ اسمتھ بھیڑیں

چرایا کرتا تھا۔ لیکن یہ موجد کس طرح بن گیا۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ اسمتھ نے پہیوں کے بجائے پینچ لگاکر ایک کشتی ۱۸۳۶ء میں بنائی تھی اور اس وقت اس کی عمر صرف چھبیس (۲۶) سال کی تھی۔ دو سال بعد اسمتھ کی ایجاد کو پرکھنے کے لئے ایک دس ٹن وزن کے جہاز میں پینچ لگایا گیا۔ یہ پینچ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اس پر صرف دو چوڑیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب یہ جہاز آزمائش کے طور پر انگلستان میں دریائے ٹیمس (THAMES) پر چلا جارہا تھا اس وقت اس کا پینچ پانی کے اندر کسی چیز سے ٹکراکر آدھا ٹوٹ گیا اور یکایک جہاز پہلے کی نسبت بہت زیادہ تیز چلنے لگا۔ اسمتھ اس کا راز سمجھ گیا۔ اس نے بعد میں اس جہاز میں ایک ایسا پینچ لگایا جس میں ایک ہی چوڑی تھی اور آج تک یہی ایک چوڑی والا پینچ تمام جہازوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

سوئیڈن (SWEDEN) کے رہنے والے کپتان ارک سن (CAPTAIN ERICSON) نے جہاز میں ایک کی جگہ دو پینچ لگائے۔ کچھ دن بعد ۱۸۴۲ء میں ارک سن نے جہاز پر لوہا منڈھنے کی تجویز پیش کی اور مونیٹر (MONITOR) کے نام سے ایک جہاز بنایا جس پر لوہا چڑھایا گیا تھا۔

دخانی جہاز کو بہتر بنانے اور اس کی رفتار بڑھانے کی کوشش برابر جاری ہیں۔ ۱۸۳۵ء میں پہلی مرتبہ بعض ذمہ دار لوگوں نے دخانی جہازوں کو بحر اٹلانٹک میں چلانے کے مسئلے پر غور کیا۔ لیکن عام طور پر اس خیال کا مضحکہ اڑایا گیا۔ لورپول (LIVERPOOL) کے اخبار البین (ALBION) نے ۱۴ دسمبر ۱۸۳۶ء کے پرچے میں انگلستان کے ایک مشہور و معروف فلسفی ڈاکٹر لارڈنر (Dr LARDNER) کی ایک تقریر شائع کی۔ اس تقریر میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح دخانی جہاز میں بیٹھ کر لورپول سے نیویارک تک کا سفر کرنے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے انسان لورپول یا نیویارک سے چاند میں پہنچنے کی سوچے۔

لیکن کام کرنے والے ایسی باتوں سے کوئی اثر نہیں لیتے۔ دو سال بعد ہی یعنی ۱۸۳۸ء میں سری اس" (SIRIUS) نام کے ایک جہاز نے لورپول سے نیویارک تک کا تین ہزار تین میل کا سفر ۱۸½ دن میں طے کرکے یہ ثابت کر دیا کہ دخانی جہاز اٹلانٹک جیسے بڑے سمندر میں بھی ادھر سے ادھر آجا سکتے ہیں۔ اسی سال ایک اور جہاز "گریٹ ویسٹرن" (GREAT WESTERN) نے یہی سفر ۱۵ دن میں پورا کیا۔ رفتہ رفتہ دخانی جہازوں نے رفتار میں غیر معمولی ترقی کی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے ایک جہاز

مورٹانیہ" (MAURETANIA) نے اٹلانٹک کو رف چار دن دس گھنٹے اور ایک منٹ میں پار کرلیا تھا اور ۱۹۳۳ء میں ایک جرمن جہاز "بریمن" (BREMEN) نے نو گھنٹے اور جلدی یہ سفر طے کرلیا۔

۱۹۳۵ء میں فرانس والوں نے "نارمنڈی" (NORMANDIE) کے نام سے دُنیا کا سب سے بڑا دخانی جہاز بنایا۔ اس کا وزن ۷۵ ہزار ٹن تھا۔ اور لمبائی میں ایک ہزار بیس فیٹ تھا۔ اسی جہاز کے ساتھ ساتھ انگلستان نے ایک اس سے بھی بڑا جہاز "کوئن میری" بنایا۔ اس جہاز میں چار ہزار مسافروں کی جگہ ہے اور یہ دو لاکھ گھوڑوں کی طاقت کے انجنوں سے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے اسی رفتار سے ہماری ڈاک گاڑیاں بھی چلتی ہیں اس جہاز میں ٹیلیفون لگائے گئے ہیں ایک روزانہ اخبار کا دفتر ہے۔ دکانیں ہیں۔ بازار ہے۔ دو بجلی گھر ہیں جن کی بنائی ہوئی بجلی سے چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام خودبخود ہو سکتا ہے اس قسم کے جہاز بجا طور پر ہمارے زمانے کے عجائبات کہے جاسکتے ہیں۔

غصّہ

جامعہ تعلیمی مرکز (۱) میں ابتدائی جماعت کے بچوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ تمہیں غصہ کیوں آتا ہے۔ ان بچوں نے اس سوال کے جو جواب دئے ہیں وہ نیچے لکھے جاتے ہیں۔ یہ مضمون "ننھے" سے لیا گیا ہے۔ یہ ابتدائی جماعت تعلیمی مرکز (۱) کا قلمی رسالہ ہے یہ ماہوار بھی نکلتا ہے اور روزانہ اخبار کی صورت میں بھی۔ اس کا سب کام بچے ہی کرتے ہیں اور بڑی محنت اور سلیقے سے خصوصاً سا ساتھ ہی لکھنے کی چیزیں

۱- مجھے وعدہ خلافی پر غصہ آتا ہے۔ (محمد رضوان)

۲- اگر کوئی مجھ سے بے جا مذاق کرے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (عبدمالک)

۳- غصہ کبھی مجھے غصہ دلا جاتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے (سلیم فہمی)

۴- اگر کوئی غریبوں پر ظلم کرتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (محمد یوسف)

۵- مجھے جب غصہ آتا ہے کہ جب کوئی پیچھے کھُسر پھُسر کرتا ہے۔ (آغا عباس)

۶- میری مرضی کے مطابق جب کوئی کام نہیں ہوتا تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (عابد علی)

۷- کوئی جھوٹا الزام لگاتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (بدر الصالحین احمد)

۸- مجھے اس پر غصہ آتا ہے جو خودغرض ہو یعنی اپنی بھلائی آپ چاہتا ہو (محمد ظفر الدین)

۹- جب کوئی میری پتنگ کاٹ دیتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے (محمد سلطان)

۱۰- کوئی شخص کسی کا انصاف کرنے بیٹھے اور ایک کی نہ سنے تو مجھے اس پر غصہ آتا ہے۔ (عبدالوحید)

۱۱- جب مجھ سے خود کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو مجھے خود پر غصہ آتا ہے (رحیم الدین)

۱۲- اگر کوئی زیادہ غصہ کرتا ہے تو مجھے اس پر غصہ آتا ہے (عطاء الرحمٰن)

۱۳- اگر کوئی میری نقل کرتا ہے تو مجھے بڑا غصہ آتا ہے (ایوب احمد)

۱۴- مجھے کانگریس اور مسلم لیگ کی فضول بحث پر غصہ آتا ہے (عارف بیگ)

۱۵- جب مجھے بجائے قدوائی کے کوئی کدوائی کہتا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ (وارث رشید قدوائی)

۱۶- اگر کوئی نماز میں شرارت کرتا ہے تو مجھ کو غصہ آتا ہے۔ (محمد اشفاق)

۱۷- جب کوئی ماسٹر کا کہنا نہ مانے تو مجھے غصہ آتا ہے (محمد اسلم)

۱۸- اگر کوئی انصاف کرے اور انصاف میں بے انصافی کرے تو مجھ کو غصہ آتا ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

۱۹- جب ہماری لاری چھوٹ جاتی ہے تو ہمیں غصہ آتا ہے (منظور عبدالرحمٰن)

میرا سفر

چمن لال صاحب جرنلسٹ

سوئز سے روانہ ہو کر ہمارے جہاز نے اٹلی کا رخ کیا یورپ کا ایک مقولہ ہے "مرنے سے پہلے نیپلز ضرور دیکھو" مگر اٹلی میں نیپلز سے کہیں زیادہ خوب صورت شہر ہیں۔ یورپ میں۔ اٹلی، آئرلینڈ، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ اور جنوبی فرانس بہت خوب صورت ملک تسلیم کئے گئے ہیں مگر میں اٹلی کو ان سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ اٹلی کے مقابلے میں کوئی ملک آ سکتا ہے تو وہ صرف سوئٹزرلینڈ ہے۔

یورپ میں اٹلی کو مصوری، مجسمہ سازی، فن عمارت، تہذیب اور شہنشاہیت کی ماں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اٹلی کی پرانی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک ہمیشہ سے آرٹ کا گھر رہا ہے۔ اٹلی کا طرز تعمیر تو اب بھی دنیا میں اوّل نمبر مانا جاتا ہے اٹلی کے لوگ خود بہت خوب صورت اور خوب صورتی کے قدردان ہوتے ہیں۔ اپنی دنیا بھر کی متواتر سیاحت میں جیسی خوب صورت گہری اور کالی آنکھیں میں نے اٹلی میں دیکھیں اور کہیں نہیں دیکھیں۔ اگرچہ امریکن عورت کی آنکھوں کا انداز اور آئرلینڈ کی نیلی آنکھیں بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ غرض اٹلی یورپ کا سب سے پرانا، سب سے مہذب اور تاریخی خزانوں سے مالا مال ملک ہے۔ انھی اسباب کی بنا پر آرٹسٹ، سیاح، مورخ، قدرتی مناظر کے دلدادہ سبھی اٹلی پر فریفتہ ہیں۔ ایک سیاح اٹلی کی خوب صورتی، تاریخی یادگاروں، آرٹ کے خزانوں اور اٹلی کے لوگوں کی مہمان نوازی سے بے انتہا متاثر ہوتا ہے۔ جیسے ان سب چیزوں نے مل جل کر اس پر جادو سا کر دیا ہو۔

اٹلی کا نیلگوں سمندر، اٹلی کی پر فضا وادیاں۔ اٹلی کے خوب صورت برفانی پہاڑ، اٹلی کے انگوروں کے باغیچوں والے گاؤں، اٹلی کی دلکش جھیلیں اور ہندوستان کی طرح اٹلی کا تاروں بھرا آسمان، یہ سب چیزیں اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں قلم میں اُن کے بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ امریکہ کے کروڑپتی تو دنیا کے جھنجھٹوں سے ذرا بھی فرصت پاتے ہیں تو سیدھے اٹلی کی طرف بھاگتے ہیں۔ اٹلی کے قدرتی مناظر سے انھیں ایک خاص روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

غرض اٹلی کا سفر ایک دیر پا اثر سیاح کے دل و دماغ پر چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس کا دل بار بار اس ملک کی سیر کو چاہتا ہے۔ خود میرا یہ حال ہے کہ چار بار اٹلی کی سیر کر آیا پھر بھی ہر سال یہی جی چاہتا ہے کہ جیسے بھی بنے ایک بار اٹلی اور ہو آؤں۔

اس آتشِ شوق کو تیز تر کرنے کا سبب اٹلی کے جہاز بھی ہیں۔ ان جہازوں کو تم محل یا سمندری ہوٹل کہہ سکتے ہو۔ ان جہازوں پر میں نے بارہ سے زیادہ مرتبہ سفر کیا ہے اور کبھی کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ جہاز کے کپتان سے لے کر معمولی لازم تک ہندوستانی مسافروں کے ساتھ بہت عزت اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جو ہندوستانی پہلی دفعہ سفر کرتے ہیں انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ گورے چمڑے والے لوگ بھی غرور اور بد دماغی سے خالی ہوتے ہیں

امریکہ اور جاپان کے جہازوں میں بھی ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ لیکن اٹلی کے جہازوں کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں ہندوستانی سوسائٹی بھی مل جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کھانا بھی ہندوستانی مل سکتا ہے اور بہت عمدہ قسم کا۔

اٹلی کے جہازوں نے ایک جدت یہ کی ہے کہ اپنے یہاں ایک کفایتی دوسرا درجہ SECOND ECO-NOMICCLASS کھولا ہے۔ اس کا کرایہ کم ہے لیکن سہولتیں اور آرام وہی ہے جو دوسرے جہازوں کے دوسرے درجے میں ہے۔

جن پیامیوں کو سفر کے بارے میں یا جہاز کے کرایوں کے متعلق زیادہ تفصیلی معلومات حاصل کرنے یا باتصویر کتابیں مفت منگوانے کا شوق ہو وہ میرے نام کے حوالے سے لائڈ ٹریسٹینو اسٹیم شپ کمپنی بیلارڈ پیر بمبئی LLOYD TRESTINO STEAMSHIPCLO BALLARDPIER, BOMBAY کے پتے پر خط و کتابت کریں۔

اچھا اب میں تمھیں اٹلی کی سیر کراتا ہوں سب سے پہلے روم چلیں۔

یہ عظیم الشان تاریخی شہر اس ملک کی راج دھانی یا دارالسلطنت ہے۔ اس شہر کا نام لیتے ہی یورپ کی تین ہزار برس پہلے کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے رومن بادشاہوں کے کارنامے۔ ان کی آئے دن کی لڑائیوں فتح و شکست اور ان کی تہذیب کی ترقی کے کارنامے آج بھی کھنڈروں میں محفوظ ہیں

روم کی تہذیب کوئی پچیس سو برس پرانی ہے۔ آج بھی روم کے گرد واگرد کم سے کم ایک ہزار شہر ہیں جن کے شاندار کھنڈر۔ آرٹ کے قیمتی خزانے محل، گرجے۔ اور قلعے پچھلی تہذیب اور پچھلی روایتوں کا زبانِ حال سے افسانہ سنا رہے ہیں۔

کسی زمانے میں رومن سلطنت چکرورتی راج کہلاتی تھی اور روم کو دنیا کی راج دھانی کہتے تھے۔ رومن سلطنت

ختم ہونے کے بعد بھی روم یورپ والوں کا مذہبی دارالخلافہ با پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب نے لے لی اور روم پوپ یا پاپائے مسیحی کی راج دھانی بن گیا۔ اب تک کروڑوں عیسائی روم کو اپنا کعبہ سمجھتے ہیں اور ہر سال لاکھوں عیسائی پوپ کی زیارت کو جاتے ہیں۔

روم کی خوب صورتی کا کیا پوچھنا میرے خیال میں اور میرے ہی نہیں بہت سے سیاحوں کے خیال میں روم اپنی خوب صورتی میں لندن سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ قدم قدم پر شاندار گرجے، دلفریب فوارے، خوب صورت محل اور اگر محلوں، فواروں اور گرجوں کا شہر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا

روم میں میں نے جن جن جگہوں کو زیادہ توجہ اور دلچسپی سے دیکھا وہ یہ ہیں۔ روم کا پرانا شہر، یونیورسٹی کا شہر، شہنشاہ وکٹر ایمانوئیل کا مانومنٹ

MONUMENT OF
VICTOR EMMANUEL

سولینی فورم (FORUM) کھیل کود کا PLAZZOVENIZIE وغیرہ وغیرہ یہ ایسے مقامات ہیں جنھیں ہر سیاح کو دیکھنا چاہئے ان کے علاوہ پرانے کھنڈروں کے عجائب گھر مشرقی ملکوں کے عجائب گھر۔ فاسسٹ پارٹی کا صدر دفتر دیکھ کر میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔

شاہ امان اللہ کے سالے سردار طرزی جنھوں نے مجھے روم کی سیر کرائی خود بھی بہت سیلانی آدمی ہیں ان کی وجہ سے سیر میں بہت لطف رہا[1]

پوپ کا شہر جسے VATICANCITY کہتے ہیں دنیا کا نرالا شہر ہے، بڑے بڑے پرانے محل، آسمان سے باتیں کرنے والے گرجاؤں کے مینار، مذہبی زائروں یا یاتریوں کی مسلسل قطاریں، مذہبی رسوم کے سامان کی دکانیں، مذہبی تصویریں بیچنے والے لڑکے پادریوں اور ننوں کے گروہ کے گروہ۔ غرض عجیب نظارہ ہوتا ہے اس کا حال آئندہ ایک مستقل مضمون کی صورت میں لکھا جائے گا۔ اس وقت اور شہروں کا حال سنو۔

نیپلز اٹلی کا سب سے پرانا شہر نیپلز ہے۔ اٹلی والے اسے ناپولی کہتے ہیں۔ اس کا سب سے پرانا نام پارتھنوپ PARTHENOPE تھا۔ آج سے کوئی چھبیس سو سال پہلے اس کی بنیاد پڑی تھی

آج کا نیپلز نئی اور پرانی تہذیب کی کھچڑی ہے۔ نیپلز کی آبنائے (کھاڑی) کا نظارہ جہاز سے بہت ہی دلفریب معلوم ہوتا ہے۔

نیپلز کا شہر ہلال  کی شکل میں سمندر کے کنارے پھیلا ہوا ہے اس کی پشت پر بلند اور سرسبز پہاڑیاں ہیں انھی میں دنیا کا مشہور آتش فشاں

[1] اس زمانے میں شاہ امان اللہ خاں سے بھی کئی بار ملاقات کا موقع ملا ان ملاقاتوں اور ہندوستان، مہاتما گاندھی مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خاں سے ان کی محبت، اور ان کا ہندوستان کے نام فارسی میں پیغام۔ اگلے مضمون میں پیش کروں گا۔ ان کی سب سے چھوٹی بچی شہزادی ہندیہ کی کہانی بھی لکھی جائے گی یہ شہزادی بمبئی میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا نام شہزادی ہندیہ

پہاڑ ویسو ویس (MOUNT VASUVEUS) اب بھی اپنی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔ ویسو ویس کے قریب ہی اٹلی کی پرانی راج دھانی پومپائی (POMPEI) کے کھنڈر ہیں انھیں ہر سال لاکھوں سیاح دیکھنے جاتے ہیں۔

نیپلز میں پرانے محل، قلعے اور گرجے بہت ہیں نیرو (NERO) کے تھیٹر کے کھنڈر بھی یہاں موجود ہیں اور پرانے یونانی اور رومن طرز تعمیر کی یاد دلاتے ہیں۔

نیپلز کے پرانے اور تنگ گلی کوچے اور پرانے مندروں کے کھنڈر اس زمانے کی یاد دلاتے ہیں جب وہاں سورج کی پوجا ہوتی تھی۔ اگنی (آگ) وغیرہ کی دیوتاؤں کی مورتیں ان مندروں میں سے ملی ہیں اور نیپلز کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔ اس وقت تمام یورپ میں بت پرستی کا زور تھا۔ کیتھولک گرجاؤں میں تو بت پرستی دوسری شکلوں میں اب تک رائج ہے۔ دوسرے فرقوں کے گرجوں میں البتہ اس کی اجازت نہیں۔

مسولینی کے عہد میں نیپلز کی خوب صورتی میں بہت اضافہ ہوگیا ہے جن لوگوں نے پانچ سال پہلے نیپلز کو دیکھا تھا وہ آج کے نیپلز کو پہچان بھی نہیں سکتے۔ ہزاروں نئی عمارتیں، نئی سڑکیں اور نئے بازار بن گئے ہیں۔ یہ تعمیری کام اس وقت ہوا تھا جب ہر ہٹلر نیپلز کی سیر کرنے آیا تھا اور اس نے نیپلز کی بندرگاہ میں اٹلی کی بحری طاقت کی نمائش دیکھی تھی۔ ان دنوں اٹلی ہی میں تھا۔

نیپلز کے پاس بہت سے قابل دید مقامات ہیں جہاں سیاح ہزاروں کی تعداد میں روزانہ جاتے ہیں۔ یہاں سے قریب کیپری (CAPRI) ایک جزیرہ ہے کوئی ایک گھنٹے کا سفر ہوگا چھوٹے جہاز میں سفر کیا جاتا ہے۔ یہ جزیرہ بہت خوب صورت ہے اور یہاں غاروں کے اندر کشتی میں جانے کا جو مزا مجھے آیا ہے وہ کبھی نہ بھولوں گا۔ ان غاروں کی چھتیں مشکل سے تین فٹ اونچی ہیں۔ میں نے ایک بار غار کے اندر نیلگوں پانی کو چھونے کی کوشش کی پھر بے خیالی میں سر جو ذرا اونچا کیا تو غار کی چھت سے جا ٹکرایا اچھی خاصی چوٹ لگی۔ یہ غار بہت خوب صورت اور خوب ٹھنڈے ہیں باہر سمندر میں کافی گرمی تھی اور تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ اس لئے یہی دل چاہتا تھا کہ غار کے اندر کشتی میں بیٹھے رہیں۔ میرے کئی ساتھی ڈر کے مارے غار کے اندر نہ گئے مگر ہم نے واپس آکر وہاں کی کیفیت بیان کی تو وہ بہت پچھتائے۔

ہم نے اس جزیرے میں ہندوستانی پلاؤ دیکھو لئے اور کئی ہندوستانی کھانے کھائے۔ یہاں کی شراب اور انگور بہت مشہور ہیں مگر میں صرف انگوروں کے بارے میں گواہی دے سکتا ہوں۔

نہروں کا شہر:۔ وینس کو اٹلی کا دروازہ یا نہروں کا شہر کہنا چاہئے پورا شہر نہروں کے کنارے آباد ہے۔ اکثر سڑکیں اور بازار نہروں کی صورت میں ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کے لئے کشتی میں جانا پڑتا ہے سری نگر تم نے دیکھا ہے؟ کچھ کچھ وہاں بھی یہی صورت ہے۔ یہ شہر اتنا پرانا ہے کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کب آباد ہوا اور



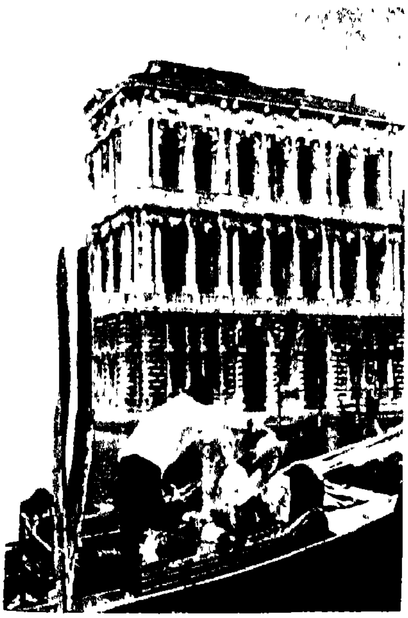
مہلان کی ایک خوبصورت جھیل



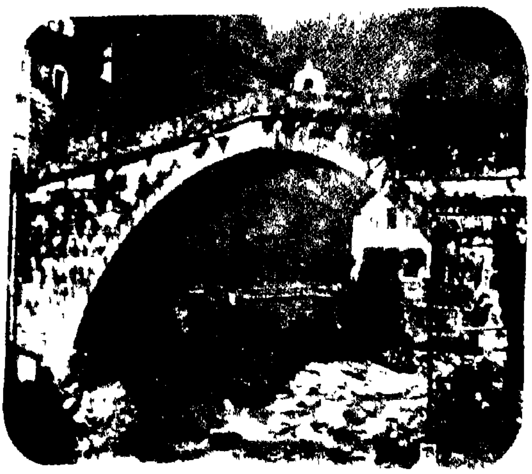
فلورنس

اٹلی کے مشہور آرٹسٹ مائیکل

اینجلو کا بنایا ہوا ایک مجسمہ



وینس کی آبی گاڑی



ایک پرانا رومن پل

[illegible] نے اس کی بنیاد ڈالی

اس شہر کی تاریخی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ پہلے یہ ایک آزاد جمہوریت کا دارالسلطنت تھا اور دولت مند شہروں میں گنا جاتا تھا یورپ کے امیر اور دولت مند لوگ اکثر [illegible]زیوں اور لوٹ مار سے تنگ آکر یہیں پناہ لیتے تھے [illegible]س زمانے میں لوگ اسے بہت ہی محفوظ شہر سمجھتے تھے [illegible]سولھویں صدی میں خاص طور پر اس کا ستارا عروج پر تھا [illegible]س صدی میں یہاں بڑے بڑے آرٹسٹ، مصور، علم موسیقی کے ماہر انجینیر اور عالم پیدا ہوئے۔

وینس کی حکومت کو اکثر آس پاس کی حکومتوں خصوصاً ایشیائی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا پڑا اسی لئے یہاں ایشیائی تہذیب کا کافی اثر پڑا۔ اب تک یہاں بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جن کی شکل و صورت ہندوستانیوں سے ملتی جلتی ہے۔

سترھویں صدی عیسوی میں یہاں کی حکومت کو خاص طور پر مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اسپین نے اس پر پے در پے حملے شروع کر دئے اس سے پہلے ترکوں نے [illegible] CRETE کی لڑائی میں اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔ وینس [illegible] نے تیس سال تک بہادری سے اسپین کا [illegible] ایک ہزار سال تک شان دار طریقے پر زندہ [illegible] ۱۲ مئی ۱۷۹۷ء میں [illegible] جمہوری [illegible]

[illegible] خوب صورت اور شاندار شہر [illegible] ہے۔ یہاں کے بازار خصوصاً تنگ بازار بہت دلکش ہیں۔ یہاں کی سب سے زیادہ بارونق جگہ لڈو (LIDO) کا جزیرہ ہے۔ یہاں تیرنے کے لئے امریکہ اور یورپ بھر کے سیاح آتے ہیں۔ وینس کے چوک میں تو ہندوستان چین جاپان امریکہ سب جگہ کے سیاح نظر آجاتے ہیں۔

وینس میں شیشے کی صنعت بہت پرانی ہے۔ بڑے بڑے قیمتی اور رنگ برنگے فانوس ہاتھوں سے تیار ہوتے ہیں میں نے یہاں سب سے پرانا کارخانہ اور ایک ہزار سال کے پرانے فانوس بھی دیکھے۔

وینس کے لوگ یورپ کے باقی لوگوں سے بہت زیادہ خوش خلق اور ملنسار ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کی ایسی خوبی ہے اور ایسا امتیاز ہے جو زمانہ قدیم سے قائم ہے۔

وینس اٹلی کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اصل میں اٹلی کی اہم بندرگاہیں صرف دو ہیں۔ وینس اور جنیوا۔ وینس میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر ہندوستانی جہاز اپنا سفر یہیں ختم کرتے ہیں جب سیاح اور مسافر جہاز سے اترتے ہی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں روانہ ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کی آپس میں دوڑ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

جنیوا بھی بہت خوب صورت شہر ہے۔ یہاں سے انگلستان کے لئے سیدھی گاڑی ملتی ہے جو فرانس کے پر منظر پہاڑوں [illegible] گزرتی ہوئی چوبیس گھنٹوں میں لندن پہنچا دیتی ہے۔

میلان MILAN [illegible] شہر اٹلی کا بہت اہم اور مشہور [illegible]

سے یہ روم سے دوسرے درجے پر ہے۔
اس شہر کو آباد ہوئے کوئی بائیس سو سال گزر چکے ہیں ایک زمانے میں یہ نپولین کی سلطنت کا حصہ تھا۔ کچھ عرصہ تک آسٹریا کی سلطنت میں شامل رہا دو سال تک اسپین کی حکومت اس پر قابض رہی آخر ۱۸۵۹ء میں یہ اٹلی کی حکومت کے ہاتھ میں آگیا۔

یہاں دنیا کا بہت بڑا گرجا ہے۔ اسے بنانے میں پانچ سو سال لگے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی ہے دنیا میں سنگ مرمر کی کوئی عمارت اس سے بڑی نہیں۔ سینٹ پیٹر (روم کا گرجا) اس سے بڑا ہے مگر وہ سنگ مرمر کا نہیں۔ اس کے ہال میں ۴۰ ہزار آدمی عبادت کر سکتے ہیں۔ گرجے میں ۲۲۰۰ مجسمے ہیں اور ہر ایک کسی مشہور آرٹسٹ کی مہارت فن کی یادگار ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی آرٹ گیلری بھی یہیں ہے یہ ایمونیل، روم کی گیلری کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی عجائب گھر ہیں جہاں بڑے بڑے مصوروں کی تصویروں سے کمرے کے کمرے آراستہ ہیں ماڈرن آرٹ گیلری بھی دیکھنے کے قابل جگہ ہے۔

یہاں ایک عجیب چیز ادرے یہ موسیقی کے ماہروں کے لئے جو بوڑھے ہو چکے ہیں ایک آرام خانہ ہے۔ خود سرکار ان بوڑھے لوگوں کی خبرگیری کرتی ہے۔ یہ چیز کسی اور ملک میں نہیں ہے۔ یہاں کا اسٹیشن بھی یورپ میں سب سے بڑا اور بالکل نئی وضع کا ہے۔ یہاں کا قبرستان بھی دیکھنے کی چیز ہے۔

میلان کے آس پاس بہت خوب صورت جھیلیں ہیں۔ یہ پہاڑوں میں واقع ہیں یہاں انسان دنیا کی تمام الجھنوں اور پریشانیوں کو بھول کر قدرت کی نیرنگیوں میں کھو جاتا ہے اور ایک عجیب خوشی اور روحانی سکون محسوس کرتا ہے۔

ہمارے ملک خصوصاً کشمیر جنت نظیر میں ایسی جھیلیں افراط سے ہیں مگر ہم ان قدرتی مناظر کو بھی اپنی گندی عادتوں کی وجہ سے بدنما بنا دیتے ہیں شکر ہے کہ اب حالات بدل رہے ہیں اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہم میں قدرتی مناظر کی اہمیت کا احساس بھی پیدا ہو رہا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ ہندوستان کا کونا کونا خوب صورتی اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہوگا۔

سائکل کی چوری

(احمد حسن لکھنوی)

نیچے کا مضمون پیام برادری کی شاخ لکھنؤ کے قلمی رسالے "جاگو" سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ بہت سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اس میں اور بھی کئی اچھے اچھے مضمون ہیں (ایڈیٹر)

برسات کا موسم اور شام کا وقت تھا۔ بارش دوپہر ہی کو بند ہوگئی تھی۔ آسمان پر بادل تھے اور ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی۔ ایسے میں ہمیں سیر کی کیوں نہ سوجھتی ایسے خوشگوار دن تو پڑھنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اچھا کیا جی ہی نہیں لگتا۔

ہم کچھ اس قدر کاہل ہوگئے ہیں۔ خاص کر پیدل چلنے کے بارے میں کہ بغیر سائکل کے چلا ہی نہیں جاتا ٹہلنے بھی جاتے ہیں تو سائکل کی پیٹھ پر۔

خیر صاحب ان باتوں سے آپ کو کیا مطلب۔ قصہ مختصر یہ کہ تیسرے پہر کو ہم گھومنے نکلے۔ پہلے تو بنارسی باغ میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ پھر اپنی سائکل کا رخ بند کی طرف کر دیا۔ خیال تھا کہ آج وہاں کا منظر بہت ہی اچھا ہوگا۔ کچی اور پکی سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہم بند پر پہنچ گئے۔ گومتی خوب زور شور سے بہ رہی تھی۔ بند برسات کی وجہ سے کھلا ہوا تھا۔ پانی یہاں کچھ رک کر پھر بڑی زور سے بہ رہا تھا۔ دریا تک پہنچنے کے لئے ہمیں سڑک سے اتر کر نیچے کی طرف جانا تھا۔ ہم نے اپنی سائکل لاپروائی سے بجلی کے کھمبے سے ٹکا دی اور بند کی سیڑھیوں تک پہنچ گئے۔

ہم تھوڑی دیر تک تو دریا کے پانی سے کھیلتے رہے پھر گھونگھے اور سیپیاں پکڑنے لگے اچھی خاصی سیپیاں جمع ہوگئیں۔ اب شام ہو چلی تھی۔ سورج ڈوب رہا تھا ہم نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ سڑک تک آئے بجلی کے کھمبے کی طرف دیکھا۔ ارے! سائکل غائب تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب کیا ہوگا! میری عجیب کیفیت ہوگئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حلق خشک ہونے لگا۔ آواز بڑی مشکل سے نکلی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ سائکل کسی صاحب کو پسند آگئی۔ بھائی صاحب ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے کہیں سائکل چھوڑا کرو تو تالا ضرور ڈال دیا کرو۔ اس وقت مجھے ان کی نصیحت بری طرح یاد آرہی تھی۔ اگر میں ان کے کہنے پر عمل کرتا تو آج یہ مصیبت کیوں آتی۔

اب اندھیرا ہو چلا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ گھر

کی طرف قدم اٹھایا پاؤں بھاری بھاری معلوم ہو رہے تھے۔ مگر گھر تو پہنچنا ہی تھا۔ تھوڑی دیر پہلے یہ منظر کیسا اچھا لگ رہا تھا۔ اور اب ـــ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ درخت وغیرہ سب میرے ساتھ افسردہ ہیں اور میرے غم میں شریک ہیں۔

مجھے سائکل سے زیادہ بھائی کی نصیحت نہ ماننے کا افسوس ہو رہا تھا۔ اور ...... اور دو میل روزانہ پیدل چلنے۔ اسکول جانے اور اسکول سے آنے کا۔

میں کافی دیر میں گھر پہنچا۔ چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔ لاکھ چاہا کہ چہرہ سنجیدہ اور ہنس مکھ بناؤں مگر جب بھائی صاحب نے پوچھا کہ "سائکل کہاں ہے" تو بے اختیار آنسو بہنے لگے اور رونا آگیا۔ بھائی صاحب نے کہا "وہ تو ہم جانتے ہی تھے کہ آپ کی لاپروائی ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔ چلو جا کر منھ دھوؤ۔ اب افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں"۔ مجھے اس بات پر کچھ تعجب سا ہوا کہ بھائی صاحب کو سائکل کی چوری کا حال کیسے معلوم؟ اتنے میں ہمارے ایک اور بھائی کمرے سے نکلے کچھ مسکراتے ہوئے۔

بعد میں معلوم ہوا بھائی صاحب سائکل لے آئے تھے کافی سزا ملی!

اب میں ہمیشہ اپنی سائکل میں تالا ڈال دیتا ہوں۔

(جاگو)

اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول میگزین

یہ رسالہ اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول کے بچوں کی طرف سے اردو اور انگریزی میں نکلتا ہے اردو حصے کے نگراں جناب مولوی ابراہیم عمادی صاحب۔ اور نائب ایڈیٹر عبدالرحیم احمد ہیں۔ انگریزی حصے کے نگراں اے ال علوی بی اے بی ٹی ہیں اور نائب ایڈیٹر وزیر محمد متعلم جماعت ہفتم ہیں۔ مضامین زیادہ تر لڑکوں کے ہیں اور ماشاء اللہ خوب ہیں۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بمبئی کے بچے اتنی اچھی اردو لکھ لیتے ہیں۔ دونوں حصوں کی لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی بہت اچھا ہے بچوں کی مختلف دلچسپیوں کی اچھی اچھی تصویریں بھی ہیں غرض مجموعی حیثیت سے رسالہ بہت کامیاب ہے۔ ایک خاص جدت یہ ہے کہ بعض ضرب المثلوں اور محاوروں کی قصے کے انداز میں تشریح کر دی گئی ہے۔

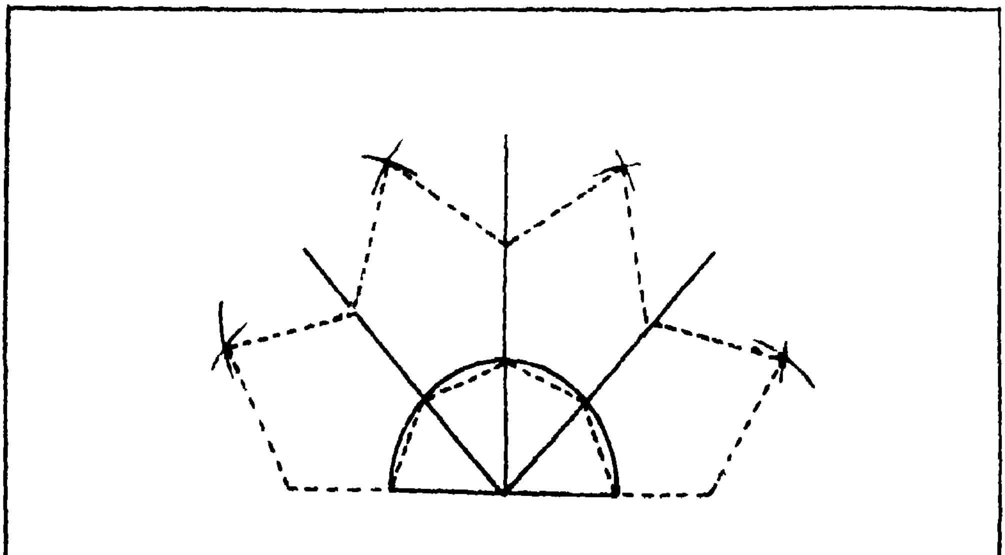
ہم اس کامیابی پر مولانا ابراہیم عمادی صاحب۔ اے ال علوی بی اے بی ٹی اور رسالے کے دوسرے کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کریں گے کہ رسالے میں شروع سے آخر تک بچوں ہی کی دلچسپی کی چیزیں ہونی چاہئیں۔ شذرات ہیں اس رسالے کے لئے موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ علاوہ اس کے بچوں کو زیادہ تر اچھے اچھے عنوانوں پر نظمیں لکھنے کی ترغیب دینا چاہئے۔ ابھی سے غزلیں لکھنا ان کے لئے مناسب نہیں ہے

گتے کا کام

سید عروج الحسن صاحب

اب تک جن چیزوں کے بنانے کا طریقہ ہم تمھیں بتا چکے ہیں وہ سب ایسی ہیں جو زیادہ تر لکھنے پڑھنے کے کام میں آتی ہیں۔ اس مرتبہ ایک ایسی چیز بنانا بتاتے ہیں جسے تم بڑے شوق سے بناؤگے اور بنانے کے بعد کام میں بھی لے آؤگے۔

جہاں تک عملی کام کا تعلق ہے وہاں تک تو تمھیں خوب مشق ہوگئی ہوگی۔ اب کے نمونے میں تھوڑی سی

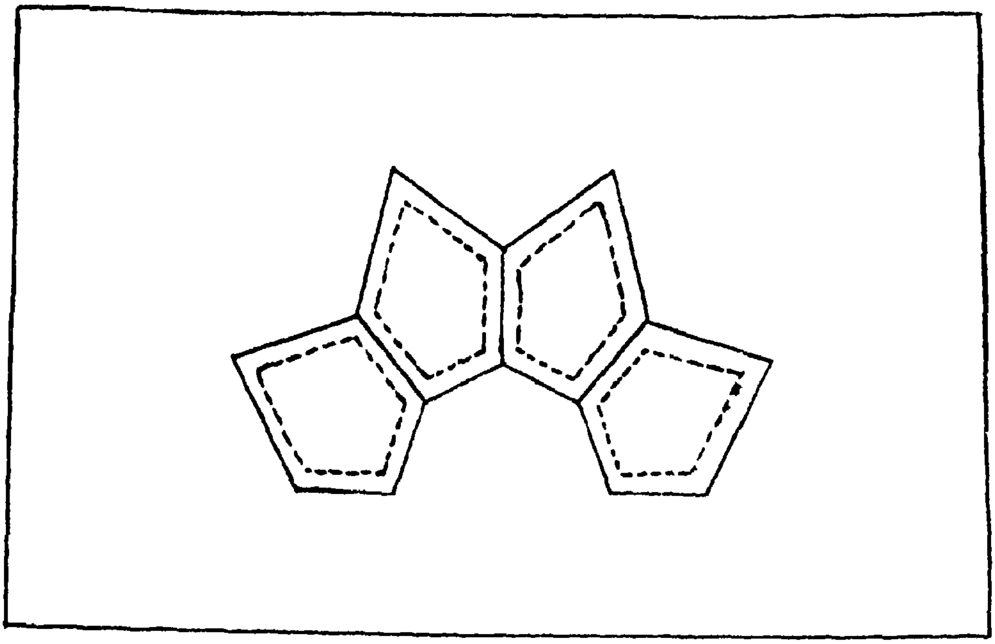


جامیٹری بھی جاننے کی ضرورت ہے اول تو تم جانتے ہی ہوگے ورنہ اس نمونے کے بنانے میں جان جاؤگے آج کل نئی تعلیم کا بھی یہی مقصد ہے کہ حرفے کو صرف شوقیہ ہی نہ کیا جائے بلکہ اس سے تعلیمی فائدہ بھی ضرور حاصل ہو۔

اب تم اس انتظار میں ہوگے کہ جلدی سے اس کا نام اور بنانے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ اچھا پہلے

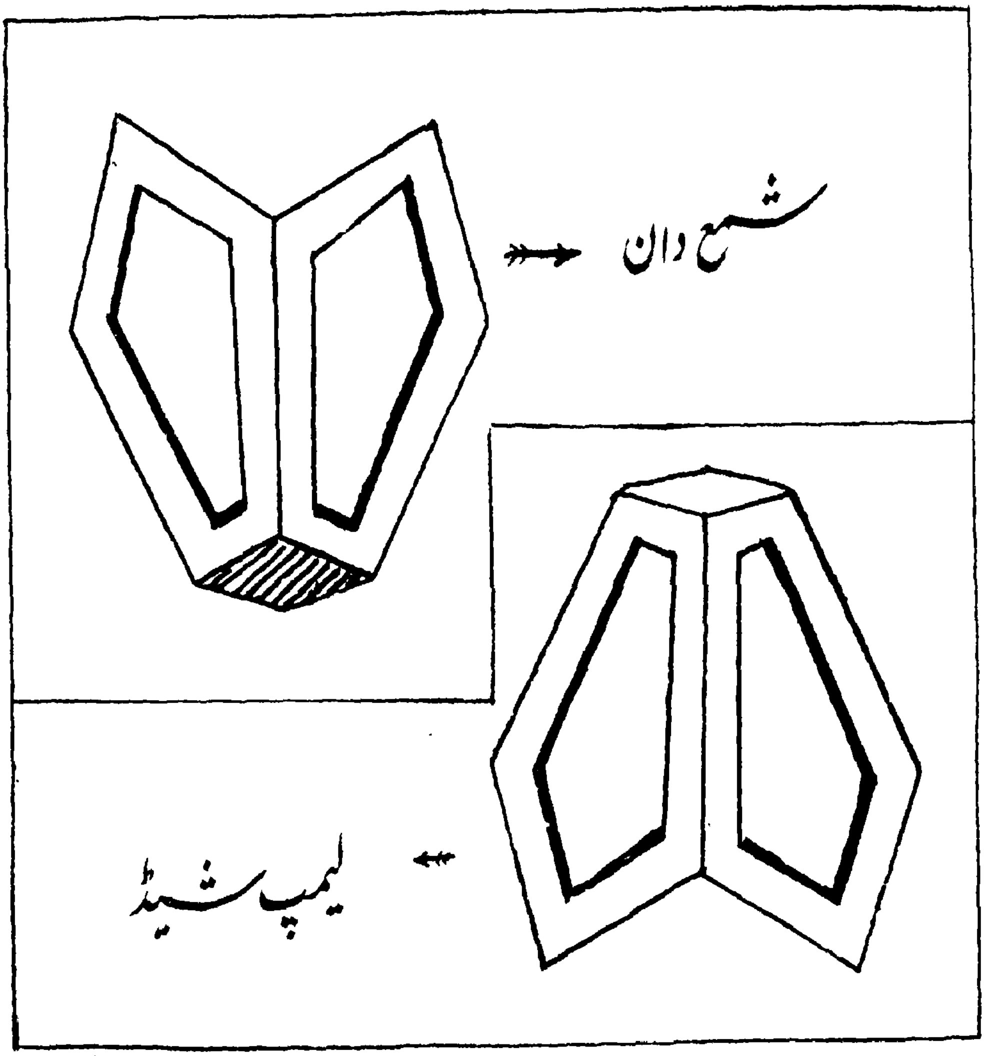
نام سن لو۔ ہم تو اسے لیمپ شیڈ بھی کہتے ہیں اور قندیل بھی لیکن یہ ضرور ہے کہ دونوں نام استعمال کی مناسبت سے ہیں۔

بنانے میں تمھیں یہ کرنا ہے کہ ایک گتا لو اور اس پر ایک لکیر بنا لو۔ پھر اس پر ایک مرکز مقرر کرکے ایک نصف دائرہ بنا لو۔ اور پھر اسے چار حصوں میں تقسیم کر لو۔ یہ نصف دائرہ زیادہ بڑا نہ ہو۔ ہر حصہ ۱½ انچ کے قریب لمبا ہو۔ مرکز تک ان حصوں کو لکیروں کے ذریعے ملا دو۔ اور ان لکیروں کو بڑھا کر سب کو برابر بنا لو ان لکیروں کے آخری سروں کو مرکز مان کر نشان لگا لو اور ان نشانات کو لکیروں کے سروں سے ملا دو۔



اس کے بعد جہاں ایسے نشانات (..............) ہیں وہاں سے گتا کاٹ دو۔ (شکل نمبر ۱) اب چاروں حصوں میں تھوڑا تھوڑا حاشیہ چھوڑ کر درمیاں سے گتا نکال لو۔ (شکل نمبر ۲) اور ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ پر ہاف کٹ (HALF CUT) کر لو۔ یعنی آدھا گتا کاٹ دو یا گہرا نشان لگا دو۔ اور جہاں جہاں ہاف کٹ کئے ہیں وہاں سے گتا موڑ دو۔ اور دونوں الگ سروں کو کپڑے کی پٹی سے آپس میں ملا دو۔ (شکل نمبر ۳) اسی طرح تین پٹیاں باقی تینوں حصوں پر لگا دو۔ اب گتے پر رنگین کاغذ کی پٹیاں لگا دو اور جو رنگ تم پسند کرو اسی رنگ کا کاغذ اندر کی طرف الگ الگ حصے میں لگا دو۔ لیمپ شیڈ تیار ہے۔ اگر نیچے کا سوراخ گتے سے بند کر دیں اور اوپری سروں پر تاگا باندھ دیں تو

اس سے قندیل کا کام لے سکتے ہیں۔ (شکل نمبر ۴)



نئے نئے کھیل

اِدھر آؤ

جناب الطاف علی صاحب استاد ورزش جسمانی جامعہ نگر

تعداد:-

۱۰ سے ۴۰ تک

جگہ:-

کھیل کا میدان

سب کھلاڑی ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں ان میں سے ایک چھوتی چن لیا جائے وہ ان سے ۱۵ گز کے فاصلے پر ان کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو جائے۔ کھیل شروع ہونے پر وہ کھلاڑیوں کو زور سے "ادھر آؤ" کہہ کر پکارے یہ سن کر تمام کھلاڑی سامنے کی طرف مقرر کردہ حد کی جانب دوڑیں۔ اس دوران میں وہ انھیں چھونے کی کوشش کرے جتنے کھلاڑی چھو جائیں وہ اس کے ساتھ شامل ہو کر اس کی مدد کریں۔ کھیل جاری رہے یہاں تک کہ تمام کھلاڑی چھو جائیں۔

احتیاط:-

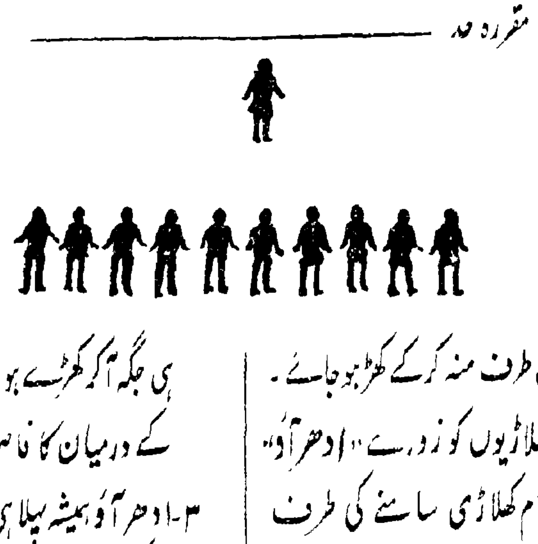
۱۔ مقررہ حد کھلاڑیوں سے ۲۵ گز کے فاصلہ پر ہو۔

۲۔ جتنی مرتبہ کھیل شروع کیا جائے کھلاڑی ہمیشہ پہلی ہی جگہ آ کر کھڑے ہوں اور ان کے اور چھوتی کے درمیان کا فاصلہ ہمیشہ برابر رہے۔

۳۔ ادھر آؤ ہمیشہ پہلا ہی چھوتی پکارے گا

۴۔ نیا کھیل نئے چھوتی سے شروع ہوگا۔

(دیکھو شکل)



دلچسپ معلومات

دنیا کا سب سے بڑا درخت شمالی امریکہ کے سکویا پارک میں ہے یہ درخت ۲۷۰ فیٹ بلند ہے اور اس کا تنا ۸۰ فیٹ موٹا ہے اس کی لکڑی سے ۳۰ ارب دیا سلائیاں بن سکتی ہیں اور ۴۰ مکان، اس کی لکڑی کو لے جانے کے لئے ریل کے ۳۰ ڈبوں کی ضرورت ہو گی۔

ہندوستان میں سب سے پہلے کلکتے میں ایک سنیما ہاؤس سنہ ۱۹۰۷ء میں تیار ہوا۔

انگلستان میں پختہ سڑکوں کی مجموعی لمبائی ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل ہے۔ ان سڑکوں پر مختلف قسم کی ۳۰ لاکھ پہیے والی گاڑیاں چلتی ہیں پچھلے سال چونتیس ہزار نئی کاروں ۸۵ ہزار تجارتی کار و بار کرنے والی گاڑیوں اور نو ہزار دو سو بسوں کا اضافہ ہوا۔

لندن کے ایک نجومی نے اعلان کیا ہے کہ ۱,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ سے زیادہ ستارے ہیں۔

برسٹل (لندن) میں ایک مدرسہ کھولا گیا ہے جس میں مردوں کو بچوں کی پرورش اور کھانا کھلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں عورتیں لکچرار مقرر کی گئی ہیں لکچروں میں بچوں کی حفاظت اور رکھ رکھاؤ کے طریقے بتائے جاتے ہیں ان کی صحت اور پوشاک کے متعلق مفید ہدایات دی جاتی ہیں اور بتا یا جاتا ہے کہ گھر کا انتظام کس طرح کیا جا سکتا ہے بچوں کے شور و غل کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔

فرانس کے ایک سائنس دان نے ایک چھوٹی سی پنسل ایجاد کی ہے اس کے اندر بجائے سیسہ کے نہایت خطرناک گیس بھری ہوئی ہے۔ اس کے سرے پر چھوٹا سا خوب صورت بٹن لگا ہے اس کو دباتے ہی گیس ایک ساتھ نکلتی ہے اور دشمن کو بے ہوش کر دیتی ہے۔

اس بات کو حال ہی میں ڈاکٹر ہیرو نے تجربہ کر کے معلوم کیا ہے کہ پانی میں ہزارواں حصہ سونا ہے سب سمندروں میں ملا کر کے اتنا سونا ہے کہ اگر دنیا کے سب مرد، عورتوں اور بچوں کو تقسیم کیا جائے تو فی شخص کو سات سو اونس یا یوں سمجھئے کہ تقریباً نو سو روپیہ کا مال مل جائے گا۔ کیونکہ تمام سمندروں میں ملا کر ایک ارب چالیس کروڑ اونس سونا موجود ہے۔

خط کتابت

میرے پاس حیدرآباد۔ جرمنی۔ فرانس۔ بلجیم۔ امریکہ۔ اٹلی۔ ارجنٹائن۔ جاپان۔ انگلستان ہنگری۔ رومانیہ۔ کناڈا۔ اسٹریا۔ ڈنمارک۔ پرتگال۔ سیلون۔ مصر۔ الجیریا۔ برازیل۔ عدن۔ اسپین۔ سوئٹزرلینڈ۔ سوئیڈن۔ آسٹریلیا۔ برما وغیرہ کے ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں ہندوستانی تمام دیسی ریاستوں کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ دیسی ریاستوں کے پیامی براہِ راست خط کتابت کریں۔ پتہ:۔ محمد اسمٰعیل معرفت محمد غوث صاحب اسٹور کیپر سنگاریٹی کالریس (دکن)

مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے جو اصحاب مبادلہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ میں ذیل کے ٹکٹ دے سکتا ہوں۔

(۱) حیدرآباد (۲) بھوپال (۳) کوچین (۴) ٹراونکور (۵) جے پور (۶) لجدین (۷) جاوا (۸) ساترا (۹) افغانستان (۱۰) جوہر (۱۱) کلنستان بڑے (۱۲) اسٹریلیا جبلی (۱۳) ہنگری (۱۴) زیکو سلوکیا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے غیر ممالک کی سلور جبلی ورکورونیشن، البانیا اور ہندوستان کی جبلی کے ۸ ر اور ۳ ر والے ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔

پتہ:۔ حسن احمد قنوجی۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔

مجھے پکچر پوسٹ کارڈ اور دیسی ریاستوں نیز غیر ممالک کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے ان کے عوض نیسلس اور کاڈبری کی چوکولیٹ کی تصویریں دے سکتا ہوں۔ جو پیامی مجھ سے مبادلہ کرنا چاہیں وہ پتہ ذیل پر خط لکھیں۔

ابرار الرحمٰن قدوائی متعلم درجہ نہم (اے)
گورنمنٹ ہائی اسکول۔ بارہ بنکی (یو۔ پی)

میرے پاس دوسرے ملکوں کے ٹکٹ کافی تعداد میں موجود ہیں اگر کوئی پیامی بھائی یا بہن دیسی ریاستوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہیں تو میں تیار ہوں۔ غیر ممالک کے ٹکٹوں میں میرے پاس زیادہ تر انگلینڈ کے ہیں۔ نزہت کرانیہ معرفت چودھری محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایوں۔

میرے پاس اٹلی کے یادگاری۔ امریکہ کے یادگاری کوسٹاریکا گنتالی۔ ترکی۔ البانیہ۔ مصر۔ رومانیا۔ چکوسلاویا (۱۹۱۹) ایران۔ ہنگری سینٹ اسٹی فن سن کے جاپان کے ایرمیل کے اور دوسرے ملکوں کے ہزاروں ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں مجھے کارونیشن، سلور جوبلی، اور یادگاری ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ پیامی بھائی اس پتے پر خط کتابت کریں:۔
آغا رفیق احمد خاں کٹرہ عباسیہ، پہاڑ گنج۔ نئی دہلی۔

پیامِ برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست

اس عرصے میں میرے پاس بہت سے بچوں اور بچیوں کے خط آئے اُن میں انھوں نے امتحان میں مشغولیت کا حال لکھا تھا۔ اب تقریباً سبھی بچے امتحان دے چکے ہوں گے اور جس وقت یہ رسالہ اُن کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت بہتوں کا تو نتیجہ بھی نکل چکا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ سب پیامیوں کو شاندار کامیابی نصیب ہو۔ آمین

پانچویں معمّے کے حل دیکھ لیے گئے ہیں۔ ان میں صرف دو لڑکوں ؛۔ سید محمد عمر دربھنگہ اور بشیر یوسف، نواب گنج (گونڈہ) کے حل بالکل صحیح ہیں۔ انھیں تین تین روپے کی کتابیں بھیج دی گئیں ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی تھی:۔

ایس، ایم جبرل جبل پور۔ امتزاج حسین، میرٹھ۔ قدیر النسا، ملک پیٹھ۔ انور شمیم سری نگر۔ سید علی احمد ٹکی پور۔ میر حمایت علی خاں حیدر آباد دکن۔ عبدالغفار خاں لکھنؤ۔ ام، اس آرا شاہ جہاں پور۔ محمد ہاشم تھانوان۔ جمال عبدالواجد بریلی۔ سید احمد عثمانی، حیدر آباد دکن۔ محمد ایوب، کان پور۔ افتخار احمد قریشی پٹنہ۔ وجاہت حسین صدیقی، نگینہ۔ خریدار نمبر ۲۶۹۔ بہار شریف۔ محمد سلیمان مشہود جامعہ۔ خریدار ۲۳۵۹ گونڈا۔ ہربھجن سنگھ، بچھڑی۔

ایک غلطی کرنے والے بچوں کو بھی کتابیں بھیج دی گئیں۔ آیندہ جن بچوں کے حل صحیح ہوں گے ان کی تصویریں پیامِ تعلیم میں شائع ہوں گی۔

معمّا نمبر ۶ کا حل اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے۔ عزیزی محمد نور کھٹکھٹے بمبئی نے پیام برادری کے سلسلے میں مفید تجویزیں بھیجی ہیں۔ میں انھیں اختصار کے ساتھ یہاں لکھتی ہوں" ہر سال شروع یا آخر میں پیام برادری

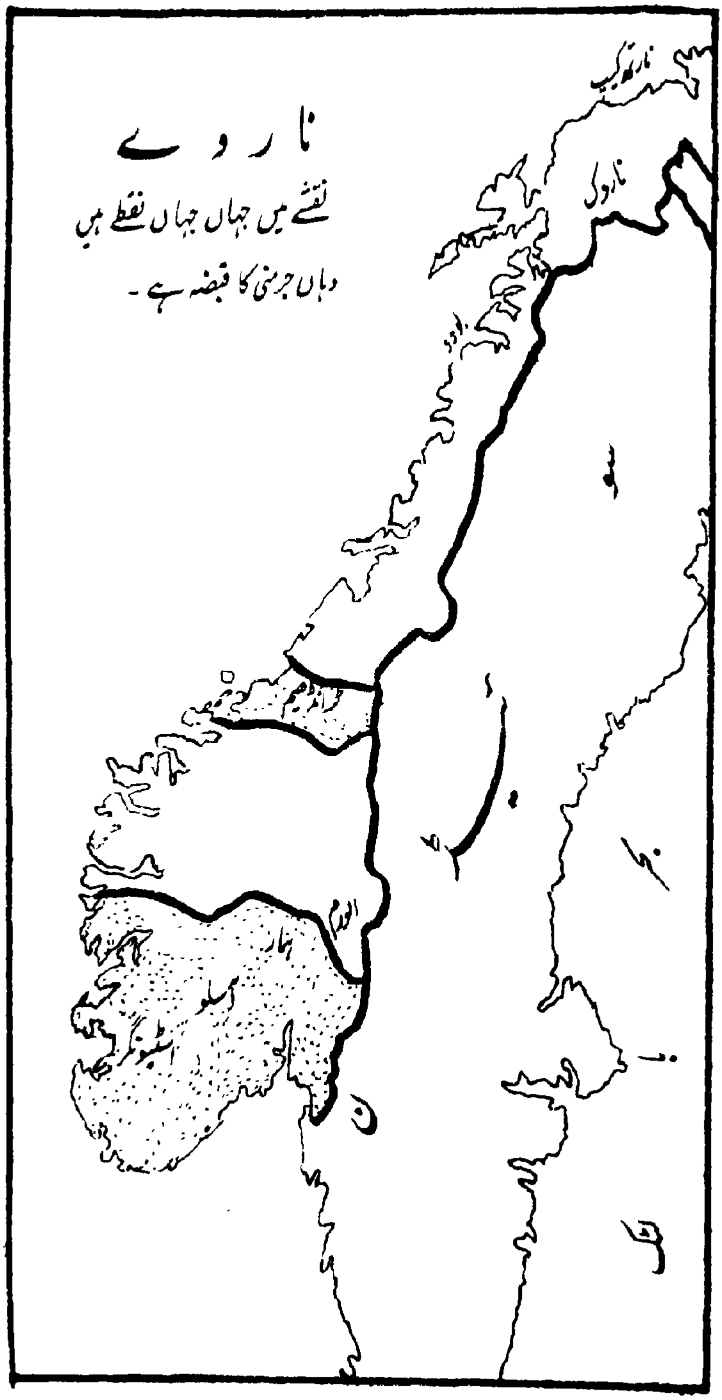
کے صدر دفتر یعنی جامعہ میں مختلف چیزوں کی نمائش کی جائے اس میں پیامی اپنی بنائی ہوئی اور جمع کی ہوئی چیزیں بھیجیں۔ دو خاص انعام رکھے جائیں۔ ایک لڑکوں اور ایک لڑکیوں کے لئے۔ ان کے علاوہ ۱۰، ۱۲ چھوٹے چھوٹے انعام بھی رکھے جائیں (۲) پیام برادری کی ایک لائبریری بھی قائم کی جائے۔ اس کا نام پیام لائبریری رکھا جائے۔ اس کا مقصد یہ ہو کہ کم سے کم قیمت میں بچّوں کے لئے اچھّی اچھی کتابیں مہیا کی جائیں جو بچّہ ہر روز اپنے جیب خرچ سے ایک ایک پیسہ جمع کرے گا۔ وہ اس لائبریری کا ممبر بن سکتا ہے۔ بچّے سال کے آخر میں اپنے جمع کئے ہوئے پیسے اڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس بھیج دیں۔ اُن کے عوض انھیں بیس پچیس اچھی کتابیں دی جائیں۔ ہر سال کے آخر میں پیام تعلیم کا ایک زائد نمبر پیام برادری کے نام سے نکالا جائے۔ اس نمبر میں صرف پیام برادری اور لائبریری کے متعلق خبریں، اطلاعیں، تجویزیں وغیرہ ہوں۔ مختلف مشغلوں پر اچھے اچھے مضمون ہوں۔ اس کے علاوہ پیامی اپنی سیر و تفریح کے حالات بھی لکھیں۔ اس پرچے کی ضخامت پیام تعلیم کے عام پرچوں کے برابر ہو۔ عام خریداروں اور برادری کے ممبروں سے اس کی قیمت ۳ر لی جائے پیام لائبریری کے ممبروں کو یہ نمبر مفت دیا جائے؛

یہ تجویزیں بہت اہم ہیں۔ امید ہے کہ پیامی ان کے بارے میں خود بھی غور کریں گے اور دوسرے پیامیوں سے بھی مشورہ کرکے اپنی اپنی رائے سے ہمیں مطلع کریں گے۔

فن لینڈ کی بربادی کا حال تم سن ہی چکے ہو۔ پچھلے مہینے ایک نیا شگوفہ کھلا۔ جرمنی نے ڈنمارک پر قبضہ کر لیا اور ناروے کا کافی حصہ اس کے قبضے میں آگیا۔ اور باقی کے لئے ناروے سے لڑائی ہو رہی ہے اور اتحادی یعنی برطانیہ اور فرانس بھی ناروے والوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔

جرمنی نے لڑائی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے یعنی یہ کہ دشمن پر اس طرح بے سان گمان اور اچانک حملہ کیا جائے اور اس طرح بجلی کی رفتار سے چاروں طرف سے دشمن کو گھیر لیا جائے کہ وہ بالکل بے بس ہو جائے اور سوائے ہار مان لینے کے اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ یہ طریقہ اس سے پہلے آسٹریا، چیکوسلواکیا اور پولینڈ میں آزمایا جا چکا ہے اور اب اس ایجاد کا شکار ناروے اور ڈنمارک ہوئے۔ ناروے میں جرمنوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ مگر جب تک اتحادی ناروے والوں کی پوری پوری مدد نہ کریں کامیابی مشکل ہے۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ناروے اور ڈنمارک کا تھوڑا تھوڑا حال بھی تمھیں بتا دیا جائے۔

ناروے تقریباً پہاڑی ملک ہے۔ سوائے جنوبی مشرقی حصّے کے تمام ملک میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔


ناروے
نقشے میں جہاں جہاں نقطے ہیں
وہاں جرمنی کا قبضہ ہے۔
نارتھ کیپ
نارول
بودو
ٹرانڈھیم
ہمار
اسلو

اونچی اونچی چوٹیاں، گہری وادیاں، جھیلیں، گلیشیر، بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے اور کھاڑیاں غرض سارے ملک کی یہی حالت ہے۔ بعض کھاڑیاں تو خشکی میں ۱۰۰، ۱۰۰۰ میل تک چلی گئی ہیں۔

نارتھ کیپ (راس شمالی) میں بارہ مئی سے ۲۹ر جولائی تک سورج چمکتا رہتا ہے اور بوڈو کے مقام پر ۳ر جون سے ۷ر جولائی تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ جنوبی ناروے میں بھی اپریل کے آخر سے اگست کے وسط تک تاریکی بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ جاڑوں میں نارتھ کیپ کے اوپر سورج ۱۸ر نومبر سے ۲۳ر جنوری تک نہیں نکلتا اور بوڈو میں ۱۵ر دسمبر سے ۲۷ر دسمبر تک۔ جنوبی ناروے میں بھی جاڑے میں دن ۶½ گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ آبادی کا تقریباً ⅔ حصہ دیہات میں رہتا ہے۔ شمال میں آبادی بہت ہی کم ہے خاص شہر آسلو کی آبادی دو لاکھ ترپن ہزار ہے۔ باقی تمام شہر چھوٹے چھوٹے ہیں۔ کل سڑکوں کی لمبائی ۲۵۲۷۴ میل سنہ ۳۷ء میں تھی۔ ریل صرف ۲۴۰۲ میل چلتی ہے۔

ڈنمارک:۔ یہ میدانی ملک ہے۔ آبادی ۳۶ لاکھ۔ کوپن ہیگن دار السلطنت ہے۔ جنوب میں جٹ لینڈ کا علاقہ ہے یہ سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈنمارک میں شریک کر لیا گیا تھا۔ اس کا زیادہ تر حصہ دلدلی ہے۔ ڈنمارک میں لکڑی کی بہت کمی ہے۔ زیادہ تر دوسرے ملکوں سے آتی ہے۔ دریا بھی بہت ہیں۔ مگر جہاز رانی کے قابل نہیں ریلوے اور سفری کشتیاں بہت اچھی حالت میں ہیں اُن کی وجہ سے ڈاک اور آمد و رفت میں کوئی دقت نہیں ہوتی یہاں کا موسم خاصا اچھا ہوتا ہے۔ یہاں فوجی تعلیم لازمی ہے۔

ناروے اور ڈنمارک کے بادشاہ آپس میں بھائی ہیں۔ ڈنمارک کے بادشاہ دنیا کے سب سے لمبے بادشاہ ہیں۔ اُن کا قد ساڑھے چھ فٹ ہے۔ سوئیڈن، ناروے اور ڈنمارک میں آپس میں شادی بیاہ بھی ہوتا ہے

ڈنمارک سے برطانیہ کو تین کرور پچاس لاکھ پونڈ کا دودھ، مکھن اور انڈا جاتا تھا۔ ناروے سے ۴۰ لاکھ پونڈ کی مچھلیاں، کچا لوہا، لکڑی، کاغذ، گتا، چمڑا، کچا اون وغیرہ اب یہ چیزیں اسے دوسری جگہ سے منگوانی پڑیں گی۔

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات۔ سورج، چاند، ستارے، ہماری یہ دنیا غرض ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت مر

دہلی۔ دہلی کی تمام شاہی عمارتوں کے عجیب حالات اور ان کی تصویریں۔ قیمت مر

دُنیا کے بچے۔ دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ہر

دُنیا کے بسنے والے۔ اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت در

عجائب خانہ سمندر۔ ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت مر

تعلیمی کھیل۔ اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت مر

دھوئیں کی پھانسی۔ سائنس کے قسم قسم کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ار

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے
ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے اس میں [illegible] کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں [illegible] گئی ہیں ابھی ایک تاش منگا لیجیے کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس بڑا سائز [illegible] انگریزی ۱۲ اردو [illegible] ہندی ۱۲
چھوٹا سائز اردو [illegible] انگریزی [illegible]

مکتبہ جامعہ دہلی

جون ۴۰ء

پیام تعلیم



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی: ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبی: رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

رسول پاک: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور کیا سکھایا قیمت ۵ر

چاریار: حضرت خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت

عقائد اسلام: یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

ارکان اسلام: اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں بتلائے گئے ہیں قیمت ۲ر

پیام تعلیم

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

ایڈیٹر:- محمد حسین حسّان

قیمت سالانہ عہ/ فی پرچہ ۳/

جلد ۲۳ جون سنہ ۱۹۴۰ء نمبر ۶

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

ایڈیٹر

تعلیمی مرکز جامعہ کے بچے ہر سال ربیع الاوّل کے مبارک مہینے میں میلاد النبی کا جلسہ بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ اس سال بچے گتّے کے کام سے بھی واقف ہوگئے ہیں اس لئے انھوں نے اپنے مدرسے کے ہال کو گتّے اور ابری سے خوب سجایا تھا۔

اس مرتبہ اس مبارک تقریب میں دہلی کے دوسرے مدرسوں کو شریک کرنے کے لئے تعلیمی مرکز کے بچوں نے ایک ٹرافی بھی رکھی۔ اس ٹرافی کے لئے انھوں نے خود چندہ کیا۔ اپنے اُستادوں سے مدد لی اور جامعہ کے دوسرے کارکنوں اور ہمدردوں سے چندہ لیا۔

سیرت کے اس مقابلے میں کل آٹھ مدرسے شریک ہوئے۔ مقابلہ ۷ مئی کو ہوا۔ مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر مقابلے میں اول آیا۔ عربک ہائی اسکول اجمیری گیٹ دوم۔ جامعہ نگر کے بچوں نے ٹرافی عربک ہائی اسکول کو پیش کی۔ جلسے کے خاتمے پر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صدر جلسہ نے بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ اپنی انتہائی مصروفیت کے سبب چمن لال صاحب وقت پر مضمون نہ بھیج سکے۔ چمن لال صاحب خود بھی شرمندہ ہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکے۔ اس کی بجائے ہم ایک اور مضمون :- بچوں کی سیر شائع کررہے ہیں۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہے۔

عزیزی عبدالحبیب کا مضمون لکسمبرگ، بلجیم، ہالینڈ ہمیں اس وقت ملا جب پیام تعلیم کی کاپیاں لکھی جا چکی تھیں لیکن مضمون بہت اہم تھا اس لئے دوسرے مضمون نکال کر اسے پیام تعلیم میں شامل کرنا پڑا۔ یہ مضمون انشاء اللہ جولائی میں چھپیگا۔

سالگرہ نمبر کی تیاری کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے بچے ہمیں اپنی اپنی رائے لکھ کر بھیج دیں کہ اس مرتبہ وہ کیسا پرچہ چاہتے ہیں۔

نعت

محمد شفیع الدین صاحب نیر

تعلیمی مرکز کے بچے ہر سال میلاد النبی کا جلسہ بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ تمام انتظام اُستادوں کی نگرانی میں انھی کا ہوتا ہے اس مرتبہ ان کا جلسہ بہت کامیاب رہا۔ یہ نظم اسی جلسے میں پڑھی گئی تھی۔ (ایڈیٹر)

دِکھائی ہمیں راہِ اسلام کس نے ⁂ سُنایا ہمیں حق کا پیغام کس نے

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

محبّت کی یہ رِیت کس نے سِکھائی ⁂ کہ انسان سب بن گئے بھائی بھائی

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

مساوات[۱] کے پھول کس نے کھِلائے ⁂ اخوت[۲] کے گُلدان کس نے سجائے

---

(۱) برابری۔ یعنی سب انسان رُتبے میں برابر ہیں۔ پیدائشی طور پر کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔

(۲) بھائی چارا۔ یعنی سب مسلمان چاہے وہ امیر ہوں یا غریب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

یتیموں کا دِل شاد کِس نے کیا ہے | غلاموں کو آزاد کِس نے کیا ہے

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

ہمیں علم کا شوق کِس نے دِلایا | جہالت کے پھندے سے کِس نے چھڑایا

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

دیا ہم کو توحید کا جام کِس نے | بنایا ہمیں خیرِ اقوام کِس نے

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

ترقّی کے زینے پہ کِس نے چڑھایا | غرض یہ کہ اِنسان کِس نے بنایا

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

زرد چوہیا

ذکی احمد سعید - پونا

بہت زمانے کی بات ہے کسی ملک میں ایک آدمی اپنی چھوٹی سی لڑکی سلطانہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطانہ کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن اس نے اب تک سوائے اپنے باپ کے کسی کی صورت نہ دیکھی تھی۔ یہ دونوں ایک بڑے باغ کے بیچوں بیچ خوب صورت مکان میں رہا کرتے تھے۔ اور کسی شخص کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

سلطانہ اگرچہ بڑی خوب صورت بھولی بھالی چھوٹی سی لڑکی تھی لیکن اس میں ایک بڑی خراب عادت یہ تھی کہ اُسے ہر چیز کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بے کار سوالات کیا کرتی تھی۔ سلیمان اُسے اکثر سمجھاتا "بیٹی اس قسم کے سوال اور ادھر اُدھر کی باتوں کی کھوج میں نہ رہا کرو۔ بے کار باتوں کی پوچھ گچھ بہت بری بات ہے۔ سلطانہ اس وقت تو چپ رہتی۔ لیکن باپ کی اس نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

سلطانہ روز صبح سویرے اُٹھتی گھر کا معمولی کام کاج کر کے باغ میں چلی جاتی۔ دوڑ دوڑ کر اپنے ننھے ننھے پودوں میں پانی ڈالتی۔ تتلیاں پکڑتی اور جب ان چیزوں سے طبیعت گھبرا جاتی تو واپس آتی اور اچھی اچھی کتابیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتی۔ اس طرح ہنستے کھیلتے اس کے چودہ سال اور گیارہ مہینے گذر گئے۔

ایک دن ہمیشہ کی طرح سلطانہ پھولوں کو سینچنے گئی لیکن اس کو بالٹی نہ ملی۔ باغ کے کونے پر ایک چھوٹی سی کوٹھری بنی تھی۔ جہاں سلیمان دن میں ایک مرتبہ ضرور جاتا تھا۔ سلطانہ سمجھی کہ شاید اس کے باپ نے بالٹی وغیرہ اس میں رکھ دی ہے وہ دوڑی ہوئی اپنے باپ کے پاس گئی اور کوٹھری کی کنجی مانگنے لگی۔ سلیمان نے کہا "کیوں سلطانہ تم کو کنجی کی کیا ضرورت ہے؟" ان الفاظ کے ساتھ سلیمان کا منہ زرد سا ہو گیا۔ سلطانہ نے اپنے تعجب کو چھپاتے ہوئے کہا "کچھ نہیں باغ کی بالٹی لینا ہے۔" سلیمان نے کہا "نہیں بیٹی اس میں بالٹی والٹی نہیں ہے۔ باغ ہی میں دیکھو وہیں کہیں ہوگی۔" سلطانہ نے متعجب ہو کر پوچھا "اباجان

پھر اس کوٹھری میں کیا ہے ؟" سلیمان نے کہا " کچھ نہیں ہے " سلطانہ نے پھر پوچھا کہ " آپ میرے پوچھنے سے پریشان اور غمگین کیوں ہو گئے ؟" سلیمان نے لاپروائی سے اور ذرا سمجھاتے ہوئے کہا " بیٹی سلطانہ میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ جس چیز سے تمہیں سروکار نہ ہو اس کی بابت کچھ نہ پوچھا کرو ہر بات کی فکر میں رہنا بہت بُرا ہے " سلطانہ اس وقت تو خاموش چلی گئی لیکن وہ باغ کی کوٹھری کے خیال کو نہ بھول سکی ۔ وہ بجائے پودوں میں پانی ڈالنے کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے ۔

ایک دن سلطانہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی کہ اس کو پھر کوٹھری کا خیال آیا " یا اللہ اس میں کیا ہے جو ابا جان مجھ سے اتنا چھپاتے ہیں " ابھی سلطانہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ سلیمان نے آواز دی " بیٹی سلطانہ ذرا ادھر آؤ " سلطانہ اس دن کی کوٹھری والی گفتگو کے بعد اور بھی بشاش بشاش رہتی تھی تاکہ اس کا باپ سمجھے کہ وہ کوٹھری کے خیال کو بھول گئی ہے ...... وہ دوڑ کر باپ کے پاس آ کھڑی ہوئی ۔ سلیمان نے کہا " بیٹی ابھی تمہاری سال گرہ کا ایک ہفتہ اور باقی رہ گیا ہے اور اس سے پہلے مجھے کچھ چیزیں خریدنے جانا ہے ۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ لگے گا ۔ تم یہیں مکان ہی میں رہنا اور کسی چیز کی فضول فکر نہ کرنا " یہ کہہ کر سلیمان خدا حافظ کہتا ہوا باہر چلا گیا ۔

تھوڑی دیر تک سلطانہ کام کاج میں لگی رہی پھر کسی کام سے اپنے باپ کے کمرے میں گئی جیسے ہی اس کی نگاہ کوٹھری کی کنجی پر پڑی ۔ ان بھولے خیالات نے پھر اُسے متفکر بنا دیا ۔ وہ اتنی زیادہ بے چین ہو گئی کہ کنجی لے کر آخر کار کوٹھری تک پہنچ ہی گئی ۔ پہنچتے ہی اس کو اپنے باپ کی نصیحت یاد آ گئی ۔ وہ لوٹنے ہی والی تھی کہ کوٹھری کے اندر سے اُس نے مہین سی آواز سنی " اُفوہ کیسا اندھیرا !! میں اس قید میں مر جاؤں گی " سلطانہ کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے جلدی سے پوچھا " تم کون ہو ؟ کیا میں تمہاری کچھ مدد کر سکتی ہوں " ننھی سی آواز نے کہا " دروازہ کھول دو " سلطانہ نے پوچھا " تم نے کیا کوئی بُرا کام کیا ہے جو ابا جان نے تم کو یہاں بند کر دیا ہے " آواز آئی " نہیں سلطانہ ایک بے رحم پری نے مجھ کو یہاں بند کر رکھا ہے ۔ اگر تم کھول دو تو میں تمہارا بہت بہت شکریہ ادا کروں گی ۔ اور مجھے جو کچھ معلوم ہے سب کچھ تمہیں بتاؤں گی " سلطانہ اپنے دل پر قابو نہ پا سکی اور جلدی سے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا اور جھانکنے لگی لیکن اندر کچھ دکھائی نہ دیا ۔ ہاں دروازے کے پاس ایک " چوہیا " ضرور تھی جو سلطانہ کو دیکھ کر ہنسی اور کہنے لگی " سلطانہ

تم نے میرے اوپر بہت احسان کیا۔ تمھاری ہی وجہ سے مجھے آزادی نصیب ہوئی۔ سلطانہ آخر کو تم نے پھر تلاش و جستجو سے کام لیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت تم مجھ کو آزاد دیکھ رہی ہو۔ اب تم اور تمھارے ابا جان بالکل میرے قبضے میں ہیں"۔

سلطانہ بے چاری سمجھی کہ یہ کوئی زبردست چوہیا ہے جسے اس کے باپ نے قید کر رکھا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر مکان کی طرف بھاگی۔ لیکن چوہیا نے زور سے چلا کر کہا "سلطانہ رک جاؤ! اب تم مجھ کو قید نہیں کر سکتی ہو۔ میں کبھی بھی آزاد نہ ہو پاتی اگر تم نے اپنی پندرھویں سالگرہ تک مجھ کو رہا نہ کیا ہوتا"۔

ابھی چوہیا نے اپنے الفاظ ختم نہ کیے تھے کہ بجلی کڑکنے کی سی آواز آئی اور پلک جھپکنے میں کوٹھری غائب ہو گئی سلطانہ کنجی ہاتھ میں لیے کھڑی کی کھڑی رہ گئی چوہیا نے کہا "پیاری سلطانہ تم نے بہت اچھا کیا جو اپنی خراب عادت کی وجہ سے کوٹھری کھول کر مجھے آزاد کر دیا۔ میں تمھارے خاندان کی زبردست دشمن ہوں اور تمھاری اس لیے کہ تم اس کی بیٹی ہو جو میرا دشمن ہے۔ پیاری سلطانہ چونکہ میں تمام لوگوں سے نفرت کرتی ہوں اس لیے سب لوگ مجھے "خوفناک پری" کہتے ہیں اور اب میں تمھارا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی"۔

سلطانہ ڈر کر مکان کے اندر بھاگی اور پیچھے چوہیا کو دیکھ کر دروازہ بند کرنا چاہا تاکہ دروازے میں پس کر اس کا خاتمہ کر دے۔ لیکن جب تک چوہیا اندر نہ چلی آئی دروازہ لاکھ کوشش پر بھی بند نہ ہو سکا۔ سلطانہ نے جھاڑو مارنے کے لیے اٹھائی لیکن ابھی جھاڑو چوہیا کے لگی بھی نہ تھی کہ اس میں آگ لگ گئی۔ اور سلطانہ کو چولھے میں ہی پھینکنی پڑی پھر سلطانہ نے ابلتے ہوئے پانی کی دیگچی اس پر انڈیل دی۔ لیکن زمین پر بجائے گرم پانی کے ٹھنڈا ٹھنڈا دودھ گرا جس کو چوہیا ہنس ہنس کر پینے لگی اور کہا "پیاری سلطانہ! میں تمھارا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں تم نے بڑا اچھا ناشتہ کرا دیا"

اتنے میں سلیمان بھی آ پہنچا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا "آہ! سلطانہ تم نے اپنی اس خراب عادت کی وجہ سے اپنے پرانے دشمن کو آزاد کر دیا" سلطانہ جو بیٹھی زار زار رو رہی تھی اپنے باپ کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر معافی مانگنے لگی۔ سلیمان نے ایک آہ سرد بھری اور کہا "بیٹی! جب بچے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے تو ایسے ہی خطرناک واقعات ان کی ذرا سی ناسمجھی سے سرزد ہو جاتے ہیں" سلطانہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے پوچھا "پیارے ابا جان یہ چوہیا کیسی ہے جو آپ اتنے زیادہ پریشان ہیں اور کیا یہ دوبارہ نہیں پکڑی جا سکتی ہے؟" سلیمان نے کہا "نہیں سلطانہ اب ہم اسے قید نہیں کر سکتے۔ یہ

بڑی موذی اور خطرناک پری ہے۔ آؤ اب میں وہ راز جس کو میں پندرھویں سال گرہ کے بعد تم سے بیان کرنا چاہتا تھا تمھیں بتا دوں۔

"سلطانہ میں ایک جن ہوں اور تمھاری ماں جسے مرے ہوئے پندرہ سال میں ایک ہفتہ باقی ہے بہت ہی نیک اور خوب صورت عورت تھی پریوں کی شہزادی اور میرا بادشاہ (جنوں کا) اس کو اتنا چاہتے تھے کہ انھوں نے مجھے اجازت دے دی کہ میں اس کے ساتھ شادی کرلوں۔ شادی میں میں نے سب پریوں کو بلایا لیکن اس پری کو بلانا بھول گیا۔ کیونکہ سینکڑوں برس سے کسی نے اس کو نہ دیکھا تھا۔ جبھی سے اس کم بخت پری نے ہم لوگوں کو نقصان پہنچانے کی ٹھان لی ہے۔ میں بھی کچھ کم طاقتور نہ تھا۔ دوسرے پریوں کی شہزادی نے مجھے مدد دینے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن جب تم پیدا ہوئیں تو تمھاری ماں اتنی زیادہ بیمار ہو گئی کہ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اس لئے میں ملکہ پری کے پاس مدد مانگنے چلا گیا۔ واپس ہونے پر دیکھا کہ یہ موذی پری تمھاری ماں کو ختم کر چکی تھی اور چاہتی تھی کہ تمھاری گھٹی میں سب بری باتیں ڈال دے کہ اتنے میں میں آگیا۔ لیکن افسوس کہ وہ تلاش و جستجو کی بری عادت تم کو دے چکی تھی جو تمھاری جوانی میں تم کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے گی۔ اگر تم اس کو پندرہ برس کی عمر کے اندر نہ چھوڑ دو۔ اس وقت تک میں نے ملکہ پری کی مدد سے تمھاری عادت کو دبائے رکھا لیکن اب اس عادت کی باگ تمھارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر تم اپنی پندرھویں سال گرہ تک تین دفعہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو تو ہم دونوں اس کے قبضے میں نہ آسکیں گے ورنہ نہ جانے ہم دونوں کو کیا کیا مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ ملکہ پری نے اس کو غصے میں آکر چوہیا بنا دیا ہے اور مجھ سے کہہ دیا ہے کہ اگر سلطانہ اپنی خصلت پر قابو نہ پا سکی تو پھر یہ وہی پری ہو جائے گی اور تم دونوں اس کے غلام ہو گئے لیکن اگر تم نے قابو پا لیا تو تمھاری شادی شاہزادے جمیل سے کرا دی جائے گی"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ زرد چوہیا جو سلطانہ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی سامنے آگئی اور سخت آواز میں بولی "میں تمھاری بیٹی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں اور تم کو حکم دیتی ہوں کہ تم ہمارے پیچھے پیچھے مت آنا" سلطانہ اپنے باپ سے جدا ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن زرد چوہیا نے سلطانہ کا فراک ایسی زور سے کھینچا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور ہو گئی چوہیا نے پیچھے مڑ مڑ کر کہنا شروع کیا "آؤ میری پیاری سلطانہ آؤ ہم تم دنیا کی سیر کریں تم ڈرو نہیں میں تمھارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گی"

(باقی آئندہ)



گھونسلے کا چور

حامد حسین ابن علامہ محوی صدیقی

چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں
میری بات سُنو گی تم کیا؟
چار انڈے اور گھونسلا میرا
مجھ کو بتاؤ کس نے چرایا؟





گائے یہ بولی واہ ری چڑیا
بھلا میں ایسا کیسے کروں گی؟
میں نے دیئے ہیں گھاس کے تنکے
میں ہی چوری آکے کروں گی



تو ہی بتا او میری سہیلی
میری دنیا کس نے لے لی ؟
میں تو یہی کہتی ہوں بس اب
انڈوں کا ہے اللہ بیلی



بھیڑ جبھی بولی بھیں بھیں کر کے
ایسا کام بھلا میں کرتی
اون تجھے دیتی تھی میں تو
جس پر تو انڈے سیتی تھی

کو کو کرتی کوئل آئی
ہمدردی چڑیا سے جتائی
تیرا گھر اُف کس نے بگاڑا
کس نے ستایا تجھ کو مائی !

مرغی کڑاں کڑاں کرتی بولی
تم یہ نہ پوچھو ہرگز مجھ سے
میرے بچے چھوٹے چھوٹے
ایسی شرارت وہ کیوں کرتے؟

پر ہی دئے تھے میں نے تم کو
گھونسلے میں جو تم نے رکھے
مجھ سا کمینہ کوئی نہ ہوگا
میں جو اُجاڑوں گھر کو تمھارے





کہنے لگا اک بچہ رو کر
سُن کے یہ سب باتیں چڑیوں کی
بھولی بھالی ہیں کیا چڑیاں
شرمندہ ہوں چوری کیوں کی

جانوروں کی نمائش

محمد حسین حسان

حسیب:۔ آپا جان ذرا اِدھر تو آیئے دیکھئے یہ کیا آیا ہے۔

ماں:۔ خیر تو ہے آج کیا بات ہے جو اتنا اچھل کود رہے ہو

حسیب:۔ اماں ذرا اِدھر تو آیئے۔ آپ تو سنتی نہیں۔

ماں:۔ (دروازے کے قریب آکر) ارے یہ! بلّی کا بچہ!! کتنا دبلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے دکھیا کئی دن کا بھوکا ہے۔ جانے کس کا ہے۔ اور جانے اس کی ماں کہاں ہے۔ شاید کھو گیا ہے۔

حسیب:۔ آپا اسے اندر لے آؤں؟

ماں:۔ ہاں لے آؤ۔ میرے پاس لاؤ۔ میں اسے نہلا دوں مگر پہلے اسے کچھ کھلا دو۔ ارے یہ بہت ہی بھوکا ہے۔

حسیب میاں اسے اندر لے آئے اور کٹوری بھر کے دودھ پلایا۔ پھر اپنی امّی سے پوچھنے لگے۔

حسیب:۔ آپا اسے پال لیں؟

ماں:۔ ہاں۔ لیکن اگر کسی اور کا ہوا تو واپس کرنا پڑے گا حسیب میاں نے فوراً ایک کاغذ کے تختے پر یہ عبارت لکھی۔

ہم نے بلی کا ایک کالا بچہ پایا ہے جس کسی کا ہو لے جائے

اور یہ کاغذ اپنے دروازے پر لٹکا دیا۔ صبح سے شام ہو گئی۔ پھر دوسرا دن گذرا۔ کوئی بھی اسے لینے نہ آیا اب حسیب میاں کو اطمینان ہوا کہ اب ہم ہی بلی کے مالک ہیں۔ انھوں نے اس کا نام رکھا کلّو۔

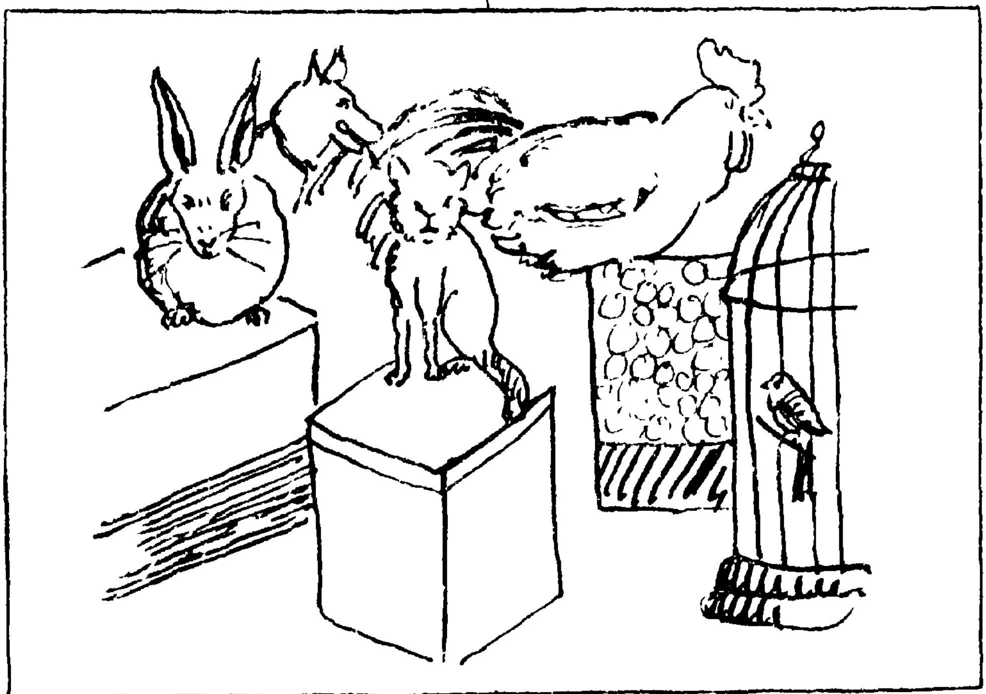
ایک دن حسیب میاں کے دل میں کلو کو دودھ پلاتے پلاتے جانے کیا خیال آگیا کہ اپنی ماں سے بولے "آپا مجھے بھی دودھ اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا کلو کو مگر آپا میں تو اور چیزیں بھی کھاتا ہوں کیا۔ بلی کے بچے دوسری چیزیں نہیں کھا سکتے"

ماں:۔ بلی کے بچوں کے لئے دودھ ہی سب سے اچھی چیز ہے۔ دودھ انھیں خوب پلانا چاہئے۔ مگر ہماری کلو تو اب ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہے اسے تھوڑا تھوڑا گوشت، مچھلی، انڈے اور پکی ہوئی

ترکاریاں بھی دینی چاہئیں۔

کلّو کو یہ سب چیزیں ملنے لگیں۔ حبیب میاں کلّو کے کھانے پینے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور ہمیشہ ٹھیک غذا دیتے تھے۔

ایک ہفتے میں تو کلّو نے بالکل کینچلی بدل لی۔ بدن پر خوب گوشت بھی آگیا۔ بال بھی خوب چکنے چکنے



ہوگئے۔ غرض وہ اب دیکھنے میں بہت بھلی لگتی اور جس نے اسے دو ہفتے پہلے دیکھا تھا وہ اب آکر دیکھتا تو پہچان نہ پاتا۔

ایک دن حبیب میاں تعلیمی مرکز سے بھاگے بھاگے آئے اور کہنے لگے "آپا، آپا۔ آپا جان نے کہا ہے کہ پرسوں مدرسے میں پالتو جانوروں کی نمائش ہوگی انعام بھی ملے گا۔ آپا جان نے بتایا ہے کہ یہ جانور نہ تو بہت موٹے ہوں۔ نہ بہت دُبلے۔ بس تندرست ہوں۔ تو آپا میں اپنی کلّو کو لے جاؤں؟"

ماں: ہاں ضرور لے جاؤ۔

نمائش کے دن سب بچے اپنے اپنے پالتو جانور لائے۔ کُتّا، بلّی، خرگوش، مرغ، چڑیاں اور جانے کیا کیا۔ بلّی کی میاؤں میاؤں، کتّے کی بھوں بھوں اور مرغے کی ککڑوں کوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر صاحب آئے۔ انھوں نے سب جانوروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا پھر فیصلہ سنایا "یہ بلّی انعام کی مستحق ہے یہ نہ تو بہت دُبلی ہے نہ بہت موٹی بلکہ خوب تندرست اور صاف ستھری ہے۔" یہ بلّی وہی کلّو تھی۔ حبیب میاں بہت خوش ہوئے۔

راہول سنکراتاین

محترمہ ہاجرہ بیگم الہ آباد

مرزا پور کے شہر میں ایک چھوٹا سا لڑکا مولوی صاحب سے پڑھتا تھا اس نے ایک شعر پڑھا۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی ہی گر رہی تو نوجوانی پھر کہاں

اُسے یہ شعر بہت ہی پسند آیا۔ اکثر وہ اسے دل ہی دل میں دُہراتا۔ اور سوچتا "میں بھی دنیا کی سیر کروں گا۔"

۱۶ سال کی عمر میں اس کا یہ ارادہ اتنا مضبوط ہوگیا کہ وہ گھر میں کچھ کہے سُنے بغیر کلکتے چل کھڑا ہوا جیب میں پیسے تھے نہ ساتھ کوئی سامان۔ کلکتے پہنچ کر اور عالی شان اسٹیشن دیکھ کر صاحب زادے گھبرا گئے اور گم سم کھڑے ہوگئے۔ اتفاق سے اُن کے گاؤں کا ایک آدمی اسٹیشن پر مل گیا وہ اُن کو گھر لے گیا واپسی کو کہا لیکن ابھی دنیا کی سیر کہاں ہوئی تھی کلکتے میں رہ گئے۔ کچھ لکھا پڑھا کچھ کام کیا۔ غرض کہ ہوئی کچھ مہینے بعد بیمار پڑ کر بیدا کا گھر تو لوٹا لیکن دنیا کے دیکھنے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ پھر گھر سے چل کھڑے ہوئے اب کے پیدل چلے۔ دو دھوتیاں ساتھ لیں اور دو ایک کتابیں پہلے روز دن بھر چلنے کے بعد شام کو ایک کنوئیں پر جا بیٹھے۔ کچھ عورتیں پانی بھرنے آئیں انھوں نے اس نوجوان کو کنوئیں پر بیٹھا دیکھا تو پوچھنے لگیں "بھیا۔ کچھ کھایا پیا نہیں؟" نوجوان چپ رہا تو انھوں نے گھر سے دال آٹا لاکر دے دیا اور اُپلے اور ایک ہنڈیا بھی دے گئیں۔ لیکن پکانا کسے آتا تھا۔ دال اور آٹا ہنڈیا میں ڈال کر پانی ڈال چڑھا دیا۔

اس طرح سے راھول سنکراتاین کی عجیب غریب زندگی شروع ہوئی۔

راھول جی کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی برسوں کی سیاحت کے زمانے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اور نہ کبھی بھوکے رہے۔

پہلی بار پیدل چل کر ہردوار پہنچے۔ راستے میں سادھوؤں کا ساتھ ہوگیا مٹھوں میں ٹھہرنے اور سادھوؤں سے ملنے جلنے اور اُن کے ساتھ باتیں

کرنے کے بعد خود بھی سادھو بننے کا شوق ہو گیا گیروا لباس اختیار کر لیا اور ہندوؤں کی پرانی کتابیں پڑھنا شروع کیں ساتھ ہی ساتھ دنیا کی سیر بھی نہ چھوڑی۔ کشمیر اور لداخ سے لے کر لنکا تک گھومے

لنکا پہنچے تو ہندو دھرم کی جگہ بدھ مت زیادہ بھایا اور یہی مذہب اختیار کر کے بھکشو بن گئے لیکن کسی مذہب سے انھیں تسلّی نہ ہوئی اور اصلیت کی تلاش اور دنیا کی سیر کی دھن سمائی رہی۔

ہندوستان کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ بدھ مذہب کی پرانی کتابیں تبّت پہنچ چکی ہیں۔ خیال ہوا کہ اگر اصلیت معلوم کرنا ہے تو اصلی چیز کو دیکھ کر آؤ۔ لیکن جائیں کیسے۔ تبّت میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ یوں ہی چل دیے۔

نیپال کے راستے چلے اور دوسرے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کے قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ ان لوگوں نے اُن کو لدّاخی سمجھا اور ساتھ لے لیا اور یہ تبّت پہنچ گئے۔

تبّت میں عجیب غریب چیزیں دیکھیں۔ وہ کتابیں جن کی تلاش تھی اُن کو بھی دیکھا اور اُن میں سے کافی معلومات حاصل کیں۔ تبّت پہنچ کر تو خیر اُن کو بتانا ہی پڑا کہ ہندوستانی ہیں لیکن جب پہنچ ہی گئے تھے تو کیا کیا جاتا۔

تبّت سے چلے چین۔ اور چین جاپان ہوتے ہوئے دو تین سال میں ہندوستان لوٹے۔

ہندی لکھنے والوں میں اُن کے مضمونوں کا شہرہ پہلے ہی ہو چکا تھا اب اُنھوں نے تبّت کی معلومات لکھیں تو ہر ایک واقف کار اُن کی قدر کرنے لگا۔ اور کوشش یہ کی گئی کہ ایک بار پھر سرکار کی طرف سے سفر خرچ دے کر اِن کو تبّت بھیجا جائے تاکہ وہاں کی اُن اہم کتابوں کی نقل اور تصویریں لے کر آئیں جن سے ہندوستان کی پرانی تاریخ کی چھان بین ہو سکے۔

کئی سوسائٹیوں نے کوشش کی اور اب کی بار راھول بابا کو باقاعدہ پاس پورٹ اور خرچ ملا اور یہ دو بارا تبّت پہنچے۔

جب واپس آئے تو معلوم ہوا کہ اُن کی معلومات کا شہرا یورپ کے ملکوں میں اتنا ہوا ہے کہ وہاں والے بھی اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ سوئٹ روس نے تو اُن کو دعوت دی کہ روس جا کر کچھ روز لینن گراڈ کی یونیورسٹی میں گذاریں۔ چنانچہ اب کی راھول بابا ولایت چلے۔ یورپ کے اکثر ملکوں کی سیر کی اور روس میں کئی مہینے رہے۔

راھول بابا آزاد طبیعت تو شروع سے تھے ہی۔ جب ہندوستان میں کانگرس کی طرف سے کسانوں میں لگان بندی کی تحریک شروع ہوئی تو راھول جی اس میں بھی شریک ہوئے کسانوں

پر اُن کی جوشیلی تقریروں کا بہت اثر ہوا اور اِدھر اُن کے مضامین نے نوجوانوں کو تڑپا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیل بھیجے گئے۔ جیل میں انھوں نے اپنی بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ "بیسویں صدی" اور "تبت میں ایک سال" وغیرہ اسی زمانے کی لکھی ہوئی ہیں۔

راہول جی جب روس پہنچے تو وہاں اُن کی بہت قدر ہوئی اور روسی پروفیسروں نے اُن کی معلومات سے پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ساتھ ہی راہول جی۔نے سماج واد یعنی سوشلزم کا مطالعہ کیا اور اُن کے جی میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سب سے بڑی عبادت تو غریبوں اور مظلوموں کو منظم کرنا ہے گیروا لباس پہن کر دنیا سے دور رہنا نہیں۔ چنانچہ انھوں نے طے کر لیا کہ اب اپنے سادھوپن کو چھوڑ دیں گے۔

راہول جی ہندوستان واپس پہنچے تو اس مرتبہ بالکل اپنے آپ کو سیاسی کاموں میں خاص کر مزدوروں اور کسانوں کی خدمت میں لگا دیا۔ ابھی کچھ روز ہوئے کہ وہ سارے ہندوستان کی کسان کانفرنس کی صدارت کے لئے جا رہے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے آج کل راہول جی بہار میں نظر بند ہیں۔

راہول جی لمبے چوڑے قد کے آدمی ہیں طبیعت کے نہایت سادہ۔ ہر ایک سے ایسی مہربانی سے بات کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ہندوستان کے سب سے قابل آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ راہول بابا چھوٹے بچوں کو بہت چاہتے ہیں اور گھنٹوں بیٹھ کر ان کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں کے قصّے سناتے رہتے ہیں۔

میں کیا بنوں گا

اقبال مسیح الدین خاں متینؔ

دلادی ہے ابّا نے پیاری کتاب ۔۔۔ مزے کی انوکھی، دُلاری کتاب
مراجی، مری جان ہے یہ کتاب ۔۔۔ مرے دل کا ارمان ہے یہ کتاب
پڑھوں گا میں اس کو بڑے شوق سے ۔۔۔ عزیز اپنی جاں سے رکھوں گا اسے
جو پہنچوں گا سن کو بڑے بھائی کے ۔۔۔ تو ساتھ ان کے میں جاؤں گا مدرسے
سبق دل لگاکر پڑھوں گا وہاں ۔۔۔ اور اُستاد کو خوش کروں گا وہاں
سناؤں گا جب یاد کرکے سبق ۔۔۔ وہ دیں گے مجھے اور آگے سبق
بڑا اور بھی جب میں ہو جاؤں گا ۔۔۔ جماعت میں اونچی جگہ پاؤں گا
ہر اک سال اوّل جو میں آؤں گا ۔۔۔ تو انعام و درجہ بڑا پاؤں گا
ہوں اُستاد یا والدہ یا پدر[۱] ۔۔۔ بنوں گا میں ہر اک کا نورِ نظر
میں سیکھوں گا اخلاق و علم و ہنر ۔۔۔ کروں گا محاسن سے ہر دل میں گھر

خدا سے یہی ہے دعائے متینؔ
بنادے مجھے خادمِ قوم و دیں

۱ باپ

قلم توڑ دیا

ریاض الاسلام صاحب بی اے

اقبال میاں تختی پر چھوٹے چھوٹے جملے اور کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی کہانی لکھ لیتے تھے۔ کبھی کبھی دل سے بھی کوئی بات جوڑ کر لکھ لیتے، لیکن اُن کے بوڑھے مولوی صاحب اس پر خفا ہوتے اور کہتے "وہی لکھو جو کتاب میں لکھا ہے، وہی، اپنی قابلیت مت بگھارو۔" اقبال میاں نے تختی پر تو ایسی باتیں لکھنا چھوڑ دیں۔ لیکن اپنی ایک کاپی الگ بنالی جس میں کبوتر اور گائے کی تصویریں، اپنے دل سے جوڑی ہوئی باتیں اور اُس کے علاوہ اور جو کچھ جی میں آتا لکھتے اور بناتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ اُن کے بھائی صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے کسی مضمون کی تعریف کر رہے تھے یہ انھوں نے کسی رسالے میں دیکھا تھا۔ میں تمھیں بتا کیوں نہ دوں یہ رسالہ پیامِ تعلیم تھا۔ ہاں تو کہنے لگے "بھئی کیا مضمون لکھا ہے، بس قلم توڑ دیا ہے۔"

اقبال میاں کی سمجھ میں یہ آخر کا فقرہ نہ آیا۔ جب بھائی صاحب کے دوست چلے گئے تو اُن سے پوچھا "بھیا یہ قلم توڑنے کی کیا بات تھی" بھائی صاحب نے بتایا کہ "قلم توڑنا بہت اچھا لکھنے کو کہتے ہیں۔"

"قلم توڑنا بہت اچھا لکھنے کو کہتے ہیں" اقبال میاں سوچنے لگے "بھئی واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی ہم بھی اپنا قلم توڑ دیں گے۔" اور انھوں نے جاکر چپکے سے اپنا نرسل کا قلم توڑ دیا۔ پھر پہنچے بھائی صاحب کے پاس کہنے لگے "دیکھیے بھیا میں نے بھی اپنا قلم توڑ دیا" اب میں بھی بہت اچھا لکھنے لگوں گا۔"

"بھئی واہ اقبال میاں یہ کیا کیا تم نے" بھائی صاحب بولے لیکن ساتھ ہی انھیں خیال ہوا کہ انھیں پوری طرح بات کو سلجھا کے نہیں بتایا تھا۔ کہنے لگے "دیکھیے اقبال میاں۔ جب کوئی آدمی کوئی بہت عمدہ چیز لکھتا ہے، ایسی کہ کوئی دوسرا ویسی نہ لکھ سکے تو کہتے ہیں کہ اس نے تو قلم توڑ دیا۔ یعنی کسی دوسرے

لئے لکھنے کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعی قلم توڑ ڈالا گیا۔ بلکہ یہ کہنے کا ایک طریقہ ہے۔"

"اچھا! اقبال میاں سمجھ گئے یہ بات ہے!"

"جی ہاں یہ جو آپ نے قلم توڑ دیا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان ہوا۔ آپ کوئی ایسی چیز لکھیے کہ اس جیسی کوئی دوسرا نہ لکھ سکے۔ پھر آپ کے قلم توڑے بغیر لوگ کہیں گے کہ اقبال میاں نے تو قلم توڑ دیا ہے۔"

یہ سُن کر اقبال میاں سوچ میں پڑ گئے۔ دل میں کہنے لگے۔ "کبھی ایسی کوئی چیز ضرور لکھی جائے" تھوڑی دیر تک سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ کیا لکھا جائے کیسے لکھا جائے۔ کیسے شروع کیا جائے جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پھر بھائی صاحب سے پوچھا "بھیّا ایسی چیز لکھنے کی ترکیب کیا ہے؟"۔

بھائی صاحب کو اقبال میاں کی صورت دیکھ کر ہنسی بھی آئی اور ترس بھی آیا۔ اس وقت اقبال میاں کے چھوٹے سے چہرے پر بھولاپن، سنجیدگی اور شوق سبھی جھلک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ آج قلم توڑنے کا سہرا اپنے سر ضرور بندھوا کر رہیں گے۔

بھائی صاحب نے کہا "دیکھئے اقبال میاں، یہ بات کوئی مُنہ کا نوالا تو ہے نہیں کہ بنایا اور منہ میں رکھ لیا۔ اس کے لئے برسوں محنت کرنا پڑتی ہے۔ ہاں میں آپ کو ترکیب بتائے دیتا ہوں، اگر آپ نے اس پر عمل کیا تو ایک نہ ایک دن آپ ضرور قلم توڑ دیں گے۔"

"جی وہ کیا" اقبال میاں نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ آپ ہفتے میں ایک بار ضرور اپنی کاپی میں کوئی بات اپنی طرف سے لکھ لیا کیجیے۔ اپنی طرف سے۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی کتاب میں سے نقل کر لی بلکہ کوئی بات اپنے دل سے بنا کر لکھ لی۔"

"جیسے؟"۔

"جیسے آپ کے باغ میں طرح طرح کے پھول لگے ہیں۔ آپ اُن کے رنگ، خوشبو، شکل کے متعلق اپنی کاپی میں لکھیے۔ آپ کے کتے میاں دن بھر جو جو شرارتیں کرتے ہیں انھیں لکھ ڈالئے اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں۔"

اب ہر ہفتے اقبال میاں ایک مضمون تیار کر لیتے ہیں۔ کبھی اپنی کیاری، کبھی اسکول، کبھی کسی اور چیز پر۔ ایک بار سب گھر والوں کے ساتھ پکنک کو گئے۔ آکر سارا حال لکھ ڈالا۔ ایک مضمون میں اپنے مولوی صاحب کی عینک، داڑھی اور چھڑی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گھر والے پڑھ کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ اقبال میاں کی یہی کوشش رہی تو ایک نہ ایک دن لوگ ضرور کہیں گے۔ "کہ ہی اقبال میاں نے تو قلم توڑ دیا ہے۔"



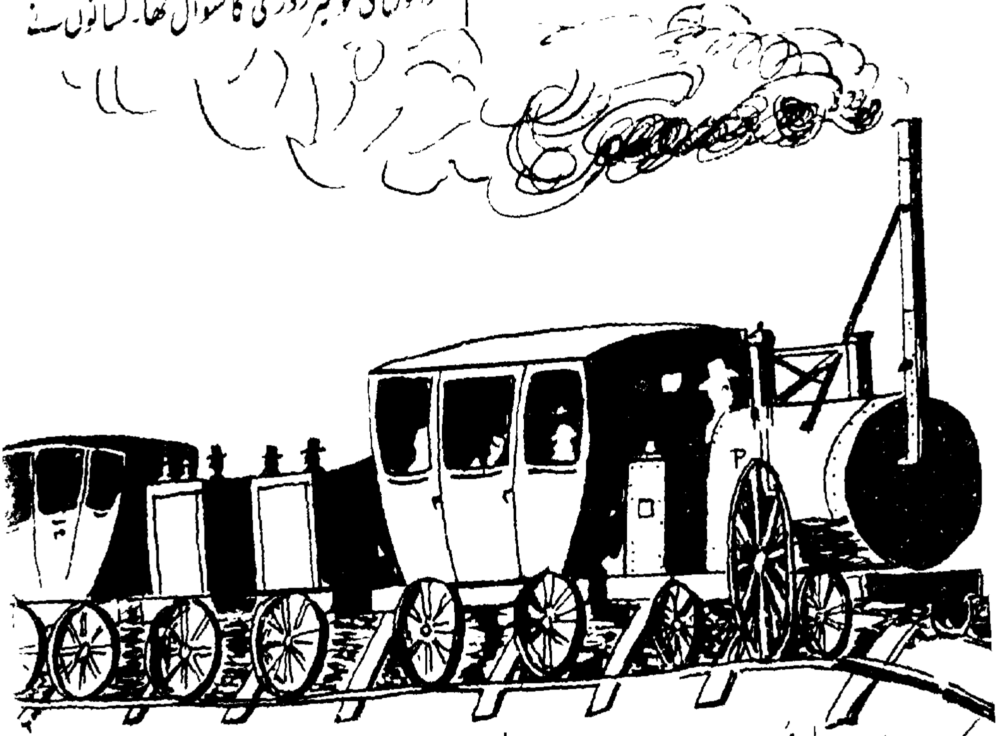
دخانی انجن سے خشکی پر گاڑیاں چلانے کی ایجاد کی عزت جارج اسٹیفن سن (GEORGE STEPHENSON) کو حاصل ہے۔ وہ شہر نیوکاسل کے قریب ایک گاؤں وائلم میں ۹ جون ۱۷۸۱ء کو پیدا ہوا تھا۔ جارج ابتدائی عمر میں اپنے پڑوسی کی گائیں چراتا تھا۔ ذرا بڑا ہوا تو قریب کی کوئلے کی کان میں کوئلہ چننے لگا جارج فرصت کے وقت بھی بے کار نہیں بیٹھتا تھا اس وقت وہ لکھنا پڑھنا سیکھتا تھا۔ محنت کسی کی بے کار نہیں جاتی۔ آخرکار جارج اسی کان میں ترقی کرتے کرتے انجینیر ہوگیا۔

کانوں میں بھاپ کے انجن کوئلے کی گاڑیاں کھینچنے کے کام میں پہلے بھی استعمال ہوتے تھے لیکن یہ انجن بس ایک جگہ کھڑے کھڑے چلا کرتے تھے جارج نے سوچا کیا اچھا ہو جو یہ انجن خود بھی چلے اور اپنی طاقت سے کوئلے کی گاڑیاں کھینچ سکے۔ جارج نے کان کے مالکوں کے پاس جاکر اپنے خیال کا اظہار کیا۔ کان کے مالک جارج کی تجویز سے نہ صرف خوش ہوئے بلکہ انھوں نے تجربے کے لئے روپیہ بھی فراہم کردیا۔ جارج سے پہلے ٹریوی تھک (TREVETHICK) نامی ایک شخص بھی سفر کرنے والا انجن بنا چکا تھا۔ لیکن جارج نے اس سے بہتر انجن بنانے کا فیصلہ کیا۔

جارج کے بنائے ہوئے پہلے انجن کا نام بلوچر (BLUCHER) تھا۔ یہ انجن کوئلے سے بھری ہوئی ۳۰ ٹن (۸۲۰ من) وزن کی آٹھ گاڑیاں چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کھینچ لیتا تھا۔ یوں تو یہ انجن بہت کامیاب تھا لیکن اس میں بڑی کمی یہ تھی کہ اسپرنگ کے نہ ہونے کی وجہ سے بے حد جھٹکے کھاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انجن کا پرزہ پرزہ ڈھیلا ہوگیا اور پٹری بھی خراب ہوگئی۔ اس کے علاوہ

استعمال شدہ بھاپ کچھ اس قدر زور سے خارج ہوتی تھی کہ آس پاس کے آدمی اور جانور بعض وقت بُری طرح چونک جاتے تھے۔ بالآخر جارج نے ایک اور انجن بنایا جس میں اسپرنگ بھی لگائے اور استعمال شدہ بھاپ کے نکلنے کا راستہ دھوئیں کی چمنی میں کر دیا۔

اس اثنا میں ڈارلنگ ٹن (DARLINGTON.) کے مسٹر ایڈورڈ پیس (MR. EDWARD PEASE) نے ڈارلنگ ٹن سے اسٹوک ٹن (STOCK TON) تک ریلوے جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔ شروع شروع میں لوگوں نے اس تجویز کی بڑی مخالفت کی گھوڑا گاڑی والوں کی تو خیر روزی کا سوال تھا۔ کسانوں نے



جارج اسٹی فین سن اپنے بیٹے رابرٹ اسٹی فین سن کی مدد سے اور بہت سے انجن بناتا رہا لیکن یہ سب انجن کوئلے کی کانوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ۱۸۲۳ء میں ایک کمپنی نے جارج سے دو انجن خرید کر کوئلہ ڈھونے کے لئے آٹھ میل لمبی ایک ریلوے لائن بنائی۔

کہا۔ "ریل اُن کے کھیتوں کو نقصان پہنچائے گی" ڈاکٹروں نے کہا "اس کا دھواں لوگوں کی صحت پر مضر اثرات ڈالے گا" اور جنھیں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے تھا انھوں نے کہا "ریل کے بے جا شور و غل سے اُن کے شکار اور تفریح میں خلل پڑے گا۔ لیکن اس قسم کی باتیں کام کرنے والوں کا دل

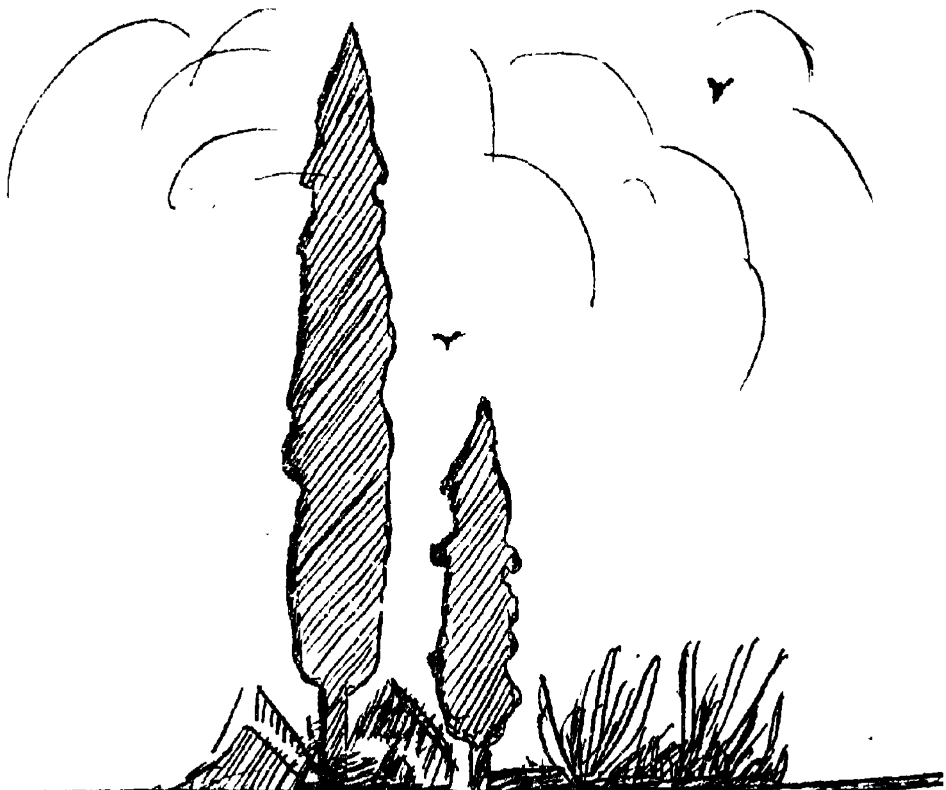
توڑ سکتی ہیں اور نہ راستہ بند کر سکتی ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۲۵ء کو بالآخر ڈارلنگ ٹن اور اسٹوک ٹن کے درمیان ریل جاری ہو کر رہی۔ روانگی کے وقت بے شمار تماشائیوں کے علاوہ ۴½ سو مسافر موجود تھے ۳۴ ڈبوں کی گاڑی تھی۔ مسافروں کے ڈبوں کے علاوہ باقی ڈبوں میں کوئلا اور دوسرا تجارتی مال بھرا ہوا تھا۔ مقررہ وقت پر سگنل جھکا، انجن نے سیٹی دی اور دنیا کی سب سے پہلی ریل گاڑی اپنے سب سے پہلے سفر پر روانہ ہو گئی۔ اس گاڑی کا انجن جارج نے خود چلایا تھا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا ریل کی سواری مقبول ہوتی گئی، لیکن پھر بھی کافی عرصے تک انگلستان کے زیادہ دولت اور مرتبے والے لوگ ریل میں سفر کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اُن کا سامان اور اُن کے ملازم البتہ ریل سے آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب ۱۸۴۲ء میں خود ملکہ وکٹوریہ نے لندن سے ونڈسر تک کا سفر ریل میں طے کیا تو ریل امیروں اور غریبوں چھوٹوں اور بڑوں سب کے لئے آمد و رفت کا باعث ذریعہ بن گئی۔

دنیا کی سب سے پہلی ریل گاڑی اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے جتنی عجیب معلوم ہوتی ہوگی اتنی ہی عجیب و غریب وہ قانون بھی تھے جو اس میں سفر کرنے والوں کو ماننے پڑتے تھے۔ اول تو سفر کرنے والوں کو گاڑی کے وقت سے کم از کم ۲۴ گھنٹے پہلے ریلوے ایجنٹ کو درخواست دینی پڑتی تھی جس میں نام، پتہ پیدائش کی جگہ، عمر، پیشہ اور سفر کرنے کا سبب درج کرنا ہوتا تھا۔ پھر ٹکٹ ملنے کی منظوری اسی وقت دی جاتی تھی۔ جب ریلوے والوں کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اُن کا مسافر کسی ناجائز غرض سے سفر نہیں کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کوشش ضرور کی جاتی تھی کہ گاڑی اپنے مرکزی اسٹیشن سے صحیح وقت پر چھوٹے لیکن اس بات کی کوئی ذمہ داری ریلوے والوں کے سر نہیں تھی کہ وہ آخری اسٹیشن پر کس وقت پہنچے گی۔ گاڑی جھٹ پٹے کے وقت راستے کے کسی اسٹیشن پر رک جاتی تھی اور رات کے ٹھہرنے کا انتظام مسافروں کو خود کرنا پڑتا تھا اور اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہوتی تھی۔ مسافروں کا سامان چھت پر رکھا جاتا تھا لیکن ریلوے کمپنی بارش وغیرہ سے نقصان پہنچنے کی کسی حالت میں ذمہ دار نہیں تھی۔

یہ باتیں آج سے ایک سو سال پہلے کی ہیں۔ ریل گاڑیوں میں کیا ترقی ہو چکی ہے اور اُن کی بدولت ہمیں کیا کیا سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچی ہیں۔ یہ سب سامنے کی باتیں ہیں۔ ترقی کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ جارج کا انجن ۱۲ میل فی گھنٹے کی رفتار سے چلتا تھا۔ لیکن آج امریکہ میں ایک سو دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والا انجن موجود ہے۔ کبھی جارج نے اسٹوک ٹن اور ڈارلنگ ٹن کے چھوٹے چھوٹے

اسٹیشن بنائے تھے۔ لیکن آج نیویارک کا گرانڈ سینٹرل ٹرمنل (GRAND CENTRAL TERMINAL) ۴۸ پلیٹ فارم کا اسٹیشن ہے۔ آج ڈارلنگ ٹن سے اسٹوک ٹن تک کی مختصر ریلوے لائن کا جواب ٹرانس سائبیرین ریلوے (TRANS SIBERIAN RY) کی چھ ہزار میل لمبی لائن موجود ہے اور ان بھونڈی بھونڈی شکل کے ڈبوں کے مقابلے جن میں کبھی جارج نے اپنے مسافروں کو بٹھایا ہوگا ہمارے پاس اس قدر آرام دہ ڈبے موجود ہیں جن میں دوسری سہولتوں کے علاوہ نہ گرمی ستاتی ہے نہ سردی پریشان کرتی ہے۔ گرد و غبار سے پاک۔ شور و غل سے بے نیاز۔ بس ایک طلسمی کمرے میں اُڑے چلے جا رہئے۔

ہندوستان میں سب سے پہلی ریل گاڑی بمبئی اور تھانہ کے درمیان ۸ اپریل ۱۸۵۳ء کو چلائی گئی تھی یہ جی آئی پی کی گاڑی تھی بمبئی سے تھانہ تک سفر صرف بیس میل کا ہے لیکن دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے ریلوے کا جال بچھ گیا ہے ۱۹۱۰ء میں پورے سال کے مسافروں کا اندازہ ایک سو چھتر لاکھ لگایا گیا تھا ۱۹۳۶ء تک یہ تعداد ایک سو ساٹھ کرور ہو گئی تھی۔ یعنی اگر مان لیا جائے کہ ہندوستان کا ہر آدمی سفر کر سکتا تھا تو ہر آدمی نے تین بار سفر کیا۔



بچوں کی سیر

محمد ازام صاحب استاد تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ

ایک دن درجے میں پڑھاتے پڑھاتے گاؤں اور گاؤں والوں پر بات چھڑ گئی پھر کیا تھا میاں حنیف نے کچھ کہا اور احمد میاں نے کچھ۔ سبھی نے گاؤں کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا کہہ ڈالا۔ کچھ بچے ایسے بھی تھے جو یہ بھی نہ جانتے تھے کہ گاؤں ہے کس بلا کا نام چپکے بیٹھے منہ تکتے رہے جب نہ رہا گیا تو چلا کر بولے "ماسٹر صاحب ہمیں گاؤں دکھائیے" یہ کہنا تھا کہ سب نے ہاں میں ہاں ملا دی اور خوشی خوشی تیاری شروع کردی۔ سب نے مل کر ضروری ضروری سامان جمع کرلیا۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیمی کام بھی ہوتا رہا۔ بچوں سے لکھایا گیا کہ وہ وہاں پر کیا کیا دیکھیں گے؟ کس کس سے باتیں کریں گے؟ کس کس سے کیا باتیں معلوم کریں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ طے کیا گیا کہ پہلے چار بچے کسی گاؤں کو جاکر دیکھ آئیں پھر سب چلیں۔ چنانچہ ایک گاؤں۔ کالیں ہیڑہ صوبہ دہلی" دلی سے ۱۴ میل دور اس سیر کے لیے چنا گیا۔ اس کے بعد روانگی کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ مقررہ تاریخ پر دوسرے اور تیسرے درجوں کے بچے سرشام ہی اپنے ننھے منے سے بستر لے کر اسکول میں آدھمکے۔ رات کو سب مل ملا کر کھیلے کودے اور سوئے۔ صبح سویرے لاری آگئی سب کے سب سوار ہوگئے بس اب کیا تھا تھوڑی دیر بعد گاؤں جا پہنچے۔ وہاں نمبردار صاحب نے بچوں کے اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا انتظام کر رکھا تھا۔ لاری سے اتر کر نمبردار صاحب اور اسکول کے لڑکوں سے ملاقات ہوئی اور ناشتے کی تیاری شروع ہوگئی۔ بہت سے دودھ کا دیکھنا تھا کہ سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔ ماسٹر صاحب یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کون لایا ہے؟ گاؤں میں اتنا دودھ کہاں سے آتا ہے وغیرہ وغیرہ ان سب سوالات کو سمجھانے کے لئے کسان اور اس کے جانور ان کے متعلق بتایا گیا اور بات کو مشاہدے پر چھوڑ دیا گیا۔

بچے ناشتے کے بعد گاؤں میں گئے جیسے ہی



تعلیمی مرکز کے بچے کوڑا کرکٹ صاف کررہے ہیں



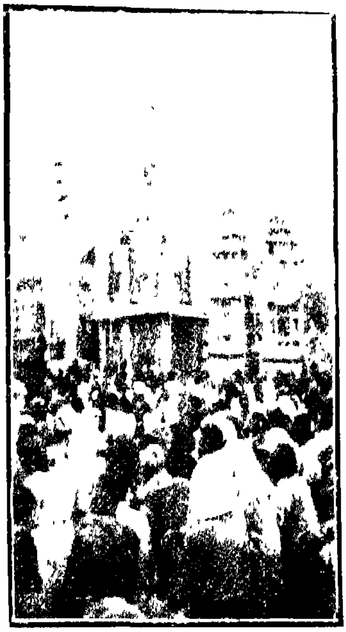
تعلیمی مرکز کے بچے گاؤں کی چوپال میں



تعلیمی مرکز کے بچے کھانا کھا رہے ہیں



تعلیمی مرکز کے بچے سہلا میں
پہاڑی پر بیٹھے ہیں



دیرہ اسماعیل خاں میں مسجد
مرسلہ ...





دو پٹھانی (۱) خلیق الزماں دیکھتے ہوئے
(۲) احتشام حسین (اندور)



نہانے کے بعد
(مرسلہ ثریا رفعت بیگم دہلی)

ایک گلی سے گذرے کوڑا کرکٹ پڑا دیکھا۔ سب نے مل کر اس کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ صفائی کے بعد تمام کوڑے کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینکا گیا تاکہ تمام گندگی ایک ہی جگہ رہے۔ اس کام میں انھوں نے بڑی خوشی سے حصہ لیا۔ جب یہ بچے اپنا کام کر رہے تھے تو کچھ گاؤں والے ان کو دیکھنے کے لئے آ گئے۔ وہ غریب کیا جانیں کہ یہ کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟ مگر اُن کے کام سے اتنے خوش ہوئے کہ صفائی کی ضرورت سمجھ کر اپنے گاؤں کی ہر چیز کو صاف رکھنے پر آمادہ ہو گئے۔

اب سب بچے نمبردار صاحب کے ساتھ کسانو کے گھر، برتن باسن اور جانور دیکھنے گئے۔ کسانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقے پوچھے آخر میں ایک پنچایتی چوپال بھی گئے۔ وہاں سے چل کر سب نے سب اپنے ٹھہرنے کے مقام پر آ گئے۔ آتے ہی کسی نے چنے چبانے شروع کئے اور کوئی کھیل کود میں لگ گیا مگر تھکن کسی نے بھی محسوس نہ کی۔

جب کھانے کا انتظام کرنے والے لڑکوں اور باورچی نے کھانا تیار کر لیا تو سب ایک بارات کی طرح درخت کے نیچے بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئے اور کھانا کھانا شروع کر دیا۔

کھانے کے بعد درختوں کے سایہ اور اسکول کے برآمدے میں آرام کیا کچھ بچوں نے ہرے چنے بھونے اور سب کو دئے چنے چباتے رہے اور چنے کا حال پوچھتے رہے۔ اس سلسلے میں فصل ربیع کی پیداوار بتائی گئی اور شام کو کھیتوں پر لے جا کر دکھایا گیا۔ جب بچوں نے ہرے ہرے کھیت اور چلتے ہوئے کنوئیں دیکھے تو بہت خوش ہوئے اتنے کہ شاید اپنے باغیچے میں بھی نہ ہوئے ہوں۔ شام کو گاؤں والوں کے ساتھ نئے نئے کھیل کھائے۔ رات کو اس پنچایتی چوپال پر سب گاؤں والوں کو دکھانے کے لئے ایک ڈراما کیا۔ اس ڈرامے میں کسان، زمین دار اور کارندے کی زندگی کا خاکا کھینچا تھا۔ گاؤں والے ڈراما دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور زور زور سے جامعہ والوں کی جے پکارنے لگے۔

خیر ڈرامے کے بعد اپنی جگہ واپس آئے کھانا کھانے کے تھوڑی دیر بعد سو گئے۔ صبح اُٹھ کر دودھ چنے کا ناشتہ ملا۔ بچوں نے نمبردار صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی گتے کی چند چیزیں پیش کیں اور مدرسے کے بچوں کو ابری بنانی سکھائی۔ اور لاری میں سوار ہو کر گوڑگانوہ اور سُہنا روانہ ہو گئے۔

سُہنا ایک پہاڑی مقام ہے مگر بہت پُرفضا یہاں پر گرم پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دور دور سے لوگ اس کو دیکھنے آتے ہیں۔ ہم نے بھی ایک صاف سی جگہ اپنے ڈیرے ڈال دئے اور دوپہر کا کھانا

کھا کر سیر کو نکلے۔ پہلے چشمے کی سیر کی۔ اس جگہ بچوں نے چشمہ، چشمے کی قسمیں اور اُس کے فوائد پڑھے پھر پہاڑ پر گئے۔ جس وقت لاری پہاڑ پر چڑھ رہی تھی تو بچے بہت خوش ہو رہے تھے۔ کیوں نہ ہوتے آخر کو تھا تو پہاڑی علاقہ۔

پہاڑ کو سمجھانے کے لئے اچھی طرح دکھایا بھلایا گیا اس کے بعد درّے کو سمجھانے کے لئے ایک راستے پر گئے اور پہاڑوں میں اس کی ضرورت سمجھائی۔ ان سب چیزوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہم لوگ بخیر و خوبی واپس ہوئے۔ بڑا دلچسپ سفر تھا۔



مانسون ایسی ہوا کو کہتے ہیں جو کسی خاص اور مقررہ موسم میں چلتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ زمین پانی کے مقابلے میں بہت جلد ٹھنڈی اور گرم ہو جاتی ہے گرمیوں میں زمین پانی سے زیادہ گرم رہتی ہے۔ اسی لئے زمین پر کی ہوائیں گرم ہو کر ہلکی ہوتی اور پھیلتی ہیں۔ اس سے زمین پر ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور یہ ہوائیں اوپر اُٹھتی ہیں۔

ان ہواؤں کے اوپر اُٹھنے سے جو جگہ خالی رہ جاتی ہے اُسے بھرنے کو سمندر کی ہوائیں آتی ہیں کیونکہ سمندر کی ہوائیں زمین کی ہواؤں سے دیر میں گرم ہوتی ہیں۔ یہ ہوائیں ہزاروں میل تک پانی پر سے گزرتی ہیں اسی لئے بہت سا پانی جذب کر لیتی ہیں۔ جب یہ ہندوستان کے نزدیک پہنچتی ہیں تو اُن کے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک شاخ بحیرۂ عرب سے گذرتی ہے اور دوسری خلیج بنگال کو پار کرتی ہے۔ بحیرۂ عرب والی شاخ گھاٹوں سے ٹکراتی ہے اونچے اونچے پہاڑ ان ہواؤں کو روکتے ہیں اسی لئے یہ اوپر اُٹھتی ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ جیسے جیسے ہم اوپر جاتے ہیں سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اس واسطے ان ہواؤں میں جو پانی بھاپ کی صورت میں ہوتا ہے پانی بن کر برسنے لگتا ہے۔ خلیج بنگال والی شاخ آسام، بنگال برما اور مدراس وغیرہ کے پہاڑوں سے ٹکراتی ہے اور وہاں بھی اسی طرح بارش ہوتی ہے۔

یہ ہوائیں جب ایک جگہ خوب پانی برسا چکتی ہیں تو آگے بڑھتی ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وہ آگے جاتی ہیں اُن کا پانی خرچ ہوتا جاتا ہے۔ اسی لئے ہندوستان کے کچھ حصوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور کچھ حصوں میں کم۔ ہندوستان کے واسطے یہ ہوائیں بہت مفید ہیں اس لئے کہ یہاں زیادہ تر کھیتی باڑی ہوتی ہے اور پانی کی بڑی سخت ضرورت رہتی ہے۔ اگر یہ ہوائیں نہ چلیں تو ہندوستان میں بارش نہ ہو اور لوگ بھوکوں مرنے لگیں۔

شہد کی مکھی

آفتاب احمد صاحب صدیقی جامعی

تم نے شہد کی مکھیاں تو بہت سی دیکھی ہوں گی مگر اس کا خیال نہ ہوا ہوگا کہ ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان کا ذکر کیا جائے تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا اس لئے ان میں سے صرف ایک قسم کا حال لکھا جاتا ہے جو عموماً پالی جاتی ہے۔ اُسے پَلی مکھی کہتے ہیں یہ اور سب سے مختلف ہوتی ہے۔ اندھیرے میں رہنا پسند کرتی ہے طبیعت کی بہت اچھی اور مزاج کی نرم ہوتی ہے اسی وجہ سے اُسے عورتیں اور بچے تک آسانی سے پال لیتے ہیں یہ مکھی ہندوستان میں کثرت سے پائی جاتی ہے اور سی۔ پی کے علاقوں میں تو اُسے گھر گھر پالتے ہیں تم نے دیکھا ہوگا کہ ہر مکھی کے ڈنک ہوتا ہے تم سمجھتے ہوگے کہ جہاں موقع ملا وہ ڈنک مار دیتی ہوگی؛ ایسا نہیں ہے۔ مکھی ڈنک سے اپنا بچاؤ ہی کرتی ہے۔ ڈنک مارتی بھی ہے تو بس جان سے بیزار ہو کر۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ شہد کی مکھی ڈنک مارنے کے بعد دو گھنٹے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور مکھی اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے تمھاری طرح اپنی جان اسے بھی پیاری ہے۔ اگر مکھی کو یقین ہو کہ تم اُسے نقصان نہ پہنچاؤ گے تو وہ ڈنک بھی نہ مارے گی۔ شاید یہ سب جانتے ہوئے بھی تمھیں ڈر لگے۔ اس لئے میں تمھیں دو ایک عجیب باتیں بتاتا ہوں ایک یہ کہ مکھی کے ڈنک مارنے سے درد ہونا ضروری نہیں۔ اس کا خاص طور پر خیال رکھو جس جگہ مکھی ڈنک مارے اس جگہ کو ہاتھ سے ملو مت ایسا کرنے سے زہر کی پوٹلی جو ڈنک کے ساتھ جسم میں پہنچتی ہے پھوٹ جاتی ہے اور زہر جو اپنے آپ نہ پھیلتا اُسے تمھارا ملنا یا کھجلانا پھیلا دیتا ہے جس سے سوجن ہو جاتی ہے اگر تم چند منٹ صبر کرو اور زہر کی پوٹلی کو چٹکی سے نکال دو تو اس کے ساتھ ڈنک بھی نکل آتا ہے اور وہ ذرا سی تکلیف بھی دور ہو جاتی ہے۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ جو زہر مکھی کے ڈنک میں ہوتا ہے وہ کئی بیماریوں کی دوا ہے۔ گٹھیا۔ قولنج اور لقوے کے مریضوں کو اگر دو چار بار مکھیاں خوب کاٹ لیں تو اس سے بیماروں کو تکلیف بہت

ہوگی مگر جو فائدہ پہنچے گا وہ کسی اور دوا سے نہ پہنچا یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہے۔ آنکھوں دیکھی بات ہے۔

اگر تمھیں مکھیاں پالنے کا شوق ہے تو سب سے آسان طریقہ یہ ہوگا کہ چھتا خرید لو۔ ان مکھیوں کو پالنے کے لئے نئے طرز کے چھتے ایجاد ہوئے ہیں یہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں ان میں مکھیوں کو بھی ہر طرح کا آرام ملتا ہے اور تمھیں بھی۔ انھیں انگریزی زبان میں ماڈرن ہائیو کہتے ہیں۔ اور یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ قریب قریب ہر شہر میں شہد کی تجارت کی جاتی ہے۔ مکھی پالنے والوں کی انجمنیں قائم ہیں اور یہ اُن سے بآسانی خریدا جا سکتا ہے یہ چھتا انھی اصولوں پر بنا ہوتا ہے جس طرح کہ مکھیاں قدرتی طور پر چھتے بناتی ہیں۔ یہ دیکھنے میں بالکل چھوٹا سا بنگلہ معلوم ہوتا ہے۔ بارش اور آندھی سے محفوظ رہنے کے لئے سائبان ہوا کے لئے روشن دان، رہنے سہنے کا کمرہ الگ اور کام کاج کے لئے علیحدہ۔ غرض مکھیوں کے لئے بڑی آرام دہ چیز ہے۔ اس میں دو منزلیں ہوتی ہیں اوپر کے حصے میں شہد جمع کرنے کا گودام اور نچلے حصے میں رہنا سہنا۔ اس میں چودہ فریم ہوتے ہیں سات اوپر سات نیچے۔ اوپر کے حصے میں مکھیاں چھتے بنا کر ان میں شہد جمع کرتی ہیں اور نیچے کے حصے میں خود رہتی سہتی ہیں۔ چھتا خریدنے سے پہلے کسی دیہاتی بھائی کی مدد سے ان مکھیوں کو تلاش کر لو۔ اور جب مل جائیں تو اُن کے نئے مکان کو چھتے کے قریب لے جا کر رکھ دو۔ نئے مکان میں مکھیاں آباد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی حفاظت کر لو۔ کپڑے کی جالی سے اپنا منہ وغیرہ ڈھک لو۔ ہاتھوں میں دستانے پہن لو۔ موزے پائنچوں پر چڑھا لو تاکہ مکھیاں تم پر حملہ نہ کر سکیں۔ اک نوسکھیے کو یہ سب انتظام ضرور کر لینے چاہئیں۔ دیہاتی لوگ تو ان مکھیوں سے بالکل نہیں ڈرتے اور ذرا دیر میں مکھیوں کو نئے مکان میں آباد کر دیتے ہیں۔ یہ مکھی ٹٹوے کی شکل کے چودہ چھتے برابر برابر بناتی ہے۔ سات اوپر اور سات نیچے۔ مکھیاں تبدیل کرتے وقت راکھ بھی ساتھ رکھنی چاہیئے یہ چونکہ اپنے کام میں ہم سے زیادہ مصروف رہتی ہیں اس لئے انھیں تمھارے آنے کی خبر اکثر دیر میں ہوتی ہے۔ تم اُن پر بھی تھوڑی تھوڑی راکھ ڈال کر ہاتھ سے بلا تکلف ہٹا دو اور چھری سے چھتے کا ایک ایک حصہ کاٹ کر نئے مکان کے چوکھٹوں میں کسی دھاگے وغیرہ سے باندھتے جاؤ اس عرصے میں جو شہد گرے اُسے کسی برتن میں جمع کر لو اور جب سارے چھتے فریم کر چکو تب مکھیوں کو ایک جال میں پکڑ کر اس کا ایک سرا کھول کر نئے مکان کے دروازے سے باندھ دو۔ جال کو آہستہ آہستہ ہلاتے رہو تاکہ مکھیاں دروازے کے راستے اپنے گھروں پر جا بیٹھیں۔ کوشش یہی کرو کہ تمھار

ہاتھ سے زیادہ مکھیاں نہ مرنے پائیں۔ یہ کام بہت ہی سہولت سے کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ اتنا گھبرا جاتے ہیں اور مکھیوں کی دہشت ان پر اتنی طاری ہو جاتی ہے کہ سینکڑوں مکھیاں مار ڈالتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی تمام محنت بے کار جاتی ہے اور بعد میں اپنی اس جلد بازی پر افسوس کرتے ہیں۔

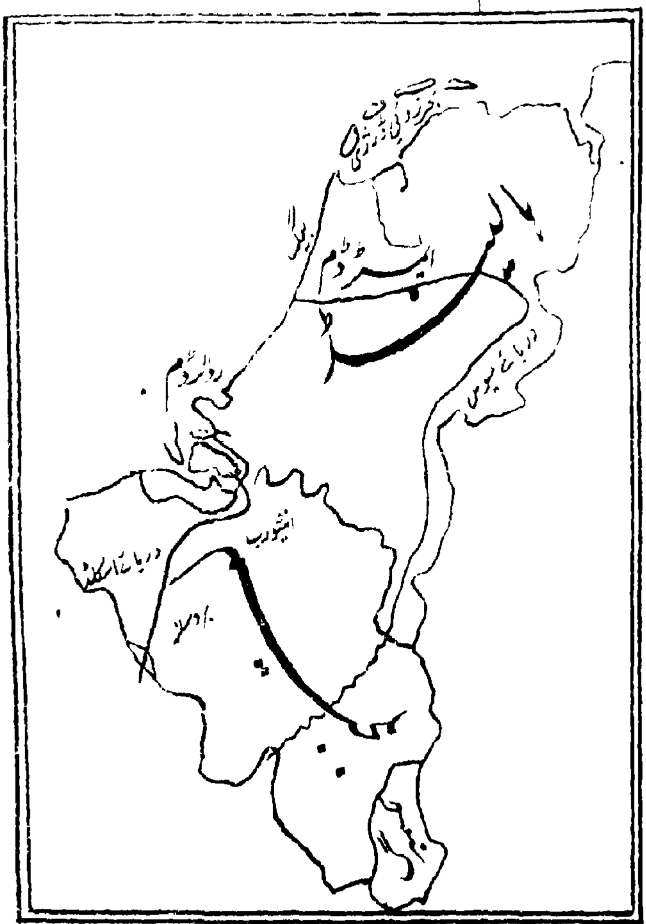
مکھیوں کو تبدیل کرنے کے دوران میں رانی کا خاص طور پر خیال رکھو اور اُسے پہچاننے کی کوشش کرو۔ کیونکہ تمام چھتے کا دارمدار رانی پر ہے۔ رانی اگر ہاتھ نہ آئی تو گویا تمہاری محنت اکارت گئی۔ رانی مکھیوں میں سب سے زیادہ خوب صورت ہوتی ہے اور اس کا رنگ ہلکا سنہرا ہوتا ہے اس لئے اس کے پہچاننے میں دیر نہیں لگتی۔ مکھیاں اپنی رانی کو بہت چاہتی ہیں۔ رانی کی حفاظت میں اپنی عزیز جان کی بھی پروا نہیں کرتیں۔ انھیں جب شبہ ہو جاتا ہے کہ کوئی ہمیں پکڑنے آرہا ہے تو سب سے پہلے اُن کے ننھے سے دماغ میں اپنی ملکہ کو بچانے کی فکر پیدا ہوتی ہے اور وہ ملکہ کے چاروں طرف اتنی تعداد میں جمع ہو جاتی ہیں کہ وہ ڈھک جاتی ہے اور تم اُسے نہیں دیکھ پاتے۔ مکھیوں کا ایک جگہ جمع ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ وہاں رانی موجود ہے۔ اس جھنڈ کو بڑی سہولت سے پکڑ کر جال میں چھوڑ دو۔ تاکہ وہ نئے مکان میں چلی جائیں۔ جب یقین ہو جائے کہ رانی نئے مکان میں آگئی تو سمجھ لو کہ مکھیاں نئے مکان میں آباد ہو جائیں گی اس مکان میں ایک دروازہ بھی ہوتا ہے اُسے کھول دو اور جال کی مکھیوں کو اندر پہنچانے کے بعد اُسے ہٹا لو۔ نئے مکان کو اُن کے پرانے گھر کے اور نزدیک رکھ کر پندرہ منٹ کے لئے وہاں سے ہٹ جاؤ۔ تاکہ جو مکھیاں اب تک باہر اُڑ رہی ہیں اپنی رانی کو تلاش کرتی ہوئی دروازے سے اندر پہنچ جائیں۔ جب تمام مکھیاں اندر چلی جائیں تو دروازہ بند کر دو اور نئے مکان کو ایک تپائی پر بہت احتیاط سے رکھ دو۔ اس کے پایوں کے نیچے مٹی کی پیالیوں میں پانی بھر کر رکھ دو تاکہ چیونٹیاں وغیرہ چھتوں میں نہ جاسکیں۔ تین روز تک اس کو ان کے پرانے گھر کے نزدیک ہی رہنے دینا چاہئے تاکہ مکھیاں اپنے نئے مکان کی خوبو سے آشنا ہو جائیں اور اسی میں رہنے کا ارادہ کرلیں اس عرصے میں روز سویرے اُن کے کھانے کے لئے شہد ڈالتے رہو رات کو دروازہ کھول دیا کرو اور دن بھر بند رکھو شہد ملنے سے اول تو وہ خوراک کی طرف سے بے فکر ہو جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انھیں اس سے خوشی ہوتی ہے کہ اُن کا چھینا ہوا مال واپس مل رہا ہے۔

(باقی آئندہ)

لکسمبرگ ہالینڈ بلجیم

عبدالحسیب حیدرآباد دکن

برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے درمیان لڑائی برابر جاری ہے۔ اس جگہ جہاں فرانس اور جرمنی کی سرحدیں ملتی ہیں لڑائی بہت دھیمی رفتار سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ جرمنی اور فرانس اپنے اپنے زمین دوز قلعوں میں محفوظ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے پر بڑھ کر حملہ کرنے کی کوئی بھی جرأت نہیں کر رہا ہے۔



جرمنی نے اس وقت ایک نئی تدبیر سوچی وہ تھی غیرجانب دار ملکوں کو جنگ کا اکھاڑا بنانے کی چنانچہ اپریل کے مہینے میں جرمنی نے ناروے اور ڈنمارک پر حملہ کرکے اس کو اپنی فوجی حفاظت میں لے لیا۔ وجہ یہ بتائی کہ اگر جرمنی ان ملکوں پر قبضہ نہ کرتا تو برطانیہ و فرانس اس پر قابض ہو جاتے اور وہاں سے جرمنی کے خلاف فوجی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ دراصل جرمنوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان غیرجانب دار ملکوں پر قبضہ کرکے۔ وہاں کی پیداوار

کو خود حاصل کرے اور اگر ہو سکے تو ان مفتوحہ علاقوں سے برطانیہ پر حملہ کر سکے۔

پھر اسی پرانے ڈر کی بنا پر جرمنی لکسمبرگ ہالینڈ بلجیم کو جرمن اقتدار کے ماتحت لانا چاہتا ہے۔ یہ سب ملک یورپ کے مشرقی ساحل پر واقع ہیں۔ شاید ان ملکوں کو فتح کرنے سے بھی اس کا یہی مقصد ہو کہ ان ملکوں کی پیداوار سے فائدہ اُٹھائے اور جرمنی بڑی لڑائی سے پہلا جیسا ملک ہو جائے۔

ہٹلر کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ جس ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے پہلے پہل جرمن لیڈروں کو بھیج دیتا ہے۔ یہ لیڈر وہاں سیر کے بہانے پہنچتے ہیں اور جرمن پروپگنڈا شروع کر دیتے ہیں اور آخر کار ہٹلر کسی قسم کی اطلاع دئے بغیر اس ملک پر چڑھ دوڑتا ہے۔ یہی حالت بے چارے ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ کی ہوئی۔ اول تو جرمن پروپگنڈا شروع ہوا اور پھر اچانک جرمنوں نے حملہ کر دیا۔ ان ملکوں کو خبر ہی نہ تھی کہ جرمنوں کا ایسا ارادہ ہے کیونکہ کچھ دنوں سے جرمن کہہ رہے تھے کہ وہ بلقانی ملکوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اچانک حملہ دشمن پر نہیں بلکہ غیر جانب دار ملکوں پر کیا گیا ہے۔

لکسمبرگ

یورپ کی چھوٹی سی ریاست ہے اس کا رقبہ ۹۹۹ مربع میل ہے اور اس کی سرحدیں بلجیم، فرانس اور جرمنی سے ملی ہوئی ہیں۔ زراعتی ملک ہے اور آج کل جرمنی کو سامانِ رسد کی ضرورت بھی ہے جو یہاں سے تھوڑا بہت حاصل ہو سکتا ہے۔ معدنیات میں صرف لوہا پایا جاتا ہے جس سے سامانِ جنگ بن سکتا ہے جرمنی اس پر قابض ہونے کے بعد ناروے، سوئیڈن ہالینڈ، لکسمبرگ اور بلجیم سے بہترین لوہا حاصل کر سکتا ہے دریائے سیور یہاں کا اہم دریا ہے اور دارالسلطنت لکسمبرگ مشہور شہر ہے۔

نظامِ حکومت جمہوری انداز کا ہے۔ مجلس کے ممبروں کو لکسمبرگ کے باشندے منتخب کرتے ہیں جن کی تعداد ۲۵ ہے اور اکثریت والی جماعت حکومت کا کاروبار چلاتی ہے پچھلی بڑی لڑائی میں بھی اس پر جرمنی نے قبضہ کر لیا تھا شکست ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء میں اس ملک کے مستقبل کے متعلق غور کیا گیا جس کے بعد موجودہ حکومت قائم ہوئی ۱۹۲۲ء میں لکسمبرگ اور بلجیم کا معاشی اتحاد ہو گیا۔ اور دس سال بعد لکسمبرگ، ہالینڈ اور بلجیم میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے ان ملکوں نے باہمی معاہدہ کرنے والے ملکوں سے آنے جانے والے سامان کا محصول گھٹا دیا۔

زمانۂ وسطیٰ میں یہاں کے کاؤنٹ کی زبردست حیثیت تھی۔ اور کچھ عرصے بعد ڈچی یعنی عورت حکمران ہوئی پھر یہ برگنڈی کا حصہ ہو گیا۔ اسپین اور آسٹریا کے ماتحت

تھوڑے تھوڑے عرصے تک رہا۔ ہالینڈ اور بلجیم بھی اس پر قابض رہے۔ بڑی جدوجہد کے بعد اس چھوٹے ملک نے اپنی آزادی حاصل کرلی جو لے اڈلف ڈیوک آف ناسو کے تحت حاصل ہوئی۔ اڈلف کا جانشین اس کا بیٹا ولیم ہوا جس کے مرنے کے بعد اس کی بہن میری تخت نشین ہوئی۔ بڑی لڑائی کے ختم پر میری اپنی بہن چارلیٹ کے حق میں دست بردار ہوگئی اور آج اسی چارلیٹ کی حکومت ہے جو اب بھاگ کر انگلستان پہنچ گئی ہے۔

ہالینڈ

جرمنی، بلجیم اور بحر شمالی اس ملک کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ناروے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کے کنارے سطح سمندر سے بہت بلند ہیں لیکن اس کے برخلاف ہالینڈ کی سطح سمندر کی سطح سے نیچے ہے۔ سمندر کے پانی کو روکنے کے لئے لمبے اور مضبوط بند تیار کئے گئے ہیں جو سمندر کے پانی کو روک سکیں اور ایسے طریقے سے جو کچھ زمین حاصل ہوگئی ہے اس میں زراعت اور مویشی پالے جاتے ہیں۔ یہ بند بہت اچھے اور پانی روکنے کے قابل بنائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کے کاریگر لایق اور ماہر فن ہوتے ہیں۔ بند کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے ہر وقت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ پھر بھی اکثر اوقات بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور گاؤں کے گاؤں سمندر میں غرق ہوجاتے ہیں۔ بسا اوقات خود یہاں کے بسنے والے ولندیزی مد توڑ دیتے ہیں جبکہ دشمن ان کے ملک پر قبضہ کرنے آتے ہیں۔ آج کل زوئی ڈرزی کے سمندر کے ایک سرے پر بڑی محنت سے بند بنایا جا رہا ہے۔ تاکہ بسنے کے لئے جگہ نکل سکے۔ یہاں کے اہم دریا رہاین میوس اکسیلڈ ہیں جن سے نہریں نکالی گئی ہیں اور نہروں کا پانی زراعت کے کام آتا ہے۔ اس ملک کا رقبہ ۱۲۷۶۱ میل ہے جس کا آدھے سے زیادہ حصہ سطح سمندر کے نیچے ہے اور آبادی بھی بہت زیادہ یعنی ۸۲۹۰۳۸۹ ہے۔

۱۸۱۴ء میں ہالینڈ، بلجیم کو ایک متحدہ سلطنت فرانس کے خلاف بنایا گیا۔ لیکن پندرہ سال بعد ہالینڈ بلجیم سے علیحدہ ہوگیا جس کے بعد سے ہالینڈ نے یورپ کی تاریخ کو بدلنے میں بہت کم حصہ لیا اور بڑی لڑائی کے دوران میں غیر جانب دار رہا۔

حکومت کا مرکز ہیگ ہے لیکن تجارتی حیثیت سے امسٹرڈم اور راٹرڈم کو مرکزیت حاصل ہے۔ امسٹرڈم اور راٹرڈم کی بندرگاہیں بڑی ہیں جہاں بڑے بڑے جہاز ٹھہر سکتے ہیں۔ جرمنی کی تجارت کا بڑا حصہ راٹرڈم سے دریائے رہاین کے ذریعے جرمنی بھیجا جاتا ہے۔ اصول حکومت جمہوری طرز کا ہے اور ہر مرد و عورت کو جو پچیس سال کے ہوں ووٹ

دینے کا حق حاصل ہے برطانیہ جیسی محدود اختیارات کی بادشاہت
قائم ہے اور اب رانی لوہیلمینا حکومت کر رہی ہیں
یہ بھی انگلستان میں پناہ گزیں ہیں۔

ہالینڈ زرعی ملک ہے۔ کثرت سے مویشی پالے جاتے ہیں جن سے اون، دودھ، مکھن، مسکہ، گوشت حاصل ہوتا ہے۔ زراعت کے ساتھ ساتھ جہاز سازی مصنوعی مسکہ، کوکو کی تجارت بھی ہوتی ہے۔ سن اور روئی سے کپڑا تیار کیا جاتا ہے جو بہت ہی اہم صنعتی اہمیت رکھتا ہے۔ امسٹرڈم میں ہیرے کاٹنے کی صنعت ہے۔

پچھلے زمانے میں ولندیزی یعنی ہالینڈ کے رہنے والے چالاک اور تجربہ کار ملاح تھے۔ اپنی اسی مہارت کی بدولت انھوں نے جزائر شرق الہند و غرب الہند پر قبضہ کیا تھا۔ جاوا، سماترا، بورنیو، مولکا اور سرینم ہالینڈ کے بہت اہم اور کثیر آمدنی والے جزیرے ہیں۔ لیکن آج کل ہالینڈ کی حیثیت بہت گھٹ گئی ہے۔ نہ پہلے جیسی بحری طاقت اب موجود ہے

بلجیم

ہالینڈ کے جنوب میں بلجیم ہے اس کے بقیہ تین طرف بحر شمالی فرانس اور جرمنی کے ملک ہیں۔ بلجیم کا کل رقبہ ہالینڈ سے کم ہے یعنی صرف بارہ ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ پھر بھی یہاں کی آبادی یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے اور اوسطاً ہر میل میں ۷۰۰ آدمی بستے ہیں برسلس یہاں کا صدر مقام ہے اس کے علاوہ دوسرے تاریخی اہم اور بڑے شہر بھی ہیں۔ انتظامی سہولت کے لئے ملک کو نو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دریائے میوس اور اسکیلڈ بلجیم میں سے بہتے ہیں۔

جنوبی حصے میں کوئلہ کثرت سے ہوتا ہے اس لئے قریب ہی بڑے کارخانے قائم ہیں۔ لوہے اور فولاد کو پگھلایا جاتا ہے جو قریب ہی سے حاصل ہوتا ہے موٹر سازی، ریل سازی، مصنوعی ریشم، کانچ کا سامان، لیس یہاں کی اہم صنعتیں ہیں۔ اس صنعتی حصے کے علاوہ بقیہ ملک میں زراعت ہوتی ہے اب تک بعض مقامات پر گھنے جنگل پائے جاتے ہیں۔ زرعی پیداوار میں گیہوں، جو اور دوسرے اناج بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ چقندر کی کاشت ہوتی ہے جس سے شکر بنائی جاتی ہے۔ ترکاری اور پھولوں کی پیداوار کچھ زیادہ ہے اس لئے یہ چیزیں دوسرے ملکوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ میوہ بھی خوب پیدا ہوتا ہے۔ لوہے کی کانوں کے علاوہ جست کی کانیں بھی ہیں۔

یہاں بادشاہ راج کرتا ہے لیکن اختیارات اس کے بالکل محدود ہیں اور اسے مجلس عامہ کی ہر بات ماننی پڑتی ہے۔ مجلس عامہ میں جن خیالات والوں کی زیادتی ہوتی ہے وہی جمہوریت کے نام سے حکومت

کرتے ہیں۔ مجلس کے اراکین مختلف طریقوں سے منتخب کیے جاتے ہیں۔ بعض تو حکومت مرکزی یا صوبہ واری حکومتوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور باقی تعداد کو خود عوام چنتے ہیں۔ رومن کیتھولک خیالات کے عیسائی بہت بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ بلجیم میں دو زبانیں ہیں۔ فلیمش اور فرانسیسی۔ پیچھے زمانے میں دونوں زبانیں بولنے والوں میں خوب ہی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔

پہلے یہ ملک برگنڈی کے راج میں تھا پھر اسپینی ندرلینڈ کے نام سے اسپین کے ماتحت رہا۔ اور اٹھارھویں صدی میں آسٹریا کے ساتھ رہا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں یہ ملک فرانس سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد ملک ہو گیا لیکن یہ آزادی ہالینڈ اور بلجیم نے مل کر حاصل کی تھی۔ پھر ۱۸۳۰ء میں بلجیم والوں نے ہالینڈ سے بھی علیحدگی اختیار کرلی اور لیوپولڈ اس جدید راج کا گرو تھا۔ لیوپولڈ ثانی اور اس کے بعد البرٹ حکومت کرتے رہے البرٹ ایک پہاڑی مہم پر گیا اور بدنصیبی سے پھسل کر مرگیا اور ۱۹۳۴ء میں لیوپولڈ سوم تخت نشین ہوا جو اب تک موجود ہے اور ہٹلر کے خلاف جنگ کر کے اپنے ملک کو بچانا چاہتا ہے۔ آج بھی انگلستان میں پناہ گزیں ہے۔

پچھلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء) میں یہ ملک غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا لیکن اس غیر جانبداری کو جرمنوں نے توڑ دیا۔ لڑائی کے ختم پر ایک بار پھر اس کو سوراج مل گیا۔ اب پھر جرمنی اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ اسے ڈر ہے کہ فرانس اور برطانیہ اس رخ سے جرمنی کو برباد کر دیں گے۔ دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے سخت گھمسان لڑائی ہو رہی ہے۔ بعد کی خبر یہ ہے کہ ہالینڈ پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا اور بلجیم کی حالت نازک ہے[1]

[1] بروسلز اور دوسرے شہروں پر جرمنی کا قبضہ ہو گیا ہے۔ لڑائی کا زور اس وقت فرانس کی طرف ہے۔

نئے نئے کھیل

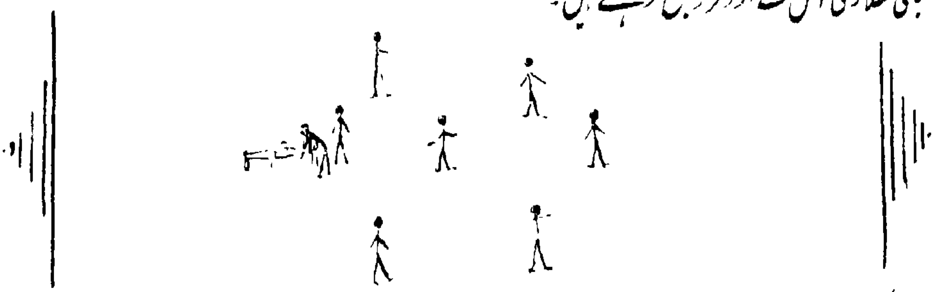
گھوڑا اور سائیس

از جناب الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی جامعہ نگر اوکھلا

تعداد :- ۵ تا ۴۰ تک

جگہ :- کمرا، صحن، کھیل کا میدان۔

طریقہ :- کھلاڑیوں میں سے ایک گھوڑا اور دوسرا سائیس چن لیا جائے۔ گھوڑا کسی چیز (چارپائی، درخت دیوار) کے سہارے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سائیس اس کے نزدیک کھڑا ہوا اس کی حفاظت کرتا ہے۔ باقی کھلاڑی اس کے اردگرد جمع رہتے ہیں۔



کھیل شروع ہونے پر کھلاڑی گھوڑے پر سواری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائیس انھیں روکتا اور چھوتا ہے جسے وہ چھو لیتا ہے وہ گھوڑا بن جاتا ہے۔ پہلا گھوڑا سائیس بن کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پہلا سائیس کھلاڑیوں میں جا ملتا ہے۔

احتیاط :-

(۱) گھوڑے کو کوئی حق نہیں کہ جو کھلاڑی اس پر سوار ہو اُسے پکڑے۔

(۲) سائیس کسی ایک مخصوص کھلاڑی کا دور تک پیچھا نہیں کر سکتا۔

(۳) ایک ہی کھلاڑی گھوڑے پر جا نہ بیٹھا رہے۔ بلکہ سب کو سواری کا موقع دے۔

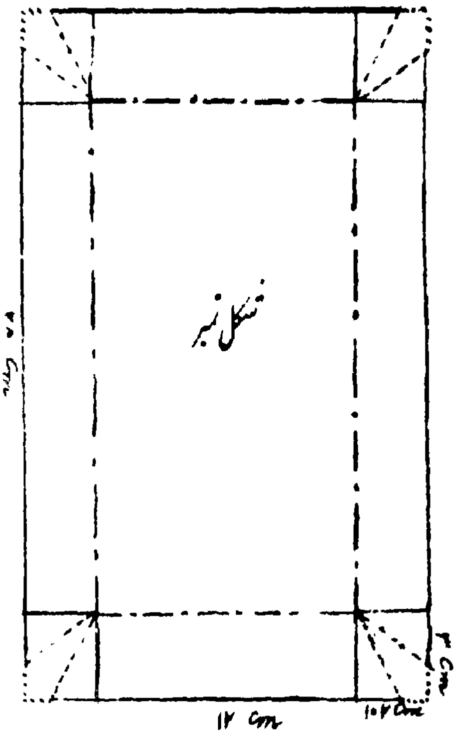
گتے کا کام

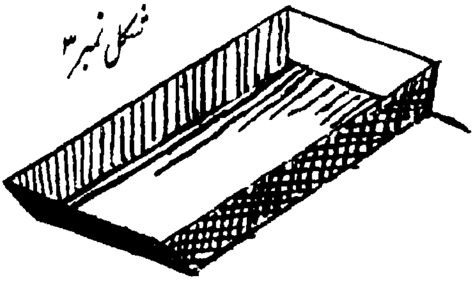
پنسل ٹرے

سید عروج الحسن صاحب - استاد تعلیمی مرکز دہلی

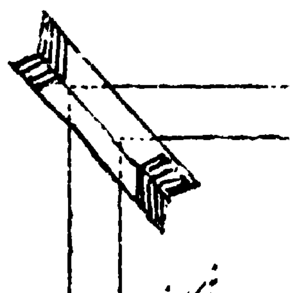
۲۸ سینٹی میٹر لمبا اور ۱۲ سینٹی میٹر چوڑا ایک گتا لے کر اس پر شکل نمبر ۱ کی طرح نشان لگاؤ اور جہاں جہاں (.......) ایسے نشان ہیں وہاں سے گتا کاٹ دو اس کے بعد (— . —) ان نشانوں پر (HALF CUT) کردو - اور چاروں طرف سے گتے کو موڑ دو - اب چاروں کونوں کو کپڑے کی پٹیوں سے جوڑ دو - (شکل نمبر ۲) طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کی ایک پٹی لے کر باہر کی طرف چپکا دو کہ کپڑے کو اس مقام سے کاٹ دو جہاں پر سیاہ رنگ ہے - پھر کونے کو گتے پر چپکا دو -

اس کے بعد کسی مناسب رنگ کے کاغذ کی پٹیاں لے کر اندر اور باہر چپکا دو - پنسل ٹرے تیار ہے - دو پیسے میں ایک نمونہ تیار ہو جائے گا -





شکل نمبر ۳



شکل نمبر ۲

معلومات

حسین صاحب

نمک کی عجیب و غریب کان

کوہ کارپیتھین کی ترائی میں کراکو (آسٹریا کا ایک شہر) سے آٹھ میل دور "وائیلکزا" نامی نمک کی کان ہے۔ کان میں ہزاروں گز دور تک چاروں طرف راستے بنے ہوئے ہیں۔ یہ راستے ایسی جگہ جا کر ختم ہوتے ہیں جہاں ۵۰۰ فیٹ لانبے اور ۴۰۰ فیٹ تک گہرے تالاب بنے ہوئے ہیں۔ اس کان میں بڑے بڑے نمک کے کمرے ہیں کمان دار دروازے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفید سفید ہیروں سے ان کو سجایا گیا ہے۔

ایک زمانے میں یہ کان قید خانے کا کام دیتی تھی۔ اس میں مجرم اور خاص کر سیاسی مجرم رکھے جاتے تھے۔ یہ مجرم تمام عمر باہر کی روشنی سے محروم ہو کر کان میں مرتے دم تک کام کرتے رہتے تھے۔

اس کان میں سب سے حیرت انگیز چیز سینٹ انتھونی کا گرجا ہے۔ اس میں پادری کے خطبہ دینے کی میز، مورتیں، سجاوٹ کا ساز و سامان سب کا سب نمک کا بنا ہوا ہے۔

گذشتہ زمانے میں اس کان میں آسٹریا کا شاہی خاندان سیر و تفریح کرنے آیا کرتا تھا اس وقت کان کی شان ہی کچھ اور تھی۔ اس کو روشن کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے عالی شان فانوس آویزاں کئے جاتے تھے، اور اس میں نازک اور خوب صورت پردے لٹکائے جاتے تھے مختلف کمروں میں باجا بجتا تھا۔ اور اس کان میں انوکھی بہار ہوتی تھی۔

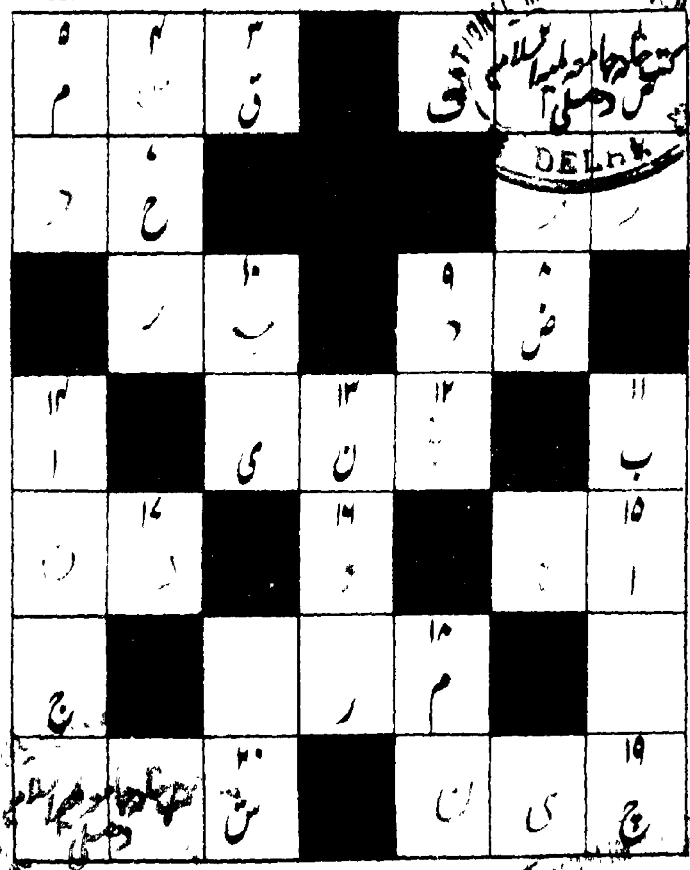
اکثر پانی کی نہ ملنے کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اب ایک سائنس کے ماہر نے ایک چھوٹا سا آلہ ایجاد کیا ہے یہ انسان کی سانس کو جما دیتا ہے۔ آلہ چھوٹے سے بکس کی صورت میں ہے یہ کمر میں باندھ لیا جاتا ہے۔ اس میں ایک نلکی جمی لگی ہوتی ہے اگر کسی وقت پانی نہ ملے تو انسان اسی جمی ہوئی سانس کے ذریعے تسکین حاصل کر سکتا ہے۔



معمّہ نمبر ۸

پہلا انعام ۶ر

دوسرا انعام للعہ ر



اشارات

دائیں سے بائیں

۱- ہر معما ...... سُتھرا حل کرکے بھیجیے۔

۳- .... کھانے کی عادت بُری ہے۔

۶- موتی

اوپر سے نیچے

۱- شو

۲- زمین

۴- صبح

۷۔ انتہا

۸۔ بچوں کی مشہور ہے۔

۱۰۔ اوپر

۱۲۔ دولت کی پروانہ کرنے والا۔

۱۵۔ افسوس اور تعجب کے وقت یہ لفظ منہ سے نکل جاتا ہے

۱۷۔ سے ڈرنا آخر کیوں؟

۱۸۔ مہربانی کے ہم معنی لفظ (بے ترتیب)

۱۹ آرام

۲۰۔ صبح گذری ..... ہونے آئی میر
تو نہ چیتا اور بہت دن کم رہا

۵۔ جذر کو جوار بھاٹا بھی کہتے ہیں۔

۹۔ توپ کے چلنے کو جانا بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ پنجاب کا ایک دریا (نیچے سے اوپر)

۱۳۔ روشن

۱۴۔ ستارہ

۱۸۔ دل

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد کی تصدیق ضروری ہے

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍ ہے

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دیے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی

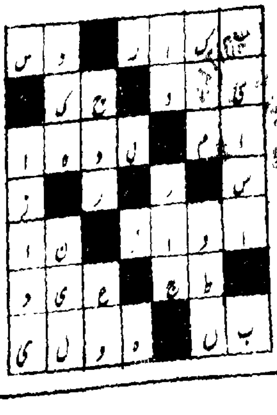
۵۔ تمام حل ۲۰ر جون تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئیں

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا

۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔

۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

معما نمبر ۷



معما نمبر ۷ کا صحیح حل

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست ۔ آج کل گرمی خوب پڑرہی ہے خاص کر دلی میں تو جیسے آگ برس رہی ہو۔ بہت تکلیف پہنچانے والا موسم ہے ۔ مگر اس سے ہمیں فائدے بھی ہیں ۔ تمھیں معلوم ہے گرمی میں پسینہ خوب نکلتا ہے ۔ پسینے کے ساتھ ہی بہت سا میل کچیل بھی باہر آجاتا ہے پھر لوہ اور گرمی کی وجہ سے آب وہوا بہت صاف ہوجاتی ہے مگر آج کل ذرا احتیاط کی ضرورت بھی ہے ۔ رات کا پکا ہوا باسی کھانا نہیں کھانا چاہیئے ۔ دن کے وقت گھر سے باہر جانا ہو تو خوب پانی پی لیا کرو اور گلے میں کپڑا لپیٹ لیا کرو ۔ لوہ نہیں لگے گی ۔ اگر خدانخواستہ لوہ لگ جائے تو آسان نسخہ یہ ہے کہ کچے آم بھوبھل میں بھلبلا لیا اور شربت بنا کر پی لیا ۔ شربت زیادہ ٹھنڈا نہ کرنا ۔ آج کل نہانا بھی خوب چاہیئے خصوصاً صبح کو تو ضرور نہانا چاہیئے ۔

تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ عزیزی منور حسین صدیقی ۔ عزیزہ صالحہ سجانی اور عزیزہ آمنہ صدیقہ کی کوششوں سے حیدرآباد میں لڑکیوں کی شاخ قائم ہوگئی ہے ۔ عزیزہ افضل سلطانہ اطلاع دیتی ہیں کہ ۹ مئی کو پیام برادری کا جلسہ زہرہ جعفری صاحبہ کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ یہ عہدے دار چنے گئے ۔ صدیقہ فاطمہ ، صدر ۔ افضل سلطانہ ، سکریٹری ۔ طیبہ خاتون ، نائب سکریٹری ۔ رحیم النسا ، خزانچی ۔ پہلے صالحہ سجانی نے نہایت خوش الحانی سے قرآن کی آیتیں پڑھیں ۔ پھر صدر صاحبہ نے پیام برادری کے فائدے بتائے اور دوسرے ملکوں میں بچوں کی برادریاں قائم ہیں اُن کے حالات سنائے اور لڑکیوں کو پیام برادری کے جلسے میں پابندی سے شریک ہونے کی تاکید کی ۔ اس کے بعد عنوان "پیام برادری سے ہمیں کیا فائدے ہوتے ہیں" پر تقریری مقابلہ ہوا ۔ رشید فاطمہ اور صغرا سلطانہ کی تقریریں پسند کی گئیں ۔ ان کے علاوہ کئی تقریریں اور مکالمے اور ہوئے ۔ فیروزہ نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی نظم نیا شوالہ اور زہرا بیگم نے حالی کی مشہور نظم " وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا " بہت اچھی طرح گا کر پڑھی دو تین نظمیں اور خیر النسا ، ذاکرہ بیگم اور طیبہ خاتون نے پڑھیں آیندہ جلسے کے لئے تقریر کا

عنوان "موجودہ جنگ کا اثر ہندوستان پر" تجویز کیا گیا اور جلسہ کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔

سکریٹری صاحب پیام برادری نئی دہلی اطلاع دیتے ہیں کہ شاخ پیام برادری نئی دہلی کی سالانہ کانفرنس ۵ اپریل کو ہوئی۔ دو انگریزی اور ایک اردو ڈراما دکھایا گیا اور تقریریں وغیرہ ہوئیں۔ ۷ اپریل کو مظہر حسین صاحب کی صدرت میں ایک انتظامی جلسہ ہوا۔ اس میں یہ تجویزیں پاس ہوئیں :-

(۱) پیام تعلیم کے معموں کی آخری تاریخ پندرہ مونی چاہئے (۲) قلمی رسالہ جلد تیار کیا جائے (۳) آپا جان سے گذارش کی جائے کہ وہ ترکی کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے چندے کی اپیل کریں۔

معما نمبر ۶ کا حل کسی بچے نے صحیح نہیں بھیجا ایک غلطی کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان سب کے نام نمبر وار نیچے لکھے جاتے ہیں :-

۱۔ زاہد حسن منظور۔ گوکل پورہ
۲۔ سلطان احمد۔ کلکتہ
۳۔ امتیاز محمد۔ پانی پت
۴۔ ظفر علی۔ جامعہ ملیہ
۵ صلاح الدین۔ قرول باغ
۶ سلیمہ۔ بیگم روڈ۔ لاہور
۷۔ سید ابو النصر فیض الدین۔ رحمت گیا
۸۔ مسعود احمد خاں شروانی۔ علی گڑھ
۹ عمر بن سالم۔ حیدر آباد دکن
۱۰۔ امتیاز حسین۔ حیدر آباد دکن
۱۱۔ سعید عالم۔ سہارن پور
۱۲۔ سید محمد اجمل بہاروی۔ جامعہ ملیہ
۱۳۔ نور عالم۔ آگرہ
۱۴۔ خلیق الزماں۔ اندور
۱۵۔ بقاء اللہ عثمانی۔ جامعہ نگر۔
۱۶۔ سید محمد صفی اللہ۔ پٹنہ
۱۷۔ ظفر حسین خاں۔ شاہ آباد (ہردوئی)
۱۸۔ شمیم فاطمہ۔ گوالیار
۱۹ سید رشید احمد۔ فرخ آباد
۲۰۔ مس اقبال بانو۔ نینی تال
۲۱۔ کرشن بہاری۔ نواب گنج۔ بارہ بنکی
۲۲۔ محمد عبد العلیم۔ پابھنی دکن
۲۳۔ سید فخر عالم۔ پٹنہ
۲۴۔ محمد لئیق احمد صدیقی۔ خیریت آباد۔ دکن
۲۵ خواجہ صلاح الدین "
۲۶۔ عزیز فاطمہ۔ سہارن پور
۲۷۔ محمد حسین۔ الہ آباد
۲۸۔ عزیز مسعود خاں۔ ایم نگر (یوپی)
۲۹ محمد عبد القادر۔ ناندیڑ (دکن)
۳۰ قمر الدین سیالکوٹ

۳۱۔ نسیم فاطمہ۔ بارہ بنکی
۳۲۔ منیرہ بانو۔ لکھنؤ
۳۳۔ راجہ میاں۔ پربھنی
۳۴۔ محمد سخار الرب۔ کان پور
۳۵۔ سعدیہ سلطانہ۔ حیدرآباد دکن
۳۶۔ طاہرہ بیگم نظامی۔ فرخ آباد
۳۷۔ پروین نگار۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۳۸۔ محمد وقار احمد خاں۔ حیدرآباد دکن
۳۹۔ محمد اعظم ״
۴۰۔ مس جمیلہ خاتون۔ بہار شریف
۴۱۔ محمد یسین۔ جھانسی
۴۲۔ انیس ہاجرہ خاتون۔ گورکھ پور
۴۳۔ زاہد حسین۔ دہرہ دون
۴۴۔ اقبال احمد۔ امروہہ
۴۵۔ محمد انیس الاسلام۔ جامعہ نگر
۴۶۔ سید رشید الدین۔ احمد نگر (دکن)
۴۷۔ حافظ محمد امین۔ مچھلی شہر
۴۸۔ اویس قریشی۔ رام پور اسٹیٹ
۴۹۔ ماجد اشہد حسین قدوائی۔ گورکھ پور
۵۰۔ محمد اشفاق۔ نئی دہلی
۵۱۔ سلطانہ مسیح۔ فتح گڑھ
۵۲۔ چودھری عبدالغفار خاں۔ لکھنؤ
۵۳۔ سید عماد الدین۔ بہاولپور
۵۴۔ ماجد حسین قادری۔ آگرہ
۵۵۔ محمد اقبال ״ نام پلی (دکن)
۵۶۔ نہال الدین۔ شاہ آباد (بہار)
۵۷۔ سارہ بائی ابراہیم۔ بمبئی ۳
۵۸۔ محمد سعید عالم۔ کلکتہ
۵۹۔ فزل اللہ کرمانی۔ اٹاوہ
۶۰۔ اختر الزماں۔ کریم نگر (دکن)
۶۱۔ صدیق امین خاں۔ فیض آباد
۶۲۔ محمد عبدالحکیم۔ گلبرگہ شریف
۶۳۔ ہربھجن سنگھ بجھیڑی۔ (سی پی)
۶۴۔ محمد حارث جعفری پٹنہ
۶۵۔ تاج محمد۔ بھوپال
۶۶۔ احسان الحق۔ جامعہ ملیہ
۶۷۔ بی بی سائرہ خاتون۔ بلاسپور (دربھنگہ)
۶۸۔ سعیدہ خانم ادھمی۔ بانسی (بستی)
۶۹۔ عبدالعلا۔ شملہ
۷۰۔ حمید العلا۔ ״
۷۱۔ زرینہ خاتون سری نگر (کشمیر)
۷۲۔ طارق ابن علی۔ جامعہ نگر
۷۳۔ محمد احسن صدیق۔ بدایوں
۷۴۔ نسیم احمد۔ نئی دہلی
۷۵۔ نور الرحمٰن نقوی۔ سرونج مالوہ (ٹونک)
۷۶۔ سید نفیس احمد ہلور (بستی)

۷۷۔ اسلام اعظم خاں ۔ لکھنؤ
۷۸۔ راضیہ بیگم ۔ الہ آباد
۷۹۔ محمد حسین ″
۸۰۔ مشحون احمد ۔ لکھنؤ
۸۱۔ مجیب الرحمٰن ۔ اترولہ (گونڈا)
۸۲۔ عبدالواحد خاں ۔ خورجہ (بلند شہر)
۸۳۔ حسن صالح ۔ بہار شریف (پٹنہ)
۸۴۔ شیخ ممتاز مسعود ۔ علی گڑھ
۸۵۔ نواب سرفراز علی ۔ اناؤ درستی
۸۶۔ سید غلام حیدر رضوی ۔ الہ آباد
۸۷۔ احمد نواز خاں ۔ کوٹھی بھاول ۔ منٹگمری

ایک غلطی کرنے والے بچوں کا انعام صرف للعہ روپئے ہے ۔ ہمیں انعام بھیجنے میں بہت دقت ہوگی اس لئے یہ بچے اور بچیاں معما نمبر ۸ کا ایک ایک حل مفت بغیر فیس کے بھیج دیں ۔ ہاں اس وقت جس نمبر کے ساتھ انکا نام چھپ رہا ہے اس نمبر کا حوالہ ضرور دیں ۔ یہ بچے چار حل بجائے ۸ کے دو آنے میں بھیج سکتے ہیں ۔

معما بنانے والے صاحب نے اس مرتبہ کچھ اور ہدایتیں بھیجی ہیں انھیں میں نیچے نقل کرتی ہوں ۔ وہ لکھتے ہیں بچے اگر ان چند باتوں کا خیال رکھیں تو حل بہت زیادہ صحیح ہوا کریں ۔

۱۔ معما پہلے روف کاغذ پر حل کیا کرو
۲۔ جب حل کر چکو تو اسے کئی بار دیکھو
۳۔ خانے میں حرف لکھ کر نہ کاٹو
۴۔ حرف صاف لکھو
۵۔ ایک خانے میں دو حرف ہرگز نہ لکھو ایسی ضرورت پیش آجائے تو الگ حل بناؤ ۔
۶۔ معما خانوں ہی میں حل کرنا چاہیے بعض بچے ایک کے نیچے ایک حل کرکے روانہ کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ۔
۷۔ یہ ضروری نہیں کہ معما پیام تعلیم ہی میں سے کاٹ کر بھیجو الگ کاغذ پر بھی خانے بنا کر بھیج سکتے ہو ۔
۸۔ جس کاغذ پر حل بھیجو اس پر اپنا پورا پتہ بہت صاف اور خوش خط لکھو [۱]
۹۔ حل کے ساتھ بعض بچے ٹکٹ رکھنا بھول جاتے ہیں یا اسی قسم کی کوئی اور غلطی کر بیٹھتے ہیں اس لئے حل روانہ کرنے سے پہلے یہ بات غور سے دیکھ لو کہ آیا تم نے ان قاعدوں کی جو حل کے لئے ضروری ہیں پابندی کی ہے یا نہیں ۔

امید ہے کہ بچے معما حل کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں گے ۔ اس مرتبہ کسی اور جگہ جگ بیتی پر ایک مضمون شائع ہو رہا ہے اس لئے میں نے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ۔

اچھا اب رخصت آپا جان

[۱] حل کے بارے میں شکایتیں نام چھپنے کے بعد پندرہ دن تک ہو جانی چاہئیں ۔ اس کے بعد حل ردی کر دئے جاتے ہیں ۔

بچّوں کی علمی کتابیں

کائنات :- سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی :- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچّے :- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچّوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے :- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵

عجائب خانہ سمندر :- ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۴ر

تعلیمی کھیل :- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی :- سائنس کے مشکل مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۵ر

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور عموماً تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملائی گئی ہیں۔ آج ہی ایک تاش منگائیے کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس بڑا سائز ۔ اردو انگریزی ۱۲ ۔ اردو ۔ ہندی ۱۲ ۔
چھوٹا سائز اردو ۔ انگریزی ۔

مکتبہ جامعہ دہلی

جولائی ۱۹۴۰

پیامِ تعلیم



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی: ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳

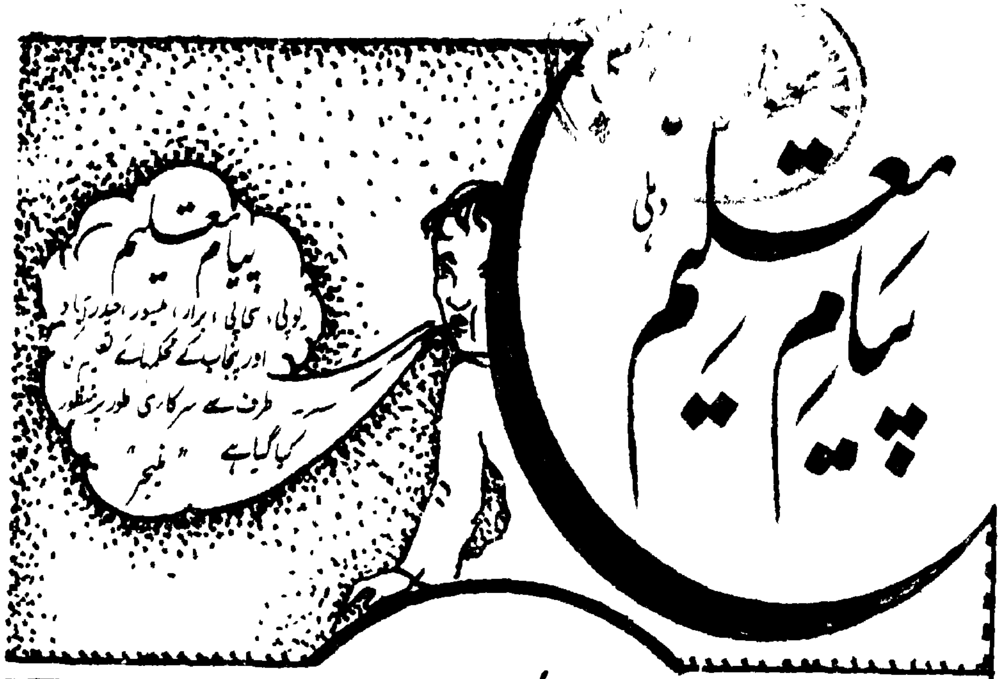
آخری نبی: رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ملکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۰۰

رسول پاک: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۰

چار یار: حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۰

عقائد اسلام: یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱

ارکان اسلام: اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۰



جلد - ۲۳	جولائی سنہ ۱۹۴ء	نمبر - ۷

فہرست مضامین

اڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ۲ - فی پرچہ ۳ر

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی - محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں کی باتیں

ایڈیٹر

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کے بارے میں ہم نے پیامیوں سے رائیں مانگی تھیں بہت سے بچوں نے اپنی اپنی رائیں بھیجی ہیں۔ ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اُمید ہے کہ دوسرے پیامی بھی اس طرف توجہ کریں گے۔

اس مرتبہ کاغذ اور چھپائی کے دوسرے سامانوں کی مہنگائی نے ہمارے کام کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ پھر بھی ہم سال گرہ نمبر کو ہر اعتبار سے دلچسپ اور مفید بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

اس مرتبہ بعض اہم اور دلچسپ مضمون دیر میں پہنچنے کی وجہ سے اس پرچے میں نہ نکل سکے ان میں فضل الدین صاحب اثر کا مضمون موٹر کی ایجاد، محترمہ ہاجرہ بیگم کا مضمون اودے شنکر۔ جناب شفیع الدین صاحب کا مضمون "آم" خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں۔ آم والا مضمون شفیع الدین صاحب نے ہماری درخواست پر لکھا تھا۔

اب یہ سب مضمون اگلے پرچے میں چھپیں گے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت دلچسپ مضمون کہانیاں اور نظمیں ہوں گی۔

بعض پیامی منع کرنے پر بھی معمے کے حل کے ساتھ خط یا مضمون وغیرہ بھیج دیا کرتے ہیں اور جب انہیں کوئی جواب نہیں ملتا یا کسی فرمائش کی تعمیل نہیں ہوتی تو شکایت کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ وہ احتیاط رکھیں گے۔

پیامیوں کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اُن کا پیام تعلیم برابر آگے بڑھ رہا ہے پہلے اس کا ایک ہی ایڈیشن چھپتا تھا اب اس کے علاوہ تین ایڈیشن اور چھپتے ہیں۔ ایک یوپی کے ان پڑھ بالغوں کے لئے دوسرا پنجاب کے بالغ مبتدیوں کے لئے اور تیسرا ریاست ابد مدت حیدرآباد کے پیامیوں کے لئے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے بچوں اور بڑوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔



برسات

محمد شفیع الدین صاحب نیر

برسات کی رت آئی | چلنے لگی پروائی
لو اٹھ کے وہ پورب سے | گھنگھور گھٹا چھائی

بادل کی گرج سن کر | ہل جاتے ہیں دل اکثر
بجلی کے چمکنے سے | ہے آنکھ بھی چندھیائی

مدت سے تھی یہ خواہش | لو ہونے لگی بارش
پہلے تو پڑیں بوندیں | پھر موسلا دھار آئی

کافور ہوئی گرمی | ہر چیز میں ہے نرمی
سرسبز ہوئے جنگل | باغوں میں بہار آئی

ہے کھیتوں میں ہریالی | ہے دھوپ کی تابانی
بیدار ہوئے پودے | لینے لگے انگڑائی

ہر سمت بھرا پانی | نالوں میں ہے طغیانی
گویا کہ سمندر نے | کھیتوں میں جگہ پائی

موروں میں تھرکنے کا | اک ذوق ہوا پیدا
جب آم کے پیڑوں سے | کوئل کی صدا آئی

پیڑوں میں پڑے جھولے | سب رنج والم بھولے
بچوں نے مزے لے کر | نیر کی غزل گائی





پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب
مولوی شفیع الدین صاحب کے صاحبزادے
عزیزی صالح میاں سلمہ نے یہ سہرا ہندوستان کے
مشہور خوش نویس جناب منشی عبدالقدیر صاحب کے
صاحبزادے افتخار صاحب کی شادی کے موقع پر پڑھا
سب لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔ پیامیوں
کی دلچسپی کے لئے ہم اسے یہاں لکھتے ہیں
ایڈیٹر

سنئے بھائی جان کا سہرا
ہے یہ نرالی شان کا سہرا

سہرا اُن کے سر پہ بندھا ہے
آج تو اُن کے سر سہرا ہے

پھول ہیں اُس کے پیارے پیارے
جیسے ہوں رنگین ستارے

عیش کی ساعت آئے گی اب
دل کی کلی کھل جائے گی اب

آئیں گی بھابھی جان ہماری
اچھی اچھی پیاری پیاری

دعوت خوب اُڑائیں گے ہم
ڈٹ کے مٹھائی کھائیں گے ہم

اے اللہ! مری یہ دعا ہے
سن لے تو سب کی سنتا ہے

بھابھی اور یہ ہمارے بھائی
اور ان دونوں کے شیدائی

شاد رہیں مسرور رہیں سب
رنج اور غم سے دور رہیں سب

زرد چوہیا

ذکی احمد سید - پونا۔

(۲)

ان لفظوں کے ختم ہوتے ہی تمام مکان میں زبردست آگ لگ گئی اور سلیمان حسرت بھری نگاہوں سے کبھی سلطانہ اور کبھی مکان کو دیکھتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا اور سلطانہ دوسری طرف کو روانہ ہو گئی۔ اسے خبر نہ تھی کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے۔ بیچاری زیبا بھی خاموش فراک کے ایک کونے میں لٹکی رہی۔ سلطانہ نے بہت کوشش کی لیکن کسی نے بھی اس کو پناہ نہ دی، جب سے اپنے گھر میں نہ آنے دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں جا پہنچی خوش قسمتی سے وہاں چند پھلوں کے درخت تھے جن سے اس نے پھل توڑ کر کھائے اور قریب کی ندی سے تھوڑا سا پانی پیا۔ دن بھر کی تھکن سے چور چور ہو کر وہ وہیں پڑ کر سو رہی۔ اتفاق سے اس وقت شہزادہ جمیل شکار کھیل کر واپس جا رہا تھا۔ جب وہ اس کے قریب سے گذرا تو ایسے گھنے جنگل میں ایک سوتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر اسے بہت حیرانی ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا "کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایسے گھنے جنگل میں ایک لڑکی بے خبر سو رہی ہے۔ اس کی خوبصورت پوشاک اور حسین چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی شہزادی ہے۔" پھر سب سے پوچھا کہ اس کو محل تک کیسے لے چلیں۔ ایک ساتھی نے کہا "ملائم شاخوں کا ایک بستر بنایا جائے اور اس پر لٹا کر اسے محل تک لے چلیں۔" سب نے جلدی سے بستر تیار کیا اور شہزادے نے شاخوں اور ملائم پتوں پر اپنا چغہ بچھا کر لٹا دیا۔ اس وقت سلطانہ خواب میں شہزادہ جمیل اور اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ سوتے میں بڑبڑانے لگی "ہاں ابا جان! ہم آپ بچ گئے .... ہاں .... وہ ہے شہزادہ جمیل ...."! شہزادے کو تعجب ہوا کہ یہ کون ہے جو اسے جانتی ہے۔ لیکن وہ اس کو نہیں پہچانتا۔

صبح سویرے سلطانہ کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی

وہ بجائے دریا کے کنارے کے مخمل کے گدوں پر آرام سے لیٹی ہوئی ہے۔ بہت حیران ہوئی اور اپنے دل میں کہنے لگی" یا الٰہی میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں!" کنیزوں نے شہزادے کو خبر دی کہ سلطانہ جاگ گئی ہے۔ شہزادہ جیسے ہی آیا سلطانہ نے پہچان لیا کہ یہ وہی شہزادہ ہے جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ "شہزادہ جمیل" نکل گیا۔ شہزادے کو اور بھی تعجب ہوا اس نے پوچھا" تم کون ہو جو مجھ سے واقف ہو اور میں تم کو بالکل نہیں جانتا" سلطانہ نے اپنا سارا حال کہہ سنایا۔ زرد چوہیا سے نجات پانے پر دونوں بہت خوش ہوئے اور ناشتہ کرنے کے بعد باغ میں تفریح کرنے چلے گئے۔ شہزادے نے دو ہی دن میں سلطانہ کو تقریباً تمام چیزیں دکھا دیں۔ تیسرے دن وہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے باغ کے ایک خوب صورت کونے میں آ نکلے۔ جہاں ایک چھوٹے سے پودے کے چاروں طرف کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ سلطانہ نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا درخت ہے؟ شہزادے نے جواب دیا" یہ تمہاری سال گرہ کا تحفہ ہے اور عین سال گرہ کے موقع پر تم کو دکھایا جائے گا۔ یہ ملکہ پری نے تمہاری پندرھویں سال گرہ کی خوشی میں دیا ہے۔ دیکھو تم اس کے دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ ہم دونوں پر بہت مصیبت آئے گی۔" سلطانہ نے کہا" اچھی بات ہے میں اس کو ہرگز نہ چھوؤں گی۔ اونہہ دو دن کی تو بات ہی ہے"

شام ہو گئی تھی۔ دونوں محل واپس چلے گئے دوسرے دن صبح سویرے سلطانہ نہا دھو کر تیار ہو کر کھڑکی میں بیٹھی تھی کہ اس کو اسی پودے کا خیال آیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ باغ کا کچھ عجیب پرلطف سماں ہے تمام پودے ہوا کے ہلکے جھونکوں سے جھوم رہے ہیں اور وہ پودا جو کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا باوجود کپڑے کے ایسا خوب صورت معلوم ہو رہا تھا کہ سلطانہ کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس نے جی میں کہنا شروع کیا" کیسا خوب صورت پودا ہے نہیں معلوم اس میں کیا خاص بات ہے جو ملکہ پری نے مجھے تحفے میں دیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کل آپ ہی معلوم ہو جائے گا ۔ ۔ ۔ کل میری سال گرہ ہے ۔ ۔ ۔ کل اپنا پودا دیکھ لوں گی۔ ۔ ۔ اگر چاہوں تو ابھی دیکھ سکتی ہوں ۔ ۔ ۔ (دیکھ کر) ۔ ۔ ۔ کوئی بھی نہیں ۔ ۔ ۔ لاؤ چھید میں سے جھانک کر دیکھ لوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ سوچ کر وہ فوراً کھڑکی سے کود کر درخت کے پاس جا پہنچی۔ وہ انگلیوں سے چھید کو ذرا بڑا کر کے اندر جھانکنا چاہتی تھی۔ چھید ابھی تھوڑا تھوڑا ہی سا بڑھا پایا تھا کہ بجلی گرنے کی آواز آئی اور خوب صورت پودا دکھائی دینے لگا اس کا تنا یاقوت کا، ٹہنیاں لعل کی، پتے زمرد کے اور اس پر موتیوں کے خوشے لگے ہوئے بڑے اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ محل میں فوراً آگ لگ گئی تمام چیزیں جل اٹھیں محل کی دیواریں گرنے لگیں۔ شہزادہ

خون میں لتھڑا ہوا باہر نکلا اور چیخ چیخ کر سلطانہ سے کہنے لگا" آہ سلطانہ! تم خود برباد ہوئیں اور مجھے بھی تباہ کردیا" سلطانہ بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ دو منٹ کے بعد زرد چوہیا اُس کے سامنے آکر ناچنے اور کہنے لگی "پیاری سلطانہ تم کیسی اچھی ہو۔ شاباش! شاباش!!" سلطانہ نے اپنا مُنہ ہاتھوں سے ڈھک لیا اور زار زار رونے لگی۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا" ہاں اپنی ہی غلطی سے میں نے یہ سزا پائی۔ لیکن ایک امتحان اور بھی تو ہے۔ .... اللہ مالک ہے ......"

سلطانہ زمین پر لیٹ رہی۔ چوہیا نے گھسیٹنا چاہا لیکن وہ نہ ہلی۔ چوہیا پھر غائب ہوگئی۔ شام کا وقت ہوگیا۔ سلطانہ کم سم نہ معلوم کس خیال میں بیٹھی تھی کہ ادھر سے ایک بوڑھی عورت گذری۔ وہ تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ بکس تھا۔ بوڑھی عورت رُک گئی اور سلطانہ سے کہنے لگی" کیا تم یہ میرا بکس دو گھنٹے کے لئے رکھ سکتی ہو؟" سلطانہ نے کہا" بڑی خوشی سے" بوڑھی عورت نے سیاہ بکس دیتے ہوئے کہا" دیکھو اسے کھولنا نہیں ویسے اس میں ایسی عمدہ اور خوب صورت چیز ہے کہ تم نے کبھی دیکھی ہے اور نہ دیکھوگی ......" یہ کہہ کر بوڑھی عورت چلی گئی۔ سلطانہ نے بکس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اندھیرا ہو چکا تھا سلطانہ نے بکس کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر سے کسی چیز کی روشنی نکل رہی تھی

سلطانہ نے غور سے دیکھا اور اُٹھا کر الٹ پلٹ کر پھر دیکھنے لگی۔ "کیا ہے؟ اس کے اندر" اس نے اپنے دل میں کہا۔ پھر جب اسے شہزادے اور اپنے باپ کا خیال آیا تو کہنے لگی" اونہہ ہوگا کچھ ...... مجھے کیا مطلب .... میری تھوڑی ہے۔ .... دوسروں کی چیز ...... کل میں پندرہ برس کی ہو جاؤں گی ... ابا جان سے ملاقات ہوگی ...... شہزادے سے بھی ملوں گی ...... اُفوہ کتنی بڑی رات ہے ...... بوڑھی عورت کیوں نہیں آئی ......" اس نے بکس رکھ دیا اور کچھ سوچنے لگی۔" بہت دیر ہوگئی قریب قریب ڈیڑھ گھنٹہ اور گذر گیا لیکن بوڑھی عورت نہ آئی" تھوڑی دیر کے بعد زرد چوہیا دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی" سلطانہ! دیکھو اس کے اندر کیا ہے؟ ارے بڑی اچھی چیز ہے .... نہیں دیکھتی؟ تو ادھر دیکھو ہم ہی دکھا دیں۔ ارے ادھر تو دیکھو .. .." لیکن سلطانہ نے نہ دیکھا چوہیا نے پھر کہا" مجھ سے ڈرو نہیں۔ سلطانہ اِدھر دیکھو" لیکن پھر سلطانہ نے اپنا مُنہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اتنے میں پاس کے گھنٹہ گھر نے بارہ بجانے شروع کردئے۔ "ٹن" "ٹن" "ٹن" ......

پہلی ہی آواز میں چوہیا نے کہا" آہ سلطانہ! تمھاری عمر پندرہ سال کی ہوگئی .... تمھاری سال گرہ

کا دن آگیا ... ۔ آہ! اب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چوہیا بنی رہوں گی ...... تو میں گئی ... !" سلطانہ نے چہرے سے جو ہاتھ اٹھایا تو چوہیا کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ بس یہاں سے غائب تھا اور ملکہ پری کو آٹھ گھوڑوں کی گاڑی پر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

ملکہ پری اس کے قریب اتری اور اپنے پاس سلطانہ کو بٹھا لیا۔ اسے ایک سیب دیا اور کہا "پیاری سلطانہ یہ سیب کھالو تو اس سے تمھاری تھکن دور ہو جائے گی اور ہمارے ساتھ شہزادے کے محل پر چلو!" سلطانہ نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا "وہ محل تو جل کر خاک ہوگیا"

ملکہ پری نے کہا "نہیں وہ تو میں نے تمھارے دکھانے کے لئے کر دیا تھا۔ محل بالکل صحیح و سالم ہے" اتنے میں گاڑی شاہی محل پر رک گئی۔ شہزادہ اور سلیمان کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطانہ دوڑ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی اور پھر شہزادے کی طرف مخاطب ہوئی۔ شہزادے کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ اور وہ صحیح سلامت تھا۔ اسی دن شام کو دونوں کی شادی ہوگئی۔ ملکہ پری نے جواہرات کے بہت سے تحفے دئے ٭

بجیا اور عطیہ

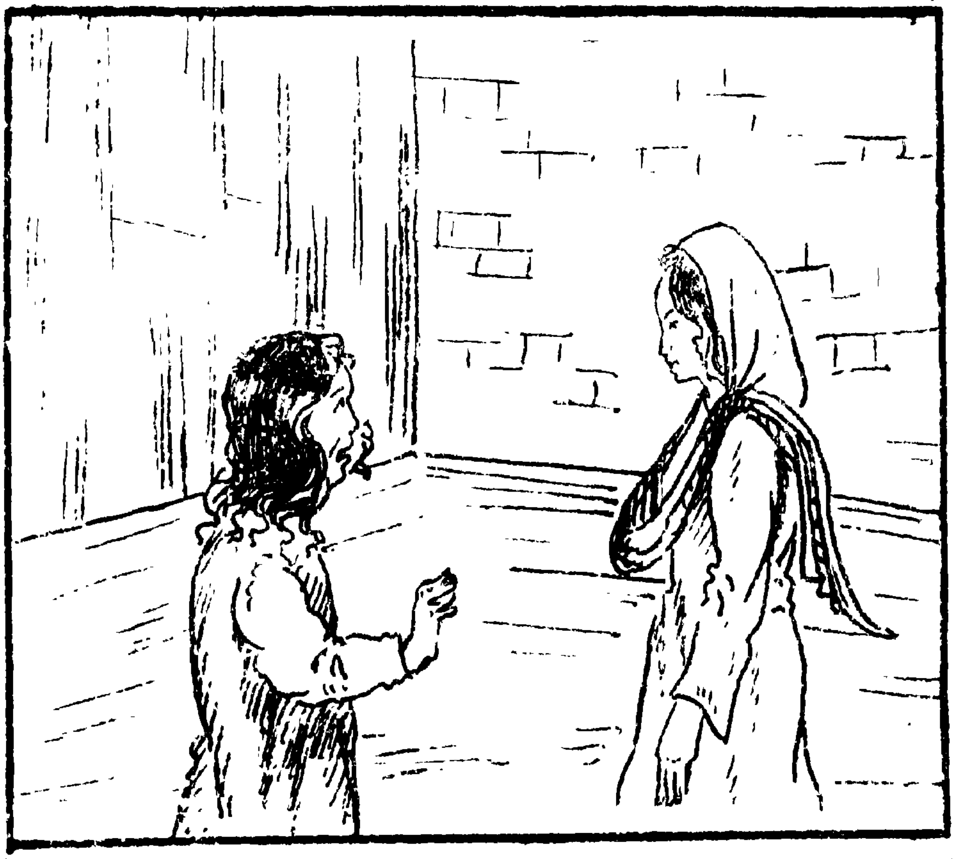
محترمہ مریم خلیل لکھنؤ

مری انگلی میں کیوں کاٹا ؟　　مجھے لکڑی سے کیوں مارا ؟
مرے بالوں کو کیوں کھینچا ؟　　مرے کانوں کو کیوں نوچا ؟
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی اگر نوچا تو میں تم سے نہ بولوں گی

بھلا یہ کیا شرارت ہے ؟　　کہاں کی یہ حماقت ہے !
کہ میرا کھیل کا ڈنڈا　　زمیں پر لے کے دے ٹپکا !
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی اگر ٹپکا تو میں تم سے نہ بولوں گی

مرا اونٹ اور گھن چکر　　کہاں پھینکا ہے لے جا کر ؟
تم ہی اب ڈھونڈنے جاؤ　　اٹھا کر بھی تمھی لاؤ

بہت اچھا مری بجیا
مگراب کی اگر پھینکا۔ تومیں تم سے نہ بولوں گی



مری پھرکی کو کیوں نوچا؟ ۔۔۔ مرے بھوے کو کیوں توڑا؟
نیا منگوا کے مجھ کو دو ۔۔۔ نہیں توگوند سے جوڑو
بہت اچھا مری بجیا
مگراب کی کیا ایسا۔ تومیں تم سے نہ بولوں گی

مری ننھی کتبیا پر ۔ مری منّی کتبیا پر
مری اچھی سی پنسل سے ۔ لکیریں کردیں کیوں تم نے

ہوئی غلطی مری بھیا
مگر اب کی ہوا ایسا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

مری بلّی کے بچّے کو ۔ مری مرغی کے بچّے کو
یہ آخر چھیڑنا کیسا ۔ یہ آخر مارنا کیسا

ہوئی غلطی مری بھیا
مگر اب کی اگر مارا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

مری کرسی پہ کیوں بیٹھیں؟ ۔ مری گڑیاں کہاں پھینکیں
کتابوں کی مری بُقچی ۔ بھلا آنگن میں کیوں رکھ دی

ہوئی غلطی مری بھیا۔
مگر اب کی ہوا ایسا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

حفاظتی انجمن

محمد حسین حسان

نسیم کا گھر فیض آباد میں ہے۔ یہ اچھا خاصا بڑا قصبہ ہے۔ ایک اردو کا مڈل اسکول ہے ایک انگریزی کا ہائی اسکول ہے۔ نسیم آج کل ہائی اسکول میں پڑھتا



ہے۔ یہ اسکول قصبے کے ایک کنارے ہے۔ اسکول کے چاروں طرف بہت بڑا میدان ہے اور اس میں خوب درخت لگے ہیں۔ بچے اسکول کھلنے سے پہلے اور

چھٹی کے بعد ہی میدان میں کھیلتے ہیں۔ بڑے لڑکوں نے کئی درختوں میں جھولے ڈال لیے ہیں اور خوب جھولتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے یہ کیا ہے کہ کئی

لمبے لمبے مضبوط تختوں کے نیچے بیچوں بیچ ایک ٹیک لگا دی ہے۔ بچے تختوں کے دونوں سروں پر بیٹھ جاتے ہیں اور باری باری سے ایک دوسرے کو

اور پیچھے حرکت دیتے ہیں۔ بڑا مزا آتا ہے۔ یہ کھیل "سی سا" کہلاتا ہے۔

ایک دن صبح کو اسکول کھلنے سے پہلے نسیم میاں جھولا جھول رہے تھے کہ ایک بڑے لڑکے سے ان کا جھولا ٹکرا گیا۔ یہ گر پڑے۔ نیچے ایک نکیلا پتھر تھا اس پر ان کا پیر پڑا اور کٹ گیا خون بھی بہنے لگا۔ یہ جلدی سے اپنے ماسٹر صاحب کے پاس گئے۔ وہاں ننھا بھی زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ شیشے سے کٹ گیا تھا۔ ماسٹر صاحب اس کے ہاتھ پر پٹی باندھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں اسکول کی گھنٹی بجی اور سب لڑکے درجے میں آ گئے۔ ماسٹر صاحب نے بچوں سے کہا۔ "بھئی آج سبق شروع کرنے سے پہلے ذرا کھیل کے میدان کے بارے میں بات چیت کر لیں۔ دیکھو ہمارا کھیل کا میدان کتنا اچھا ہے۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے ہر روز دو چار بچوں کے چوٹ ضرور لگ جاتی ہے۔ کسی بچے کا پیر نکیلے پتھر سے لہولہان ہو جاتا ہے۔ کسی کے پیر میں شیشہ گھس جاتا ہے۔ کچھ بچوں کے جھولا جھولتے یا سی سا کھیلتے وقت چوٹ لگ جاتی ہے۔ کچھ بچے آپس میں کھیلتے وقت اپنی لاپروائی اور بے احتیاطی سے چوٹ کھا جاتے ہیں۔" مختار نے کہا۔ "ماسٹر صاحب کھیل میں میدان کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ پتھر شیشے، بے کار لکڑیاں اور جانے کیا کیا پڑا ہے"

نسیم نے کہا "ہاں ماسٹر صاحب یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے دوسرے حادثوں کا کیا علاج ہوگا جیسے جھولا جھولتے میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے یا کھیلتے وقت اپنی بے احتیاطی اور لاپروائی سے چوٹ لگ گئی۔ اختر میاں بولے "ماسٹر صاحب" مختار بھائی یہ بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔" احمد درجے میں سب سے بڑا تھا بولا "ماسٹر صاحب ہمارے ابا کہتے تھے ولایت کے مدرسوں میں ایک سیفٹی کلب ہوتا ہے۔ ہم اسے اپنی زبان میں حفاظتی انجمن کہہ سکتے ہیں۔ یہ کلب اس لئے قائم کئے جاتے ہیں کہ بچوں میں خطرے سے بچنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان انجمنوں کے کچھ قاعدے قانون ہوتے ہیں۔ بچے ان قانونوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انجمن کا ہر ممبر حادثے سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرتا ہے تو ماسٹر صاحب ہمارے اسکول میں بھی کھیل کے میدان کے لئے ایسی ہی ایک انجمن کیوں نہ بن جائے۔" احمد کی بات سن کر درجے کے قریب قریب سبھی لڑکوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ماسٹر صاحب نے بھی خوش ہو کر کہا "بھئی ایسی کوئی انجمن بن جائے تو کیا کہنا۔"

وقفے (انٹرول) میں یہ خبر دوسرے درجوں میں بھی پہنچ گئی اور عام طور پر بچوں نے اس کی تائید کی اور اسکول کی چھٹی کے بعد لڑکوں نے انجمن قائم کر لی۔ عہدے داروں کا انتخاب بھی ہو گیا۔ کھیل کے میدا

میں اپنی حفاظت کے لئے چند قانون بھی بنا لئے گئے۔
۱۔ جن چیزوں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ کھیل کے میدان سے چن لی جائیں۔
۲۔ جب دوسرے بچے جھولا جھولتے ہوں یا سی سا کھیلتے ہوں تو ان دونوں سے الگ رہو۔
۳۔ جھولا باری باری سے جھولو۔ اسی طرح سی سا

مشغول ہو گئے اور تھوڑی دیر میں اینٹ پتھر ٹوٹے ہوئے شیشے، ٹین کے ٹکڑے غرض سارا کوڑا ایک جگہ لا لا کر جمع کر دیا۔ اختر نے کہا "اچھا اب اس کوڑے کا کیا جائے" نسیم نے کہا "اپنے گھر تو ہم گڑھا کھود کر کوڑا اس میں ڈال دیتے ہیں۔ بات معقول تھی فوراً سمجھ میں آ گئی۔ کئی بچوں نے مل کر



باری باری سے کھیلو۔
۴۔ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر گیند نہ کھیلو جو تمھارے کھیل میں شریک نہیں ہیں۔
۵۔ کسی کو دھکا مت دو نہ اڑنگا لگاؤ۔

انجمن بننے کے بعد بچوں میں اتنا جوش اور اتنی سرگرمی پیدا ہو گئی کہ فوراً میدان میں پہنچ کر صفائی میں

میدان کے ایک کونے میں گڑھا کھودا۔ سارا کوڑا اس میں ڈال دیا اور اوپر سے مٹی بھر دی احمد نے کہا "دیکھو اب ہمارا میدان کیسا اچھا لگ رہا ہے" نسیم نے کہا "اور جناب ہماری "حفاظتی انجمن" کی وجہ سے یہ کھیلنے کے لئے ایک محفوظ جگہ ہو گئی ہے۔ ارشاد بولے۔ "اور کیا۔ اس انجمن کی بدولت ہمیں

میدان میں آتے ہی ہر وقت احتیاط کا خیال رہے گا"
احمد نے کہا کیا اچھا ہو کہ اور تمام مدرسوں میں بھی
اسی طرح کی انجمنیں بن جائیں" نسیم نے جواب دیا
"بہت اچھا خیال ہے۔ یہ کام پیام تعلیم کے ذریعے
آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یہ رسالہ ہزاروں مدرسوں
میں جاتا ہے۔ میرے خیال میں تو آپا جان کو ایک خط
لکھنا چاہیئے جس میں بتایا جائے کہ ایسی انجمنیں لڑکوں
اور لڑکیوں کے لئے کس قدر ضروری ہیں اور ہماری انجمن
نے قائم ہوتے ہی ہم سب کو کتنا فائدہ پہنچایا"

بیا اور بندر

گنیش چندر سکسینہ۔ فتح گڑھ

آؤ سناؤں ایک کہانی — ہے یہ کہانی بہت پرانی
پیڑ پہ ایک بیا تھا رہتا — تھا آرام سے وہ اور خوش تھا
جاڑے کا اک بار تھا موسم — مینہہ بھی برسا چھم چھم چھم چھم
سردی سے وہ بندر اکڑا — سردی نے اس کو جکڑا
بیے نے اس پر ترس جو کھایا — پاس بلایا۔ یہ سمجھایا۔
ہاتھ ہیں تیرے آدم[1] جیسے — رہنے کو گھر ایک بنا لے
پہلے سے تو فکر جو کرتا — کیوں اس طرح سے آج ٹھٹھرتا
میری طرح سے گھر کے اندر — بیٹھتا اپنے گھر میں بندر
یہ سن کر بندر غرایا — خوب ہی اس کو غصہ آیا
گھونسلا اس کا توڑ کے پھینکا — اب تو وہ دل میں پچھتایا

بدوں سے جو کرتا ہے بھلائی
ملتی ہے خود اُسے برائی

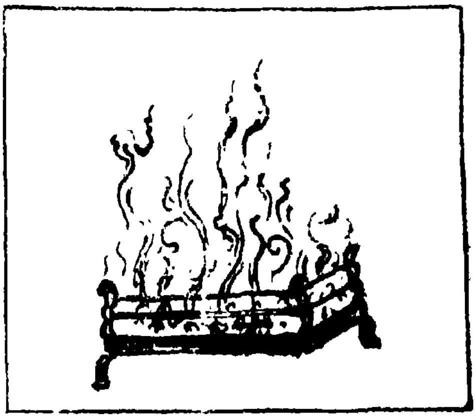
[1] یعنی آدمی کی طرح

کوئلہ اور گیس

محمد جمال الدین۔ حیدرآبادی

جنوری کا مہینہ تھا کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا

الیاس میاں کمرے میں آئے اور زرینہ سے بولے زرینہ بہن باہر کیسی سردی ہے! ہاتھ پیر کٹے جا رہے ہیں۔ زرینہ بولیں:- "تو آؤ انگیٹھی کے پاس بیٹھ جاؤ دیکھو کیسی پیاری آگ ہے"



الیاس میاں انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر تاپنے لگے پھر ایکا ایکی جانے کیا خیال آیا کہ ہنس پڑے۔ زرینہ نے پوچھا بھیا کیا بات یاد آگئی جو ایکا ایکی کھلکھلا پڑے۔

الیاس :- ایک بات ہے!

زرینہ :- آخر کہیں بھی تو بتاؤ

الیاس :- نہیں بتاتے۔

اتنے میں چچا میاں بھی کمرے میں آگئے اور کہنے لگے "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

زرینہ :- چچا میاں الیاس بھائی جانے کیوں آپ ہی آپ ہنس رہے ہیں۔ چچا میاں نے پوچھا کیا بات ہے بھئی آخر ہمیں بھی تو بتاؤ۔ الیاس میاں نے وہ بات تو ٹال دی اور مسکرا کر کہنے لگے:-

"آہا چچا میاں ایک بات یاد آگئی"

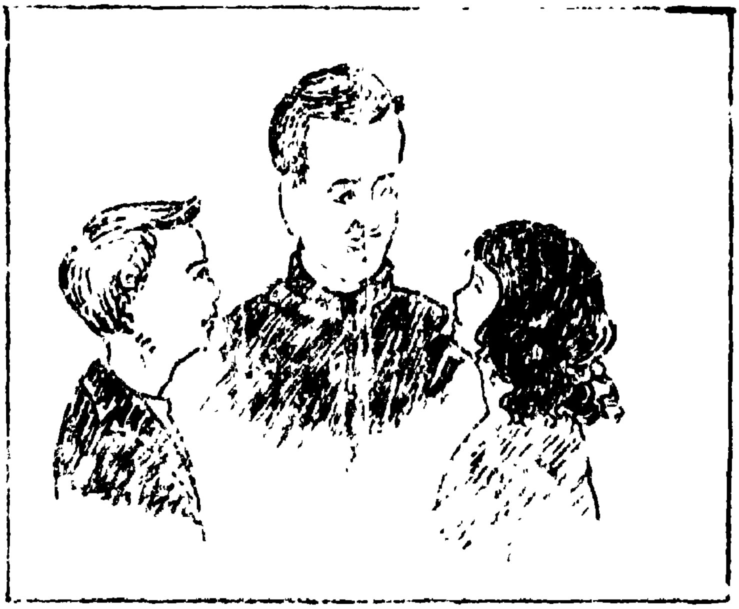
چچا میاں :- کیا بات!

الیاس :- وہی بات!

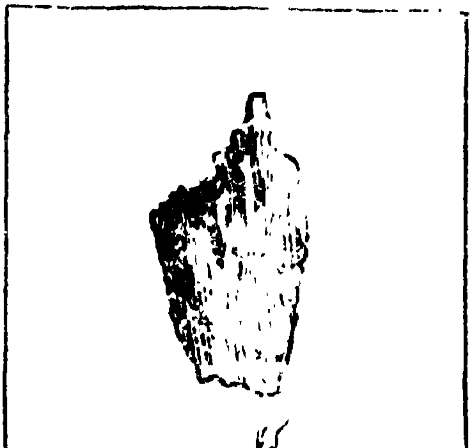
چچا میاں :- اچھا! اچھا مجھے یاد آگیا......

ایں! .... وہی سوال کی بات نا؟ تم نے کہا تھا کہ ہمارے سوالوں کا جواب دیجئے گا۔ کیوں؟ اچھا تو دو سے زیادہ

ہوں ۔ آرہا



الیاس: ہاں ہاں! چچا میاں آپ کو یاد آگیا ۔ آج ۔۔۔ کے بارے میں کچھ بتا دیجئے۔



کوئلہ

زرینہ: ہونہہ کیسی باتیں پوچھی ہیں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔

چچا میاں: شاباش بٹیا الیاس نے بہت اچھی باتیں پوچھی ہیں۔ تم بھی ان کے جواب پوری دلچسپی سے سنو گی۔ اچھا پہلے کوئلے کے بارے میں بتائیں



جنگل ہی جنگل

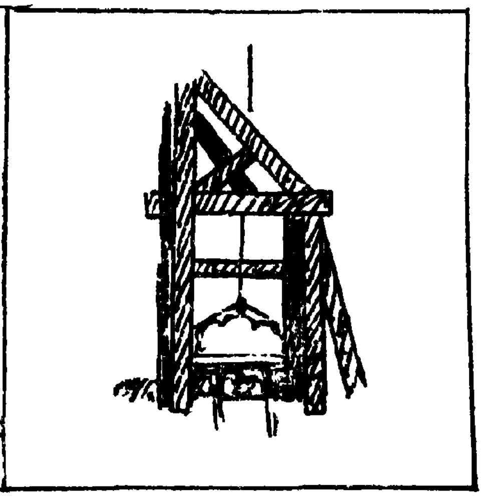
اب سے بہت بہت دنوں پہلے ساری زمین تناور درختوں اور گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر

ایک زمانہ ایسا آیا کہ جنگل کے جنگل زمین میں دھنس گئے۔ زمین کے اندر یہ اور چیزوں کے ساتھ مل گئے پھر ان پر ایسا سخت دباؤ پڑا ایسا سخت دباؤ پڑا کہ یہ سخت، ٹھوس اور کالے ہو گئے بس اس طرح ان کا کوئلہ بنا۔

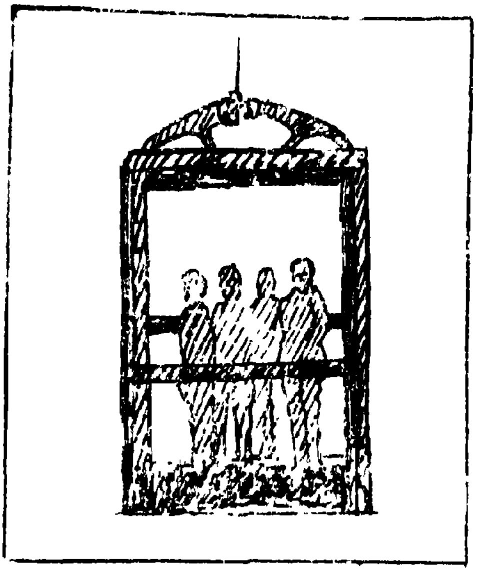
جس جگہ کے بارے میں لوگوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئلہ ہوگا تو وہاں کھودنا شروع کر دیتے ہیں اچھا بتاؤ جس جگہ سے کوئلہ نکالا جاتا ہے اسے کیا کہتے ہیں؟

الیاس:۔ اُسے کان کہتے ہیں۔

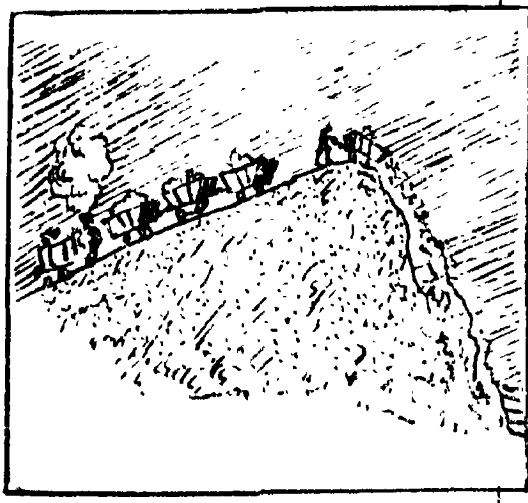
چچا میاں:۔ شاباش ہاں تو پہلے زمین میں ایک گہرا سوراخ کیا جاتا ہے جسے کان میں چلنے کا راستہ کہتے ہیں۔ پھر کان کے مزدوروں کو اس سوراخ



کے اندر لے جانے اور باہر لانے کے لئے لفٹ کی طرح ایک پنجرا سا بناتے ہیں۔ یہ اوپر نیچے آتا جاتا رہتا ہے۔

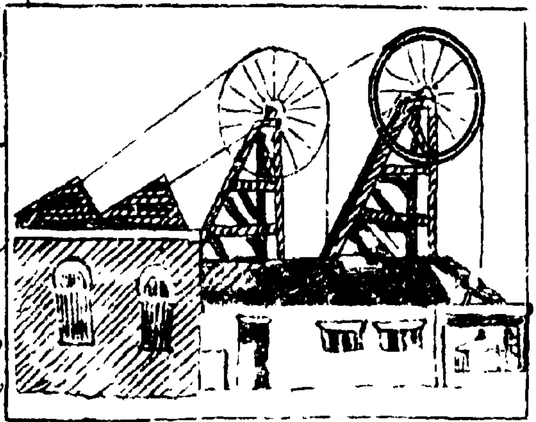


اچھا اب تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو ہم ایک کوئلے کی کان کی سیر کرنے جا رہے ہیں۔ جیسے ہی ہم کان کے قریب پہنچیں گے بے کار اور خراب کوئلوں



اور کان کے اندر کے کوڑے کرکٹ کا ایک ڈھیر نظر آئے گا بالکل ٹیلے جیسا۔ اس کے بعد کان کے اندر

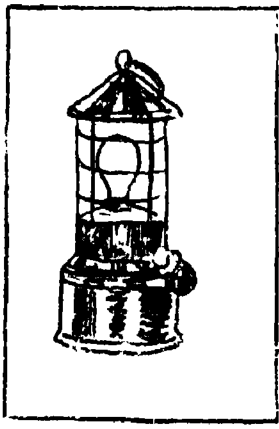
جانے کے دوران پہنچ نظر آئیں گے ایک آدمیوں کے لئے ایک کوئلے کے لئے۔



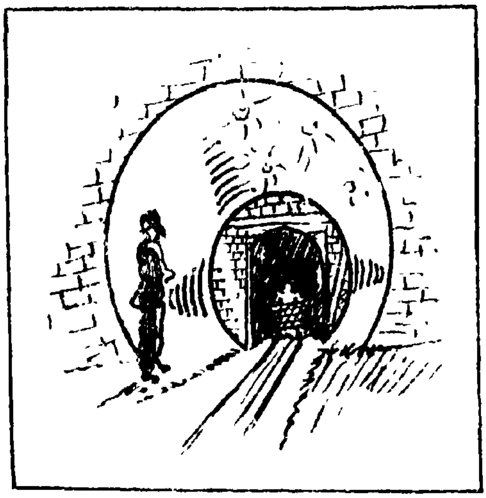
کان میں جانے سے پہلے تلاشی لی جائے گی کہ ہمارے پاس دیا سلائی وغیرہ تو نہیں ہے اس لئے کہ اس قسم کی چیزیں کان میں لے جانا ...... یہاں ہوا زہریلی ہوتی ہے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے اکثر کان پھٹ جاتی ہے۔ اور بہت نقصان ہوتا ہے اس کے بعد ہمیں کان میں کام کرنے والوں کی وردی پہننی پڑے گی تاکہ ہمارے کپڑے صاف رہیں۔ ایک بجلی کا



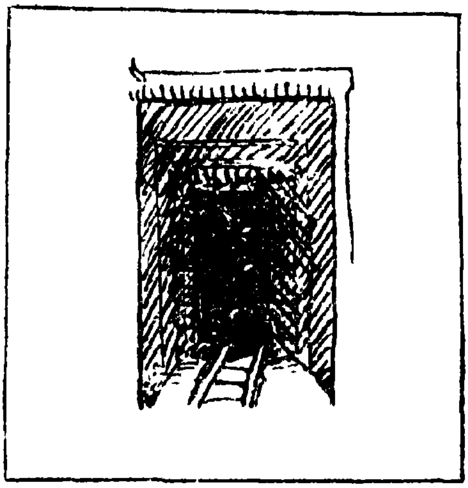
لیمپ بھی ساتھ لے جانا ہوگا پھر ہم پنجرے میں قدم رکھیں گے۔ ایک گھنٹی بجے گی اور پنجرا بہت تیزی سے ہمیں نیچے لے جائے گا۔ راستے میں اتنا اندھیرا ہوگا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے گا۔ ہمارا دم اب گھٹنے لگے گا۔



تہہ میں پہنچ کر ہمیں پھر تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی۔ اس لئے کہ یہاں بجلی کا انتظام ہے۔ لیکن جوں جوں ہم آگے بڑھیں گے راستے پتلے ہوتے جائیں گے۔ روشنی



کا بھی کوئی انتظام نہ ہوگا۔ بس اسی موقع پر ہمارے بجلی کے لیمپ کام آئیں گے۔ آخر چلتے چلتے ہم ایسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں ہمیں مزدور کام کرتے ہوئے



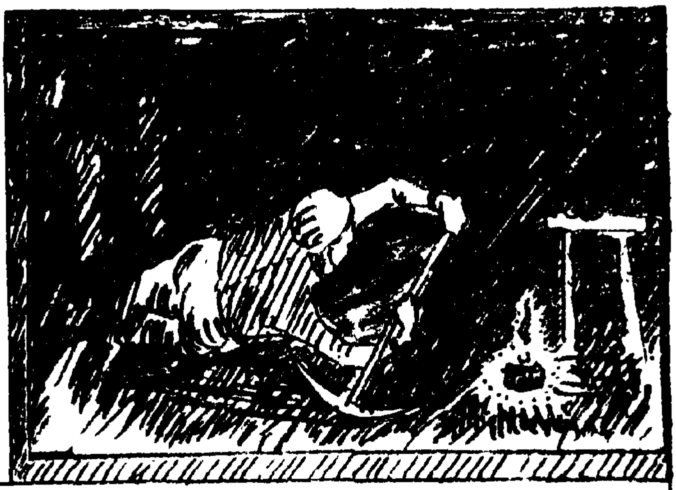
ملیں گے ان میں سے اکثر زمین پر لیٹے لیٹے کدال چلا رہے ہوں گے۔ یہ واقعی بہت خطرناک کام ہے۔

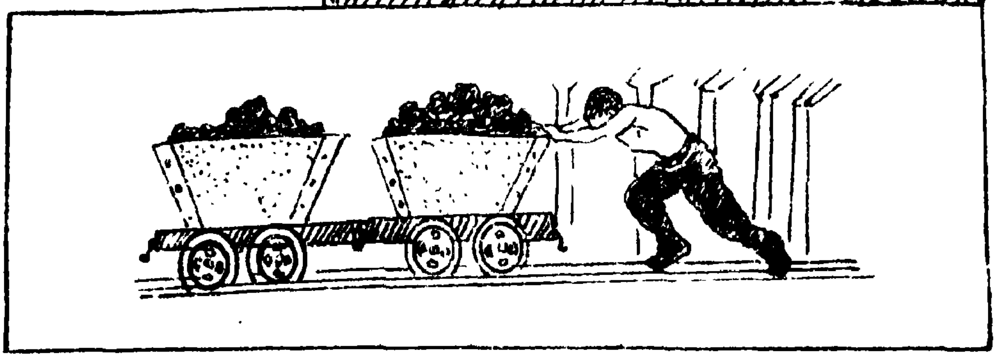
کیونکہ کوئلے کی چھت یا دیواریں آسانی سے اُن پر گر سکتی ہیں اور آن کی آن میں اُن کا کام تمام کر سکتی ہیں۔

جب کھودتے کھودتے بہت سا کوئلہ جمع ہو جاتا ہے تو بیلچوں سے اُٹھا اُٹھا کر ٹھیلا گاڑیوں میں بھر دیتے ہیں۔ ان گاڑیوں کو یا تو خود مزدور کھینچتے ہیں یا خچر یا پھر مشین جس میں بجلی کے تار لگے ہوتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی ترکیب سے یہ کوئلہ کان سے باہر لایا جاتا ہے۔

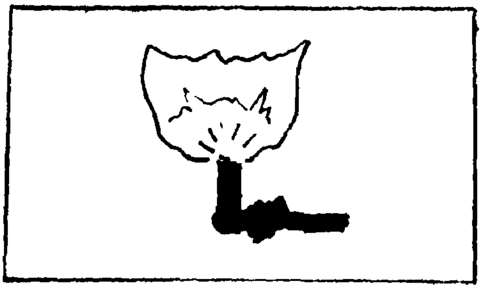
زرینہ:۔ بے چارے مزدوروں کا کان کے اندر کیا حال ہوتا ہوگا۔

چچا میاں:۔ اور بے چارے مزدوروں سے تمھیں کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ بے چارے کان سے صاف ہوا میں باہر آتے ہیں تو انھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا میں آگئے۔

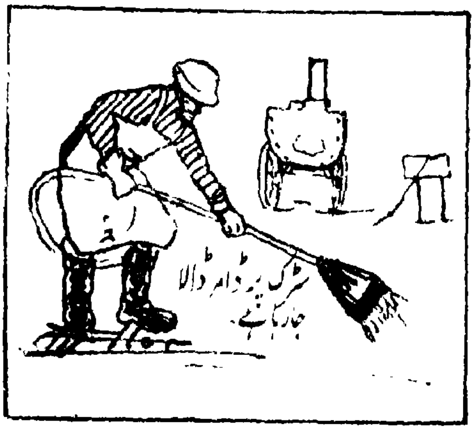




اچھا تو اب گیس کا حال سنو۔ گیس اسی کوئلے سے نکلتی ہے اس آگ میں تم شعلے نکلتے دیکھ رہے ہو یہ بھی گیس ہے۔ ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی

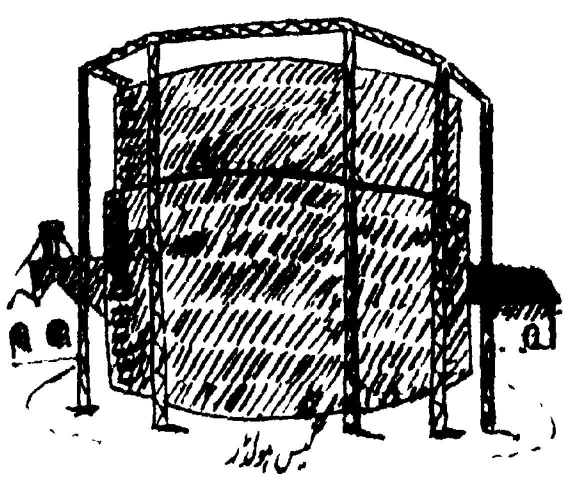


اس گیس کو کوئلے سے کس طرح نکالتے اور کیسے جمع کرتے ہیں اس کام کو کرنے والے پہلے کوئلوں کو خوب گرم کرتے ہیں۔ پھر مشین کے ذریعے گیس جمع کرتے جاتے ہیں۔ جس چیز میں اس گیس کو رکھتے ہیں اسے گیس ہولڈر کہتے ہیں۔ یہ لمبا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔ جس وقت اس میں گیس بھرنا شروع کرتے ہیں۔ اس کا اوپر کا حصہ اٹھتا جاتا ہے اور جوں جوں یہ گیس استعمال ہوتا ہے جاتا ہے۔ یہ نیچے دبتا جاتا ہے۔



سڑک پر ڈامر ڈالا جا رہا ہے

کوئلے سے ایک خاص قسم کی ردی بھی نکلتی ہے یہ بہت ہی کار آمد ہے۔ اس سے بے شمار چیزیں



گیس ہولڈر

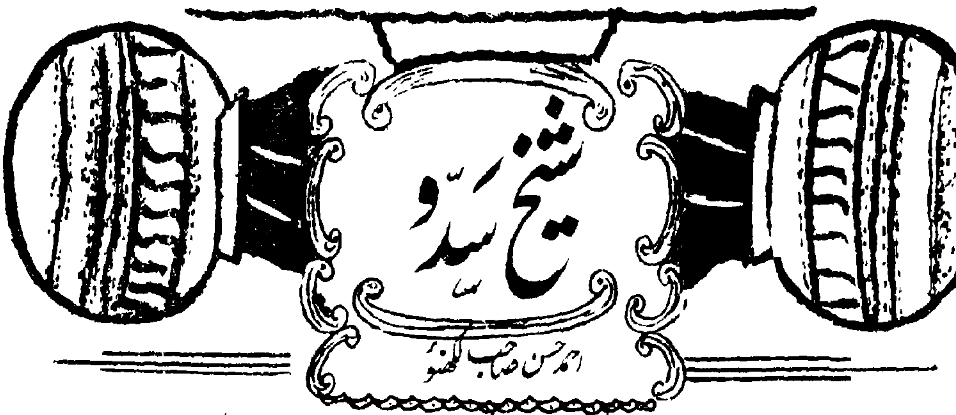
ہیں۔ مثلاً رنگ جن سے ہم اپنے کپڑے رنگتے



ہیں۔ صابن جس سے ہم نہاتے ہیں۔ ڈامر جو سڑکوں پر ڈالا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں

اور اب بہت رات ہو گئی۔ سردی بھی بہت بڑھ گئی۔ جاؤ اب اپنے کمرے میں جا کر سو رہو۔ صبح کو اسکول بھی تو جانا ہے ؛

(انگریزی سے ترجمہ)



شیخ سدّو

احمد حسن صاحب لکھنؤ

جب میں پانچ برس کا تھا تو ابا میاں کچہری میں نوکر تھے ہم ایک بڑے سے ویران مکان میں رہتے تھے۔ اس مکان میں دو آنگن تھے۔ سڑک سے آتے ہوئے ایک بڑا سا پھاٹک ملتا تھا۔ پھاٹک سے اندر آنے کے بعد بائیں جانب گول کمرا تھا اور اس کے سامنے چبوترا۔ چبوترے کے بعد آنگن اور آنگن کے داہنی طرف انار کے پیڑ تھے۔ ان پیڑوں پر امی جان باسی ہار ڈلوا دیا کرتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اکثر جن انار کے درختوں پر آتے ہیں۔ سامنے ڈیوڑھی اور اندر جانے کا راستہ تھا۔ ڈیوڑھی کے برابر ایک کوٹھری تھی اس میں کاٹھ کباڑ بھرا تھا۔

ہر جمعہ کے جمعہ اور جب کبھی میں شرارت کرتا "شیخ سدّو" مجھے ڈرانے کے لئے آتے تھے (تاکہ میں ڈرپوک ہو جاؤں اور عمر بھر تک اندھیرے اور ایسی واہیات چیزوں سے ڈروں) شرارت نہ کروں۔ شیخ سدّو سر پر گھڑا اوندھائے آتے تھے۔ ایک پرانا کمبل اوڑھے۔ جس سے اُن کا مُنہ وغیرہ سب ڈھک جاتا تھا۔ ان کے صرف پیر کھلے رہتے تھے ان میں "گھنٹیاں" ہوتی تھی اور جب وہ چلتے تھے تو کھٹ پٹ کی آواز آتی تھی۔ جب میں بہت چھوٹا تھا تب تو میں ان کے دیکھتے ہی اپنا مُنہ چھپا لیتا۔ میری امی جان وغیرہ ان سے بات چیت کرتی تھیں اور میرے مستقبل کے بارے میں پوچھتی تھیں اور ان سے درخواست کرتی تھیں کہ وہ مجھے ٹھیک کر دیں اور میں شرارت کرنا چھوڑ دوں۔

جب میں ۷ برس کا ہوا تو تیسرے درجے میں داخل کر دیا گیا مگر اب بھی میں شیخ سدّو سے ڈرتا تھا۔ میرا دماغ تر و تازہ رکھنے کے لئے مجھے روز بعد مغرب پاؤ بھر دودھ پلایا جاتا تھا۔ روز روز میں دودھ پیتے پیتے تنگ آگیا تھا۔ ایک دن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں دودھ نہیں پیوں گا۔ میں ضد کر رہا تھا اور امی کہہ رہی تھی کہ میں دودھ پی لوں۔ پھر انھوں نے

ط لکڑی کی چپل

کہا "اچھا نہ پیو دودھ" یہ کہہ کر وہ باورچی خانے



گئیں۔ یہاں رحیمن بوا کھانا پکا کر فارغ ہو گئی تھیں انھوں نے رحیمن بوا سے کچھ چپکے سے کہا بعد میں ذرا زور سے کہا کہ ایک پیسے کی ...... سے آؤ۔ پھر میرے پاس آئیں اور کہا کہ "میاں دودھ پی لو ورنہ شیخ سدو کو بلاتی ہوں۔"

اس دن میرا دل دودھ سے اس قدر بیزار تھا کہ میں نے ہمت کر کے کہہ دیا "ہاں آپ شیخ سدو کو بلائیے میں دودھ نہیں پیوں گا۔"

امی نے تالی بجائی اور شیخ سدو کو پکارا "لے شیخ سدو نھنے کو لے جا" امی کا اتنا کہنا تھا کہ کباڑ والی کوٹھری سے شیخ سدو نکل آئے۔ سر پر گھڑا اوندھائے کمبل اوڑھے پیر میں کھٹیٹی پہنے اور آتے کے ساتھ ہی بولے "ہمیں کس نے پکارا؟" امی نے کہا "میں نے پکارا تھا یہ ننھا ضد کر رہا تھا۔ اب اس نے کہا ہے کہ وہ دودھ پی لے گا۔ معاف کیجیے آپ کو تکلیف ہوئی۔" بات گئی گذری ہوئی۔ میں نے ناچار دودھ پی لیا۔

میری عمر ۹ برس کی ہو گئی اور میں پانچویں درجے میں پہنچ گیا۔ مگر شیخ سدو سے امی جان اب بھی ڈراتی ہیں۔ ہمارے ڈرپوک ہونے کا حال ہمارے درجے کے چند لڑکوں کو معلوم ہو گیا وہ لگے مجھے چڑانے "بھئی، یہ ڈرپوک ہیں انھیں ڈرانا نہیں" کبھی میں اسکول کے ہال میں ہوتا اور پیچھے سے کوئی لڑکا "ہاؤ" کر دیتا تو میں ایک دم ٹھٹک کر رہ جاتا۔ آخر میں نے ارادہ

کر لیا کہ میں دیکھوں گا یہ شیخ سدو ہیں کون ؟

جمعہ کا روز تھا ۔ میری چھٹی جلدی ہو گئی تھی اللہ بجے تھے اور شیخ سدو کے آنے کا دن تھا ۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ شیخ سدو آئے نہیں کہ میں نے ان کے گما اینٹ ماری نہیں ۔

دو بجے کی وحشت ناک دوپہر کو جب رحیمن بوا حسب معمول شیخ سدو کے آنے کے وقت غائب تھیں کہ باہر کباڑ خانے کی کوٹھری سے آواز آئی ۔

" کیا میں آجاؤں "

امی جان نے کہا " آئیے " اور شیخ سدو نکل آئے ۔ میں امی کی نظروں سے چھپا مرغیوں کے ڈربے کی اوٹ میں بیٹھا تھا ۔ میرے پاس لوہے کی پھکنی تھی میں نے وہی گھما کر شیخ سدو کے ماری ایک تڑاقا ہوا اور شیخ سدو کا گھڑا ٹوٹ گیا اس جلدی اور وحشت میں وہ بھاگے تو ان کا پیر کمبل سے الجھ گیا ۔ کمبل اتر گیا اور رحیمن بوا جلدی سے کباڑ خانے کی کوٹھری میں بھاگ گئیں ۔

اسکول میں لڑکے اب مجھے ڈرپوک نہیں کہتے مگر ایک نامعلوم خوف جنات کا اب بھی میرے پیچھے لگا رہتا ہے ۔

سائنس کے مشغلے

سید علی عباس رضوی ۔ پونہ

۱۔ تولہ بھر پوٹاشیم نائٹریٹ لو اور اس میں اتنی ہی شکر ملاؤ ۔ پھر شیشے یا لوہے کی نلی کے سرے کو گندھک کے تیزاب میں بھگو کر پوٹاشیم نائٹریٹ میں لگاؤ فوراً آگ لگ جائے گی ۔

۲۔ دو شیشے کے گلاس لو ایک کو امونیا لوشن سے تر کرو (اندر سے) دوسرے کو نائٹرک ایسڈ سے ۔ دونوں کے منہ ملا دو ۔ سفید بخارات نکلنے لگیں گے اور گلاس بھر جائیں گے (اس کو شعبدہ باز بھی کرتے ہیں وہ اس طرح کہ گلاسوں کے منہ ملا کر رکھ دیتے ہیں اور پھر دور کھڑے ہو کر سگرٹ پینے لگتے ہیں) مگر کہیں تم سگرٹ نہ پینے لگنا بلکہ اس کی جگہ کاغذ جلا سکتے ہو ۔

۳۔ ایک شیشے کے گلاس میں نمک کا تیزاب ڈالو اور پھر سوڈیم سلفیٹ ڈال کر ایک پیسے کی نلی جس میں تھوڑا پانی ہو ہلاؤ ۔ نلی کا پانی سرد ہو کر جم جائے گا ۔

شہد کی مکھی

آفتاب احمد صاحب صدیقی (جامعی)

(۴)

تین روز بعد تم رات کو کسی وقت اپنے یہاں آؤ اور کسی کھلی ہوئی جگہ رکھ دو۔ چھتا لاتے وقت اس کا خاص طور پر خیال رکھو کہ اسے ہچکولے بالکل نہ لگیں۔ ورنہ مکھیاں مر جائیں گی اور جو بچ گئیں وہ موقع پاتے ہی اُڑ جائیں گی۔ تمھیں افسوس بھی ہوگا اور کوفت بھی۔

چھتے کی روزانہ دیکھ بھال کرنی چاہیئے۔ معائنے کا وقت مقرر کر کے ہمیشہ پیچھے کی طرف سے معائنہ کرنا چاہیئے کہ آیا مکھیاں گھبرا تو نہیں رہی ہیں اور چھتوں پر کام ہو رہا ہے یا نہیں۔ بھاگنے کی تو تجویزیں نہیں ہو رہی ہیں؟ ان سب باتوں کی پہچان تمھیں دو چار روز میں خود ہی ہو جائے گی

مکھیوں کو نئی جگہ لانے کے بعد بھی دو تین روز تک انھیں اُن کی خوراک یعنی خالص شہد دینا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرنے لگیں گی

اب میں تمھیں چھتے کی سیر کرا دوں تاکہ تم اس میں بسنے والوں سے واقف ہو جاؤ۔ اچھا چھتے کا دروازہ کھول دو اور تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لو تم مکھیوں کے اس مکان میں داخل ہو رہے ہو۔ ایک چھتے میں ایک رانی، بہت سے مزدور (کارکن) اور نکھٹو ہوتے ہیں۔ رانی بڑے سے بڑے چھتے میں تمھیں ایک ہی ملے گی۔ مزدور مکھیوں کی تعداد پانچ ہزار سے دس ہزار تک ہوتی ہے۔ رانی نے مزدوروں کی تقسیم مختلف طریقوں پر کی ہے۔ ان میں کچھ شہد جمع کرنے والی مکھیاں ہوتی ہیں جو صرف یہی کام کرتی ہیں۔ اسی طرح شہد لگانے والی مکھیاں الگ، دایہ مکھیاں الگ اور چوکی داری کرنے والی الگ ہوتی ہیں جس کے جو کام سپرد ہے وہ اپنے اپنے کام میں بلا کسی تاکید اور ہدایت کے مشغول ہے۔ کام کرنے والوں کے علاوہ چھتے میں نکھٹو بھی ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت چھتے میں وہی ہے جو ہمارے یہاں اپاہجوں کی ہوتی ہے۔ کام کاج سے تو کچھ واسطہ نہیں صرف دوسروں کی کمائی کھانے سے مطلب۔ رانی مزدوروں اور نکھٹوؤں کی ماں ہوتی

ہے اس کی یہ صفت ہے کہ اگر مزدور کے گھر میں انڈا دے تو مزدور پیدا ہو اور نکھٹو کے گھر میں انڈا دے تو نکھٹو پیدا ہو۔ چھتے کے کمرے سے تم میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ وہ خانے ہیں جنھیں تم نے دیکھا ہوگا کہ ہشت پہل یعنی آٹھ دیواروں کے ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مزدور کے کمرے ایک انچ میں چھ ہوتے ہیں اور نکھٹوؤں کے کمرے ایک انچ میں پانچ۔ رانی کا کمرا سب سے الگ اور بہت پُر آرام وہ جگہ بنا ہوتا ہے وہ ایک یا ڈیڑھ انچ لمبا ہوتا ہے۔ ایک اچھی رانی روزانہ پانچ سے ست ایک ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ جب یہ بوڑھی ہو جاتی ہے اور اُسے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اپنا جانشین پیدا کرے تب وہ مزدوروں کو حکم دیتی ہے کہ وہ آنے والی رانی کے لئے گھر بنائیں۔ کیوں کہ وہ پرانے گھر میں رانی کا انڈا نہیں دیتی۔ مزدور مکھیاں پہلے جگہ تجویز کرتی ہیں اور پھر اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اول تو وہ چھتوں کے سروں پر کمرا بناتی ہیں اور اگر جگہ موزوں نہ مل سکی تو اپنے ساتھیوں کے چھ کمروں کو توڑ کر ایک بنا دیتی ہیں اور رانی کو پھر بتا دیا جاتا ہے کہ کمرہ تیار ہے۔ تشریف لے چلئے اور اپنے اس نیک ارادے کو پورا کیجئے۔ رانی وہاں جاکر انڈا دے دیتی ہے۔ دایہ مکھیاں تین دن تک اُسے سیتی ہیں۔ جب بچہ بن جاتا ہے تو تیرہ روز تک اُسے شاہی جیلی کھلائی جاتی ہے۔ شاہی جیلی ایک خاص قسم کی خوراک ہوتی ہے جو دایہ مکھیوں کے دماغ سے اُترتی ہے۔ اس کے کھلانے سے رانی میں نسوانیت پیدا ہوتی ہے۔ سولہ دن میں رانی بڑی ہو جاتی ہے تب اُسے باہر آنے کی اجازت ملتی ہے۔ بوڑھی ملکہ مزدوروں کو حکم دیتی ہے کہ نئی رانی کے محل کا دروازہ کھول دیں۔ نئی رانی باہر آجاتی ہے۔ باہر آکر جتنا شہد وہ پی سکتی ہے۔ کھلے ہوئے سوراخوں سے پیتی ہے اور خوش خوش تمام چھتے کی سیر کرتی پھرتی ہے۔ بوڑھی رانی اس کی شادی کی تیاریاں کرتی ہے۔ رانی کی شادی بڑے دلچسپ طریقے پر ہوتی ہے۔ مکھی پالنے والے کے لئے وہ سماں بڑا عجیب ہوتا ہے جب رانی کا سوئمبر منایا جاتا ہے۔ رانی چھتے سے بڑی تیزی سے نکل کر ہوا میں اُڑتی ہے اور نکھٹو پیچھے پیچھے اُڑتے ہیں۔ نئی رانی دم بدم اونچی ہوتی جاتی ہے اور نکھٹو پیچھے رہ جاتے ہیں جو اس دوڑ میں رانی کو پکڑ لیتا ہے اسی سے وہ شادی کر لیتی ہے۔ نکھٹو کے لئے اس کی شادی موت کا پیغام ہے۔ وہ مر جاتا ہے رانی چھتے میں واپس آجاتی اور انڈے دینا شروع کر دیتی ہے نکھٹوؤں کا چھتے میں رہنا اسی بناء پر ہوتا ہے کہ نئی رانی اُن میں سے ایک کو اپنا شوہر بنا سکے اور آئندہ نسلیں پیدا ہو سکیں۔ نئی رانی کا شادی کر کے آجانا ایک جھگڑا پیدا کر دیتا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں کیسے سمائیں؟ اس لئے بوڑھی رانی اپنے آپ کو نئی رانی کے سپرد کر دیتی ہے کہ وہ اسے مار ڈالے

قدرت نے رانی کو ڈنک عطا کیا ہے مگر وہ صرف دوسری رانی کو مارنے میں کام آتا ہے۔ نئی رانی اپنی ماں کو مار ڈالتی ہے اور راج پاٹ خود سنبھال لیتی ہے۔ نئی رانی کا راج پاٹ سنبھال لینا اس بات کی پہچان ہے کہ اب تمہارا چھتا دوگنا ہو گیا۔ جب تم دیکھو کہ مکھیوں کے گھروں میں شہد بھر گیا ہے اور مکھیوں نے موم سے سب گھر بند کر دیئے ہیں تو تم شہد نکالنے کے ایک خاص آلے میں ان چوکھٹوں کو رکھ کر شہد نکال لو اور چوکھٹے بدستور ان کی جگہ پر رکھ دو۔ اس آلے سے شہد نکالنے میں مکھیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ چھتے جوں کے توں رہتے ہیں اور تمہیں خالص شہد مفت مل جاتا ہے۔ ان کے یہاں پیغام رسانی زبان سے نہیں ہوتی بلکہ ہر اطلاع دینے کے لئے ہزارہا قسم کے مخصوص ناچ مقرر ہیں جو چوکی دار مکھیاں یعنی اسکاوٹ بیرا کرتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اب تم اس نوآبادی کے بسنے والوں سے بخوبی واقف ہو گئے ہو۔ رانی بھی تمہاری اس ملاقات سے بہت خوش نظر آتی ہے۔ اسے امید ہے کہ تمہارے یہاں مہمان رہ سکے گی۔ اب تم اسے اپنی سلطنت کے کاموں میں لگ جانے دو اور مجھے بھی اجازت۔

(آل انڈیا ریڈیو سے اجازت کے بعد)

بچو!

حضرت افضل اکبرآبادی

کرو ہر اک سے شیریں گفتگو اس میں بھلائی ہے
زمانہ تلخ گوئی سے بہت بدنام ہے بچو

نہ سمجھو تم کبھی بچو کسی سے آپ کو بڑھ کر
غرور اچھا نہیں اس کا برا انجام ہے بچو

غریبوں کی یتیموں کی اسیروں کی کرو خدمت
دعا ان کی تمہارے واسطے انعام ہے بچو

تمہیں جس نے بنایا ہے وہی ہر اک کا خالق ہے
اسی کے ہاتھ سب کا آخری انجام ہے بچو

مسلماں ہوں کہ ہندو ہوں نہیں اس سے غرض ہم کو
ہر اک کے واسطے پند و نصیحت عام ہے بچو

تواضع خلق کی کرنا اطاعت اپنے خالق کی
یہی سچا ہے مذہب اور یہی اسلام ہے بچو

کہے جو کوئی اچھی بات دل سے تم سنو اس کو
عمل کرنا نہ کرنا یہ تمہارا کام ہے بچو

کرو طاعت پھلو پھولو رہو خوش تم زمانے میں
ہماری یہ دعا خالق سے صبح و شام ہے بچو

بھونگیر کی سیر

عظیم قادری صدف حیدرآبادی

چچا صاحب جوں ہی گھر میں تشریف لائے ہم سب نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا۔ وہ ہنس کر پوچھنے لگے "ارے بھئی کیا بات ہے"۔ حامد نے پیچھے سے تتلاتے ہوئے کہا "چچا جان اپنا وعدہ نہ بھولئے۔ بھونگیر کے عرس کو صرف چھ ہی دن باقی رہ گئے ہیں۔" چچا نے کہا "ہاں بھائی ہمیں یاد ہے۔ موٹر کا انتظام کر لیا ہے۔ جمعہ کی صبح کو چلیں گے۔" بس اب کچھ نہ پوچھئے ہم خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ جمعہ کے انتظار میں نیند نہ آتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے جمعہ کا دن آیا۔

جمعرات کی رات ہم نے بڑی بے چینی سے کاٹی۔ اور تمام رات گھڑیاں گنتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح نہیں ہوگی آخر گھڑی نے چار بجائے ہم بستر سے اچھل پڑے اور جلد نہا دھو کر تیار ہو گئے۔ موٹر نہیں آئی تھی ہم انتظار میں بیٹھے تھے گھڑی میں پانچ بج چکے تھے۔ کہ موٹر کی آواز آئی۔ ہم سب موٹر میں بیٹھ گئے اور تقریباً ۷ بجے بھونگیر پہنچے۔

بھونگیر ضلع نلگنڈہ کا ایک تعلقہ ہے اور حیدرآباد سے ۲۹ میل دور ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام ہے ایک زمانے میں یہ بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی اور صحت کے لئے مفید ہے۔ یہاں کا پانی بہت ہاضم ہے۔ بھونگیر کے پان، کیلے اور صراحیاں مشہور ہیں۔ لوگ یہاں سے اپنے عزیزوں دوستوں کے لئے یہی چیزیں تحفے میں لے جاتے ہیں۔

بھونگیر کی دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں (۱) درگاہ (۲) قلعہ۔ درگاہ حضرت جا البحرؒ کی ہے جو بہت بڑے بزرگ تھے۔ ہر سال ۱۳ جمادی الاوّل کو نظام سرکار کی طرف سے اعلیٰ پیمانے پر اُن کا عرس ہوتا ہے۔

آج کل میلے کی وجہ سے یہاں بہت چہل پہل تھی یہاں پہنچ کر چچا نے ٹھہرنے کا بندوبست کیا پھر ذرا ادھر اُدھر کی سیر کی۔ شام کو صندل نکالا گیا سورج غروب ہوا چاہتا تھا۔ مجمع کا یہ عالم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سارا بھونگیر اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ پیچھے ہر قسم کے باجے تھے۔ باجے والوں کے پیچھے فوج اور فوج کے پیچھے مجمع باجوں کی آواز اور مجمع کی خاموشی عجیب منظر پیش کر رہی تھی

دل میں ایک قسم کا جوش پیدا ہو رہا تھا جلوس ایک بڑی کمان سے گذرا۔ یہاں سے درگاہ کی حد شروع ہوتی ہے۔ یہاں سے ایک سڑک سیدھی درگاہ کو جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں جانب دکانیں لگی تھیں۔ کہیں کھلونوں کی، کہیں چوڑیوں کی تو کہیں مٹی کے برتنوں کی۔ لوگ اُن پر ٹوٹ رہے تھے۔ خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ کہیں مداری تماشا کر رہے تھے۔ مٹھائیوں کی دوکانوں پر تازہ مٹھائیاں موجود تھیں۔ بڑی بڑی کڑھیاں چڑھی تھیں۔ پھولوں کی دوکانیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ خوشبو سے دماغ تازہ ہوتے تھے جلوس درگاہ کے قریب پہنچا ہے تو ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت جلوس پر موتی برسا رہی ہے۔ کافی انتظام تھا۔ درگاہ بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ لوگ دروازے پر ٹوٹ رہے تھے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے میں زیارت کا شرف حاصل کروں۔ مجمع میں ہندو مسلمان دونوں برابر شریک تھے۔

دوسرے دن سویرے ہم قلعہ پر چڑھنے کی غرض سے گھر سے نکلے اور قلعے پر پہنچ کر ہی دم لیا راستے میں بہت سے چشمے ملے۔ چاروں طرف پختہ دیواریں بنائی گئی ہیں بعد میں ایک بلند و خستہ عمارت دکھائی دی یہ بالاحصار ہے۔ یہ عمارت تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ پھر بھی ایک خاص شان رکھتی ہے۔ ہم بالاحصار کے اوپر پہنچے پورب کی طرف نظر دوڑائی تو سورج پہاڑوں میں سے ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ایک طرف ہری بھری کھیتیاں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کسی نے زمین پر سبز مخمل کا فرش بچھا دیا ہے۔ بالاحصار کے قریب ایک پتھر کی عمارت کے نیچے ایک گہری باؤلی ہے ہمارے پاس کیمرہ تھا ہم نے بہت سی تصویریں لیں۔ بعد میں باؤلی کے قریب بیٹھ کر ناشتہ کیا اور گھر واپس ہوئے۔

دوسرے دن رات کو ۹ بجے ہم نے بھونگیر کو خیرباد کہا اور ۱۰ بجے گھر پہنچے۔ نیند خوب آ رہی تھی آتے ہی سو گئے صبح اٹھ کر ہم نے محسوس کیا کہ رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔

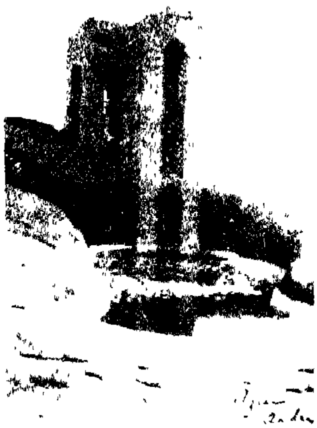
اچھے دن کتنی جلدی گذر جاتے ہیں۔



بھونگیر کا پہاڑ
متعلق مضمون بھونگیر کی سیر



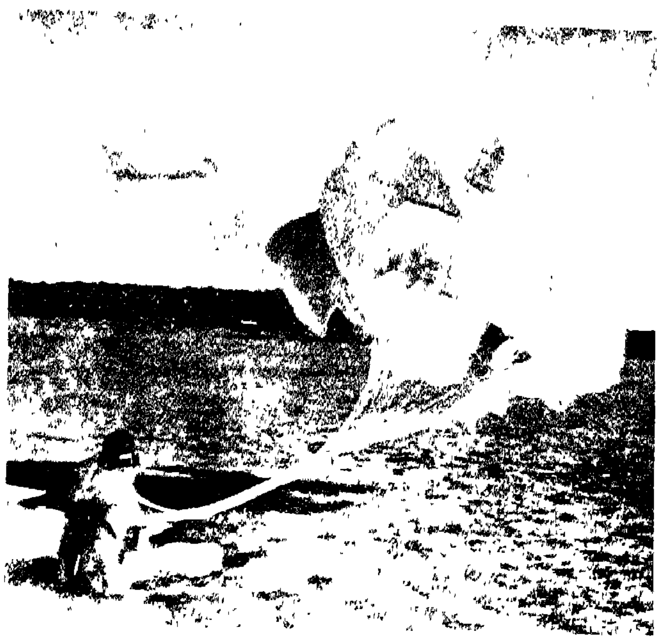
بالا حصار
(متعلق مضمون بھونگیر کی سیر)



باؤلی
(متعلق مضمون بھونگیر کی سیر)



اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ
(مرسلہ شمس الدین احمد جولانی)



ہوائی جہاز سے دہشت کے ساتھ
چھلانگ لگانے والا
فدائیوں کے شکریہ کے ساتھ



(حیدر آباد) مدرسہ دارالعلوم کی مباحثی جماعت

(۱) سید محمد حسین معصوم سوم- (۲) شیخ نجم الدین
طہور آبادی اول



ہوائی چھتری

عبدالمجیب حیدرآبادی

غباروں سے اُترنے کا طریقہ قدیم سے رائج ہے لیکن غبارہ ایک دفعہ اوپر جاتا تو اس کا نیچے واپس آنا یقینی نہیں تھا۔ اس لئے انسان نے ہوائی چھتری ایجاد کی۔ جب غبارہ ردّی ہو جاتا تو ان چھتریوں کے ذریعے سے زمین پر واپس آجاتے تھے۔ چھتریوں سے اُترنے کے تجربے مختلف مقامات پر ہوتے رہے آخرکار ان تجربوں کی مدد سے ایک کامیاب ہوائی چھتری بن گئی۔ ایسے تجربے شاید سب سے پہلے سیام میں ہوئے۔ ایک شخص شاہ سیام کے سامنے بہت بلندی سے متعدد چھتریاں پکڑ کر زمین پر واپس آیا تھا۔ پرانے زمانے میں ایسی چھتریاں غباروں میں باندھ دی جاتی تھیں اور ضرورت کے وقت کاٹ کر الگ کرلی جاتی تھیں چھتری سے آدمی ایک ٹوکری میں بیٹھ جاتا تھا جو چھتری کے سرے سے بندھی ہوتی تھی۔ اور بڑی آفتوں کے بعد زمین پر اُتر جاتا تھا۔

موجودہ زمانے میں یہ چھتریاں ریشم سے بنائی جاتی ہیں۔ اور معمولی چھتریوں کی طرح گنبد نما ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے عام طور پر چھتری کا قطر ۲۴ فٹ ہوتا ہے۔ گنبد نما کپڑے کے محیط پر کچھ کچھ فاصلے سے مضبوط ریشمی ڈوریں باندھی جاتی ہیں۔ ڈوروں کا دوسرا سرا چھتری والے کے سر پر ایک جگہ چمڑے کے تسمے سے ملتا ہے۔ یہ تسمہ اس خوبی سے اُترنے والے کے گرد بندھا رہتا ہے کہ وہ اُترتے وقت اطمینان سے بیٹھ سکے۔ چھتری کھلنے سے پہلے یہ ایک ڈبے میں بند رہتی ہے اور اس ڈبے سے نشست کا کام لیا جاتا ہے۔ چھتری کھولنے کے لئے ایک لوہے کی چوڑی کھینچنا پڑتی ہے جو چھتری والے کے داہنے بازو پر لگی ہوتی ہے۔ چھتری ایک سیکنڈ میں ۱۶ فٹ نیچے اترتی ہے زیادہ سے زیادہ اونچائی سے بھی نیچے اُتر سکتے ہیں

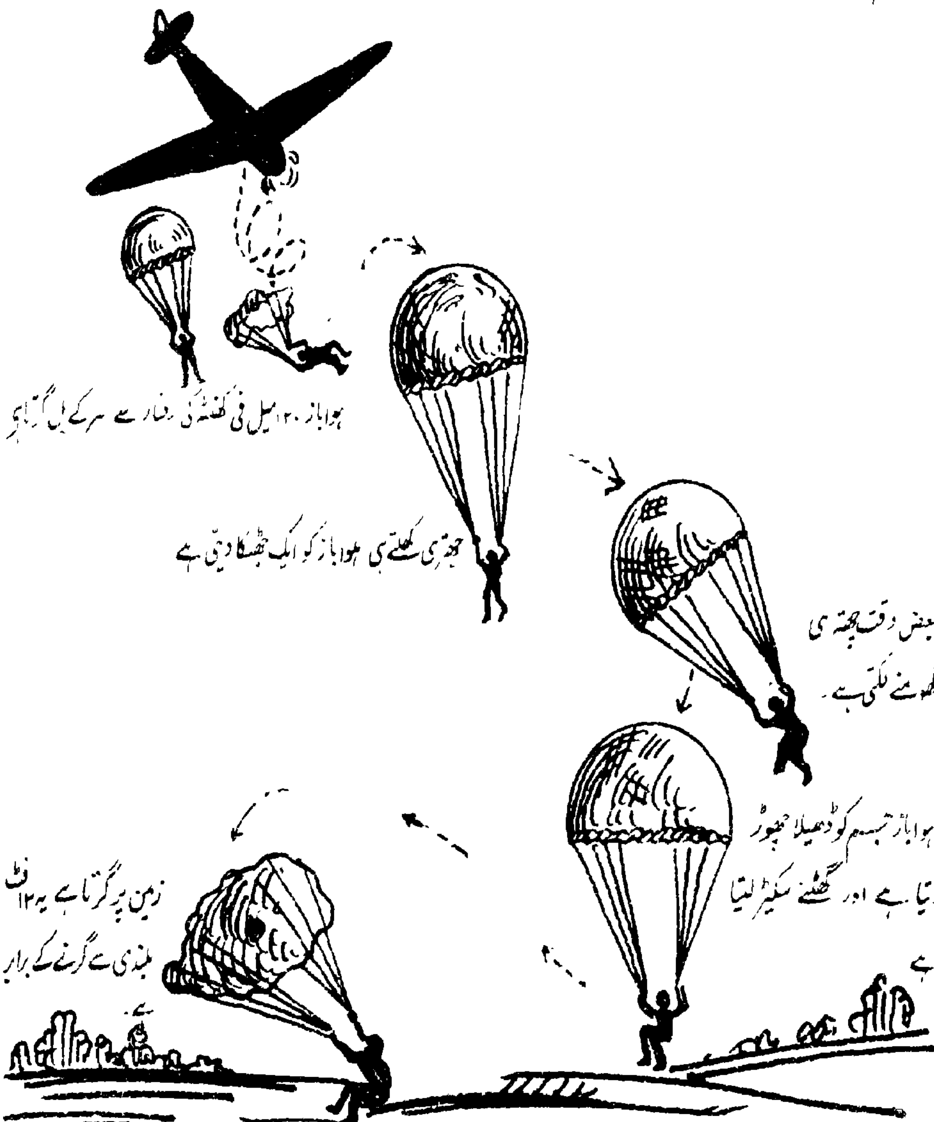
نئی چھتری میں کپڑے کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سوراخ بنادیا جاتا ہے جس کی وجہ سے چھتری ہلنے کے بجائے زمین پر آہستہ آہستہ اُترتی جاتی ہے اور

گنبد کی زائد ہوا سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ پرانی قسم کی چھتریاں کبھی کبھی عین وقت پر کھل نہیں پاتی تھیں اور اُترنے والا گر کر مر جاتا تھا۔ نئی چھتریوں میں خاص طور سے ایک مضبوط المونیم کا مدور ٹکڑا رکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہوا ریشمی کپڑے کے اندر بھر جاتی ہے۔ اس طرح چھتری نہ کھلنے کا اندیشہ جاتا رہا۔ ان خوبیوں کے علاوہ تسمے اس خوبی سے باندھے جاتے ہیں کہ چھتری کے اُترتے وقت جھٹکے نہیں لگتے۔ جتنا جھٹکا منڑے کو دنے پر لگتا ہے اسی قدر چھتری سے اُترنے پر لگتا ہے۔ ہوا زور سے چل رہی ہو تو اُترنے والا زمین پر اُترتے ہی چھتری کو اپنے جسم سے جلد علیحدہ کر سکتا ہے تاکہ پھر اُڑنے کا ڈر نہ رہے۔ پانی میں اُتر رہا ہو..... تو بھی چھتری علیحدہ کر سکتا ہے اور پھر آسانی سے پانی میں تیر سکتا ہے۔

موجودہ لڑائیوں میں ہوائی چھتریوں کی بہت اہمیت ہے۔ سب سے پہلے روسیوں نے سپاہیوں کو چھتری سے اُترنے کی تعلیم دی اس کے لئے وہاں خاص مدارس تیار ہوئے اور چھتری والی فوجیں بنائی گئیں۔ ان فوجوں کو دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ فنلستان کی لڑائی میں استعمال کیا گیا۔ لیکن موسمی اور جغرافیائی حالات کی ناواقفیت کے سبب ایسی فوجوں کو خاطرخواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی روس کی دیکھا دیکھی جرمنوں نے ایسی فوجیں بنائیں اور بہت کامیابی حاصل کی یہ چھتری والی فوجیں دشمن کے ملک میں بے دھڑک ہوائی جہازوں کے ذریعے سے اُترتی ہیں۔ شہری آبادی کو پریشان کرتی ہیں اور دشمن کے پیچھے سے حملہ کر دیتی ہیں۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ جرمنوں نے ہالینڈ بلجیم، ناروے وغیرہ میں اپنے اسی ہتھیار سے کامیابی حاصل کی۔ چھتری والی فوج نے چھتریوں کے ذریعے ہوائی جہاز سے اُتر کر شہریوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے مخالفین کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ چھتری والی فوجوں سے لڑنے کے لئے فوج روانہ کریں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں کی فوجوں کو جا بجا اپنے ملک میں چھتری والوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور فوج کی طاقت کم ہوگئی

ان چھتری والوں کو برباد کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ یہ لوگ اُترتے وقت ہی ہلاک کر دئے جائیں۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے ملک کے ہر حصے میں فوج کی ضرورت ہوگی تاکہ اپنے ان دشمنوں کو مقابلے سے پہلے برباد کر دیا جائے۔ حصاروں کو پار کر کے یہ چھتری والے غیر ملکوں میں داخل ہو کر لڑ سکتے ہیں اور حصاروں سے مقاومت کا ڈر نہیں رہتا۔ اب ان چھتری والوں کے اچانک حملے سے ہر شہر کو ہوشیار رہنا پڑے گا۔



ہوائی چھتریوں سے اُترنے والے سپاہیوں کے پاس عموماً یہ سامان ہوتا ہے :-

۱۔ ایک سائیکل جو تہہ کر دی جاتی ہے

۲۔ گیس ماسک یعنی زہریلے گیس کو روکنے والی نقاب۔

۳۔ ایک دوربین۔

۴۔ ایک ریڈیو سیٹ تاکہ مرکز سے ہدایتیں لینے اور خبریں بھیجنے کا انتظام رہے۔

۵۔ پانی کی ایک بوتل۔

۶۔ ایک چھوٹا سا خیمہ یا چھوٹی چھولداری۔

۷۔ حملہ کرنے کے لئے ایک مشین گن۔

۸۔ ایک پستول اور ایک خنجر۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد آنجہانی

یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد آنجہانی کا ذکر پیام تعلیم میں اکثر آیا ہے۔ نواب حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری بالقابہ سے پہلے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدر آباد کے آپ ہی وزیر اعظم تھے۔

افسوس ہے کہ پچھلی مئی میں دو چار روز کی بیماری کے بعد مہاراجہ بہادر کا انتقال ہو گیا۔ نہ صرف حیدر آباد بلکہ تمام ہندوستان میں اس ناوقت حادثے پر افسوس کیا گیا۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا تعلق مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل کے خاندان سے ہے۔ مہاراجہ بہادر نے تعلیم و تربیت اپنے نانا مہاراجہ نرندر پرشاد آنجہانی کی نگرانی میں حاصل کی اور گھر پر فارسی عربی انگریزی گورمکھی سنسکرت، مرہٹی، تلنگی وغیرہ زبانیں سیکھیں۔ پھر آپ اپنی تعلیم پوری کرنے کے لئے مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے عربی، فارسی اور انگریزی میں بہت ترقی کی

مہاراجہ بہادر کے خاندان کا تعلق سلطنت حیدر آباد سے شروع سے ہے حضرت غفران مکان (سابق نظام حیدر آباد) نے آپ کی خاندانی وجاہت کا لحاظ کر کے مہاراجہ بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ پھر دن بدن آپ کے منصب اور درجے میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ آپ وزیر اعظم کے مرتبے تک پہنچ گئے اور گیارہ سال تک آپ نے اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ انگریزی حکومت نے بھی آپ کو کے۔ سی۔ آئی۔ ای اور جی۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطابوں سے معزز فرمایا۔

مہاراجہ بہادر اگلے بزرگوں، امیروں اور راجاؤں کا ہو بہو نمونہ تھے۔ وہی دریا دلی اور سخاوت وہی بزرگانہ شان، وہی قدیم مجلسی آداب اور وہی پرانی مشرقی تہذیب، ضرورت مند اور مستحق لوگوں کو آپ سے بہت فیض پہنچتا تھا۔ اہل علم کے خاص طور پر قدردان تھے۔ خود بھی علم و ادب پر گہری نظر تھی

شاعر بھی تھے اور مصنف بھی۔ نظم و نثر میں آپ کی کوئی پانچ درجن کتابیں ہیں نظم میں آپ کی مثنوی پریم درپن خاص طور پر مقبول ہوئی۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ سپاہیانہ فنون ہنوٹ، تیراندازی، نشانہ بازی وغیرہ سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ شکار کا شوق بھی تھا۔ خصوصاً شیر کے شکار کا۔ یونانی اور دوسری طبوں سے بھی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ علم رمل، نجوم اور ستارہ شناسی سے بھی دلچسپی تھی۔ غرض مہاراجہ بہادر کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ اُن کی یاد دیر تک دلوں میں تازہ رکھیں گے۔ وہ سچ مچ مشرقی تہذیب کا مکمل نمونہ تھے اور اُن کے انتقال سے جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ پر نہیں ہو سکتی۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام نے بہت صحیح فرمایا ہے کہ:" وہ پرانی بساط کا آخری مُہرا تھے"۔

معلومات

سب سے بڑا
سب سے زیادہ ؟ !

دنیا میں سب سے بڑی ابرک کی کان ہزاری باغ (بہار) میں ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا آبشار۔ وکٹوریہ (افریقہ میں) ہے یہ ۳۵۰ فٹ کی بلندی سے گرتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ ویسو ویس ہے یہ اٹلی میں ہے۔

دنیا میں سب سے پرانا اشتہار ۲۰۰۰ سال قبل جنوبی اٹلی کے شہر کارس کے ایک برتن والے نے دیا تھا۔

دنیا میں سب سے عمدہ انجیر ملک شام میں پیدا ہوتے ہیں انھیں شاہ انجیر کہتے ہیں۔

دنیا میں سب سے اونچا مقام ہمالیہ کی چوٹی (ایورسٹ) ہے۔ جس کی اونچائی تقریباً ۲۹۰۰۵ فٹ ہے

دنیا میں سب سے زیادہ اونٹ عرب میں ہوتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا براعظم ایشیا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا برآمدہ رامیشورم مندر (مدراس) کا ہے جس کی لمبائی ۴۰۰۰ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا بت (آزادی کا مجسمہ) نیویارک میں ہے جس کی اونچائی ۱۵۱ فٹ ہے

دنیا میں سب سے زیادہ بارش چیرا پونجی (آسام) میں ہوتی ہے جس کا سالانہ اوسط ۵۰۰ انچ ہے

دنیا میں سب سے مشہور باورچی کی تنخواہ آٹھ ہزار پونڈ سالانہ ہے جو نیویارک (امریکہ) کے ایک ہوٹل میں ہے

دنیا میں سب سے بڑی بلی (GIBSON) میں جو اس وقت اس کا وزن ۵۲ پونڈ ہے اور ناک سے دم تک لمبائی ۴۷ انچ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ پیغمبر ایشیا میں پیدا ہوئے

دنیا میں سب سے زیادہ بوڑھی عورت اس وقت ایران کے ایک دیہات میں رہتی ہے اس وقت اس کی عمر ۱۵۹ سال کے قریب ہے۔ اس کے لڑکے کی عمر ۱۲۵ سال ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا پارک نیویارک (امریکہ) میں ہے جس کا رقبہ ۴۳۵۰ مربع میل ہے۔

نئے نئے کھیل

پتھر کا نشانہ

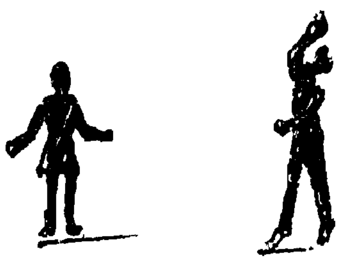
سید الطاف علی صاحب

تعداد :- دو

جگہ :- میدان

طریقہ :- دو کھلاڑی ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو کھڑے ہو جاتے ہیں دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک پتھر (پاؤ بھر وزن کا) ہوتا ہے۔

کھیل شروع ہونے پر ایک لڑکا اپنے پتھر کو پانچ چھ گز کے فاصلے پر لڑھکا دیتا ہے۔ دوسرا اسے اپنے پتھر سے نشانہ بناتا ہے۔ اگر نشانہ ٹھیک نہ بیٹھے تو پہلا لڑکا جہاں سے اپنا پتھر لڑھکائے وہیں سے دوسرے



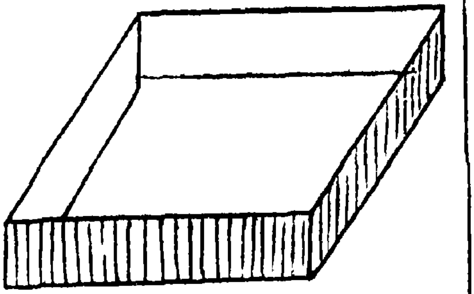
لڑکے پتھر کو مارتا ہے اگر نشانہ ٹھیک بیٹھے تو وہ وہیں سے دوسرے لڑکے کی پیٹھ پر سواری کرکے اپنے پتھر تک پہنچتا ہے اور وہاں سے مخالف کے پتھر کا پھر نشانہ کرتا ہے اور جب تک نشانہ نہ ٹھیک بیٹھتا جائے وہ دوسرے پر سواری کرکے اپنے پتھر تک جاتا رہے گا۔ نشانہ چوک جانے پر دوسرا لڑکا اپنی باری لیتا ہے۔ اور کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے ؛

ابری بنانا

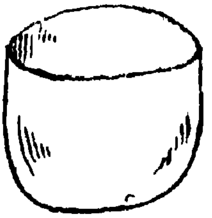
سید عروج الحسن صاحب

پچھلے سال کی بات ہے جون کے پیام تعلیم میں ابری بنانے پر ایک مضمون چھپا تھا۔ ہم نے اس میں ابری بنانے کا ایک آسان طریقہ بتایا تھا۔ اب ہماری نظر میں وہ تجربہ زیادہ اچھا نہیں۔ ہم نے اس عرصے میں اور بہت سے تجربے کئے ہیں اور ہر تجربے سے ایک نئی چیز سیکھی ہے۔

ہمارے ان تجربوں سے تعلیمی مرکز جامعہ کے بچوں کو بھی بہت کچھ آگیا۔ اور وہ بے دھڑک اچھی سے اچھی ابری بنانا جان گئے۔ اب وہ اپنے گتے کے بنائے ہوئے نمونوں میں اپنے ہی ہاتھ کی بنی ہوئی ابری لگانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور بات بھی یہی ہے کہ جو خوبی ان نمونوں میں پیدا ہوتی ہے وہ بازار کی ابری یا رنگین کاغذ لگانے میں نہیں ہوتی بہت ممکن ہے کہ تم میں سے بعض نے ابری بنانے کے سلسلے میں کچھ تجربے کئے ہوں لیکن ابھی تک ہمیں کسی نئے تجربے کی اطلاع نہیں ملی۔ ہمارا یہی جی چاہتا ہے کہ ہمارے تجربوں سے تم بھی فائدہ اٹھاؤ۔ کوڑیوں کا سودا ہے۔ ذرا بھی مشق ہوگئی تو ابری بنانا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوجائے گا۔



ایک کھلے ہوئے برتن میں آدھے سے زیادہ صاف پانی لے کر اس میں اس قدر سریش گھولو کہ پانی گاڑھا ہوجائے اب کئی پیالیوں میں (OIL COLOUR TUBES) سے



مختلف رنگ لے کر مٹی کے تیل میں گھول لو۔ تیل صرف

اس قدر ڈالا جائے کہ رنگ گھل جائے مگر پتلا نہ ہونے پائے۔ گاڑھا ہی رہے۔ برش کے ذریعے اپنی پسند کے مطابق پانی میں ان رنگوں کو پھیلاؤ۔ یہ خیال رہے کہ پانی زیادہ ہلنے نہ پائے۔ پانی چونکہ ٹھہرا ہوا ہوگا اس لئے جس قسم کی لہریں چاہو گے پانی میں ڈال سکتے ہو۔ اس کے بعد سفید کاغذ پانی میں رکھ کر اُٹھا لو۔ ابری تیار۔ دوبارہ ابری بنانے کے لئے اس وقت تک رنگ نہ ڈالو جب تک پانی ٹھہر نہ جائے۔

اگر ابری میں سنہری یا روپہلی چمک پیدا کرنا چاہو تو دو پیالیوں میں الگ الگ دونوں قسم کے برادوں کو مٹی کے تیل میں اسی طرح گھول لو جیسے رنگ گھولے تھے اور انھیں بھی پانی میں اسی طریقے سے چھڑکو۔ اگر اچھی ابریاں بنیں تو نمونے ہمیں بھی بھیج دینا۔

تمھارا

سالگرہ نمبر

ہمیشہ کی طرح

۲۹ر اکتوبر کو شائع ہوگا

تم اس کے لئے کیا کر رہے ہو

ابھی وقت ہے

اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو اس کا خریدار بناؤ۔ اسے بہتر سے بہتر شکل میں شائع کرنے کے بارے میں تجویزیں بھیجو اور مشورے دو

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست. شکر ہے کہ اب برسات کا موسم آگیا. گرمی کا زور کم ہو رہا ہے اگرچہ دلّی میں اب تک گرمی اور لو کی وہی کیفیت ہے. لیکن حیدرآباد بلکہ تمام جنوبی ہند اور شمالی ہند میں موسم خوشگوار ہو گیا ہے.

یورپ میں لڑائی پورے زور شور سے جاری ہے. جب سے اٹلی اس لڑائی میں شریک ہوا ہے. لڑائی کی شدت اور بڑھ گئی ہے. دراصل بلجیم فتح ہو جانے کے بعد جرمنی کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں. یہاں اتحادی پوری طاقت سے جرمنی کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن ایک تو جرمنی کا لڑائی کا سامان بہت اچھا تھا دوسرے عین لڑائی کے موقع پر بلجیم کے بادشاہ نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا. اس سے اتحادیوں کی فوجیں بہت مشکل میں پھنس گئیں اور لڑائی کا تمام سامان چھوڑ کر بڑی تدبیروں سے سپاہی واپس لائے گئے.

بلجیم فتح کرنے کے بعد جرمن فوجیں برابر آگے ہی بڑھتی رہیں. ان کا رخ فرانس کی طرف تھا. فرانسیسیوں اور انگریزوں نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا. مگر جرمنی کے سامان کی اچھائی کی وجہ سے انھیں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی. اور دشمن نے پیرس پر قبضہ کر لیا. بلکہ وہ اس سے بھی میلوں آگے بڑھ گیا ہے. لڑائی اب بھی جاری ہے لیکن مقابلے کا امکان نہیں رہا ہے اب صورت یہ ہے کہ موسیو رینو وزیر اعظم فرانس کی وزارت بدل گئی ہے اور ان کی جگہ موسیو پے تین کی جو وزارت بنی ہے وہ جرمنی سے صلح کی بات چیت کر رہی ہے.

ادھر برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل نے اپنی تازہ ترین تقریر میں کہا ہے کہ فرانس ختم ہو گیا اور اب ہماری باری ہے اور ہم نے مقابلے کی پوری تیاری کر لی ہے اس وقت برطانیہ کی کل فوج سترہ لاکھ سے زیادہ ہے. سامان جنگ کی کمی بھی پوری کر لی گئی ہے. جرمنی نے انگلستان کے سرحدی مقامات پر ہوائی حملے شروع کر دیے ہیں جن کا جواب پوری شدت سے دیا جا رہا ہے.

ہندوستان میں بھی حفاظتی فوج بڑھائی جا رہی ہے اور شہروں کی حفاظت کے لئے حفاظتی دستے بنائے جا رہے ہیں۔ مسلح گاڑیاں بھی بہت تعداد میں بن رہی ہیں۔ ہوائی تعلیم کی طرف بھی زور دیا جا رہا ہے۔

معا نمبر ۲ کا صحیح حل ان بچوں نے بھیجا ہے:۔

سعیدہ خانم ۔ بانسی	محمد صالح میاں ۔ رام پور	فرخ زماں خاں ۔ بریلی
انوار الحق ۔ سیالنوالی	امیر علی علوی ۔ خریداری نمبر ۲۲۰۸	احمد حسن ۔ فتح گڑھ ۔ یوپی
جہاں آرا بیگم ۔ کراچی	ادوم پرکاش ۔ کیمبل پور	انیسہ بانو ۔ سری نگر (کشمیر)
سید علی عباس ۔ پونا کیمپ	مس زہرا رحمٰن	

ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے۔٭

شمیم محمود بشارت اللہ ۔ دہلی	حفیظہ بیگم ۔ میرٹھ چھاؤنی	صبیحہ بیگم ۔ حیدرآباد دکن
ام ۔ اے ۔ انصاری ۔ بجنور	ایس ۔ ایس احمد علی خاں ۔ رام پور	نسیم احمد ۔ نئی دہلی
نعیم الرحمٰن ۔ بھوپال	محمد حارث ۔ پٹنہ	سید محمد عمر ۔ لہریا سرائے
یس ۔ ایچ ابوالفیض ۔ ناندیڑ	احسان الحق ۔ دہلی	محمد سلطان فروغ ۔ جامعہ دہلی
ثناء اللہ عثمانی ۔ پانی پت	غفران علی ۔ سیوہارا	رام داس ۔ گڑھ شنکر
سید منصور علی ۔ سوہاگ پور	سید حیدر علی خاں ۔ شیخ پورہ	احمد جواد بیگ ۔ علی گڑھ
نتی حسن ۔ اورنگ آباد	عمر حاجی ابو ۔ پوری بندر	محمد فاروق حسین ۔ گلبرگہ شریف
یاں جلال الدین ۔ ریاست پاٹودی	محمد محب الرحمٰن خاں شروانی ۔ علی گڑھ	خلیل الرحمٰن ۔ آگرہ
دعبد الواحد ۔ بریلی	فہیم جہاں بیگم ۔ آگرہ	میر صادق علی خاں ۔ حیدرآباد دکن
نذی محمد عمر جامعی ۔ ڈبھوئی	تاج محمد ۔ بھوپال	اسد الرحمٰن ۔ کلکتہ
بس اختر ۔ روپڑ	سید آفتاب عالم ۔ بھاگل پور	محمد احسن صدیق ۔ بدایوں
یرہ بیگم ۔ پٹنہ سٹی	ظفر عمر ۔ سہارنپور	عزیز فاطمہ ۔ سہارنپور
خ ۔ گجرانوالہ	محمد جمیل الرحمٰن ۔ ببھرالیوں	م ، ن بیگم ۔ شاہ جہاں پور
ن بیگم ۔ شاہ جہاں پور	انوار احمد خاں ۔ شاہ جہاں پور	انوار جہاں بیگم " "
معین الدین ۔ حیدرآباد دکن	انجم فریدہ ۔ نگینہ	نفیس حسین عتیقی ۔ نگینہ

٭ ہمارے پیامیوں کے حل اس لئے غلط آئے کہ انھوں نے ہندسے اور عدد کے فرق پر غور نہیں کیا۔

وجاہت حسین صدیقی - نگینہ   نزہت شمیم - نگینہ   سلطان احمد - کلکتہ

میں نے کئی بار منع کیا ہے کہ حل کے ساتھ لفافے میں خط وغیرہ نہ بھیجا کرو۔ مگر بعض بچے یہ بات بھول جاتے ہیں اور حل کے ساتھ مضمون اور حل بھی بھیج دیتے ہیں اور ان خطوں کے جواب نہیں پہنچنے تو شکایت کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ اس کی احتیاط کی جائے گی۔ ہاں آئندہ دو تین باتوں کا اور خیال رکھنا۔ اول تو یہ کہ ہر معمے کے ساتھ تمھارا پورا پتہ ہونا چاہیئے۔ ایک بچے کے حل میں ایک غلطی ہے لیکن اس نے معمے پر نہ نام لکھا ہے نہ پتہ۔ معمے کا کوپن یا تو کاغذ پر چپکا دیا کرو یا پن لگا دیا کرو۔ جن حروف میں نقطے ہوں وہاں نقطے ضرور لگایا کرو۔

محترمہ بیگم ظل الرحمٰن (سول جج بجنور) کے خط سے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ عزیزہ زہرہ رحمٰن نے چار پانچ دن کی مختصر بیماری کے بعد انتقال کیا۔ یہ بہت ہونہار بچی تھی۔ بچوں کے پرچے بہت شوق سے پڑھتی تھی۔ پیام تعلیم سے خاص دلچسپی تھی۔ معمے کے انعامی مقابلوں میں بھی برابر حصہ لیتی تھی۔ معمّا نمبر ۴ صحیح حل کرنے والے بچوں میں اس کا نام بھی ہے۔ کاش یہ خوش خبری ہم اُسے زندگی ہی میں پہنچا سکتے۔ پیامی بچیاں زہرا مرحومہ کے والدین کو اس پتے سے خط لکھیں:۔

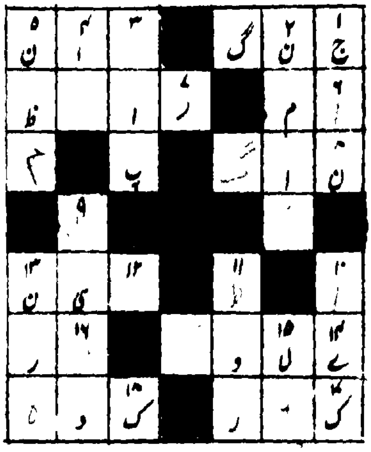
محترمہ بیگم رحمٰن - معرفت سید ظل الرحمٰن صاحب

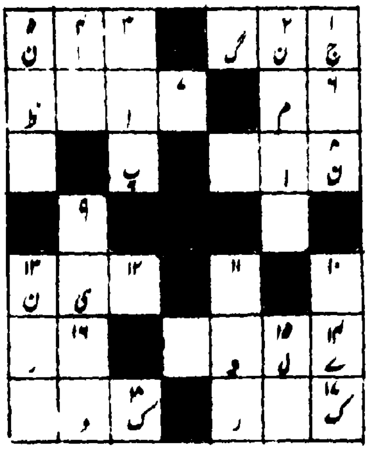
سول جج - بجنور

(آپا جان)

معمّا نمبر ۹

پہلا انعام - ۶ روپے
دوسرا انعام - للعہ





اشارات

اوپر سے نیچے

...... دی دی ہوئی اسی کی تھی
ق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا   غالب

گئے تھے ...... بخشوانے روزے گلے پڑ گئے ۔

فسوس کے موقع پر بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے
لثر لوگوں پر اس کا واقعی اثر ہوتا ہے ۔
ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں ...... سلطان
...... حرفوں میں لکھا جائے گا ۔

دائیں سے بائیں

(۱) آج کل اتحادیوں اور نازیوں میں زبردست ......
ہو رہی ہے ۔

(۳) ...... کھانا دانت خراب کرتا ہے ۔

(۶) برسا برس دیس میں آوے
منہ سے منہ لگائے رس پیاوے

(۷) انسان وہی ہے جس کا ...... اور باطن
ایک ہو ۔ (بے ترتیب)

(۸) بعض اوقات موت کا سبب

(۱۰) حقیقت یہ ہے کہ ہر مذہب ۔۔۔ ہی راستے پر لے جاتا ہے (۱۲) ہاتھ کا کاغذ سب سے پہلے اسی ملک میں بننا شروع ہوا تھا

(۱۱) ۔۔۔۔۔ پر موسیٰ گرے خالق کا جلوہ دیکھ کر (۱۴) ہٹلر کی فوج اندھا دھند ۔۔۔۔ برساتی ہے (الٹا)

(۱۳) آج کل کی گرمی میں ۔۔۔۔۔ بھی کالے پڑ جاتے ہیں۔ (نیچے سے اوپر) (۱۶) برسات میں چیونٹی کے بھی نکل آتے ہیں۔

(۱۵) آج کل اس سے بچے رہنا۔ (۱۷) اندھا

(۱۸) پہاڑ

قواعد[۱]

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد کی تصدیق ضروری ہے۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۲۰ جولائی تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔

۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

معما نمبر ۸ کا صحیح حل

معما نمبر ۸

۱ ص	۲ ا	ن	■	۳ ق	۴ س	۵ م
د	ر	■	■	■	ج	د
■	ض	۹ ر	■	۱۰ ب	ر	■
۱۱ ب	■	۱۲ غ	۱۳ ن	ی	■	۱۴ ا
۱۵ ا	ف	■	ی	■	۱۶ ج	ب
ن	■	۱۸ م	ر	ج	■	ج
۱۹ ج	ی	ن	■	۲۰ ش	ا	م

[۱] حل کے بارے میں شکایتیں نام چھپنے کے بعد پندرہ دن تک آجانی چاہئیں۔ اس کے بعد حل ردی کر دئے جاتے ہیں۔

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات:- سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴

دہلی:- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور ان کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے:- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے:- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵

عجائب خانہ سمندر:- ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۴ر

تعلیمی کھیل:- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی:- سائنس کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۸ر

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز :- اردو انگریزی ۱۲ر۔ اردو ۸ر۔ ہندی ۱۲ر
چھوٹا سائز : اردو ۶ر۔ انگریزی ۶ر۔

مکتبہ جامعہ دہلی

اگست ۷۰ء

پیامِ تعلیم



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳

آخری نبی: رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰/

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور کیا سکھایا قیمت ۰/

چار یار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۶

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں قیمت ۲۰/


1935

کراس اِسٹچ میں طوطوں کی جوڑی

(یہ تصویر بہت سی پیامی بچّوں کے اصرار پر دوبارہ چھاپی جا رہی ہے)

اس تصویر سے کوئی دُگنا یا اس سے کچھ زیادہ کسی قسم کا ریشمی کپڑا لو۔ اور اس کے برابر کینوس کا ٹکڑا۔ اب کینوس کو ریشم کے ٹکڑے کے اوپر کناروں پر سے ٹانک لو۔ بلاک کے نمونے میں جتنے رنگ ہیں۔ سُرخ، سبز، زرد، نیلا، چاکلیٹ سفید وغیرہ۔ اسی رنگ کے ڈی ام سی نمبر ۸ یا اور اسی قسم کا تاگا منگا لو اور اب خانہ شماری کرکے آڑے ٹانکوں سے جن کی شکل + ہوتی ہے جہاں جہاں جو جو رنگ لگا ہے ویسا دیکھ کر بناؤ۔ جب نقشہ تیار ہو جائے تو کینوس کے تاگے ایک ایک کرکے دونوں طرف سے نکال لو۔ اب نیچے کا کپڑا صاف دکھائی دے گا اس کے بعد اسے فریم میں لگا کر اپنے کمرے کی زینت بڑھاؤ۔

اس سارے کام میں احتیاط اور صفائی شرط ہے۔ کینوس اور نیچے کا کپڑا برابر نہ ہوا۔ جھول آگیا۔ یا ٹانکوں میں کہیں ڈورا ڈھیلا رہ گیا کہیں کھنچ گیا تو تمھاری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔

صالحہ عابد حسین

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب
کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

پیام تعلیم
دہلی

ایڈیٹر محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ ۸/

فی پرچہ تین آنے

جلد ۲۳ | اگست سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

ابھی تھوڑے دن ہوئے ہم نے پیام تعلیم کے حیدرآباد ایڈیشن کے سلسلے میں جناب ناظم صاحب سررشتہ معلومات عامہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے یہاں کے مدرسوں کے نام ایک گشتی مراسلہ اس مضمون کا جاری فرمادیں کہ یہ مدرسے ہر مہینے کے مہینے اپنے یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال لکھ بھیجا کریں۔

اس مہینے ہماری درخواست کے جواب میں سررشتہ معلومات عامہ سرکار عالی کی طرف سے یہ جواب آیا ہے۔

بجواب مکتوب نشان (۲۱۱۶) مورخہ ۵ فروری سنہ ۳۰ء بمقدمہ صدر ترقیم ہے کہ آپ کے حسب استدعا ناظم صاحب سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی نے ذریعہ گشتی مراسلہ جملہ مدارس ثانوی کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رسالہ پیام کے خاص ایڈیشن کے لئے تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق وہ وقتاً فوقتاً نوٹ مرتب کیا کریں جو آئندہ دفتر ہذا کے توسط سے آپ کو وصول ہوا کریں گے۔

ہم عالی جناب ناظم صاحب سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ تحریر حیدرآباد کے تمام ثانوی مدارس کے لئے یاددہانی کا کام دے گی۔

ہمارے پیامیوں میں بہت سے ایسے ہیں جنھیں شاعری کا شوق ہے مگر انھیں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اُن کے شعروں کو درست کردے اور انھیں سیدھے راستے پر چلائے۔ اب ہم نے پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر سے درخواست کی ہے۔ بچے اپنی نظمیں ہمارے پاس بھیج دیا کریں۔ یہ نظمیں ہم اصلاح کے بعد واپس کردیا کریں گے اور اگر پیام تعلیم میں چھپنے کے قابل ہوں گی تو پیام تعلیم میں چھپ جائیں گی۔

مچھّر اور مچھرانیاں

از حضرت افسر میرٹھی

ٹوٹی پھوٹی مہری میں اک مچھر صاحب رہتے ہیں
شاید وہ گھر میں بھی اپنے مچھر ہی کہلاتے ہیں

بیویاں اُن کے چار عدد ہیں مچھرانیاں کہلاتی ہیں
مہری والے گھر میں بی جی چاروں سے بہلاتے ہیں

اک دن وہ گھر سے نکلے تو واپس آنا بھول گئے
میں تو جانوں اسی طرح سے روز کہیں اُڑ جاتے ہیں

بیویاں اُن کی چپ بیٹھی تھیں لیکن فکر تھی سب کو ہی
چاروں آپس میں کہتی تھیں اب آتے ہیں اب آتے ہیں

پہلی بولی "سچ کہتی ہوں میں عادت سے واقف ہوں
آڑے ترچھے اُڑتے وہ اب بین بجاتے آتے ہیں"

دوسری بولی سچ کہتی ہوں میں عادت سے واقف ہوں
لال کھٹولا ہے بھرے تکیے اُن پر لوٹ لگاتے ہیں

تیسری بولی سچ کہتی ہوں میں عادت سے واقف ہوں
کوڑا گھر کے خمیر کے اوپر رہ رہ کر منڈلاتے ہیں"

چوتھی بولی "سچ کہتی ہوں میں عادت سے واقف ہوں
باسی باسی پھلوں کے رس میں خوش ہو ہو کے نہاتے ہیں

ہمارا پیام تعلیم

حمیرا انصاریہ

اعظم گڑھ

کیا خوب رسالہ ہے پیام تعلیم ۔۔۔ ہر دم ہمیں دیتا ہے پیام تعلیم

جب مہینہ تمام ہوتا ہے ۔۔۔ لب پہ اس کا ہی نام ہوتا ہے
پہلی تاریخ کو جب آتا ہے ۔۔۔ اک خوشی کا پیام ہوتا ہے

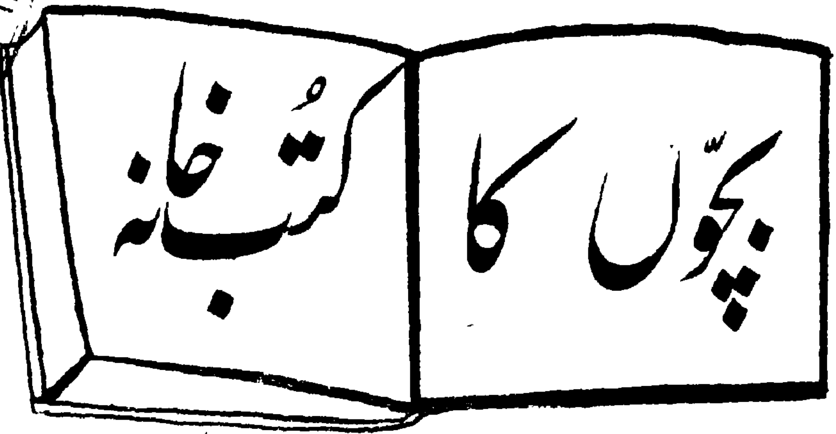
کتنے اچھے ہیں اس کے افسانے ۔۔۔ دل کو بھاتے ہیں دل رُبا[1] گانے
اور لطیفوں کو پڑھتے ہیں جس دم ۔۔۔ ہوتے ہم ہنستے ہنستے ہیں دیوانے

نت نئے روپ میں یہ آتا ہے ۔۔۔ علم و حکمت ہمیں سکھاتا ہے
درس[2] حب الوطن پڑھاتا ہے ۔۔۔ حق یہ ماں باپ کا جتاتا ہے

ہے حمیرا یہ مدعا میرا
ہو رسالہ یہ رہنما میرا

---

[1] دل کو بھانے والا ۔ [2] سبق یعنی پیام تعلیم وطن سے محبت کرنے کا سبق پڑھاتا ہے ؛



تم لوگ یہ تو جانتے ہی ہو کہ سوئٹزرلینڈ کہاں ہے۔ پیام تعلیم میں کئی مرتبہ اس کا ذکر پڑھ چکے ہو گے اس ملک میں ایک خوب صورت سا شہر ہے جینوا۔ پچھلی جنگ کے بعد جب لوگ لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ امن چین سے آپس میں مل جل کر رہیں تو بہت سی قوموں نے مل کر قوموں کی ایک لیگ (انجمن) بنائی تھی۔ اس کا دفتر بھی اسی شہر میں ہے لیکن آپس کے میل جول کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے بچے اس میل جول کو اچھا سمجھیں اور تم لوگ اسے اچھا جبھی سمجھو گے کہ تم جو کتابیں پڑھتے ہو وہ اچھی ہوں اور ان میں ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی باتیں لکھ لکھ کر پہلے دن سے دل میں نفرت پیدا نہ کی جائے۔ شاید اسی خیال سے اسی شہر جینوا میں ایک تعلیم کا بڑا دفتر بھی ہے۔ اور اس دفتر نے بچوں کی کتابیں دیس دیس سے منگا کر جمع کی ہیں۔ یہ کتب خانہ سنہ ۱۹۲۸ء سے قائم ہے۔ ۵۴ ملکوں کی کتابیں یہاں ہیں کوئی ۵۲ زبانوں میں تصویروں کی کتابیں اتنی اور ایسی اچھی اچھی یہاں ہیں کہ گھنٹوں بیٹھے دیکھا کرو۔ ایک ایک ملک کی کتابوں سے الماریاں کی الماریاں بھری ہوئی ہیں۔ بچوں کے رسالوں کا بھی بڑا اچھا ذخیرہ یہاں ہے۔ کوئی ۲۰ ملکوں سے بچوں کے اچھے اچھے رسالے یہاں آتے ہیں۔ بچوں کی کتابوں کی فہرستیں جیسی مکمل یہاں مل سکتی ہیں شاید اور کہیں نہ ملیں۔ اس کتب خانے میں بچوں کی کتابیں لکھنے والے آتے ہیں

اور ایک ملک والا دوسرے ملک کی کتابوں سے نئے نئے خیال سیکھتا ہے۔ کتابوں میں تصویریں بنانے کے نئے نئے اسلوب یہیں سے کتابیں چھاپنے والوں کی سمجھ میں آتے ہیں۔ اُستاد آکر یہاں اپنے شاگردوں کے لئے کتابوں کی فہرستیں بناتے ہیں۔ یوں ہی سُنی سُنائی کتابوں کی فہرست نہیں بلکہ کتابیں دیکھ کر اور پڑھ کر۔ بچوں کے رسالوں کے ایڈیٹر آتے ہیں اور سیکھتے ہیں کہ اپنے رسالے کیسے زیادہ دلچسپ اور مفید بنائیں۔ بچوں کی کتابیں اور رسالوں کے متعلق کسی کو کچھ پوچھنا ہوتا ہے تو وہ یہاں خط لکھ دیتا ہے اور ضروری باتیں معلوم کر لیتا ہے۔ غرض اس کتب خانے سے بہت سے کام نکلتے ہیں۔

اب سنو، ایک افسوس کی بات۔ اس کتب خانے میں جہاں چھوٹے چھوٹے ملکوں کے بچوں کی کتابیں سینکڑوں، ہزاروں موجود ہیں وہاں ہندوستان کی کل ۴۰ - ۴۲ کتابیں ایک الماری کے کونے میں بے جلد پڑی ہیں۔ جو یہاں جاکر انھیں دیکھتا ہوگا ہمارے ملک کے متعلق کیا سمجھتا ہوگا۔ مکتبہ جامعہ کو اس کا پتہ چلا تو اس کی طرف سے اس کتب خانے کو اُردو میں جو بچوں کی کتابیں ہیں اُن کا ایک اچھا سا ذخیرہ وہاں خوب صورت جلدیں بندھوا کر بھیج دیا گیا۔ ابھی اس ڈاک سے اس کتب خانے کی طرف سے ایک شکریئے کا خط آیا ہے کہ یہ اُن کے ذخیرے میں بڑا قیمتی اضافہ ہوا ہے اس زمانے میں جب آدمی آدمی کو درندوں کی طرح ہلاک کر رہے ہیں بہت ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے اور سمجھتے رہیں۔ لڑائی اکثر نہ جاننے اور نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے ٭



جھنڈا اونچا رہے ہمارا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

ہر جلسے میں خاص کر قومی جلسوں میں جھنڈے کا گیت ضرور گایا جاتا ہے۔ اگر ان کل جتنے گیتوں کا رواج ہے ان میں مشکل مشکل الفاظ بہت ہیں اور نہیں پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں آتے ہیں۔

ہمارے خاص شاعر جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیّر نے بھی اس طرح کا ایک گیت لکھا ہے۔ ہمیں تو یہ گیت ان سب گیتوں سے اچھا معلوم ہوا۔ اس میں صفائی ہے سادگی ہے۔ زبان بہت آسان ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ بہت پر اثر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اب قومی جلسوں میں یہی گیت گایا جائے گا۔

ہماری درخواست پر شفیع الدین صاحب نے یہ گیت ہمیں بھی مرحمت فرمایا ہے۔ اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں اگر پیامی اور ملک کے سبھی بچے اپنے قومی جلسوں میں یہ گیت گائیں تو کیا اچھا ہو
(ایڈیٹر)

سب سے اچھا سب سے نیارا ⁂ رنگ برنگا پیارا پیارا
قوم کی اُمیدوں کا سہارا ⁂ سب کی تمنا کا گہوارا

دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

دیس دِشا دکھلانے والا ⁂ ہوش میں ہم کو لانے والا
جوش سے دل گرمانے والا ⁂ خدمت پر اُکسانے والا

دیس کی نیّا[1] کھیون ہارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

سوتوں کو بیدار کرے گا | غفلت سے ہشیار کرے گا
کوشش پر تیار کرے گا | قوم کا بیڑا پار کرے گا

ہو جائے گا وارا نیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

شمعِ وطن کے پروانوں کو | آزادی کے دیوانوں کو
ہندوؤں اور مسلمانوں کو | ہند کے سارے انسانوں کو

ہے یہ اپنی جان سے پیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جب جھنڈا لہرائے گا یہ | من کی جوت[2] جگائے گا یہ
اپنا پن سمجھائے گا یہ | پریت[3] کی ریت[4] سکھائے گا یہ

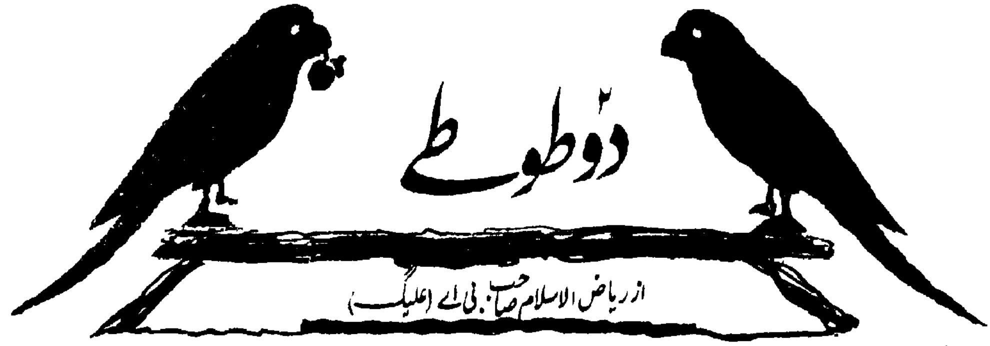
پریم کا ساگر[5] پریم کی دھارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جب قومی جھنڈا لہرائیں | دیس کی حالت دھیان میں لائیں
آزادی کا عہد نبھائیں | پھر مل کر یہ نغمہ گائیں

نیّا ہو غم سے چھٹکارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

---

[1] کشتی [2] روشنی [3] محبت [4] رسم، طریقہ [5] سمندر



دو طوطے

از ریاض الاسلام صاحب۔ بی اے (علیگ)

کسی جنگل میں طوطوں کا ایک جھنڈ رہا کرتا تھا۔ صبح سویرے یہ جھنڈ روزی کی تلاش میں نکلتا۔ سب طوطے جہاں بھی جاتے ایک ساتھ جاتے۔ آم، امرود، بیر اور دوسرے پھل اُن کی غذا تھے۔ تمام دن باغوں میں گھوم گھام کر، خوب کھا کر اور خوب کھیل کر یہ شام کو اپنے بسیروں پر واپس آتے۔

ان میں دو طوطے "بدّو" اور "دبّو" تھے۔ یہ چچازاد بھائی تھے۔ دونوں میں بہت دوستانہ تھا۔ دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے، لیکن بدّو بہادر اور نڈر تھا اور "دبّو" بہت ڈرپوک۔

ایک بار اُن کے جنگل میں چڑی مار آیا اس نے کسی طرح ان دونوں طوطوں کو پکڑ لیا اور بازار میں بیچ دیا۔

احمد میاں (جنھوں نے یہ طوطے خریدے تھے) پرندوں کے بڑے شوقین تھے۔ کبوتر، لال، بلبل وغیرہ سبھی انھوں نے پال رکھے تھے۔ ان سب کو وہ بہت آرام سے رکھتے تھے۔ یہ دونوں طوطے انھیں بہت ہی پسند آئے۔ زمرد جیسے ہرے ہرے پر۔ لعل جیسی لال چونچ اور گول گول آنکھیں اور گلے میں ایک خوب صورت گنڈا پڑا ہوا۔ غرض ان طوطوں کی ہر چیز انھیں پسند تھی۔ دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ خوب صورت پنجرے بنوائے۔ ان میں پانی اور کھانے کے لئے دو چھوٹی چھوٹی کٹوریاں رکھوائیں ورزش کا بھی انتظام رکھا گیا۔ ایک لوہے کی سلاخ لگائی گئی جسے پنجوں میں پکڑ کر طوطے خوب چکر لگا سکتے اور الٹے لٹک سکتے تھے۔ دونوں کے پنجرے قریب ہی قریب رکھے گئے تاکہ اگر طبیعت گھبرائے تو آپس میں باتیں کرلیں۔ کھانا احمد میاں اپنی سمجھ میں اچھے سے اچھا دیتے۔ ان کا ارادہ تھا کہ ان طوطوں کو خوب باتیں کرنا سکھائیں گے۔

باوجود ان سب چیزوں کے طوطے خوش نہ تھے۔ ان کے لئے اڑنے کی جگہ تو تھی ہی نہیں۔ خوش کیسے رہتے۔

دبّو نے بدّو سے کہا "یار اب تو یہاں سے چھٹکارے

کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ زندگی یہیں گذارنا پڑے گی۔"

بدّو بولا "میں تو سر مار مار کر ان تیلیوں کو توڑ ڈالوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔ اور واقعی وہ نہ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا بس اپنا سر تیلیوں پر مارتا رہتا اس امید پر کہ ایک دن ان دونوں میں سے ایک ایک چیز ضرور ٹوٹ جائے گی۔

دبّو نے سمجھایا "دیکھو بدّو اب یہاں رہنا ہے تو پھر آرام سے رہو، اس طرح سر مارنے سے فائدہ؟ لوہے کی تیلی تو ٹوٹنے سے رہی تم اپنی جان سے جاؤگے"

بدّو نے تیزی سے کہا "یہاں پنجرے میں پڑے پڑے مرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ سر پھوڑ کر مر جائیں۔ اور سچ پوچھو تو ہماری زندگی تو اسی وقت ختم ہو چکی تھی جب ہمیں چڑی مارنے پکڑا تھا جنگل میں ہم آزاد تھے آزادی ہی ہماری زندگی تھی۔ اس پنجرے میں مرنا جینا سب برابر ہے۔" اس نے زور سے ٹکر مارتے ہوئے کہا "سب برابر ہے۔"

دبّو بولا "دیکھو بدّو بھائی میں پھر سمجھاتا ہوں، کسی کا کچھ نہ بگڑے گا تم اپنی جان سے جاؤگے۔" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں دوسری طرف پھیر لیں اور بولا "میاں مٹھو حق اللہ۔ پاک ذات اللہ۔ نبی جی بھیجو۔" دبّو نے یہ سب باتیں سیکھ لی تھیں۔ ان کے سیکھنے سے اُسے کھانا مانگنے میں بڑی آسانی ہوگئی تھی۔ طوطے کی آواز سن کر احمد میاں دوڑے آئے اور آم کی قاش جو خود کھا رہے تھے۔ دبّو کے پنجرے میں ڈال دی۔ اُسے وہ بڑے شوق سے کھانے لگا۔ احمد میاں نے بدّو کو جو دیکھا تو اس کے سر میں کچھ چوٹ معلوم ہوئی تھی۔ آم کی قاش جو صبح کو انھوں نے اس کے پنجرے میں ڈالی تھی ویسی کی ویسی رکھی تھی۔ احمد میاں کو بدّو کا یہ دیوانہ پن بہت ناپسند تھا۔ وہ اُسے گھورتے ہوئے چلے گئے

کچھ دن بعد بدّو اسی طرح سر ٹیک ٹیک کر مر گیا۔ اس نے آزادی کے پیچھے جان دے دی۔ دبّو اپنے منہ میاں مٹھو بنتا۔ احمد میاں کی خوشامد کرتا اور احمد میاں اُسے طرح طرح کی کھانے کی چیزیں دیتے۔ وہ خوب موٹا ہو گیا۔

ان دونوں طوطوں میں سے تم کسے بہتر سمجھتے ہو؟ ✽

ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ لکھو۔ کوئی بات دفتر سے معلوم کرنا ہو تو جوابی کارڈ بھیج دو یا ٹکٹ

"منیجر"



آموں کی بہار

مولوی شفیع الدین صاحب نیر

ساون کا مہینہ تھا۔ بادل گھرے ہوئے تھے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تو یہ سماں اور بھی دوبالا ہو گیا۔ گرمی سے نڈھال ہو رہے تھے اس خنکی اور تری سے دل نہال ہو گئے بچے اپنے اپنے بستے لے کر مدرسے آ چکے تھے۔ مگر پڑھنے لکھنے کو جی کسی کا نہ چاہتا تھا۔ کچھ بچے کہنے لگے "اگر آج کسی باغ کی سیر کی جائے تو کیسی رہے؟" اتنی بات کا منہ سے نکلنا تھا کہ "کیا کہنا ہے، کیا کہنا ہے" کی صدائیں ہر طرف سے آنے لگیں۔ حنیف بولے "اور سیر بھی آموں کے باغ کی ہو۔ سیر کی سیر کریں اور آم کے آم کھائیں"۔ سعیدہ بولیں "اور ڈور بھی ساتھ لے لیں۔ آم کی شاخ میں جھولا ڈالیں اور مزے سے جھول جھول کر ساون کے گیت گائیں"۔ سب نے اس تجویز پر صاد کیا۔

میاں حنیف اور بی سعیدہ پڑھنے لکھنے میں بھی ذرا تیز تھے اس لئے ہیڈ ماسٹر صاحب اُن کا بڑا خیال رکھتے تھے اور اُن کا کہا بھی نہ ٹالتے تھے سب نے انھی سے کہا" کہ تمھیں ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہو"۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ادھر یہ پہنچے۔ اُدھر اور درجوں کے لڑکے بھی اسی مطلب سے اُن کے پاس آ پہنچے تھے ہیڈ ماسٹر صاحب بچوں کی اس درخواست کو رد نہ کر سکے۔ اسی وقت گھنٹا بجا۔ استاد اور سب لڑکے اسکول کے میدان میں جمع ہوئے۔ کرایے کی لاریاں آئیں اور سب بچے اور تمام اُستاد اُن میں بیٹھ کر خوش خوش قطب صاحب روانہ ہوئے کہ وہاں کسی باغ میں آم کھائیں اور قطب مینار کے پاس ہری ہری گھاس کے تختوں پر لوٹ بھی لگائیں اور موقع ہو تو کبڈی جمائیں اور دو گھڑی جی بہلا کر واپس آ جائیں۔

خیر صاحب۔ سب کے سب چلے۔ پھاٹک سے لاریاں نکلی ہی تھیں کہ بچوں نے شور مچانا شروع کیا ایک لاری میں اُردو پڑھانے والے اُستاد بھی تھے۔ کہنے لگے کہ بھئی چیخنا اور شور مچانا ہے تو آموں کی نظم ہی کیوں نہ گاؤ۔ وہی اپنے بچوں کے تحفہ" والی۔ بچے

یہ سن کر ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ سب مل کر سُریلی آوازیں گانے لگے ؎

باغ والے کے پاس گئے کہ آم خرید کر لائیں۔ کچھ لڑکے بھی اُن کے ساتھ ہوئے۔

دیکھو دیکھو آم انوکھے، ان سے بڑھ کر آم نہیں
ڈال کے پکے ٹپکے، تازہ تازہ آئے ہیں
گودا زیادہ، گٹھلی چھوٹی، کھانے میں سب اچھے ہیں
ٹھنڈی توڑو آم لگا کر منہ سے جھٹ پٹ پی جاؤ
ہرے بھرے باغوں میں کل تک بے فکری سو رہتے تھے
کوئل کوکو کوکو کرکے ان کو راگ سناتی تھی
سورے پھولوں کے بستر پر اُن کو سلا کر لائے ہیں

رس بھی ان کا میٹھا میٹھا، ریشے کا بھی نام نہیں
پیلے پیلے میٹھے میٹھے، باغ سے چن کر لائے ہیں
کھٹا ان میں ایک نہیں ہے کھا دیکھو ہم سچے ہیں
پتلے پتلے رس کا شربت آ غٹ غٹ پی جاؤ
مینہ میں نہا کر خوش ہوتے تھے رنج نہ کوئی سہتے تھے
اس کا گانا سن کر ان کے دل کی کلی کھل جاتی تھی
آندھیوں اور لوؤں سے بچ کر یہ بازار میں آئے ہیں

ابھی اتنے ہی شعر ہونے پائے تھے کہ قطب صاحب کے ایک باغ میں پہنچ گئے۔ بچے لاریوں سے اُتر اُتر کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ آم کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ گھنے گھنے۔ بہت سے درخت آموں سے لدے ہوئے۔ آم کچھ بڑے بڑے ہیں۔ آدھ آدھ سیر کے اور کچھ چھوٹے۔ کچھ ہرے ہیں۔ کچھ پیلے اور کچھ سیندوریے۔ شکلیں بڑی عجیب ہیں۔ کچھ گول ہیں۔ کچھ لمبوترے۔ ہر طرف رکھوالے آموں کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ اگر ان کے گوپیے کا ڈر نہ ہو تو طوطوں کے جھنڈ آموں کو بھلا کب چھوڑیں۔ کتر کتر کر سارے باغ کا ستیاناس کر دیں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے کہنے پر ایک دو استاد

ایک صاحب نے پوچھا "کہو چودھری کچھ آم دام بکاؤ ہیں؟"

باغ والا:۔ اجی ہیں کیوں نہیں۔ جتنے چاہئیں لیجئے۔ خوب کھائیے اور جتنے چاہئیں گھر باندھ کر لے جائیے۔ اگلے سال آتے تو باغ میں خاک اُڑتی نظر آتی۔ پر اس سال تو آموں کی بڑی کثرت ہے۔

استاد:۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ تمھارے ہاں کس کس قسم کے آم ہیں۔

باغ والا:۔ اس باغ میں دیسی، تخمی، قلمی، فجری اور لنگڑا غرض ہر قسم کے آم ہیں اور آم بھی ایسے میٹھے اور مزے دار کہ بس ہونٹ چاٹتے رہ جائیے گا۔ بڑے اچھے پیڑ ہیں۔ کسی پیڑ کا کوئی آم چکھ کر دیکھیے۔

بہت شیریں۔ بہت خوش ذائقہ۔ گٹھلی اتنی سی گودا اتنا بہت سا۔ تخمی اور دیسی آموں کا تو کہنا ہی کیا ہے ذرا گھنڈی توڑ کر منہ سے لگائیے اس طرح غٹ غٹ پی جائیے جیسے شربت کا گلاس منہ سے لگا ہو۔

استاد:۔ تمہارے ہاں ٹپکا ہی ٹپکا ہے یا پال بھی؟

باغ والا:۔ ٹپکا بھی ہے اور پال بھی۔ ٹپکا تازہ ڈال کا پکا ہوا اور میٹھا جیسے شہد۔ اور پال بھی بالکل تیار۔ اور قسم کے آم درکار ہوں تو دوسرے باغوں سے وہ بھی آسکتے ہیں" حنیف صاحب بولے "اور تمہارے ہاں طوطا پری بھی ہے"۔ سعیدہ بولیں "اور کیوں میاں لکھنؤ کا سفیدہ بھی ہے"۔ اس پر سب ہنس پڑے کہ دہلی کے باغ میں لکھنؤ کا سفیدہ کہاں؟

کچھ دیر اسی قسم کی بات چیت ہوتی رہی۔ بھاؤ پر بھی جھگڑا رہا۔ آخر دو من دیسی اور تخمی چوسنے کے آم اور کچھ تراش کر کھانے کے یعنی قلمی، فجری اور لنگڑے خریدے گئے۔

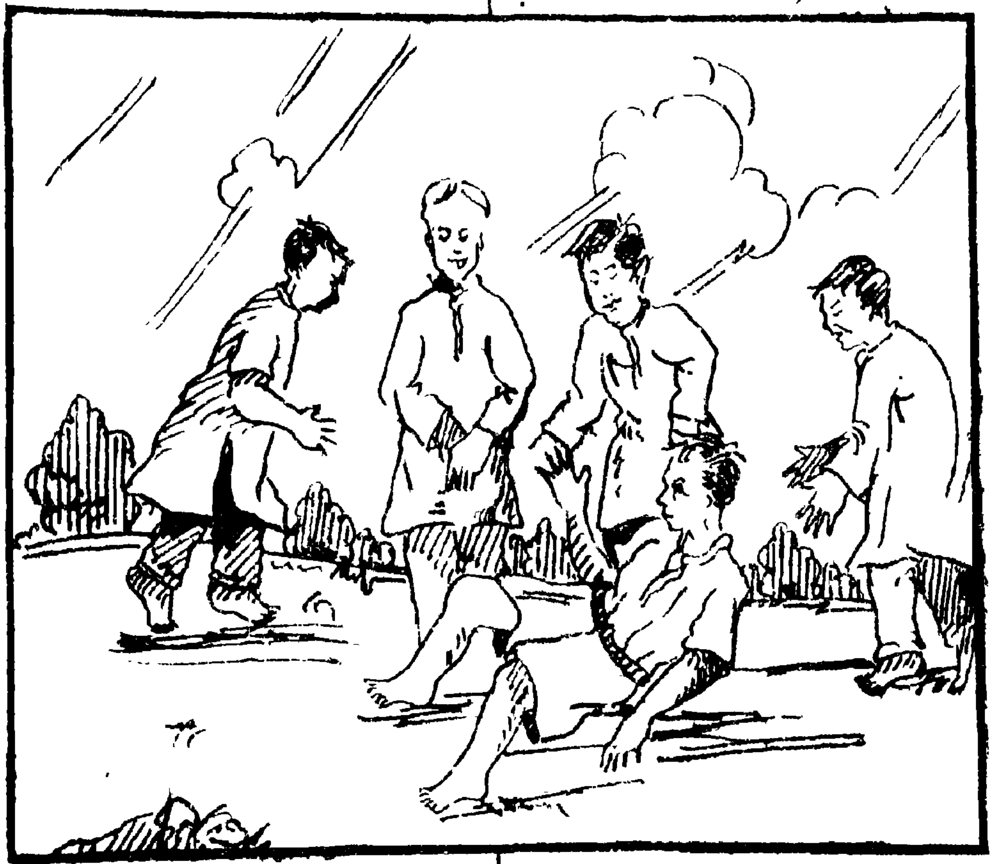
تم جانو آم دیکھ کر کس کا جی نہ چاہے گا بڑے اور چھوٹے آموں پر ہلّا بولنے ہی والے تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "ابھی نہیں" انھوں نے چند بالٹیوں میں پانی بھروایا۔ پانی میں لال دوا ڈلوائی۔ اس میں آم بھگوئے اور دھوئے گئے لڑکوں کی جماعت وار ٹولیاں بنیں۔ ہر ایک ٹولی کا حصہ الگ ہوگیا۔ ہر ٹولی میں ایک دو استاد بھی شریک ہوئے۔

کچھ دیر تو سب نے بڑے مزے سے آم کھائے کسی نے چوسے، کسی نے تراش کر قاشیں بنائیں اور خوب جی بھر کر کھائیں۔ اب ذرا پیٹ جو بھرا تو شرارت سوجھی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ گٹھلیوں اور چھلکوں کی ہر طرف چاند ماری ہو رہی ہے۔ ایک صاحب خاموشی سے بیٹھے ہوئے آم چوس رہے تھے کہ آم کی ایک گٹھلی کھٹاک سے اُن کے سر پر لگی۔ سر بھنا گیا۔ مگر پتہ نہ لگا کہ یہ نشانہ کس نے لگایا۔ بہت گھبرائے۔ مجبوراً آموں کو چھوڑ کر اُن کو بھی میدان میں آنا پڑا۔ اب کیا تھا کسی کے سر پر، کسی کے کندھے پر، اور کسی کی توند پر چوٹ کی چوٹ لگی اور کپڑے کے کپڑے خراب ہوئے مگر کسی نے برا نہیں مانا قہقہوں کی آواز سے باغ گونج اُٹھا۔ سارے باغ میں گٹھلی اور چھلکوں کا فرش بچھ گیا۔ گھنٹہ، سوا گھنٹہ بڑا لطف رہا۔ یہ چہل پہل دیکھ کر بہت سے گاؤں والے بھی جمع ہوگئے۔ وہ بھی بچوں کو اچھلتا کودتا اور ہنستا کھیلتا دیکھ کر ہنسنے لگے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بیچ میں نہ آ کودتے تو یہ منظر کچھ دیر اور باقی رہتا۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر کہ بس اب کافی کھیل چکے۔ سب کو روک دیا۔ سب کے ہاتھ منہ دھلوائے۔ کپڑے ٹھیک کرائے۔ اسی اثنا میں کچھ دودھ منگا لیا تھا ایک ایک

گلاس دودھ سب کو پلوایا۔ کہنے لگے "آم کھانے کے بعد کچھ دودھ پی لینا مفید ہوتا ہے۔"

سعیدہ اور ان کی سہیلیاں آم کے ایک ٹہنے میں جھولا ڈال چکی تھیں اور بڑے مزے سے جھول رہی تھیں۔ لڑکے ادھر سے فارغ ہوئے تو وہ بھی وہاں پہنچ

قدرت کچھ اور انتظام کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اور بھی کالی کالی گھٹائیں گھر گھر آگئیں۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ پہلے تو ہلکی ہلکی بوندیں آئیں پھر تو اتنی زور کی موسلا دھار بارش ہوئی کہ اللہ دے اور بندہ لے معلوم ہوتا تھا کہ بادل کو جتنا برسنا ہے بس آج ہی برس



انھوں نے بھی ان لڑکیوں سے اجازت لے کر باری باری جھولنا شروع کیا۔ بعض لڑکوں نے تو ایسی پینگیں بڑھائیں کہ دیکھ دیکھ کر جی ہلتا تھا۔ ایک طرف کبڈی کا پالا جما۔ اور "چل کبڈی، چل کبڈی" اور "وہ مارا۔ وہ مارا" کی دھوم مچ رہی تھی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر

لے گا۔ باغ میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ بیٹھنے تک کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس بارش کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ اُستاد اور شاگرد سب ایک رنگ میں رنگ گئے خدا خدا کرکے بارش تھمی تو مارے سردی کے سب کے بدن کانپنے لگے۔ تھوڑی دیر کو خاموشی چھا گئی۔ اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ ضیف صاحب

کا اچانک پانوں پھسلا۔ اور وہ دھڑام سے زمین پر گرے۔ سارے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہوگئے۔ مگر یار لوگوں کو ہنسنے اور قہقہے لگانے کا خوب موقع ملا۔ بچارے حنیف کے چوٹ تو لگی مگر پارٹی میں جان سی آگئی۔ پھر وہی ہنسی خوشی اور چہل پہل نظر آنے لگی۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "چلو اب واپس چلیں۔ یہ سننا تھا کہ سب جھٹ پٹ لاریوں میں بیٹھ گئے اور اسکول آکر دم لیا۔

بی سعیدہ اپنے ساتھ کچھ اچھے اچھے، کچے آم خرید کرلے آئی تھیں۔ حنیف نے مذاق میں کہا۔ "بہن! ان کا کیا کرو گی؟"

سعیدہ ہنس کر بولی "واہ بھیا! تم یہ بھی نہیں جانتے۔ پکے آم تو کھاتے ہیں۔ مگر کچے آم بھی بہت کام آتے ہیں۔ اُن کی چٹنی پیستے ہیں۔ اچار ڈالتے ہیں۔ مزہ تیار کرتے ہیں۔ پھانکیں کاٹ کاٹ کر سکھاتے ہیں اور امچور بناتے ہیں۔ لو سے بچنے کے لئے پنّا بنا کر پیتے ہیں۔ گڑنبا بھی بنتا ہے۔ وہ بھی بڑا مزے دار ہوتا ہے۔ میں تو اماں جان سے کہہ کر اُن کا اچار ڈلواؤں گی کہیئے کچھ آیا سمجھ میں۔ یا ابھی کچھ اور سبق پڑھانے کی ضرورت ہے"؟

یہ سن کر حنیف صاحب کچھ کھسیانے سے ہوگئے اور سب ساتھیوں نے ایک دفعہ پھر فرمائشی قہقہہ لگایا۔

یہ سیر ہر طرح خوش گوار رہی اور آموں کے باغ میں جو لطف آیا مدتوں بچوں کے دلوں پر اس کا اثر قائم رہا۔

سائنس کے مشغلے

۲۰ گرام نمک لے کر اُسے تھوڑے سے پانی میں گھولو ایک سفید کاغذ لے کر اسے چند منٹ تک اس سلوشن میں تیراؤ۔ اور پھر سوکھنے کو رکھ دو۔ ۴ گرام سلور نائٹریٹ (کسی اچھے فوٹوگرافر کے یہاں ملے گی) لے کر چھٹانک بھر پانی میں گھولو اور پھر وہی سفید کاغذ لے کر اس میں ایک طرف سے اچھی طرح ڈبوؤ اور پھر بالکل اندھیرے کمرے میں جہاں روشنی نہ ہو سکھاؤ۔ جب وہ سوکھ جائے تو کوئی سل ہاؤٹ یا اسٹینسل لے کر اسی کاغذ پر رکھو پھر اُسے دھوپ دکھاؤ جب تک اس پر اس کا عکس اچھی طرح سے نہ اُتر آئے۔ اب اُسے تیز نمک کے محلول میں ڈالو یا تیراؤ۔ بعد کو اُسے صاف پانی سے دھو ڈالو۔ تمہارے کاغذ پر کیمرے جیسی صاف تصویر آ جائے گی۔

علی عباس رضوی۔ پونا

اودے شنکر

ہاجرہ بیگم

شنکر کو لکھنے پڑھنے سے نفرت تھی۔ اس کے ماں باپ اُسے اسکول لے جاتے اور ماسٹروں سے کہتے کہ یہ لڑکا بڑا ہی شریر ہے ذرا آپ اسے ٹھیک کر دیجئے لیکن جوں ہی ماسٹر کی ڈانٹ اور مار پڑتی شنکر اسکول سے بھاگ جاتا۔ بس اسے شوق تھا تو تصویریں بنانے سے۔

آخر ماں باپ بھی ہار مان گئے اور شنکر کو بمبئی کے اسکول آف آرٹ میں مصوری سیکھنے کے لئے بھیج دیا یہ شنکر کے دل کی بات تھی اور یہاں اس نے خوب محنت سے کام سیکھا۔

شنکر کے باپ کو پرانی باتیں معلوم کرنے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں پرانے ہندوستان کے بارے میں لکھیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ انگلستان گئے۔ وہاں جاکر انھیں شوق ہوا کہ ہندوستان کے پرانے راگوں اور ناچ کے حالات وہ یورپ کے لوگوں کے سامنے رکھیں لیکن ان چیزوں کے بارے میں وہ لکھ تو سکتے تھے لیکن انھیں کرکے کیسے دکھاتے؟

شنکر کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ جب وہ پرانی تصویروں کو دیکھتے تھے تو آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر ویسی ہی ادائیں بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے شنکر کو انگلستان بلالیا اور اپنے کچھ دوستوں کے سامنے جنھیں پرانی باتوں سے کچھ لگاؤ تھا، پرانے ناچ کے طریقے شنکر سے ادا کروائے مگر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ شنکر کا دل تو مصوری میں پڑا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ولایت میں اس چیز کی بہت زیادہ قدر ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس فن کا بہت زیادہ علم ہے تو انھوں نے ہندوستان آنے سے انکار کر دیا اور پیرس کے مشہور آرٹ اسکول میں داخل ہوگئے۔

اس زمانے میں ولایت میں ایک بہت مشہور ناچنے والی تھیں جن کا نام تھا آنا پاؤلووا۔ دنیا میں اُن کے فن کا شہرہ تھا اور دنیا کے ہر بڑے ملک میں جب وہ جاتی تھیں لوگ اُن کے کمال سے حیران ہوجاتے تھے۔ پاولووا ہندوستان بھی آئیں اور

یہاں کے پرانے ناچ نے اُن کے اوپر اتنا اثر کیا کہ انھوں نے بھی چاہا کہ وہ اس ناچ کو سیکھ لیں۔ رادھا کرشنا ناچ کے نام سے انھوں نے ایک ناچ سیکھا بھی لیکن جب ولایت گئیں تو ان کو ساتھ ناچنے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ وہاں کے لوگ ہندوستانی کپڑوں اور یہاں کے طرز و ادا سے بالکل ناواقف تھے۔ شنکر کے ایک استاد نے پاؤ لووا سے اُن کا ذکر کیا کہ میرا ایک بہت ذہین شاگرد ہے جس نے پرانی تصویروں کا بہت اچھا مطالعہ کیا ہے وہ ضرور تمہاری مدد کر سکے گا اور اس طرح شنکر پاؤ لووا سے ملے۔

پاؤ لووا نے بھانپ لیا کہ شنکر میں وہ سب باتیں موجود ہیں جو ایک ماہرِ فن کے لئے ضروری ہیں۔ اور انھوں نے شنکر کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ ان کی کمپنی میں شریک ہو جائیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں اُن کے ساتھ دورہ کریں۔ شنکر کے کمال کی وجہ سے جہاں کہیں یہ کمپنی جاتی رادھا کرشنا ناچ بہت ہی پسند کیا جاتا۔

جس زمانے کا ذکر ہے اس زمانے میں ہندوستان میں ناچنے اور گانے بجانے کے فنون کا درجہ بہت ہی گر گیا تھا۔ صرف پیشے والے گویے اس کام کو کرتے تھے اور ان لوگوں کو دوسرے لوگ بہت ہی ذلیل سمجھتے۔ بڑے بڑے ماہر راجاؤں اور نوابوں کے دربار میں پڑے رہتے تھے اور اُن کے کمال کی کوئی قدر نہ کرتا تھا اور اُن کو امیروں کی خوشامد کرنا اور ہاتھ تکنا پڑتا تھا۔ جب ہندوستان میں یہ حالت تھی تو باہر کے ملکوں میں بھلا کون ہندوستانی ہنر کو پوچھتا؟

شنکر اس بات کو سوچ سوچ کر بہت کڑھا کرتے تھے۔ انھیں پرانی چیزوں کے مطالعہ سے معلوم تھا کہ پہلے زمانے میں ناچنے اور موسیقی کے فن میں ہندوستان دنیا کے اور ملکوں سے آگے بڑھا ہوا تھا وہ جانتے تھے کہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو یورپ کے بڑے سے بڑے ماہر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی کہیں پوچھ نہ تھی۔

ان سب باتوں کو دھیان میں رکھ کر شنکر نے ارادہ کر لیا کہ وہ ہندوستان کے اس خزانے کی پھر سے کھوج لگائیں گے۔ اور اسے دنیا کے سامنے رکھیں گے چنانچہ انھوں نے ہندوستانی ناچ کی کمپنی الگ سے بنانے کا ارادہ کر لیا۔

مگر کمپنی ایک آدمی سے تو بنتی نہیں۔ ناچنے والے، بجانے والے اور گانے والے چاہیئے تھے اور اُن کی تلاش میں شنکر ہندوستان آئے۔

مگر ہندوستان میں شنکر کو بہت بڑی دقت پیش آئی۔ یہاں کے بڑے بڑے قابل اُستاد اس طرح کمپنی بنا کر جگہ جگہ گھومنے کو اپنی ذلت سمجھتے تھے اور جو لوگ ساتھ جانے پر راضی تھے وہ خوشامدی اور ایسے چھوٹے خیالوں کے لوگ تھے جنھوں نے ان پیشوں

کو دنیا کی نظر میں بدنام کر رکھا تھا۔ پریشان ہو کر شنکر نے ارادہ کیا کہ وہ شریف گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کو خود ہی تعلیم دے کر اپنے ہمراہ لے جائیں۔ لیکن اس زمانے میں شریف گھروں کی لڑکیاں اپنے گھر کے باہر ناچنے کو عیب سمجھتی تھیں اور شریف گھروں کے لڑکے اسٹیج پر آنے کو اپنی ذلت جانتے تھے۔ لاچار ہو کر شنکر نے اپنے ہی گھرانے کے لڑکوں اور لڑکیوں کو راضی کیا کہ وہ اُن کی شاگرد بنیں!

ایک مشکل تو حل ہوئی مگر دوسری مشکل روپئے کی تھی اتنی بڑی کمپنی کے تیار کرنے کے معنی تھے ہزاروں روپئے کا خرچ۔

شنکر کے باپ کسی ہندوستانی ریاست میں معزز عہدے پر کام کر چکے تھے۔ انھوں نے اپنے جان پہچان کے کئی راجاؤں اور نوابوں سے روپیہ دینے کی درخواست کی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ سمجھا کہ شنکر کے کام کی اہمیت کیا ہے۔ مجبور ہو کر شنکر نے اپنے ولایت کے دوستوں سے مدد لی اور "اودے شنکر کمپنی" کو لے کر ولایت اور امریکہ کا دورہ کیا۔

ولایت کے کئی ملکوں اور امریکہ کے بعض حصّوں میں شنکر کو ایسی کامیابی ہوئی کہ شاید ہی کسی دوسرے کو ہوئی ہو اور دنیا میں اودے شنکر کا اور ہندوستانی ناچ کا نام عزت اور قدر کے ساتھ لیا جانے لگا۔

مگر اودے شنکر اپنی عزت تو چاہتے نہ تھے ان کے دل میں تو وہی بات بیٹھی تھی کہ ہندوستان میں ان کمالوں کے ساتھ جو گندگی مل گئی ہے اس کو دور کریں اور دوبارہ ہندوستان کے علوم و فنون میں ایک نئی روح پھونک دیں۔ چنانچہ اپنی شہرت اور لیاقت کا مناسب فائدہ اُٹھا کر انھوں نے ہندوستان میں ایک نیا اسکول کھولنے کا ارادہ کیا۔

اگر ہم ان مشکلوں اور دقتوں کا ذکر کریں جو اودے شنکر کو پیش آئیں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے۔ اسکول قائم کرنے کے سلسلے میں شنکر نے برسوں محنت کی اور آخر کار اپنے خیال کو پورا کر کے چھوڑا۔

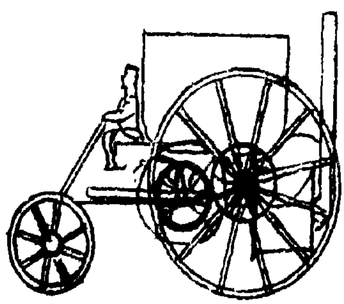
آج کل اودے شنکر کلچر سنٹر المورہ میں قائم ہو چکا ہے جہاں پہاڑ کی کھلی اور صاف ہوا میں رہ کر کئی مشہور استادوں کے ساتھ شنکر اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے ہیں شنکر طبیعت کے بہت سادے ہیں اپنے کمال پر انھیں غرور نہیں اور دوسروں کی تعریف خاص کر ہندوستان کے دیہاتی ماہروں کی تعریف وہ دل سے کرتے ہیں ان کا دل بہت نرم ہے اور تکلیف اُن سے دیکھی نہیں جاتی لیکن بے رحمی پر انھیں بہت غصہ آجاتا ہے اور بے رحم کے ساتھ وہ بے رحمی سے برتاؤ کرنا چاہتے ہیں شنکر کو بچوں سے بہت دلچسپی ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ ان کا اسکول اس قدر ترقی کر جائے کہ دنیا کے ہر حصے سے چھوٹے چھوٹے بچے وہاں آکر ناچ، موسیقی، خوب صورتی اور خوش نمائی کا سبق سیکھیں ٭

موٹر کی ایجاد

از جناب فضل الدین صاحب ایم اے

سڑکوں پر بغیر گھوڑوں کے گاڑیاں چلانے کی کوشش انسان کی پرانی کوششوں میں سے ایک کوشش ہے ...... بھاپ کے انجن کی ایجاد کے بعد تو یہ کوشش اور بھی زیادہ جوش کے ساتھ ہونے لگی تھی چنانچہ سب سے پہلی موٹر کار دراصل بھاپ سے چلنے والی گاڑی ہی تھی۔ بھاپ کی سڑک گاڑی سب سے پہلے ۱۷۶۹ء میں فرانس میں چلی تھی۔ یہ ایک شخص کیوگنو (CUGNOT) کی بنائی ہوئی تھی اور صرف ۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی۔ ایک دن بدقسمتی سے یہ گاڑی ایک دیوار سے ٹکرائی اور اس کا انجن پھٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے موجد کو گرفتار کرکے قید کر دیا گیا۔

انگلستان میں ٹریوتھک (TREVITHICK) نے بھاپ کی موٹر بنائی تھی لیکن اس زمانے میں انگلستان کی سڑکوں کی حالت اس قدر خراب تھی کہ ٹریوتھک کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حالانکہ اس کی بنائی ہوئی گاڑی نو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتی تھی۔ ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۶ء کے درمیان ہین کوک (HANCOCK) نے بھی کوشش کی اب سڑکوں کی حالت ذرا اچھی ہو گئی تھی اس لئے ہین کوک کی گاڑیاں برابر لندن سے برائٹن آنے جانے لگیں۔ ہین کوک کے علاوہ اور لوگوں نے بھی یہ گاڑیاں بنائیں۔ لیکن انگلستان میں ریل والوں نے اور گھوڑا گاڑی والوں نے بھاپ سے چلنے والی گاڑیوں کی مخالفت کی اور حکومت پر اس قدر زور ڈالا کہ حکومت نے "سرخ جھنڈا قانون" کے نام سے ایک قانون پاس کر دیا اس قانون کی رو سے



کوئی بھاپ کی گاڑی ۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں چل سکتی تھی اور ہر گاڑی کے آگے آگے ایک آدمی کو سُرخ جھنڈی ہاتھ میں لے کر چلنا پڑتا تھا۔

انگلستان میں سُرخ جھنڈا قانون موٹر کی ایجاد میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چالیس سال تک لوگوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آخر فرانسیسیوں نے اپنے یہاں دوبارہ کوششیں جاری کیں اور کئی قسم کی گاڑیاں بنائیں جو اٹھارہ بیس میل کی رفتار سے چل سکتی تھیں۔

۴ مارچ ۱۸۸۵ء کو ایک جرمن نے جس کا نام گوٹ لیب ڈیملر (GOTTLIEB DAIMLER) تھا پٹرول سے چلنے والی موٹر بھی ایجاد کر دی۔ ڈیملر کی ایجاد کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں فرانس اور جرمنی میں موٹریں ہی موٹریں نظر آنے لگیں۔ پیرس کے ایک اخبار کے ایڈیٹر پیر گفرڈ (PIERRE GIFFARD) نے پیرس سے رون تک ایک انعامی موٹر دوڑ کا اعلان کر کے لوگوں میں موٹروں سے اور بھی زیادہ دلچسپی پیدا کر دی فرانس میں ایک موٹر کلب قائم ہوا اور دوڑ میں حصہ لینے والے برابر موٹروں کی رفتار بڑھانے کی کوشش کرنے لگے۔ ۱۸۹۵ء میں موٹر کی رفتار کا اندازہ ۱۵ میل فی گھنٹہ تھا۔ ۱۹۰۱ء میں پیرس سے برلن تک کی بین الاقوامی دوڑ میں رفتار ۴۴ میل فی گھنٹہ تھی ۱۹۰۳ء میں ۴۹ ½ میل فی گھنٹہ اور ۱۹۰۶ء میں ۵۴ ½ میل فی گھنٹہ تھی۔ ترقی برابر جاری رہی یہاں تک ۳۰ سال بعد ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کو انگلستان کے سر ولیم کیمپ بیل نے امریکہ میں اپنی موٹر "نیلی چڑیا" (BLUE BIRD) کو ۳۰۱،۱۱۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلا کر موٹر کی رفتار کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ لیکن ابھی رفتار میں اور ترقی ممکن تھی۔ چنانچہ انگلستان کے ایک کپتان جی ایسٹن نے ۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء کو ۳۱۲ میل فی گھنٹہ کا ریکارڈ قائم کیا۔ لیکن جب ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کو جان کاب نے جی ایسٹن کے ریکارڈ کو ۳۵۰،۲ میل کی رفتار قائم کر کے توڑ دیا تو دوسرے ہی دن یعنی ۱۶ ستمبر کو ایسٹن نے پھر ۳۵۰ ½ میل کی رفتار کا نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔

یورپ کے دوسرے ممالک میں موٹروں کی ترقی دیکھ کر انگلستان میں بھی "سرخ جھنڈا قانون" کی پابندیاں ہٹالی گئیں۔ اور گو انگریز اس قانون کی وجہ سے بہت پیچھے رہ گئے تھے تاہم ان کی لگاتار کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی جلدی ہی دوسری قوموں کے برابر آگئے۔ سرخ جھنڈا قانون کے خارج ہونے کی خوشی میں انگلستان کے بعض موٹر رکھنے والوں نے موٹروں کا ایک جلوس نکالا تھا۔ لیکن اُن کی موٹریں ابھی اتنی کم زور تھیں کہ آدھی سے زیادہ لندن سے برائٹن تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ٹوٹ گئیں۔

امریکہ میں پہلی موٹر دوڑ ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء کو ہوئی تھی۔ اور رفتار ۲۰ میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہ تھی لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ موٹر سازی میں جتنی ترقی امریکہ کی بدولت ہوئی ہے وہ کسی اور دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہوسکی۔ مسٹر ہنری فورڈ جو دنیا کے "موٹر کنگ" کہے جاسکتے ہیں اس بات کے لئے ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد رکھے جائیں گے کہ انھوں نے کم قیمت مگر اچھی موٹریں بنانے کی کوشش کی۔ فورڈ کمپنی آج دنیا کی سب سے بڑی موٹر کمپنی ہے اور اس کا کاروبار کتنے بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آج مسٹر فورڈ کی زر خرید کوئلے اور لوہے کی کانیں موجود ہیں۔ لکڑی کے لئے زر خرید جنگل ہیں اور ساماں لانے لے جانے کے لئے ان کی ذاتی ریلوے ہے۔ مسٹر فورڈ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اور دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند شخص ہیں۔

موٹروں کی ترقی ناممکن تھی اگر جے، بی ڈنلپ وہ خاص قسم کے ٹائر ایجاد نہ کرتے جو آج ہم موٹروں اور سائیکلوں کے پہیوں پر دیکھتے ہیں۔ اس خاص قسم کے ٹائر کی ایجاد کی خوشی میں دنیا کے مختلف ممالک کے پانچ سو سوداگروں نے مسٹر ڈنلپ کو نومبر سنہ ۱۹۰۹ء میں لندن کے سسل ہوٹل میں ایک شاندار دعوت دی تھی اس میں مسٹر ڈنلپ نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ اُن کے لڑکے کو ایک دوڑ میں شریک ہونا پڑا مسٹر ڈنلپ نے سب سے پہلے ٹائر اپنے لڑکے کی تین پہیوں کی گاڑی کے لئے اپنے ہاتھ سے بنائے تھے ان ٹائروں کی سب سے پہلی کامیابی یہ تھی کہ اُن کا لڑکا دوڑ میں اول آگیا۔

ٹکٹوں کے قصے

مسز اختر رحمن۔ علی گڑھ

ذرا گہری نظر سے دیکھو تو تمھیں بہت معمولی چیزوں میں بھی دلچسپی نظر آئے گی۔ سیدھے سادے ڈاک کے ٹکٹ تم کو نرالی کہانیاں سنائیں گے ایسی دلچسپ جیسی تم رسالوں میں پڑھتے ہو۔ تم کو اپنے ٹکٹ کے البم کہانیوں کا مجموعہ نظر آئیں گے۔ ٹکٹ جمع کرنے والے اپنے البم کے ذریعے بہت سے اہم واقعات معلوم کرسکتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ کیوں وہ نہر جو بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کو ملاتی ہے "پناما" کہلاتی ہے؟ تمھارے ٹکٹوں کا البم اس کا جواب دے گا۔ نہر تک پہنچنے کے لئے دو میں سے ایک راستہ اختیار کرنے کی تجویز تھی ان میں سے ایک پناما سے دوسرا نکاریگو سے۔ ہر ایک راستے کے بہت سے طرف دار تھے۔ پناما کے حامی یہ کہتے تھے کہ وہ حصہ جس میں نکاریگو واقع ہے۔ آتش فشانی علاقے میں واقع ہے۔ نکاریگو والے یہ اعتراض بہت شد و مد کے ساتھ رد کرتے تھے یہ خیال تھا کہ یہ معاملہ اب ملتوی ہو جائے گا۔ بد قسمتی سے ۱۹۰۰ء میں نکاریگو کی گورنمنٹ نے ایک نئی تصویر والا ٹکٹ شائع کیا اس پر وہاں کے مشہور آتش فشاں پہاڑ "مومبو" کی تصویر بھی تھی اور آتش فشانی کو جاری بھی دکھایا گیا تھا۔ پناما اسکیم والے طرف داروں میں سے کسی ایک کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے فوراً طے کرلیا کہ یہ اچھی شہادت ہاتھ آئی اس نے بہت سے ٹکٹ خرید کر امریکہ کی اسمبلی کے ممبروں کو بھیج دیے۔ کیونکہ یہ جھگڑا امریکہ ہی میں طے ہونے والا تھا۔ اس نے ایک نوٹ یہ لکھ کر ٹکٹوں کے ساتھ چسپاں کر دیا کہ "نکاریگو ریاست کے سرکاری ٹکٹ ہیں ان سے وہاں کی آتش فشانی کی کافی تصدیق ہوسکتی ہے۔" یہ ترکیب بہت کارگر ثابت ہوئی اور "پناما" ہی کا راستہ اختیار کیا گیا۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ بحر بالٹک کے کنارے ایک چھوٹی ریاست لٹویا ۱۹۱۸ء میں بنائی گئی وہ اپنے دو قسم کے ٹکٹ بھی جاری کرنا چاہتی تھی لیکن پچھلی بڑی لڑائی کے ختم پر کاغذ بہت نایاب ہو گیا اور لٹویا والوں کو اچھا کاغذ کہیں نہ ملتا تھا۔ مگر جب جرمن وہاں سے پسپا ہوئے تو اپنے پیچھے بہت سے نقشے چھوڑ گئے۔ اس کاغذ کو

غنیمت سمجھا گیا اور ٹکٹ نقشے کے دوسری جانب چھپوائے گئے۔ چنانچہ عرصے تک وہاں اسی قسم کے ٹکٹ رائج رہے کہ ایک طرف کولمبو یا کے ٹکٹ کی تصویر۔ دوسری طرف جرمنی کے نقشوں کے ٹکڑے

تیسرا قصہ سرویا کا ہے۔ سرویا کی ابتدائی تاریخ بہت ہی بے امن گذری۔ درحقیقت سرویا عثمانیہ حکومت کا ایک جزو تھی۔ اس نے اپنی آزادی قرا جارج یا سیاہ جارج کی سرکردگی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اس میں بہت سے اندرونی فساد ہوئے۔ اسی زمانے میں وہاں ایک خاندان کی حکومت تھی جو آبرینووچ کے نام سے مشہور تھا۔ اسی کی حکومت میں ٹکٹ جاری کئے گئے تھے ۱۹۰۳ء میں اس خاندان کا ایک بادشاہ سکندر اول نامی بہت سے اندرونی فسادات کا باعث ہوا۔ چنانچہ ایک مخالف پارٹی کھڑی ہوئی اور یہ طے ہوا کہ اُسے تخت سے اُتار کر اس کی جگہ پیٹر قراجارج ویچ کو جو مشہور قرا جارج کا پوتا تھا بادشاہ بنایا جائے مارچون ۱۹۰۳ء میں مخالف جماعت کے چند لوگ زبردستی دارالسلطنت بلگریڈ کے شاہی محل میں گھس گئے اور شاہ اسکندر اور اس کی ملکہ ڈراگا کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا۔ کچھ ہی دنوں بعد پیٹر قراجارج پیٹر اول کے نام سے تخت پر بیٹھا۔

جب کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو اس کے نام کے نئے ٹکٹ بھی جاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں شاہ پیٹر اول کی تاج پوشی کے یادگار میں ٹکٹوں کا ایک نیا سٹ جاری کیا گیا۔ یہ ٹکٹ پیرس کے مشہور ٹکٹ ساز یوجین موشان نے بنائے تھے جن پر پیٹر اول اور اس کے نامور دادا قرا جارج کی تصویر تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ دریافت ہوئی کہ اگر ان ٹکٹوں کو الٹا کر کے دیکھا جائے تو مقتول بادشاہ اسکندر کی تصویر ان دونوں کے بیچ میں دکھائی دیتی تھی۔ یہ ٹکٹ موت کی نقاب کے نام سے مشہور ہوئے ابھی تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ تیسری تصویر اس میں کس طرح شامل ہوگئی۔ موشان سے باز پرس کی گئی لیکن اس نے قطعی اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ ہندوستان میں بھی ۱۹۱۱ء میں ڈھائی آنے والے دو قسم کے ٹکٹ جاری کئے گئے تھے۔ ان پر شہنشاہ جارج کی تصویر تھی حالانکہ پہلے قسم کے ڈیزائن میں کوئی خرابی نہ تھی لیکن گورنمنٹ نے اُن کو واپس لے لیا اس کی ایک خاص وجہ تھی اگر تم غور سے اس بادشاہ کی تصویر کو دیکھتے تو شہنشاہ کی تاج پوشی کے لباس پر تمھیں بہت سے تمغے نظر آتے ان میں ایک تمغہ آرڈر آف انڈیا ایمپائر کا تھا اس پر ہاتھی کی تصویر بنی تھی بس اس تصویر نے بڑی غلط فہمی پیدا کر دی یہ اتنی چھوٹی تھی کہ جب تک بتایا نہ جائے کہ ہاتھی ہے پہچاننا مشکل تھا۔ ہندو اور مسلمانوں نے اسے سور سمجھا۔ چونکہ غدر کے زمانے میں یہ افواہیں مشہور ہو چکی تھیں کہ کارتوسوں میں سور کی چربی استعمال

کی گئی تھی اس لئے اب پھر ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اس سے ٹھیس لگی اور وہ سمجھے کہ ہمیں پھر دھوکا دیا جا رہا ہے حالانکہ یہ بالکل بچوں کی سی بات تھی لیکن ہندوستانی گورنمنٹ نے خطرے کا احساس کیا اور جلد ٹکٹ واپس لے لئے۔ ان کے بجائے ۱۹۱۳ء میں جو ٹکٹ نکالے گئے ان میں سرے سے وہ تمغہ ہی نہ رکھا۔

مذہبی جذبات کے خوف سے ٹکٹ واپس لینے کا دوسرا واقعہ۔ سوڈان میں ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۳ء تک پیش آیا۔ ۱۹۰۲ء میں جو ٹکٹ سوڈان میں جاری کئے گئے ان پر ایک عرب ڈاکیے کی تصویر تھی جو ریگستان طے کر رہا تھا۔ یہ ٹکٹ ایسے کاغذ پر چھاپے گئے تھے۔ جس پر آبی صلیب کا نشان بنا ہوا تھا۔ یہ آبی نشان بڑے فساد کا باعث ہوا۔ مسلمان اس سے بہت ناراض ہوئے اور ٹکٹ استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا عذر یہ تھا کہ صلیبی نشان دانستہ چھاپا گیا ہے تاکہ جب ٹکٹ چپکانے کے لئے لبوں سے تر کیا جائے تو گویا صلیب کو چومنا پڑے۔ گورنمنٹ نے اسے محسوس کیا۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں ٹکٹ دوبارہ جاری کئے گئے۔ لیکن ان پر آبی نشان اور طرح کے تھے یعنی ہلال اور بہت سے ستارے۔ اس طرح یہ خطرہ دور ہوا۔

ایک اور قصہ فاک لینڈ جزیروں کا ہے یہ جزیرے جنوبی امریکہ کے جنوب میں ہیں۔ ۱۸۳۳ء میں انگریزوں کا اس پر قبضہ ہوا مگر اس وقت بھی اور اب تک ارجنٹائن کی حکومت اس قبضے کے متعلق انگریزوں سے جھگڑتی رہی۔ ۱۹۳۳ء میں انگریزوں نے اپنے قبضے کی سو سالہ یادگار میں ایک نیا ٹکٹ جاری کیا۔ ان ٹکٹوں پر بہت خوب صورت تصویر بنی تھی لیکن ارجنٹائن کے حاکموں نے اسے پسند نہ کیا ان کا یہ کہنا تھا کہ ایسے خوب صورت ٹکٹ بنا کر برطانیہ گویا ارجنٹائن کے حق کو لوگوں کے دلوں سے محو کرا دینا چاہتی ہے۔ چنانچہ جب فاک لینڈ جزیروں سے ارجنٹائن کے لوگوں کے پاس خطوط پر یہ ٹکٹ لگ کر آئے تو وہاں کے ڈاک خانے کے افسروں نے ان ٹکٹوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور انھیں بیرنگ گردان کر جن لوگوں کے نام وہ خطوط لکھے گئے تھے ان سے جرمانہ وصول کیا گویا بغیر ٹکٹ کے خطوط تھے۔

۴ سال بعد ۱۹۳۶ء میں ارجنٹائن کی حکومت نے بدلے کے طور پر ایسے ٹکٹ جاری کئے جن پر جنوبی امریکہ کی تصویر تھی۔ اور ارجنٹائن اور اس کے مقبوضات کو کتھئی رنگ سے ظاہر کیا گیا تھا فاک لینڈ کے جزیرے بھی اسی رنگ سے دکھائے گئے تھے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ گویا فاک لینڈ کے جزیروں پر ارجنٹائن ہی کا قبضہ ہے۔ برطانیہ والوں نے ان کی اس حرکت کے خلاف احتجاج کیا لیکن ارجنٹائن

والوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ گویا اس طرح سے بدلا پورا ہو گیا۔

جنوبی امریکہ کا ایک اور واقعہ بھی دلچسپ ہے وہاں کی دو حکومتوں پیراگوئے اور بولیویا کے درمیان لڑائی ہوئی۔ ان دونوں کے درمیان ایک چھوٹا سا علاقہ تھا جس کا نام "چاکو" تھا۔ لڑائی سے قبل اور لڑائی کے دوران میں جو ٹکٹ دونوں ملکوں نے جاری کئے ان میں ہر ایک نے چاکو کو اپنے قبضے میں دکھایا تھا۔ پیراگوئے والوں نے اس کا نام چاکو پیراگوئے رکھا اور نیچے ایک عبارت لکھ دی جس کا مطلب یہ تھا "رہا ہے۔ ہے۔ اور رہے گا"۔ بولیویا والوں نے بھی نقشوں والے ٹکٹ جاری کئے اور اس علاقے کو اپنا ظاہر کرتے ہوئے اس پر "چاکو بولیویا" لکھ دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ چاکو بولیویا میں شامل ہے۔ ان دونوں ملکوں کے ٹکٹ اب بھی پائے جاتے ہیں۔

۱۹۳۴ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں دس کانسن کے علاقے کے دریافت کی تیسری صد سالہ یادگار میں ٹکٹ جاری ہوئے ان ٹکٹوں میں دریافت کرنے والے (جین نکولٹ) کو خلیج گرین کے (جو مشی گن جھیل کا ایک حصہ ہے) ساحل پر اترتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ سامنے بہت سے سرخ ہندی دکھلائے ہیں جو نکولٹ اور اس کی پارٹی کا انتظار کر رہے ہیں لیکن عجیب بات اس تصویر میں یہ ہے کہ نکولٹ چینی لباس میں نظر آتا ہے اور واقعہ دراصل یہ ہے کہ نکولٹ ایک فرانسیسی تھا وہ چمپلین کا لفٹنٹ تھا چمپلین کناڈا (جو اس زمانے میں نیا فرانس کہلاتا تھا) حاکم تھا فرانسیسیوں کے پاس نئے مقبوضات اس وقت تک بہت کم تھے اور صرف دریائے سینٹ لارنس کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے چمپلین یہ جاننا چاہتا تھا کہ مغرب کی طرف اور کیا ہے چنانچہ اس نے نکولٹ کو اس مہم پر بھیجا کہ وہ مغرب میں جا کر تحقیق و جستجو کرے۔ اس زمانے میں سیاحوں اور دریافت کرنے والوں کا ایک خاص نظریہ یہ رہا کرتا تھا کہ کسی طرح شمال و مغرب کے راستے چین اور جزائر ہند جانے کا راستہ مل جائے نکولٹ نے خیال کیا کہ دریائے سینٹ لارنس کے اوپر جا کر اور امریکہ کی بڑی جھیلوں کو طے کر کے چین پہنچ جائے گا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ میں پہلے سے چینی لباس پہننا شروع کر دوں۔ تاکہ وہاں کے لوگ مجھے اجنبی نہ سمجھیں چنانچہ جب وہ خلیج گرین پر دس کانسن کے ساحل پر اترا تو اس نے سمجھا کہ وہ چین پہنچ گیا اس لئے اس نے اپنا چینی لباس پہن لیا لیکن وہاں اُسے صرف سرخ ہندی نظر آئے اور وہ اپنی غلطی سمجھ گیا۔

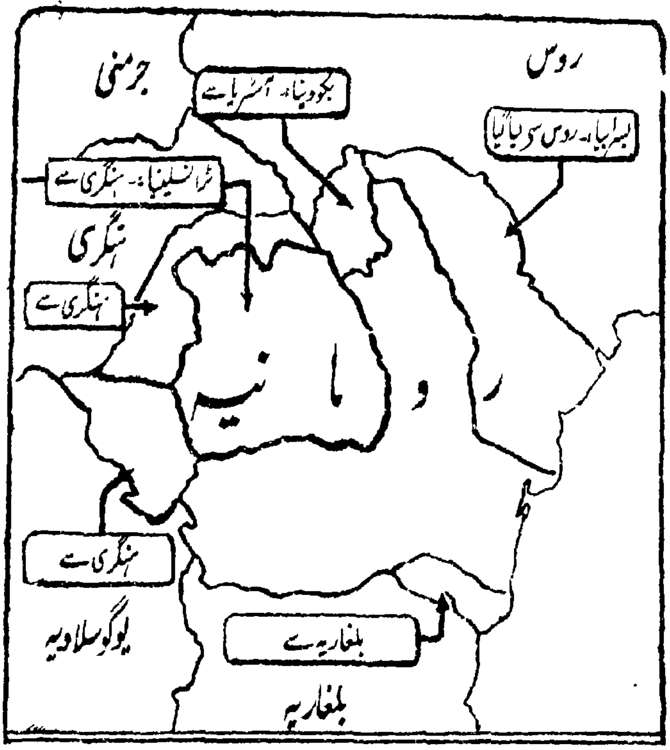
غرض ہر ٹکٹ اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ قصہ ضرور رکھتا ہے جب تمھیں کسی قسم کا ٹکٹ ملے تو اس کے متعلق پوشیدہ قصہ جاننے کی کوشش کرو۔ اس کے لئے تمھیں تھوڑی سی دقت اُٹھانی پڑے گی لیکن کوئی نہ کوئی قصہ ضرور نکل آئے گا اور اس طرح تمھارے ٹکٹ جمع کرنے کے شوق میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ (ترجمہ)

رومانیہ

روس کا ایک اور شکار

فرانس کی فتح کے بعد لڑائی بہت دھیمی پڑ گئی ہے۔ جرمنی یا تو لڑتے لڑتے تھک گیا ہے یا انگریزوں

یہ پولینڈ کی لوٹ میں شرکت کے علاوہ بہت سی ریاستوں کے علاقے خاموشی سے ہضم کر چکے



اس نقشے میں بتایا گیا ہے کہ کون کون سے علاقے کس کس ملک سے لے لیے گئے ہیں

پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

جرمنی کے علاوہ ایک اور بزرگ بھی تو ہیں۔ یہ روس صاحب ہیں۔ ان کا پیٹ بھی بڑھتا جاتا ہے

ہیں۔ بے چارا رومانیہ بھی اُن کی زد میں تھا اور انھوں نے موقع پاتے ہی اُس کا ایک بہت بڑا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ شاہ کیرول رومانیہ کے بادشاہ

منہ تکتے رہ گئے۔ اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

رومانیہ ایک چھوٹی سی سلطنت ہے اس کے پڑوسی ہنگری اور بلغاریہ بھی اس پر دانت لگائے رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن کے علاقے اُن سے چھین کر رومانیہ کے ملک میں شامل کردئے گئے ہیں۔ اب یہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان علاقوں کو رومانیہ سے واپس لیں۔ بسرابیا جو پہلے روس کے قبضے میں تھا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں زار کی حکومت کے ختم ہونے پر رومانیہ میں شامل کرلیا گیا تھا۔ یہ بہت سرسبز اور زرخیز علاقہ ہے۔ بہت عمدہ فصلیں تیار رہتی ہیں۔ مویشیوں کے لئے چراگاہیں بھی افراط سے ہیں۔

بہت پرانے زمانے میں یہ علاقہ اصل میں ریاست مالدیویا کا ایک حصہ تھا۔ بکووِنیا کے دو ضلعے بھی اس میں شامل تھے۔ جس زمین کو اب رومانیہ کہتے ہیں۔ یہ اٹھارویں، انیسویں صدی میں ٹرکی اور روس کا میدان جنگ بنا رہتا تھا۔ انھی لڑائیوں کے سلسلے میں آسٹریا والوں نے سنہ ۱۷۷۵ء بکووِنیا۔ (یہاں صنوبر کی لکڑی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس علاقے کا نام بکووِنیا پڑگیا) پر قبضہ کرلیا۔

مولدیویا پر سولھویں صدی سے ترکوں کا قبضہ تھا۔ انھوں نے بسرابیا کو ایک علیحدہ جنگی علاقہ قرار دیا تھا۔ یہ علاقہ انھوں نے سنہ ۱۸۱۲ء میں روسیوں کو دے دیا۔ کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو شکست ہوئی تو مولدیویا اور والاشیا کے علاقے ملا دئے گئے اور دونوں کا نام رومانیہ رکھ دیا گیا۔

ان رومانیہ والوں نے بسرابیا کا تھوڑا سا حصہ واپس لے لیا۔ تاکہ روس کو دریائے ڈینوب کے دہانے تک نہ آنے دیں۔ لیکن سنہ ۱۸۷۸ء میں تھوڑا سا علاقہ روسیوں کو واپس دینا پڑا۔ باقی حصہ روسیوں کو واپس نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں زار کی حکومت ختم ہوگئی۔ اور انٹرنیشنل کونسل نے بسرابیا کے علاقے پر اپنے حق کا اعلان کردیا۔

سنہ ۱۸۱۲ء اور سنہ ۱۹۱۸ء کے درمیان زار کی حکومت نے بسرابیا کے علاقے کو زیادہ سے زیادہ روسی بنانے کی کوشش کی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں یعنی جب بسرابیا کا پورا علاقہ رومانیہ والوں کو واپس ملا ہے تو اس میں پندرہ لاکھ رومانی بستے تھے۔ ڈھائی لاکھ یوکرینی روسی، ایک لاکھ اڑتیس ہزار یہودی اور تھوڑے سے دوسرے روسی اور جرمن۔

کہا جاتا ہے کہ اب اس کی ۹۰ فی صدی آبادی کا دار مدار زمین کی پیداوار پر ہے۔ پچھلی بڑی لڑائی کے بعد رومانی حکومت نے کسانوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ پھر بھی ان لوگوں کی حالت بہت خراب خستہ تھی۔

روسی اس بات پر بہت جز بز تھے کہ ان کا ایک پورا علاقہ ان سے چھین کر دوسری سلطنت کو دے دیا گیا اسی لئے دونوں میں برابر چپقلش رہتی تھی اور اب یورپ کے حالات سے فائدہ اٹھا کر روس نے رومانیہ کو الٹی میٹم دیا اور رومانیہ نے چپکے سے بسرابیا اور بکووینا کا علاقہ روس کے حوالے کر دیا اس طرح روس اب دریائے ڈینیوب کے دہانے کے قریب پہنچ گیا ہے اور بحر اسود کے ایک بڑے حصے کا مالک ہو گیا ہے ؎

نئے نئے کھیل

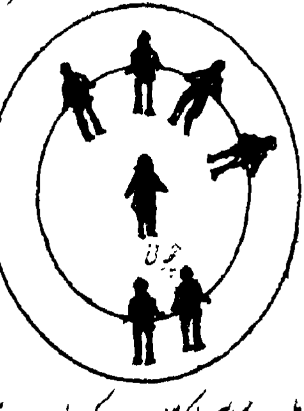
چھولو

الطاف علی صاحب

تعداد :- ۳ سے ۶۰ تک

جگہ :- کمرہ ۔ صحن ۔ کھیل کا میدان

طریقہ :- کھیل کے میدان کی بڑی سی حد مقرر کر لی جائے کھلاڑیوں میں سے ایک چھونی چن لیا جائے ۔ چھونی مقررہ حد کے مرکز میں کھڑا ہوتا ہے ۔ باقی کھلاڑی اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں ۔



کھیل شروع ہوتے ہی چھونی کھلاڑیوں کا پیچھا کرتا ہے جو کھلاڑی چھونی سے چھو جاتا ہے یا حد سے باہر نکل جاتا ہے وہ چھونی بن جاتا ہے ۔ پہلا چھونی کھلاڑیوں میں مل جاتا ہے ۔ اس طرح یہ کھیل جاری رہتا ہے ۔

احتیاط :-

(۱) کھیل کے میدان کی حد کھلاڑیوں کی تعداد کے مطابق چھوٹی بڑی ہو سکتی ہے ۔

(۲) کوئی کھلاڑی حد سے باہر نہ کھڑا ہو اگر ایسا کرے گا تو وہ کھیل میں شامل نہ ہو سکے گا ۔ یا چھونی بنایا جائے گا ۔



ننھا دوست

(مرسلہ اس۔ کے۔ بدوانی بارہ بنکی)



جھیل پر تفریح

(مرسلہ عبدالقیوم پشاور)



نشانہ بازی کی مشق

(مرسلہ عبدالقیوم پشاور)



دلچسپ منظر



محترمہ امۃ ... چودھری مرحومہ

رسالہ "..." کے شکریہ کے ساتھ

محترمہ آمنہ حیدری

محترمہ آمنہ حیدری (بیگم حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری بالقابہ وزیر اعظم سلطنت حیدر آباد) ہندوستان کی مشہور مسلمان خاتون تھیں افسوس ہے کہ پچھلے جون میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

محترمہ آمنہ حیدری کا تعلق عباس طیب جی کے خاندان سے تھا۔ یہ خاندان اپنی روشن خیالی، مذہبیت اور قومی ہمدردی کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ محترمہ آمنہ حیدری نے بھی یہ خصوصیات اپنے خاندان سے وراثتاً پائی تھیں۔

آج سے کوئی ۳۰ برس پہلے کی بات ہے حیدرآباد کی موسیٰ ندی میں بہت زبردست سیلاب آیا تھا۔ ہزاروں گھر تباہ و برباد ہوگئے تھے بس ایک قیامت کا نمونہ تھا۔ محترمہ آمنہ حیدری نے اس وقت نہایت ہمدردی اور دل سوزی سے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کی اس خدمت کے صلے میں سرکار کی طرف سے اُن کی بہت ہمت افزائی کی گئی۔

محترمہ آمنہ حیدری کی زندگی اس قسم کی خدمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ انھوں نے حیدرآبادی عورتوں میں زندگی کی ایک لہر پیدا کردی تھی عورتوں سے متعلق حیدرآباد کے تمام تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں وہ بہت پرجوش حصہ لیتی تھیں۔ ان کی ان سرگرمیوں کی حیدرآباد میں بہت سی یادگاریں ہیں۔ وہ بہت روشن خیال تھیں لیکن مذہب کی بھی اسی طرح پابند تھیں۔ پانچوں وقت کی نماز کبھی قضا نہ ہوتی تھی اس کے علاوہ پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح وہ اپنے خاوند سر حیدر نواز جنگ بالقابہ کے آرام و آسائش کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتی تھیں۔

اس قدر مذہبی ہونے پر بھی اُن کی رواداری اور فراخ دلی مشہور تھی۔ قومی یا مذہبی تنگ دلی ان میں نام کو نہ تھی وہ گھر کا انتظام بھی خود ہی کرتی تھیں۔ پھر بھی یہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ باوجود اتنی مصروفیت کے انھیں روزانہ سینے پرونے یا مطالعہ کرنے کا وقت کیسے مل جاتا تھا۔ وہ سچ مچ ہندوستانی عورتوں کے لئے نمونے کی بیوی تھیں۔

کئی سال ہوئے مشہور ترکی خاتون خالدہ ادیب خانم جامعہ ملیہ میں تقریر کی غرض سے ہندوستان تشریف لائی تھیں۔ یہاں تقریروں کے بعد وہ حیدرآباد بھی تشریف لے گئی تھیں۔ حیدرآباد میں وہ مرحومہ آمنہ حیدری کے یہاں ٹھہری تھیں۔ ہندوستان سے واپس جاکر انھوں نے یہاں کی سیاحت پر ایک اچھی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں وہ مرحومہ آمنہ کے بارے میں لکھتی ہیں۔

...... لیڈی آمنہ خود کسی جماعت یا فرقے سے تعلق نہیں رکھتیں۔

...... اُن کے سامنے آتے ہی آدمی کو جسم و دماغ کے ایک کامل توازن کا احساس ہوتا ہے وہ ایک بلند قامت خوب صورت بیوی تھیں ....

...... ان میں قریب قریب شاہانہ شان کی بھی کوئی ایسی ادا تھی کہ آدمی کو کسی عالی رتبہ انگریز لیڈی کو جو اپنے تاریخی قلعے میں رہتی ہو خیال آتا تھا۔ لیکن انگریز لیڈی کے سامنے اس کے خانساماں داروغہ اور منیجر ہوتے جو اس کے محل کا انتظام کرتے بخلاف اس کے یہاں کی تمام جزئیات لیڈی حیدری کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ اپنے نوکروں کے گروہ کو تن تنہا ہدائتیں دیتیں۔ نگرانی کرتیں اور ہر مجلسی تقریب کا خود انتظام کرتیں ...... باورچی خانے سے دیوان خانے تک اور سادہ ترین رسم سے پیچیدہ ترین تقریب تک ہر چیز اُن کی عقابی آنکھ کے اشارے پر چلتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مکان میں کامل وحدت و ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی تعجب ہوتا تھا کہ ان سب باتوں کے لئے انھیں وقت کہاں سے مل جاتا ہے۔ کیونکہ جائے، دن کے کھانے یا رات کے کھانے پر ہمیشہ مہمان رہتے تھے اور ان سب باتوں کے ساتھ وہ پابندی سے نماز کے پانچوں وقت بھی ملحوظ رکھتی تھیں

...... ان سب باتوں پر مستزاد یہ کہ دوپہر کے بعد میں انھیں اپنے کمرے میں سینا پیتے یا مطالعہ کرتے دیکھتی تھی پھر یہ کہ ان کے کسی کام میں عجلت نہیں پائی جاتی تھی جس قدر مصروف عورتوں سے میری واقفیت ہے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان سب میں زیادہ فرصت رکھتی ہیں۔

...... حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ ایسی فضا کی جامع تھیں جو اس وقت تک کم از کم ہندوستان میں مجھے متضاد معلوم ہوتی تھیں یعنی وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھیں پھر بھی ان میں فرقہ پرستی کا کوئی شائبہ نہ تھا ...... ان کی دوسری خصوصیت ان کی دوست پرستی کے سلسلے میں دیکھی ان کی بختہ وفاداری کا یہ مشاہدہ مجھے محض اتفاقی طور پر ہوا اور میں اس کی وجہ سے مدت العمر کے لئے اُن کی مداح بن گئی ...... کوئی چیز ایسی نہ تھی جسے وہ اپنی دوستی اور محبت کی خاطر خوشی سے قربان نہ کردیں شاید یہی بات تھی جس نے انھیں اپنے ذاتی دوستوں میں اتنا محبوب بنادیا تھا......

ل اندرون ہند۔ انجمن ترقی اردو دہلی

ابری بنانا

سید عروج الحسن صاحب

پچھلے مہینے کے پیام تعلیم میں جو مضمون چھپا تھا اس کے آخر میں "باقی آئندہ" لکھنا رہ گیا۔ گو اپنے مقام پر وہ مضمون بھی مکمل تھا لیکن ابری بنانے ہی پر اگر مضمونوں کا سلسلہ شروع کیا جائے تو ایک عرصے تک جاری رکھا جا سکتا ہے اگر تم لوگوں کی طرف سے دلچسپی کا اظہار ہوا تو ممکن ہے کہ جب تک یہ سلسلہ جاری رہے ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نئی چیز بتادی جایا کرے گی

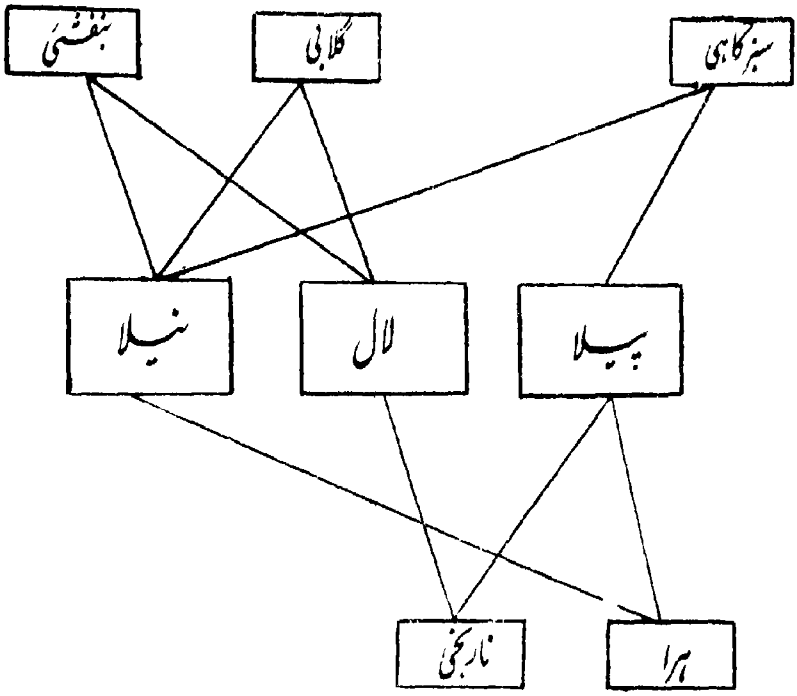
ابری بنانے کا طریقہ تو اس سے پہلے مضمون میں بتایا ہی جاچکا ہے اس مرتبہ رنگوں کے متعلق ایک مفید بات بتائی جاتی ہے۔

جنگ کی وجہ سے جہاں اور چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں وہاں OIL COLOUR TUBES بھی اس وبا سے نہیں بچ سکے ہیں۔ اول تو جتنی بھی چیزیں باہر سے آتی ہیں سب ہی مہنگی ملنے لگی ہیں لیکن سب سے زیادہ مصیبت جرمنی کے مال پر آئی ہے

رنگ تو اور ملکوں سے بھی آتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ جیسے رنگ جرمنی کے ہوتے ہیں ویسے اور کہیں کے نہیں ہوتے۔

اس دقت کو دور کرنے کے لئے ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ صرف تین ابتدائی رنگوں کے ٹیوب خرید لو یعنی لال، پیلا اور نیلا اور پھر دوسرے رنگ انہی رنگوں کو ملا کر بناؤ۔ ذیل کے نقشے کی مدد سے تم ان رنگوں کو ملا کر دوسرے مختلف رنگ بنا سکتے ہو۔ اس نقشے میں چند رنگ بتائے جاتے ہیں۔ آئندہ کبھی ایک بڑا نقشہ دے دیا جائے گا۔

نقشے میں لکیروں کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ رنگوں کو کس مناسبت سے ملایا جائے ابتدائی دو یا تین رنگوں کو ملانے سے جو نیا رنگ بنایا جاتا ہے اس بات کا خیال ضروری ہے کہ کون سا رنگ زیادہ ملایا جائے اور کون سا کم۔ ذرا سی کمی یا زیادتی سے جو رنگ بنانا چاہو گے وہ بن سکے گا۔ ان ابتدائی رنگوں کو بھی ہلکا بھاری کیا جا سکتا ہے۔



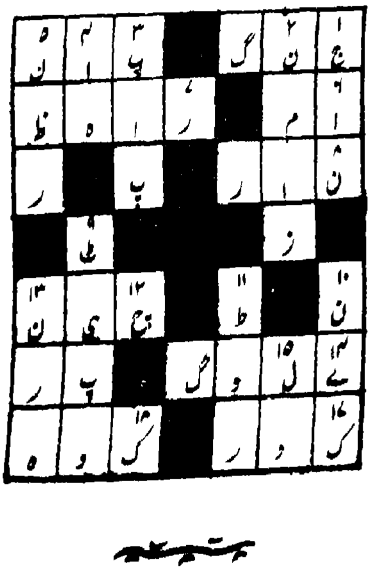
معما نمبر ۹ کا حل اور انعام

صحیح حل	ایک غلطی والے حل
انعام چھ روپے	انعام ۸ر

صحیح حل بھیجنے والے سید رئیس احمد جعفری فرخ آباد ۱۰

ایک غلطی والے حل سراج حمید سیلو، پربھنی ۔ امام الدین عنایت اللہ شاہ آباد (آرہ)، محمد عبد الرزاق، حیدرآباد ۔ زرینہ خاتون سری نگر ۔ قدسیہ خاتون گھوسی ۔ محمد ہاشم، استھانواں محمد اقبال قادری حیدرآباد ۔ نمبر خریداری ۲۷۹۳

معما نمبر ۹ کا صحیح حل



ننھے ڈاکٹر

ازجناب نذیر تجمل صاحب استاد تعلیمی مرکز جامعہ

مضمون کا عنوان پڑھ کر تمھیں تعجب تو ضرور ہوگا مگر تعجب کی کوئی بات بھی ہو! سچ مچ یہ سب کے سب ڈاکٹر ہیں بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ننھے ہیں اور کام بڑوں کا سا کرتے ہیں۔ اگر اب بھی یقین نہ آئے تو ان کی ساری کہانی سن لو۔

گرمیوں کے پہاڑ سے دن۔ دھوپ کی شدت اور لو کے تیز و تند جھونکے۔ برسات کی خوش گوار اور ٹھنڈی ہواؤں میں بدل چکے تھے۔ ہر طرف سبزہ ٹھنڈی ہوا کے محبت بھرے تھپیڑوں سے پھر جاگ اٹھا تھا۔ آسمان پر کالی گھٹا چھائی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے بچوں پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ وہ اچک اچک کر باہر کا نظارہ دیکھ رہے تھے اور موسم کا لطف اٹھانے کے لئے بیتاب تھے۔ ان کی امید بھری آنکھیں اپنا بھید مجھ سے چھپا نہ سکیں۔ میں نے خود ہی بات کو چھیڑا اور پہاڑیوں کی سیر کا خیال ظاہر کیا۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے جی ہاں، جی ہاں ماسٹر صاحب کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن ہلکی ہلکی پھوہار پڑنے لگی تھی اس لئے طے یہ ہوا کہ باغ میں کام کیا جائے۔ ننھے ننھے ساتھی چھوٹے چھوٹے اوزار لے کر باغبانی کرنے نکلے اور چھوٹے چھوٹے پھاوڑوں سے زمین کھودنا شروع کی۔

اچانک ایک شور سا بلند ہوا ایک بچے کے پھاوڑے سے دوسرے بچے کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ خون نکل رہا تھا اور رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ بے گناہ مجرم ہکا بکا کھڑا کبھی اپنے پھاوڑے پر نگاہ ڈالتا اور کبھی اپنے زخمی ساتھی پر۔ میں نے جلدی سے مڑ کر دیکھا اور بھاگ کر اس کے زخم کو انگوٹھے سے دبا لیا۔ خون کا بہاؤ رک گیا۔ ساتھی کا منہ دھل جانے پر مغموم اور مایوس چہروں پر پھر سے رونق آگئی۔ زخمی بچے کے پٹی باندھ دی گئی اور آرام کرنے کے لئے اسے گھر بھیج دیا گیا۔

اس واقعے نے بچوں کے دلوں پر ایک خاص اثر کیا۔ وہ سب کے سب میرا شکریہ ادا کر رہے تھے اور میری حکمت کی داد دے رہے تھے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اس قسم کے اور بھی کئی ایک چٹکلے بھی بتادوں

ہو جو مشکل کے وقت کام آ سکیں۔ سب بچوں نے بڑی بے تابی اور بے صبری سے کہا " ابھی بتائیے "۔ مجبوراً آمادہ ہونا پڑا۔ لیکن اچھا ہوا کہ اُس کے بارے میں اسی وقت میں نے اُن سے ایک وعدہ لیا۔ وعدے کے الفاظ تم بھی سن لو۔

" ہم ہمیشہ غریبوں مجبوروں اور مظلوموں کی مدد کیا کریں گے "۔

میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اُن کو اپنا وعدہ برقرار رکھنے کی ترکیب بتائی۔ ترکیب کیا تھی۔ بس یہی کہ ایک شفاخانہ کھول لیں اور اس طرح لوگوں کی مدد کریں سب نے اس سے اتفاق کیا۔ لیکن جو مسئلہ فوراً ہی پیش آیا وہ زیادہ دلچسپ تھا۔ یعنی شفاخانہ کھل سکتا تھا۔ دوائیں آ سکتی تھیں۔ چندہ جمع ہو سکتا تھا۔ لیکن مرض پہچاننا اور اس کی دوا تجویز کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر تھا۔ لیکن سوچنے پر یہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ اور سب اگلے ہی دن اپنے اپنے عزیزوں، دوستوں۔ پڑوسیوں، حکیموں اور ادھر اُدھر کے لوگوں سے بہت سی بیماریوں کے نام لکھوا لائے۔ کئی بچے اپنی امی جان سے چھوٹے چھوٹے نسخے لائے جو اکثر وہ اپنے آنکھ کے تاروں کے بیمار ہو جانے پر استعمال کرتی ہیں۔ جماعت میں تختۂ سیاہ پر سینکڑوں بیماریوں کے نام لکھے ہوئے نظر آ رہے تھے اور لڑکوں میں ان سب کے متعلق جلد سے جلد واقفیت حاصل کرنے کی تڑپ دکھائی دیتی تھی۔ سب بچے یہی چاہتے تھے کہ میری لکھوائی ہوئی بیماری پر پہلے غور کیا جائے۔ لیکن اس قسم کے کاموں میں کثرت رائے کا سوال ہوتا ہے۔ دن بھر کی بات چیت کے بعد یہی طے پایا کہ سب سے پہلے عام بیماریوں کے متعلق پڑھا جائے۔ بڑے ماسٹر صاحب کو چٹھی لکھ کر شفاخانہ کھولنے کی اجازت تو لے ہی لی تھی بس اب کیا تھا ہر روز شیشیاں اور دوائیں آنے لگیں۔ چندے کا بکس بھی بن گیا اب جو جامعہ کے بڑے ڈاکٹر صاحب کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور ننھے ڈاکٹروں کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ ہو گئے۔ شفاخانے میں آنے والی ہر دوا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تھے اور مناسب ہدایتیں کر دیتے تھے۔ خود بھی انھوں نے بچوں کے شفاخانے میں کئی دوائیں بھیجیں۔ چوٹ کے لئے ٹنکچر۔ پھوڑے پھنسی کے لئے مرہم۔ آنکھ کے لئے زنک لوشن۔ کان کے لئے ہائیڈروجن پراکسائڈ سر کے درد کے لئے اسپرین۔ بدہضمی کے لئے نمک سلیمانی معمولی بخار کے لئے حب بخار اور ملیریا بخار کے لئے قرص ملیریا۔ فیور مکسچر اور کونین۔ کھانسی کے لئے کف مکسچر۔ معمولی زکام کے لئے یوکلپٹس آئل۔ گلے میں لگانے کے لئے گلیسرین یعنی تھروٹ پینٹ۔ بیہوش ہو جانے والوں کے لئے اسپرٹ امونیا ارومٹک اور اسی طرح اور کئی ایک ضروری اور سادہ دوائیاں مثلاً بورک ایسڈ وغیرہ۔ شفاخانے میں قدم رکھتے ہی

شفاخانے کی سی ہوتی تھی ڈاکٹروں کے دل و دماغ پر ایک خاص اثر کرتی تھی۔ انھوں نے طبیہ کالج پہنچ کر بڑے حکیم صاحب سے نبض کے متعلق پوچھا ایک مردہ آدمی کا دل اور پھیپھڑے دیکھے اور پورے جسم کا حال سمجھ کر واپس آئے۔ درجے میں صبح سے شام تک خدمت اور شفاخانے ہی کا ذکر رہتا تھا۔ پڑھتے تو شفاخانے کے متعلق یعنی مختلف کتابوں اور رسالوں سے بیماریوں کا حال لکھتے تو ہر وقت اپنی واقفیت بڑھاتے رہتے۔ کمرے میں بیسیوں چارٹ لکھ لکھ کر لگا دیئے گئے۔ مچھر اور مکھی کی تو خوب ہی گت بنی۔ ننھے ڈاکٹروں کو جب ان کی برائیوں اور دشمنیوں کا پتہ لگا تو ان سے سخت نفرت کرنے لگے۔ ان کے عجب عجب کارٹون بنائے تھے۔ انھوں نے ایک ڈراما بھی کیا جو انہی کے خلاف تھا۔ مچھر اور مکھی کا شکوہ جب وہ ادا کرتے تو بہت لطف آتا۔ ہر وقت دواؤں کے آنے جانے کا حساب۔ چندے کا حساب۔ دواؤں کی قیمت۔ پٹیوں کے لئے کپڑوں کی قیمت اور اسی قسم کے سینکڑوں سوال حل کئے جاتے۔ جن جن ملکوں سے جو جو مفید دوائیں آتی ہیں اُن ملکوں کے حالات پڑھتے۔ اس کے علاوہ کئی اور باتیں تھیں جو اس عرصے میں انھوں نے سیکھیں۔ رجسٹر بنایا۔ پرچیاں بنائیں ان کے لئے عنوان بنائے۔ تصویریں جمع کیں۔ ہر ساتویں دن۔ ایک ڈاکٹر ایک مددگار، ایک کمپاؤنڈر کا انتخاب ہوتا اسی طرح پورے سال میں پوری جماعت نے اس میں حصہ لیا۔

ان کا یہ جوش متواتر ایک سال کام کرنے پر بھی کم نہ ہوا۔ حال ہی میں ان ڈاکٹروں کی طرف سے ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ نہایت معقول انتظام تھا انھوں نے اپنے شفاخانے کے کام کے متعلق نہایت اچھے اچھے مضمون پڑھ کر سنائے۔ اپنے اپنے مضمون میں انھوں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ آئندہ سال مدرسے کی طرف سے درجوں میں ٹیلیفون کا انتظام کیا جائے تاکہ اُن کی مدد فوراً طلب کی جاسکے۔ انھوں نے کہا "ہم شفاخانے کو اس بڑے پیمانے پر چلائیں گے۔ اور سب لوگوں کو دعوت دیں گے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ ہم اپنے اسکول کے دوستوں کو صاف دوا لاکر دینے کا ذریعہ نہ ہوں گے بلکہ ان کی تندرستی اور صحت کو بحال رکھنے کی ذمہ داری بھی لیں گے۔ ہم اپنے دوستوں کو غذا کی خوبی۔ سادگی اور تازگی کے فائدے بتا کر سینکڑوں قسم کی بیماریوں سے بچنے کے طریقے بتائیں گے اور کوشش کریں گے کہ اگلے سال اس کی نسبت ہمارے رجسٹر میں بیماروں کے نام کم ہوں۔ وہ اپنی کامیابی اس میں سمجھتے ہیں کہ اسکول صحت و تندرستی کا مرکز ہو بیماریوں کا نہیں ؟

معلومات

سب سے بڑا
سب سے زیادہ ؟

(محمد اسمٰعیل۔ سنگار ینی کالرس)

دنیا میں سب سے بڑا پرندہ شمالی افریقہ کا شتر مرغ ہے جس کا قد آٹھ فٹ ہوتا ہے

دنیا میں سب سے بڑا پل سان فرانسسکو (امریکہ) میں ہے۔ اس کی لمبائی ۷ میل اور چوڑائی ۱۰۱ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا پہاڑ ہمالیہ ہے جس کی لمبائی ۱۵۰۰ میل اور چوڑائی ۱۵۰ تا ۲۵۰ میل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا پہلوان گاما ہے۔ جو پنجاب کا باشندہ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا پلیٹ فارم مانچسٹر میں ہے جس کی لمبائی تقریباً ۲۰ ہزار فٹ اور چوڑائی ۱۹۴ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی اور قیمتی تصویر سر جارف نے کنس بارد کی ہے جو ۷ لاکھ ڈالر کی فروخت ہوئی ہے اور اس وقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قبضے میں ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی توپ (ولاڈی واسٹک) میں ہے جو ۷۵ میل تک مارتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ مٹی کا تیل ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نکلتا ہے۔

دنیا میں سب سے قیمتی ٹکٹ وہ ہے جو ۱۸۵۶ء میں برٹش گائنا میں چھاپا گیا تھا۔ اس کا بیمہ دس ہزار پونڈ میں کیا جا چکا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں یہ ٹکٹ ۷ شلنگ میں فروخت کیا گیا تھا۔

دنیا میں سب سے لمبا ٹیلیفون لندن میں ہے جس کی لمبائی ۷ ہزار میل ہے اور اجرت ۴۵ روپیہ فی منٹ ہے

دنیا میں سب سے زیادہ ٹین جزیرہ نمائے چین ہندی میں پیدا ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ زبانیں جاننے والا شخص سر جارج گرسن ہے جو ۸۶ سال کی عمر میں ۳۰۰ زبانیں جانتا ہے اور لندن میں رہتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا جانور ہاتھی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی جمہوری سلطنت ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ہے ۔

ایک (۱) اور ایک (۱) گیارہ (۱۱)

جناب مالک رام صاحب ایم اے

[illegible]

یہ بہت زمانے کی بات ہے۔ اس زمانے کی جب حضرت علی مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ حضرت علی کے خلیفہ چنے جانے پر امیر معاویہ نے انھیں ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ امیر معاویہ پہلے سے شام کے ملک کے حاکم تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں علی کو خلیفہ نہیں تسلیم کرتا اور دمشق میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جو شام کا دارالخلافہ تھا

روم کے بادشاہوں کا ایک عرصے سے عرب پر دانت تھا۔ وہ اس ملک کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کی طاقت بہت زیادہ تھی اور اُن پر فتح حاصل کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب روم کے بادشاہ نے دیکھا کہ علی اور معاویہ میں پھوٹ پڑ گئی ہے تو اس نے خیال کیا کہ اب دونوں سے الگ الگ لڑائی لڑ کے انھیں شکست دے دوں اور عرب کے ملک پر قبضہ کر لوں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے علی پر حملہ کرنا چاہیے۔

یہ بہت خطرے کا وقت تھا۔ اکیلے حضرت علیؓ اس حملے کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ نہ ان کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔ نہ اس فوج کے پاس کافی سامان تھا۔ جب تک مسلمان ایک جان تھے ان کی طاقت کافی تھی اور باہر کے کسی بادشاہ کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ امیر معاویہ کے خلاف ہو جانے سے مسلمانوں کی طاقت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ اب دونوں کمزور تھے۔ وہ دشمن جو پہلے اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ تک نہیں سکتے تھے۔ اب ان پر غرّا رہے تھے۔

امیر معاویہ کو یہ خبر پہنچ گئی۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ روم کا بادشاہ ہمارے آپس کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر آج علی کی باری ہے تو کل میری۔ روم والے علی پر فتح پا لینے کے بعد چپ تھوڑی بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد وہ میری طرف رُخ کریں گے اور اکیلا میں بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔

انھوں نے فوراً اپنا آدمی روم کے بادشاہ کے

پاس بھیجا اور اُسے کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی پر حملہ کرنا چاہتے ہو۔ تمھیں یہ حوصلہ اس لئے ہوا ہے کہ ہم آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ تم سوچتے ہوگے کہ میں علی کی مدد نہیں کروں گا اور تم آسانی سے انھیں شکست دے لوگے۔ یہ تمھاری خام خیالی ہے۔ بے شک میرا علی سے جھگڑا ہے۔ لیکن یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ ہم جیسے چاہیں اس کا فیصلہ کریں کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی نے باہر سے علی پر حملہ کیا تو میں اس حالت میں بھی چپکا بیٹھا رہوں گا کہیں اس دھوکے میں نہ رہنا۔ اگر تم نے علی پر چڑھائی کی تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس کی طرف سے تمھارے مقابلے پر نکلوں گا۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ ادھر کا رُخ نہ کرنا۔ میرا فرض تھا کہ تمھیں آگاہ کردوں اگر اس کے بعد بھی تم نے بے وقوفی کی تو تم مسلمانوں کی تلوار کی کاٹ سے واقف ہی ہو۔ تمھیں ایسے لوہے کے چنے چبوائیں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

روم کا بادشاہ مسلمانوں پر حملہ اس لئے کرنے والا تھا کہ اس کے خیال میں وہ آپس کی پھوٹ سے کمزور ہوگئے تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اب بھی اتنے ہی طاقت ور ہیں جتنے پہلے تھے تو اس نے حضرت علی پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔

دلچسپ مشغلہ

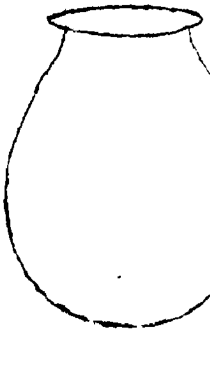
کیمیاوی باغ

محمد حسن لکھنؤ

پیامیوں نے طرح طرح کے باغ دیکھے ہوں گے۔ جیسے آم کا باغ۔ نارنگی اور امرود کا باغ، پھولوں کا باغ۔ انگور اور سیب کا باغ وغیرہ، مگر میں آج ایک باغ ایسا بناتا ہوں جس سے تمھیں بہت ہی حیرت ہوگی۔ اس میں نہ تو پھول بوئے یا اُگائے جاتے ہیں نہ پیڑ لگائے جاتے ہیں۔ اس باغ کا نام "کیمیاوی باغ" ہے۔ اس میں پھول لگتے ہیں نہ پھل اس باغ کا بنانا بہت ہی دلچسپ ہے اور کچھ ایسا زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اس کے بنانے کے لئے تم کو چند آنے پیسے خرچ کرنا ہوں گے اور اگر تم اس کو ذرا ہوشیاری سے بناؤ گے تو بہت ہی اچھا باغ بن جائے گا۔

تمھیں شیشے کے ایک گلوب نما برتن کی ضرورت ہوگی اگر برتن گھر میں نہ ہو تو بازار سے خرید لاؤ۔ (دیکھو شکل نمبر ۱) اس برتن کے علاوہ اور چیزوں کی ضرورت پڑے گی وہ بھی بازار میں کسی دوا فروش یا عطار کے یہاں ملیں گی۔

تھوڑا سا واٹر گلاس (WATERGLASS) (اسے SODIUM SILICATE بھی کہتے ہیں)



شکل (۱)

(یہ شربت کی شکل میں ہونا چاہیے جیسا کہ انڈوں کے بچاؤ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔)

اچھا اب اس برتن کی پیندی میں کوئی دو انچ گہری ریت کی تہہ بچھا دو۔ لیکن بھئی پہلے برتن کو

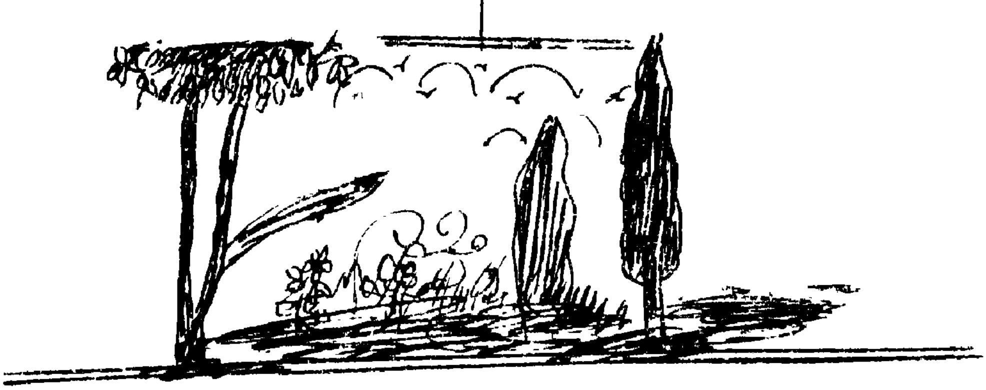
بہت اچھی طرح صاف کر لینا ریت کی تہہ جمانے کے بعد اس پر تھوڑے سے تانبے کے ٹکڑے، کچھ الیومینیم کے مختلف ڈھنگوں کے ٹکڑے اور ریزے (جو تمھیں کسی موٹر خانہ (GARAGE) سے مل سکتے ہیں) اور کچھ لوہے کے ٹکڑے رکھ دو اور ان کو خوب اچھی طرح سے ملا دو۔ اب واٹر گلاس میں اس سے تین گنا پانی ملا دو۔ یہ واٹر گلاس کا محلول بن گیا۔ اس کو خوب اچھی طرح سے ہلاؤ۔ تاکہ پانی اور واٹر گلاس بہت اچھی طرح آپس میں مل جائیں۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ واٹر گلاس اتنا لانا کہ پانی ملانے کے بعد اس سے پورا برتن بھر جائے مگر بالکل منہ تک نہیں۔

محلول تیار کرنے کے بعد آہستہ آہستہ اس کو برتن میں ڈال دو مگر اس طرح کہ جو چیزیں اس کی تہہ میں رکھی ہوئی ہیں وہ ہلیں نہیں۔ ایک بات کا اور خیال رہے کہ محلول کو نہ تو ایک دم سے برتن میں ڈال دینا اور نہ تھوڑا تھوڑا کر کے ڈالنا بلکہ آہستہ آہستہ پتلی سی دھار بنا کر چھوڑنا۔

یہ سب کرنے کے بعد برتن کو ایک طرف ہلکے سے اٹھا کر رکھ دو اور کچھ دنوں ویسے ہی رکھا رہنے دو۔

کچھ دنوں کے بعد ایک عجیب بات ہوگی۔ برتن بھر میں تم سیلیکیٹس (SILICATES) کی پیداوار پاؤ گے۔ یہ مختلف چیزوں کے سیلیکیٹس قسم قسم کی شکلوں کے رنگ برنگے ہوں ان کی شکلیں بالکل پھولوں اور پتیوں کی سی ہوں گی۔

بس اب تمھارا باغ تیار ہو گیا لیکن ابھی ایک بات باقی رہ گئی وہ یہ کہ برتن میں واٹر گلاس بھرا ہوا برا لگے گا اس لئے اس میں پانی بھرنا ہوگا اگر تم اس طرح سے اسے کنارے سے نکالنے کی کوشش کروگے تو تمھارا باغ الٹ پلٹ ہو جائے گا اس لئے سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ برتن کو نیچے رکھ کر اس میں پتلی سی پانی کی ایک دھار چھوڑو یہاں تک کہ واٹر گلاس تو برتن میں سے نکل جائے اور اس کے بجائے وہ پانی سے بھر جائے۔ اب تمھارا رنگ برنگا باغ شفاف پانی میں چمکتا بہت ہی خوش نما لگے گا۔



پیام برادری

آپا جان

عزیز بچو اور بچیو! خوش رہو اور تندرست۔ شکر ہے کہ اب دلی اور اس پاس کے شہروں میں بھی موسم بہت خوش گوار ہوگیا ہے۔ ہر جگہ خصوصاً یوپی میں آموں کی بہار ہے۔ جدھر دیکھو آم ہی آم نظر آتے ہیں۔ مجھے تو یہ پھل بہت ہی پسند آیا۔ سچ مچ جنت کا میوا ہے۔

اب کے معما نمبر ۹ کا صحیح حل صرف ایک آیا ہے۔ میں عزیزی رئیس احمد جعفری سلمہٗ کو اس کامیابی پر مبارک باد دیتی ہوں۔ چھ روپے کی کتابیں اُن کے نام بھیجی جاتی ہیں معما نمبر ۹ کا مفصل نتیجہ صفحہ ۳۴۰ پر دیکھو۔

میں رئیس احمد سلمہٗ کی تصویر بھی چھپوانا چاہتی تھی مگر وہ وقت پر نہ بھیج سکے۔ عزیز موصوف اگلے مہینے کے لئے اپنی تصویر بھیج سکتے ہیں۔

معما نمبر ۸ کے ایک غلطی والے حلوں کے انعام ابھی تک نہ بھیجے جاسکے بات یہ ہے کہ حل بہت سے تھے۔ فی بچہ کوئی ۱۰ ر انعام کے ہوتے تھے۔ اتنے کم داموں میں کوئی اچھی سی کتاب اُن کے پاس نہیں بھیجی جاسکتی تھی۔ آخر میرے اور معما جانچنے والے صاحب کی سمجھ میں یہی آیا کہ ان بچوں کے ساتھ یہ رعایت کی جائے کہ یہ معما نمبر ۱۰ کے دو دو حل بغیر کسی ٹکٹ کے بھیج دیں۔ یہ بچے حل بھیجتے وقت اس بات کا حوالہ ضرور دیں۔

بہت سے بچے معموں کے بارے میں اپنی تجویزیں بھیجتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ عزیزی اسد حسین (پٹنہ) نے ہمیں لکھا ہے کہ پہلا انعام چھ روپے کی جگہ پچاس روپے اور دوسرا چار کی جگہ تیس روپے کردیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ معمے کی فیس بھی بڑھادی جائے یعنی بجائے ۱ر کے ۲ر۔ یہ تجویز بہت اچھی ہے مگر ابھی اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا جوں جوں پیاسوں کو معمے سے دلچسپی بڑھتی جائے گی انعام بھی بڑھتا جائے گا۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ معما بنانے والے اور حل جانچنے والے صاحبوں نے معمے میں اب زیادہ دلچسپی لینا شروع کردی ہے۔ اس مرتبہ انھوں نے قاعدے بھی بہت سے بڑھا دئے ہیں۔ یہ قاعدے نیچے لکھے جاتے ہیں۔

ہر معما حل کرنے والے پر ایک آنہ کی پابندی لازمی ہوگی

قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ۱ر کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

(۳) ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر ہے۔

(۴) دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

(۵) تمام حل ۲۰ر اگست تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معمّا، معمّے کا نمبر اور کوپنوں کی تعداد لکھ دی جائے

(۸) پیام تعلیم میں چھپی ہوئی کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہ لیا جائے گا۔

(۹) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

(۱۰) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا وہ پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا

(۱۱) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں

(۱۲) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہیے۔

(۱۳) معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

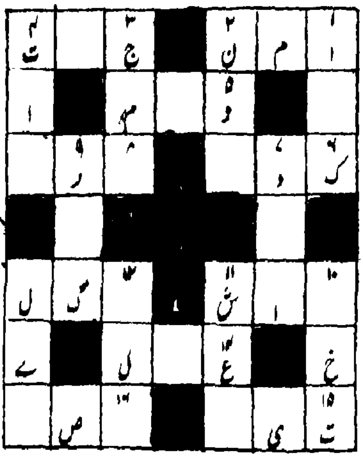
(۱۴) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

عزیزی لئیق الرحمٰن قدوائی نے ہمیں شکایتی خط لکھا ہے کہ بعض پیامی بھائی مبادلے میں ٹکٹ منگوا لیتے ہیں اور اُن کے بدلے میں دوسرے ٹکٹ نہیں بھیجتے۔ اکثر تو جواب تک نہیں دیتے۔ یہ بہت ہی بری اور حد درجہ ذلیل بات ہے اس سے آپس کی دوستی تو ختم ہوتی ہی ہے ایک دوسرے پر اعتبار بھی جاتا رہتا ہے۔ اور نئے پیامیوں سے معاملہ کرتے طبیعت جھجکتی ہے۔ عزیز موصوف کے پاس انگلینڈ، جرمنی، فرانس، پولینڈ، بلجیم، ہوٹیلیا، فن لینڈ، عدن کے ٹکٹ ہیں وہ اُن کا دوسرے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔ جامعہ نگر اوکھلا کے پتے پر خط کتابت کی جائے

عزیزی خالد حسن قادری (سکندر منزل گلی حکیمان آگرہ) کے پاس خوب صورت تصویریں اور اچھے اچھے کارٹون ہیں جو پیامی منگانا چاہیں وہ ۱ر کا ٹکٹ ضرور بھیجیں۔

حسن احمد قنوجی (جامعہ نگر اوکھلا دہلی کے پاس سیلون اور کوئنس سینڈ کے سب سے پہلے نکلے ہوئے ٹکٹ موجود ہیں۔ وہ ایسے ہی قیمتی ٹکٹوں سے ان کا مبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔

معمّا نمبر ۱



پہلا انعام ۲ ؍
دوسرا انعام ۱ ؍

اشارات

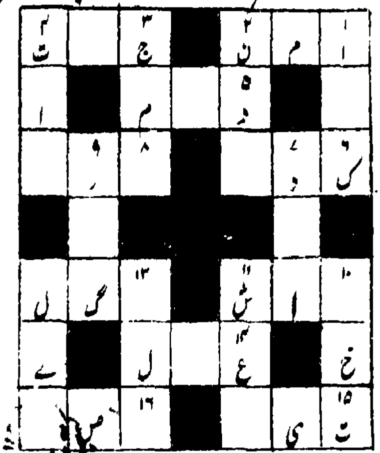
دائیں سے بائیں

(۱) آج کل دنیا کا .... خطرے میں ہے۔
(۳) دیکھئے جرمنی اور برطانیہ میں کس کی .... ہوتی ہے
(۵) بعض مرتبہ اس کی زیادتی مہلک ہوسکتی ہے۔
(۶) نظام حیدرآباد .... بڑے علم دوست حکمراں ہیں (بے ترتیب)
(۸) کسی بزرگ کی سالانہ فاتحہ
(۱۰) خالی وقت میں تعلیمی .... سے دل بہلائیے۔
(۱۳) گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا (بے ترتیب)
(۱۴) ہر جج مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت اس سے کام لیتا ہے۔
(۱۵) پہلے لڑائیوں میں یہ ہتھیار استعمال ہوتا تھا۔
(۱۶) خوبی

اوپر سے نیچے

(۱) آنکھوں ہی میں تو ہوتے ہیں۔
(۲) .... لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے۔
(۳) + علامت
(۴) انگریز اس ہندسے کو متبرک سمجھتے ہیں۔ (الٹا)
(۷) کبھی کبھی اس کا بہت جلد اثر ہوتا ہے۔
(۸) صرف جلنے والا ہی اس کو آسانی سے پہچان سکتا ہے۔
(۱۰) قابلِ عبرت ہے دنیا کا نظام
.... اگر ہے آج تو کل بوریا — جوشؔ
(۱۱) دو مصرعے
(۱۲) .... بکالو کی جاٹ ہے۔ سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔
(۱۳) امتحان دینے کے بعد نتیجہ دو ہی صورت میں ہوتا ہے
پاس یا ....

معمّا نمبر ۱ کوپن نمبر



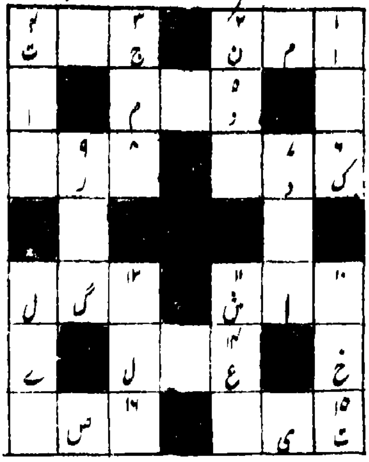
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱ کوپن نمبر



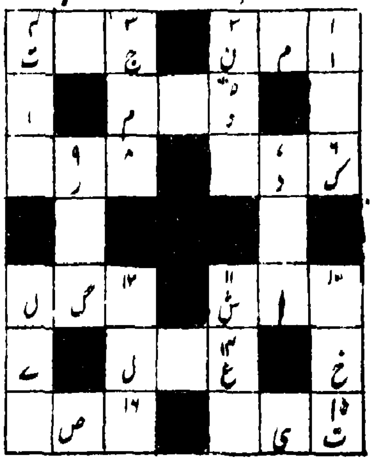
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱ کوپن نمبر



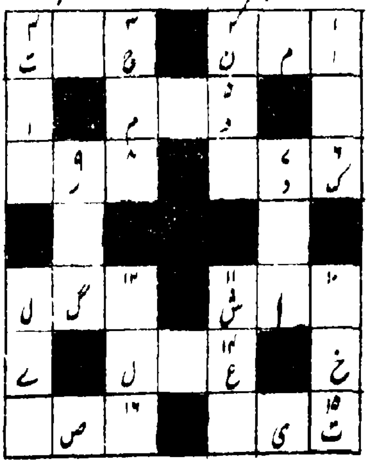
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱ کوپن نمبر



نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے، ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: ۱ـ اردو انگریزی ۱۲ـ اردو ۸ـ ہندی ۱۲ـ
چھوٹا سائز: اردو ۲ـ انگریزی ۲ـ

ستمبر ۷۰ء

پیام تعلیم



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا قیمت ۸ر

چاریار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۵ر

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

پیام تعلیم یو۔ پی، سی۔ پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

پیامِ تعلیم

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

قیمت سالانہ
عہ/۸

فی پرچہ
تین آنے

جلد ۲۴ | ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے۔ پی ایچ۔ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

اس مرتبہ پیامِ تعلیم کے کارکنوں نے فیصلہ کیا ہے کہ سال گرہ نمبر اکتوبر کی جگہ جنوری میں شائع کیا جائے۔ ہم اس مرتبہ جیسا سالگرہ نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے اکتوبر تک کی مدت کافی نہیں تھی۔ اس لئے مجبوراً اتنے دن اور بڑھانے پڑے۔

اب پیامیوں کو بھی موقع ہے کہ سال گرہ نمبر کو خوب صورت اور شان دار بنانے کے لئے اچھی اچھی تجویزیں بھیجیں اور مفید مشورے دیں۔

اس پرچے میں بچوں کی بھیجی ہوئی چند نظمیں چھپ رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو پرانی ہیں اور کچھ نئی۔ ان نظموں کی اصلاح جناب مولوی شفیع الدین نیرؔ نے کی ہے۔

ان نظموں میں کہیں کہیں غلطیاں بھی ہیں۔ نیرؔ صاحب نے بس اتنی اصلاح کی ہے کہ کسی شعر میں لفظ بدل دئے ہیں اور کسی جگہ اِدھر کے لفظ اُدھر اور اُدھر کے لفظ اِدھر رکھ دئے ہیں۔ انھیں اس طرح کی اصلاح میں کافی محنت کرنا پڑی ہے۔ اُن کے لئے یہ زیادہ آسان تھا کہ شعر کے شعر بدل دئے جاتے۔ مگر پھر بچوں کو ویسی خوشی نہ ہوتی جیسے اپنے شعر دیکھ کر ہونی چاہیے۔ دوسرے پڑھنے والوں کو اندازہ نہ ہوتا کہ یہ شعر ہمارے ہی عمر کے پیامیوں کے کہے ہوئے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوتا کہ شعر کہتے وقت ہمارے بچوں کے دل میں کیا خیال آتے ہیں اور وہ انھیں کیسے ادا کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں بعض نظمیں ایسی بھی آئیں جن کی اصلاح بالکل ناممکن تھی۔ بچوں نے چند بے جوڑ فقرے نظم کی صورت میں لکھ کر بھیج دئے تھے۔ ایسی نظموں کی اصلاح سے یہ زیادہ آسان تھا کہ نئے سرے سے نظم لکھ دی جائے۔

بچے نظمیں ہمیں بھیجنے سے پہلے اپنے سرپرست یا استاد کو ضرور دکھا دیا کریں۔ نظم صاف لکھی ہوئی ہو۔ ہر شعر کے نیچے اصلاح کے لئے جگہ بھی چھوٹی ہوئی ہو۔

ہاں ایک بات اور۔ جناب نیرؔ صاحب کو آج کل فرصت بہت کم ہے اس لئے اس وقت صرف وہی بچے اپنی نظمیں اصلاح کے لئے بھیجیں جو پیامِ تعلیم کے خریدار ہوں۔ یہ بچے ایک تو اپنا پتہ اور نمبر خریداری لکھیں۔ دوسرے لفافے میں ٹکٹ بھی رکھ دیں تاکہ اصلاح کے بعد ان کی نظمیں واپس کر دی جائیں۔

چھبّو کے پکوڑے

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

چھبّو[1] آئے دوڑے دوڑے
ہاتھ میں لے کر چار پکوڑے
ایک پکوڑا ہم نے اُٹھایا
خوب مزے لے لے کر کھایا
بھائی بولے، بھیّا چھبّو!
ایک پکوڑا ہم کو بھی دو
چھبّو نے ایک پکوڑا
ہاتھ پہ اپنے بھائی کے رکھّا
بھائی نے بھی اُس کو اٹھایا
خوب مزے لے لے کر کھایا
ابّا بولے بیٹا چھبّو!
ایک پکوڑا ہم کو بھی دو
چھبّو نے ایک پکوڑا
ابّا جی کے ہاتھ پہ رکھّا
ابّا نے وہ آپ بھی کھایا
تھوڑا سا امّاں کو چکھایا
ایک بچا وہ کھا گئے چھبّو
جھٹ پٹ اس کو اُڑا گئے چھبّو

ختم ہوئے یوں چار پکوڑے
کھا پی کر پھر چھبّو دوڑے

(حقوق محفوظ)

[1] میرے ایک دوست کا لڑکا محمد حبیب۔ عمر ۲ سال۔ چھبّو پیار کا نام۔

ہندوستان

خالد حسن قادری آگرہ

ہندوستان ہمارا ہے سب ملکوں سے پیارا ہے
سب کے دل کا سہارا ہے ہاں آنکھوں کا تارا ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب ملکوں سے پیارا ہے

کویل باغ میں آتی ہے سب کے دل کو بھاتی ہے
میٹھے سُر میں گاتی ہے گا گا کر یہ سُناتی ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

پھل پھولوں کی کثرت ہے ہر جا عیش و عشرت ہے
کیا اللہ کی قُدرت ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

اَمن اور چین کا ڈیرا ہے سُکھ کا دِل میں بسیرا ہے
سب لوگوں نے گایا ہے ہند ہی سب کو پیارا ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب ملکوں سے پیارا ہے

سفید پوش

عزیزہ سعادت لودی
کان پور

شیخ سدّو کی طرح سفید پوش صاحب بھی ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ مگر ان سے واسطہ بس ایک ہی بار پڑا تھا۔ میں جب اِس واقعے کو یاد کرتی ہوں تو بس کچھ نہ پوچھو جو میری حالت ہوجاتی ہے۔ جاڑوں کے دن تھے ہماری خالہ زاد بہنیں شاکرہ آپا ذاکرہ آپا اور خالہ شدر (یہ بھی ہماری عمروں کی تھیں۔) ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں۔ خوب چہل پہل اور دلچسپی رہتی تھی

ایک دن رات کا وقت تھا۔ سب کھانے سے فارغ ہوچکے تھے اور ہم سب آپا نجمہ کے کمرے میں بیٹھے گپیں کر رہے تھے۔ میں آپا نجمہ کی میز کے پاس کھڑی تصویروں کا البم دیکھ رہی تھی۔ شاکرہ آپا مجھے چھیڑتے ہوئے بولیں "ذرا سعادت کو دیکھنا کیسے غور سے البم دیکھ رہی ہے؟ اری بِھنّو اس میں تیری تصویر نہیں ہے' ناحق پریشان ہورہی ہے"

میں:۔ بھئی شاکرہ آپا مہربانی کرکے چپ رہئے آپ مجھے بہت چھیڑتی ہیں۔

شاکرہ آپا:۔ تم چڑ کیوں جاتی ہو۔

میں:۔ آپ مجھے نہ چھیڑئے، بچوں کو کوئی چھیڑتا ہے۔

شاکرہ آپا:۔ اے ہے ذرا اس بچی کو تو دیکھو۔

نجمہ آپا:۔ ارے شاکرہ تم بھی کس شیطان سے بحث کررہی ہو۔

میں:۔ (منہ بناکر) میں شاکرہ آپا کے ستانے سے کوئی ڈر تھوڑی جاتی ہوں۔

شاکرہ آپا:۔ آپ تو بڑی بہادر ہیں کسی سے نہیں ڈرتیں

میں:۔ جی ہاں تو آپ سمجھتی ہیں کہ میں ڈرتی ہوں۔ ذاکرہ آپا چپکی بیٹھی تھیں یہ سن کر شاکرہ آپا کی طرف سے بولیں۔ جی نہیں بھلا آپ ڈر سکتی ہیں۔ آپ تو بڑی بہادر ہیں نا۔

خالہ کشور:۔ اور کیا ہم اور سعادت تو بہادر ہیں۔ تم، نجمہ اور شاکرہ ڈرپوک ہو۔

نجمہ آپا:۔ جھوٹ بالکل جھوٹ۔ تم دونوں ڈرپوک ہو جبھی تو مجھے اپنے کمرے میں سلاتی ہو

"اچھا آج آپ ہمارے کمرے میں نہ سوئیے گا۔ دیکھئے ہم ڈرتے ہیں یا نہیں" میں نے اور خالہ کشور نے

ایک زبان ہو کر کہا۔

نجمہ آپا:۔ بہت اچھا، بہت اچھا۔ تو شاکرہ آج میں تمہارے کمرے میں سوؤں گی۔ سعادت اور کشور کو اکیلا سونے دو۔

میں:۔ (البم بند کرتے ہوئے ذرا غصے کا منہ بنا کر) دیکھا آپ نے خالہ کشور! یہ کہتی ہیں کہ ہم ڈرپوک ہیں

نجمہ آپا:۔ غصے میں اگر میرا البم نہ پھاڑ دیجئے گا۔

میں:۔ (ہنس کر) آپا ذرا ادھر دیکھئے گا! ذاکرہ آپا اونگھ رہی ہیں۔

ذاکرہ آپا:۔ ارے یہ لڑکی عجیب ہے خود اونگھتی ہے اور دوسروں کا نام لیتی ہے۔

میں:۔ اے ہے ذاکرہ آپا مجھے غصے کی نگاہوں سے نہ دیکھئے میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔

خالہ کشور (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ ذاکرہ واقعی تم اونگھ رہی تھیں۔

ذاکرہ آپا:۔ تم سعادت کو اور شیر بناتی ہو۔

میں:۔ چلئے خالہ کشور ہم آپ اپنے کمرے میں چل کر سوئیں۔ ذاکرہ آپا کو اونگھنے دیجئے۔

یہ کہہ کر ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے میں نے اپنا پلنگ خالہ کشور کی چارپائی کے پاس گھسیٹ لیا اور دونوں اپنے اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ خالہ کشور نے بڑی اچھی کہانی سنائی۔ اس کے بعد ہم دونوں سو گئے نجمہ آپا شاکرہ آپا کے کمرے میں لیٹیں۔

رات کے کوئی بارہ بجے ہوں گے۔ میں گہری نیند سو رہی تھی کہ اچانک کسی نے مجھے جگاتے ہوئے کہا "سا۔ سا۔ سعا۔ دت اُاُاُ اُٹھو" مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے میرا کوئی لحاف گھسیٹ رہا ہے۔

میں:۔ کیا ہے خالہ کشور۔

خالہ کشور:۔ (ہکلا کر) یہ۔ یہ کون ن"

میں:۔ (کانپتے ہوئے) آ...... آر..... آرے ہاں کون ن۔ آ..... آ...... پاپا کو آواز دو۔

خالہ کشور:۔ ..... ب..... ب پڑھ یٰسین۔

میں:۔ یا..... یا..... یٰسین..... ہا..... ہا..... ے..... کون ہیں۔

خالہ کشور:۔ کو..... کون مت کرو۔ پڑ...... پڑھو یٰسین۔

میں:۔ ارے اب تو کوئی نہیں ہے۔

خالہ کشور کا ڈر اب ذرا دور ہوا۔ اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں۔ چا..... چا..... چالو...... شا..... شاکرہ کے کمرے میں میں نے کوئی جواب نہ دیا اور خالہ کشور کا ہاتھ پکڑ شاکرہ آپا کے کمرے میں لے گئی۔ راستے میں ماما نصیبن بے خبر سو رہی تھی میں نے نجمہ آپا کو بڑی مشکل سے جگایا وہ جھنجھلا کر کہنے لگیں۔ "رات میں بھی تم دونوں شریروں کو نیند نہیں آتی"۔

میں :- اُٹھئے تو تو......

اب نجمہ آپا اُٹھ گئیں - ہم دونوں کے مُنہ سفید دیکھ کر گھبرا سی گئیں - کہنے لگیں " ارے کیا ہوا - ذاکرہ شاکرہ جلدی اُٹھو" نجمہ آپا کے بار بار آواز دینے سے شاکرہ آپا ، ذاکرہ آپا اُٹھ بیٹھیں -

شاکرہ آپا :- کیوں بہن سعادت کیا ہوا - آؤ لحاف میں بیٹھو - دیکھو کتنی سردی ہو رہی ہے -

میں نے اور خالہ کشور نے کوئی جواب نہ دیا -

شاکرہ آپا :- (ہم دونوں کے اوپر لحاف ڈالتے ہوئے) بولو سعادت - ارے کشور تم ہی بتاؤ -

میں :- نجمہ آپا - بال کھلے تھے اور مُنہ کالا تھا -

نجمہ آپا :- ایں..... کیا...... کس کا مُنہ کالا تھا -

میں :- معلوم نہیں -

شاکرہ آپا :- آخر کون تھا - کشور تم بتاؤ -

میں اور خالہ کشور چارپائی پر بیٹھ گئے -

شاکرہ آپا :- ہاں اب بتاؤ ، کشور کیا بات ہوئی -

خالہ کشور :- کوئی بارہ بجے ہوں گے - اس وقت کسی کے لحاف کھینچنے سے میری آنکھ کھل گئی - کیا دیکھتی ہوں کہ سفید چادر میں لپٹی ہوئی کوئی چیز بال کھولے ہمارے لحاف گھسیٹ رہی ہے - بالوں کی وجہ سے اس کا مُنہ بھی ڈھک گیا ہے -

ذاکرہ آپا :- (چھیڑتے ہوئے) تم دونوں تو بہت بہادر ہو اُسے پکڑ کر مارا کیوں نہیں -

خالہ کشور :- سُنئے تو - ہم دونوں بہت ڈر گئے سعادت تو بے ہوش ہونے والی تھی - تھوڑی دیر بعد سفید پوش پلنگ سے اُتر کر میز کے نیچے بیٹھ گیا ہم دونوں نے آنکھیں بند کر لیں - ذرا دیر بعد جو آنکھیں کھولیں تو سفید پوش غائب!

نجمہ آپا :- سفید پوش کون ؟

خالہ کشور :- وہ سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا اس لئے میں نے اُس کا نام سفید پوش رکھ دیا -

میں اور میں سمجھی کہ ہم لوگوں کا کُتّا جیک ہے -

شاکرہ آپا :- ہاں ہاں تم تو ہر ایک کو جیک سمجھتی ہو اُس دن ذاکرہ سفید شلوار اور سفید قمیص پہنے گھاس پر جھکی ہوئی تھی تو تم نے چھڑی مار کر کہا " جیک کیا کر رہے ہو "

ذاکرہ آپا :- ہاں سعادت نے اُس روز اتنے زور سے چھڑی ماری کہ اب تک میرے نیل پڑا ہوا ہے -

میں :- اے ہے آپا اس روز تو سچ مچ آپ جیک لگ رہی تھیں -

ذاکرہ آپا نے کہا " تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا - جاؤ اب اپنے کمرے میں جا کر سو رہو" مگر بھلا ہم اب کب ٹلنے والے تھے - مجبوراً ان لوگوں کو ہمیں بھی اپنے کمرے میں سلانا پڑا -

صبح کو میں تو ڈرتے ڈرتے اپنے کمرے سے کمبل اُٹھا لائی مگر کشور خالہ کی ہمت نہ ہوئی۔ کہنے لگیں "میں اس کمرے میں نہ جاؤں گی وہاں سفید پوش رہتا ہے۔" سب نے بہت مجبور کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

ذاکرہ آپا:۔ آخر ڈرتی کس سے ہو۔ کل تک تو تم بہت بہادر بن رہی تھیں۔

خالہ کشور:۔ واقعی کسی کو شیخی نہیں مارنا چاہئے۔ کل ہی میں نے شیخی ماری اور کل ہی ساری شیخی نکل گئی۔

نجمہ آپا:۔ اچھا اپنا کمبل تو کمرے سے لے آؤ۔ دیکھو کتنی سردی ہو رہی ہے۔

خالہ کشور:۔ چاہے سردی میں مر جاؤں لیکن کمرے میں نہ جاؤں گی۔

برابر ایک گھنٹے تک لوگ خالہ کشور کو سمجھاتے رہے مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔

شاکرہ آپا:۔ اے ہے اب کمرے میں کوئی نہیں ہے تم دونوں جا کر تو دیکھو۔

خالہ کشور:۔ نہیں ..... وہاں سفید پوش رہتا ہے۔

شاکرہ آپا:۔ تو کیا تم سفید پوش سے ڈرتی ہو؟

خالہ کشور:۔ ہاں۔

شاکرہ آپا:۔ بالکل جھوٹ۔ سفید پوش سے تو تم بیٹھی باتیں کر رہی ہو۔ میں ہی سفید پوش ہوں میں نے ہی تمھیں ڈرایا تھا۔

خالہ کشور:۔ یقین نہیں آتا۔

شاکرہ آپا:۔ میں سچ کہتی ہوں۔ اچھا پورا قصہ سن لو تب یقین آئے گا۔

میں:۔ (اور خالہ کشور ہم زبان ہوکر) بتائیے۔

شاکرہ آپا:۔ جب تم اپنے کمرے میں جاکر سو رہیں تو ہم تمھیں ڈرانے کی ترکیبیں سوچنے لگے ہم نے نصیبن سے کہہ دیا کہ ہمیں گیارہ بجے جگا دینا۔ اس نے ٹھیک وقت پر جگا دیا۔ میں نے پلنگ کی چادر لپیٹی۔ بال کھولے، منہ پر کالک ملی اور تمھارے کمرے میں آکر خوخو کرنے لگی جب میں نے دیکھا کہ سعادت بے ہوش ہونے والی ہے تو چپکے سے میز کے نیچے بیٹھ گئی اور جب تم دونوں نے آنکھیں بند کرلیں تو کمرے سے باہر آگئی۔ پلنگ پر چادر بچھائی۔ بال ٹھیک کئے منہ دھویا اور پڑ کر سو گئی۔

خالہ کشور:۔ تو کیا سچ مچ آپ ہی سفید پوش ہیں۔

شاکرہ آپا:۔ ہاں۔

نجمہ آپا:۔ کشور تم نے نام تو بڑا اچھا رکھا

شاکرہ آپا:۔ جی ہاں اور سعادت نے ذاکرہ کو جیک بنا دیا۔

نجمہ آپا:۔ افسوس کہ سفید پوش پر ایک آدھ چھڑی نہ پڑی۔

یش :۔ (ہنس کر) آج سے شاکرہ آپا کا نام سفید پوش ہے۔ اے ہے آپا میں یہ قصہ کبھی نہ بھولوں گی۔

نجمہ آپا :۔ بھلا تم کیوں بھولنے لگیں

ذاکرہ آپا :۔ آپ تو اپنی شرم مٹانے کے لئے یہی کہو گی۔

اور واقعی میں اور کشور خالہ اس وقت شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے اور یہ سب ہمارے چاروں طرف کھڑی ہنس رہی تھیں۔

ہمارے بزرگ

جناب رشید اختر صاحب ندوی نے اس نام کی ایک کتاب مسلمان بچوں کے لئے لکھی ہے۔ اس کتاب میں خلفاء اربعہ کی زندگی کی کہانیاں درج ہیں۔ لیکن کہیں کہیں ان کہانیوں کی تشریح کرکے بچوں کو اُن کی پیروی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اِس زمانے میں جب کہ بچوں کا زیادہ وقت غیر مذہبی کتابوں کے پڑھنے میں صرف ہوتا ہے ضرورت ہے کہ اس قسم کی کتابیں بھی اُن کے ہاتھ میں رہیں تاکہ اپنے بزرگوں کے حالات اُن کے سامنے رہیں۔ اور کیا عجب کہ یہ سرسری مطالعہ اُن کو اُن کی پیروی پر آمادہ کر سکے۔ سائز ۲۰×۳۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات۔ قیمت ۸/۔ کتاب خانہ سعادت لاہور سے مل سکتی ہے۔

اسلامی تعلیم

ظہیر احمد عثمانی صاحب کا لکھا ہوا ۳۲ صفحے کا ایک مختصر سا رسالہ ہے اس میں آپ نے اسلام کے متعلق ضروری باتیں اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں۔ طریق نماز کی تشریح بھی کی ہے۔ بچوں اور بالغ مبتدیوں کو نماز سکھانے اور مذہب کی موٹی موٹی باتوں سے آگاہ کرنے کے لئے مفید چیز ہے۔ سائز ۲۰×۳۰ قیمت ۲/ یہ کتاب بھی کتاب خانہ "سعادت، لاہور" سے مل سکتی ہے۔

ابو الکلام آزاد

از ہاجرہ بیگم الہ آباد

احمد عرب میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں تو عرب تھی لیکن باپ ہندوستانی۔ اپنے باپ سے یہ لڑکا ہندوستان کے بارے میں بہت سوال پوچھا کرتا تھا اور سوچتا تھا کہ میں بھی ہندوستان جاؤں گا اور اپنے باپ کی طرح بڑے بڑے کام کرکے مشہور آدمی بنوں گا۔

باپ نے چھوٹی ہی عمر میں اس کو مصر میں جامعہ ازہر بھیج دیا۔ لڑکا بلا کا ذہین تھا۔ کہتے ہیں کہ گیارہ سال کی عمر میں اس نے جامعہ ازہر کا کورس پورا کر لیا۔ اس بچے کی ہوشیاری اور قابلیت دیکھ کر سارے اُستاد حیران ہوتے تھے۔

کچھ دن بعد احمد کے باپ ہندوستان واپس آئے اور اپنے بچے کو بھی ساتھ لائے اور احمد نے بھی اپنے اصلی وطن ہندوستان کو دیکھا۔ حالانکہ ابھی لڑکپن تھا لیکن اُن کو حوصلہ شروع سے یہ تھا کہ میں ہندوستان کے رہنے والوں کو ایک بہادر اور نڈر قوم بنا دوں جو آزاد اور خودمختار زندگی بسر کریں۔ عربی تو اُن کی مادری زبان تھی۔ ہندوستانی بھی انھوں نے جلد ہی سیکھ لی اور آزاد کے نام سے یہاں کے اُردو اخباروں میں مضامین لکھنا شروع کیے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ان کے مضامین میں ایسا جوش بھرا ہوتا تھا کہ بہت جلد ایڈیٹروں کے دل میں اُن کی قدر ہو گئی۔ مولانا شبلی اُس زمانے میں اُردو کے مشہور لکھنے والوں میں تھے انھوں نے ان مضامین کو بہت پسند کیا اور اپنے رسالے میں بھی چھاپا۔ ایک بار مولانا شبلی کلکتہ گئے تو اُن کو احمد یا آزاد سے ملنے کا بھی موقع ملا۔ لیکن وہ ایک خوب صورت نوجوان کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ آزاد کے بیٹے ہیں۔ انھیں یقین نہیں آیا کہ یہ ایسے اچھے مضمون لکھ سکتے ہیں جن سے بڑوں بڑوں کو بھی نصیحت ہوتی ہے۔

اس زمانے میں ندوۃ العلوم مدرسے کا چرچا تھا اور وہاں کے قابل شاگردوں کی ہندوستان میں بہت دھاک تھی۔ کہتے ہیں کہ کسی اہم مسئلے پر بحث ہو رہی تھی اور شبلی آزاد کو لے کر وہاں آئے تھے پہلے تو باہر کے بلائے ہوئے عالموں نے بحث

شروع کی۔ پھر پوچھا گیا کہ کوئی اور بھی بولنا چاہتا ہے؟ آزاد بولنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن اُن سے کہا گیا کہ پہلے علماء کے بولنے کا وقت ہوتا ہے۔ طالب علم بعد کو کچھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ بیٹھ گئے۔ آخر میں طالب علموں کو جب پانچ پانچ منٹ بولنے کی اجازت ملی تو یہ کھڑے ہوئے مگر پانچ منٹ بھی نہ بولے تھے کہ اپنے پرزور بیان سے سب کو دنگ کر دیا۔ اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ پانچ منٹ ختم ہونے پر اُن سے بیٹھنے کو کہے۔ انھوں نے بھی دل کھول کر تقریر کی۔ جب تقریر ختم کرکے بیٹھے تو لوگ ایک لمحے کے لئے سکتے میں بیٹھے رہے اور پھر بے اختیار اُن کی تعریف کے نعرے بلند کیے۔ مولانا شبلی نے محبت سے اُٹھ کر اُن کو گلے لگایا اور منہ چوم لیا۔

اس واقعہ کے بعد آزاد نے سیاسی مجمعوں میں تقریریں کرنا شروع کیں۔ اُن کی جادو بیانی کی وجہ سے انھیں ابوالکلام کا خطاب لوگوں نے دیا اور اب وہ ابوالکلام آزاد کہلائے جانے لگے۔

ابوالکلام آزاد کو والد کے مرنے پر جو روپیہ ملا تھا اس سے انھوں نے اخبار "الہلال" جاری کیا کہتے ہیں کہ جتنی مانگ اس اخبار کی تھی ہندوستان کے کم اخباروں کو نصیب ہوئی ہے۔ اخبار پہنچنے پر ہوائی جائی اس کے پڑھنے کو الٹے پڑتے تھے۔ جیسا آزاد کے قلم کا جادو تھا ویسا ہی زبان کا تھا۔ جہاں کہیں جلسے میں تقریر کرنے جاتے تھے ہزاروں کی تعداد میں خلقت ٹوٹ پڑتی تھی۔ اور تقریر سن کر دیوانہ وار اُن کے ہاتھ اور دامن چومنے کو دوڑتی تھی۔

آخر آزاد کہتے کیا تھے کہ لوگ اُن کے سننے کے متوالے تھے؟ آزاد آزادی کا پیغام ہندوستان کے مسلمانوں کو دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان سلطنت کرتے کرتے ایسے غفلت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ اُن کو اب احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غلام ہیں وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عرب، مصر اور ترکی کے حالات سنا کر کہتے تھے کہ دیکھو اب بھی جاگو ورنہ رہی سہی طاقت بھی ختم ہو جائے گی۔ انھوں نے پہلی بار ہندوستان کے مسلمانوں کو بتایا کہ وطن اور ملت کی آزادی کے لئے تیار ہونا چاہئے اور اپنے وطن کے رہنے والے بچے بچے کو تیار کرنا چاہیے۔

بھلا یہ باتیں ایسی تھیں کہ ہنگامہ پیدا نہ کرتیں؟ آزاد گرفتار کرکے نظر بند کر دئے گئے اور اُن کے اخبار کے خلاف بھی کارروائی کی گئی۔

لیکن آزادی کی چنگاری کو دبانا آسان ہے بجھانا آسان نہیں۔ قید سے آزاد ہو کر پھر ابوالکلام نے جوش اور سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا۔ چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ کانگریس آزادی کو چاہنے والی جماعت ہے اس لئے اس میں شریک ہوئے اور نہایت وفاداری سے اس کے ہر حکم پر عمل کیا۔

آج ابوالکلام آزاد کانگریس کے سب سے بڑے عہدے دار ہیں یعنی کانگریس کے صدر ہیں اور آج بھی وہ پوری کوشش اس بات کی کررہے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر اپنے وطن کو جلد آزاد کرسکیں ؛

نئے نئے کھیل

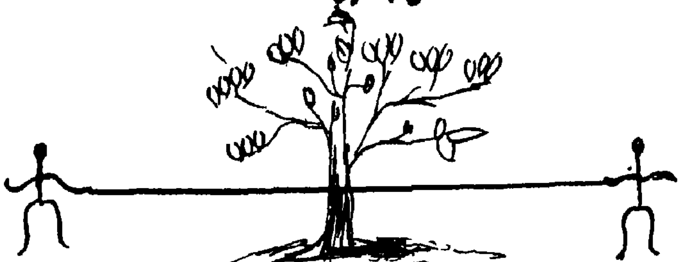
اندھا چابک سوار

الطاف علی صاحب

تعداد :- ۲

جگہ :- صحن - کھیل کا میدان - جنگل

طریقہ :- درخت کے گرد دو برابر لمبی رسّیاں باندھی جائیں۔ ان دونوں رسّیوں کے سروں کو ایک ایک کھلاڑی پکڑلے - دونوں کھلاڑی آنکھیں بند کرلیں۔



کھیل شروع ہونے پر ایک کھلاڑی کے ہاتھ میں درخت کی ایک ٹہنی دے دی جائے اور اُسے چابک سوار کہا جائے۔ دوسرے کھلاڑی کو جو یوں ہی کھڑا ہی گھوڑا کہا جائے۔ چابک سوار اپنے گھوڑے کو یہ کہہ کر پکارے "بولو میرے گھوڑے" گھوڑا جواب میں صرف تالیاں بجائے۔ چابک سوار جھٹ تالی کی آواز پر اس کا پیچھا کرے اور اُسے مارنے کی کوشش بھی۔ مقرّرہ وقت تک یہ کھیل جاری رہتا ہے۔ جتنے جھاڑ گھوڑے کی پیٹھ پر لگیں وہ گن لئے جائیں۔

اس کے بعد دونوں کی حالتیں بدل دی جائیں یعنی گھوڑے کو چابک سوار اور چابک سوار کو گھوڑا بنادیا جائے اس مرتبہ بھی جھاڑوں کی تعداد گن لی جائے۔ مقررہ وقت میں جس کے جھاڑ کم لگیں وہ جیتا۔

احتیاط:- (۱) کھیلتے وقت جوتے اُتار دئے جائیں کہ آہٹ نہ ہو۔

(۲) دونوں کھلاڑی بیٹھ بھی سکتے ہیں لیکن رسّی ہر حالت میں تنی ہوئی ہو۔

(۳) درخت کے جھاڑ یا ٹہنی کی جگہ کپڑے کا بٹا ہوا کوڑا یا گانٹھ دیا ہوا رومال بھی کام دے سکتا ہے۔

(۴) درخت کی جگہ زمین میں کھونٹا یا بانس گاڑ کر بھی رسّی باندھی جاسکتی ہے ؛



ننھی باغی

ترجمہ از سید محمد خاں سید - حیدرآبادی

۱۷۷۷ء کے موسم بہار میں انگریزی فوج فلاڈلفیا کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی، اس لئے کہ جنرل واشنگٹن نے آزادی کی لڑائی چھیڑ رکھی تھی وہ اپنے ملک امریکہ کو انگریزوں سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔

چند انگریز سپاہی رسد لینے شہر میں آئے۔ واپسی میں اُن کا گذر ایک کھیت سے ہوا۔ اس کا مالک میجر رڈلیف تھا۔ یہ امریکہ کا ایک بڑا رئیس تھا۔ جب سپاہیوں نے ایک لہلہاتا ہوا کھیت دیکھا تو فوراً کھیت میں گھس پڑے اور جی بھر کے نوچا کھسوٹا۔ واپسی پر اُنھیں ایک خوب صورت گائے نظر آئی۔ وہ اپنے ساتھ اس گائے کو بھی ہنکالے گئے۔

یہ گائے ربیٰ رڈلیف کی تھی۔ ایبی رڈلیف میجر رڈلیف کی ہونہار بچّی تھی۔ جب اُسے یہ حال معلوم ہوا کہ اُس کی پیاری گائے ڈیزی کو برطانیہ کے سپاہی لے گئے ہیں تو وہ فوراً اصطبل کی طرف دوڑی، اپنی چھوٹی گھوڑی جینی پر زین کسا، اور انگریزوں کے خیموں کی طرف چلی۔

وہ سپاہیوں سے پہلے پہنچ کر برطانیہ کے کمانڈر انچیف سے ملنا چاہتی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کمانڈر کے سوا کوئی اُس کی گائے واپس نہیں دلا سکتا۔ جب وہ خیموں کے نزدیک پہنچی تو سنتری نے اُسے روکا اور جانے کا سبب پوچھا۔ لڑکی نے جواب دیا: "مجھے تمھارے جنرل سے ملنا ہے۔" سنتری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "آپ کو جب تک اندر جانے کی اجازت نہیں ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ کون ہیں؟ اور کس لئے آئی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا "میں میجر رڈلیف کے پاس سے آئی ہوں اور آپ کے جنرل سے ملنا چاہتی ہوں۔"

نگہبان نے لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ گھبراہٹ کی جگہ متانت اور جلد بازی ٹپک رہی تھی۔ وہ سمجھا کہ شاید لڑکی کوئی ضروری خبر لائی ہے، اور جنرل سے اسی وقت ملنا چاہتی ہے۔ اسی لئے اس نے اندر جانے کی اجازت دلوادی۔

دو پہر ہو گئی تھی اور جنرل کورنو یالیس اپنے عہدے داروں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دربان نے آکر کہا۔ "کوئی لڑکی ضروری خبر لائی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" کورنو یالیس نے ذرا سوچ کر گردن اٹھائی اور کہا۔ "آنے دو۔"

لڑکی اندر آئی تو اپنے آپ کو فوجی افسروں کے درمیان پایا۔ اس پر رعب چھا گیا۔ مگر جب اُسے اپنی گائے ڈیزی کا خیال آیا تو فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔

کورنو یالیس ایک بہادر، رحم دل اور سمجھ دار سپہ سالار تھا۔ وہ لڑکی سے بولا "بچی! میں جنرل کورنو یالیس ہوں اور تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہو؟" لڑکی نے جلد اور عاجزی کے لہجے میں جواب دیا "میں اپنی گائے چاہتی ہوں۔"

کچھ دیر تک خیمے میں سناٹا رہا مگر ایک دم تمام فوجی افسر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

لڑکی گھبرائی اور اپنے ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر نیچے جھکا لیا۔ جنرل نے پوچھا "تمہارا کیا مطلب ہے؟" لڑکی نے مختصر الفاظ میں تمام قصہ کہہ سنایا۔

کورنو یالیس "تمہارے باپ کیوں نہیں آئے؟" لڑکی نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "میرے باپ جنرل واشنگٹن کے ساتھ ہیں پھر تم اپنے بھائی کو بھیج سکتی تھیں۔ لڑکی نے کہا "میرے والد اور بھائی دونوں امریکہ کی فوج میں لڑ رہے ہیں۔" کورنو یالیس "اد اجب تمہارے باپ اور بھائی دونوں امریکہ کی فوج میں برطانیہ کی فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں تو تم بھی چھوٹی باغی ہو۔ تم چھوٹی مگر دلیر اور بہادر لڑکی ہو اس لئے تمہاری گائے اور اس کے ساتھ کچھ انعام بھی ملے گا۔"

جنرل نے اپنا صندوق کھولا اور ایک بہترین زنانہ بٹوا لڑکی کو دیا اور سپاہی سے کہا۔ "لڑکی کو گائے دلا دی جائے۔"

اپنی رڈ لیف کو اس کی گائے اور بہادری کے انعام میں ایک بٹوا بھی مل گیا۔ وہ خوش خوش اپنے گھر واپس آ گئی۔

جاگو اور جگاؤ

ایس ایم جبرئیل، جبل پور

جاگو اور جگاؤ
جاگ اُٹھی ہے دُنیا ساری ‖ مہک رہی ہے ہر پُھلواری
تُم بھی دُنیا کو مہکاؤ
جاگو اور جگاؤ
قوم کی سیوا کام تمھارا ‖ مُلک میں روشن نام تمھارا
دیکھو اِتنا بھول نہ جاؤ
جاگو اور جگاؤ
دُشمن سر پر آپہنچا ہے ‖ آخر تُم نے سوچا کیا ہے
مرد بنو میدان میں آؤ
جاگو اور جگاؤ
خوف ہراس نہ دِل میں لاؤ ‖ بپتاؤں سے مت گھبراؤ
کہنا مانو ہوش میں آؤ
جاگو اور جگاؤ۔
سونے کا اب وقت نہیں ہے ‖ کیا یہ زمانہ سخت نہیں ہے
جاگو اور جگاؤ
جاگو اور جگاؤ۔



عبّاس میاں

جناب الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی
جامعہ نگر اوکھلا - دہلی

ہمارے عباس میاں کو اپنی تندرستی کا بہت خیال ہے۔ پڑھنے لکھنے میں بھی اپنے سب ساتھیوں سے آگے ہیں اور کھیل کود میں تو ہر سال انھیں اسکول سے کئی کئی انعام ملتے ہیں۔ ان کے اسکول میں ورزش کے ماسٹر صاحب بچّوں کو نئے نئے کھیل سکھاتے رہتے ہیں۔

ایک دن عباس میاں اسکول سے کوئی نیا کھیل سیکھ کر آئے اور گھر پہنچتے ہی زرینہ کشور اور سب بہن بھائیوں کو پکارنا شروع کیا۔ وہ ہمیشہ کوئی نیا کھیل سیکھ کر آتے تھے تو بہن بھائیوں کو بھی سکھاتے تھے۔ اسی لئے سب بچے ان سے بہت خوش ہوتے اور اُن سے بہت محبّت کرتے تھے۔ جوں ہی وہ گھر میں گھستے تھے سب انھیں چاروں طرف سے لپٹ جاتے تھے۔

مگر آج جانے کیا بات تھی کہ اُن کے پکارنے پر بھی کوئی نہ آیا۔ وہ کمرے میں گئے تو بی کشور پلنگ پر پڑی کراہ رہی تھیں۔ سب بچے اُن کی چارپائی کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ عباس میاں نے گھبرا کر پوچھا "کیوں خیر تو ہے؟" ماں نے جواب دیا "ہاں بیٹا سب خیریت ہے۔ تمھاری کشور کے پیٹ میں بہت زور کا درد اٹھا تھا۔ ابھی ابھی ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔ وہ دوا دے گیا ہے ابھی ایک ہی خوراک پی ہے مگر درد میں کمی ہے"

عباس میاں:- ڈاکٹر کچھ بتاتا تھا کہ یہ کیسا درد ہے؟

بی زرینہ بات کاٹ کر بولیں۔ "بھائی جان ڈاکٹر کے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کل انھوں نے بہت سے کچے بیر کھائے تھے۔ امّی بہتیرا منع کرتی ہیں مگر یہ کس کی سنتی ہیں!"

فریدہ:- اور دیکھئے بھائی جان! امّی صبح سے انھی کی تیمار داری میں لگی ہیں۔ اور سب بھی ان کی وجہ سے پریشان ہیں۔ نہ کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ باتیں کرنے کو۔

زرینہ:- اور کیا۔ اور جب تک یہ اچھی نہ ہو جائیں یہی حال رہے گا۔

عباس میاں:- مگر بھائی ہماری کشور تو بہت سمجھدار ہے۔ اس نے امّی کا حکم کیسے ٹالا اور کیوں اتنی ضد کی! دیکھو کشور ایک آدمی کے بیمار پڑنے سے گھر بھر کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ روپے پیسے کا خرچ الگ ہے۔

فریدہ:- ارے بھائی جان! یہ تو آپ کو معلوم ہی نہیں!! ہماری کشور بہن تو بہت ہی ضدی ہیں۔

عباس میاں:- اچھا خیر بھی ہوگا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ خواہ مخواہ اپنے عزیزوں کو پریشانی میں ڈالے۔

قمر:- (عباس میاں کی بڑی بہن) خوب! تو گویا بیماری بھی اپنے بس کی ہے کہ دوسروں کو پریشان کرنے کے لئے انسان خود بھی تکلیف اٹھائے۔

عباس میاں:- ہاں بہن بیمار ہونا سچ مچ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم روزمرہ کی زندگی میں احتیاط برتیں تو کبھی بیمار نہ ہوں۔ کشور رات کو کچے بیر نہ کھاتیں تو آج ان کے پیٹ میں درد نہ ہوتا۔ دیکھو ابّا جان کتنی احتیاط کی زندگی بسر کرتے ہیں تم نے کبھی انھیں بیمار دیکھا؟ اس کے خلاف ہماری بی کشور کچھ نہ کچھ بیمار ہی رہتی ہیں۔

قمر:- ابّا جان کی بھی تم نے خوب سنائی۔ ان کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ مرچ اور کھٹائی وہ نہ کھائیں مٹھائی سے انھیں پرہیز۔ بس وقت پر کھانا وقت پر سونا۔ وقت پر اٹھنا۔ بغیر ورزش کئے اور بغیر نہائے ناشتہ نہ کرنا۔ ایسی پابندی تو ہم سے کبھی نہ ہوگی۔

عباس میاں:- مگر قمر آپا! ایسی پابندیوں والی زندگی تو اصلی زندگی ہے۔ ہمارے کھیل کے ماسٹر صاحب نے ایک بار بہت اچھی بات کہی تھی۔ وہ کہتے تھے: "ہماری زندگی بھی ایک کھیل ہے۔ ہم اس کھیل کو سیکھنا اور اچھی طرح کھیلنا چاہتے ہیں تو اس کھیل کے قانونوں کی پابندی بھی ہمارے لئے لازمی ہوگی نہیں تو ہم اچھے کھلاڑی کیسے بنیں گے؟"

قمر:- سبحان اللہ! یہ آپ نے کھیل کو زندگی سے خوب ملایا۔

عباس میاں:- پہلے میری بات تو پوری ہونے دیجئے۔ دیکھئے جیسے ہاکی، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ کھیل ہیں نا۔ تو یہ کھیل ایسے تو کھیلے نہیں جاتے۔ ان کے کچھ قاعدے قانون ہیں کھیلتے وقت ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ نہیں تو سزا بھگتنی پڑتی ہے اور کھیل کا سارا لطف چلا جاتا ہے۔ اچھا تو اسی طرح زندگی اچھی گذارنے کے لئے بھی قدرت نے کچھ قانون بنا دئے ہیں۔ اگر ہم ان قانونوں کا خیال نہ رکھیں گے تو ہمیں سزا بھی ملے گی۔ اور سخت سے سخت۔ مثال تو تمھارے سامنے ہے۔ بی کشور نے کل رات زندگی کا ایک قانون توڑا اور کچے بیر کھائے۔ اس جرم

کی اُنھیں سزا بھی مل گئی۔ صبح سے مارے درد کے پریشان ہیں۔ لیکن اگر زندگی کا کھیل ایک اچھے کھلاڑی کی طرح کھیلا جائے تو یہ دوسرے کھیلوں سے کہیں زیادہ دلچسپ اور مفید ہے۔

زرینہ :- تو بھائی جان اس زندگی کے قانون کیا ہیں ذرا ہمیں بھی تو بتائیے۔

عباس میاں :- ابھی بتاتا ہوں۔ زندگی کے کھیل کے موٹے موٹے قانون کل سات ہیں :-

(۱) ہوا

(۲) غذا

(۳) نیند

(۴) جسم کی حفاظت

(۵) خوش و خرم رہنا

(۶) چھوت کی بیماریوں سے پرہیز

(۷) کھیل کود اور تازہ ہوا

.... رات کے وقت سونے کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی رہنی چاہئیں۔ لحاف میں منہ چھپا کر کبھی نہ سونا چاہیے اور دن میں کم سے کم دو گھنٹے کھلی ہوا میں ضرور گذارنے چاہئیں۔

کھانا وقت پر خوب بھوک لگنے کے بعد اچھی طرح چبا چبا کر کھایا جائے، دودھ، تازہ سبزی، موٹا آٹا، گڑ اور توفیق ہو تو انڈا، مکھن اور پھل کھائے جائیں۔ کافی اور چائے سے پرہیز کیا جائے۔ گوشت دن میں صرف ایک بار کھایا جائے اور ہاں کھانا بھوک سے زیادہ نہ کھایا جائے، بلکہ تھوڑی سی بھوک باقی رہے تو ہاتھ اُٹھا لینے چاہئیں۔

زرینہ :- آہا! کشور بہن کو تو یہ قانون بہت پسند آئے گا۔

عباس میاں :- بھئی یہ غلط بات ہے تم سب نے تو کشور کا پیچھا ہی ڈالا ہے۔ اب رہی نیند تو بڑے آدمی کے لئے تو آٹھ گھنٹے کی نیند کافی ہے۔ شام کو جلد سونا اور صبح کو تڑکے اُٹھنا چاہیئے۔ جسم کی حفاظت کے لئے روز نہانا، بدن کو صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے۔ کھانا کھانے اور پیشاب پاخانے کے لئے وقت مقرر ہونا چاہیئے۔ یہ سب کام وقت پر ہوں۔ دانت منجن یا مسواک سے صبح و شام صاف کرنے چاہئیں۔ آنکھ، کان، ناک اور ناخنوں کی باقاعدہ صفائی رہنا چاہیئے جسم میں کوئی خرابی ہو جیسے خراب دانت، گلے، گردن اور ناک کے بڑھتے ہوئے غدود، کم زور آنکھیں اور خراب کان، تو فوراً ان کا علاج کرنا چاہیئے۔

خوش و خرم رہنا بھی اچھی زندگی کی علامت ہے تم ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کرو۔ جلنا، کڑھنا، دوسروں سے بغض و عداوت رکھنا تندرستی پر بھی بُرا اثر ڈالتا ہے۔ بزدل مت بنو۔ دوسروں

کی مدد کرو۔ اپنے چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کی عزت کرو۔ ہمیشہ سچ بولو۔ دوسروں پر بھروسا کرو۔ چھوت کے مرض جیسے طاعون، ہیضہ بہت خطرناک مرض ہیں۔ اِن سے خود بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا چاہیئے۔ چھوٹی چھوٹی چوٹوں کا (جیسے سوئی چُبھنا۔ آگ سے جلنا، چاقو لگ جانا) فوراً علاج کرلینا چاہیئے۔ کبھی کبھی لاپروائی سے یہ چوٹیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ چیچک کا ٹیکا تو ہر سال لگوانا چاہئیے کھیل کود بھی ہماری تندرستی کے لئے بہت ضروری ہے

زرینہ:۔ (بات کاٹ کر) مگر ہماری اُستانی تو ہمیشہ منع کرتی ہیں کہ یہ شیطانی کام ہے۔

کشور:۔ بھائی جان مجھے کھیل کا بہت شوق ہے مگر تندرستی پھر بھی ٹھیک نہیں رہتی۔

زرینہ:۔ بھلا کھیل کا شوق بے چارا اکیلا کیا کرے اس کے ساتھ دوسرے چھ شوق بھی تو ہونے چاہئیں۔

عباس میاں: آہا! اس وقت تو زرینہ بی نے بھی عقل کی بات کہہ دی۔ ہاں تو تمھیں دن بھر میں کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے ضرور کھیلنا چاہئے۔ بچپن کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہے۔ جتنا کھیلو گی اتنی ہی تمھاری تندرستی ٹھیک ہوگی۔ کہو بی زرینہ کچھ سمجھ میں بھی آیا؟

زرینہ:۔ بالکل صاف بات ہے۔ زندگی کے کھیل کے سات قاعدے ہیں۔ اس کھیل کا اچھا کھلاڑی بننے کے لئے اِن سب کا سختی سے پابند ہونا ضروری ہے صاف ستھری ہوا، اچھا کھانا، گہری نیند، جسم کی حفاظت، خوش رہنا، چھوت کی بیماریوں سے بچنا اور کھیل کود۔ کیوں؟ بھائی جان؟

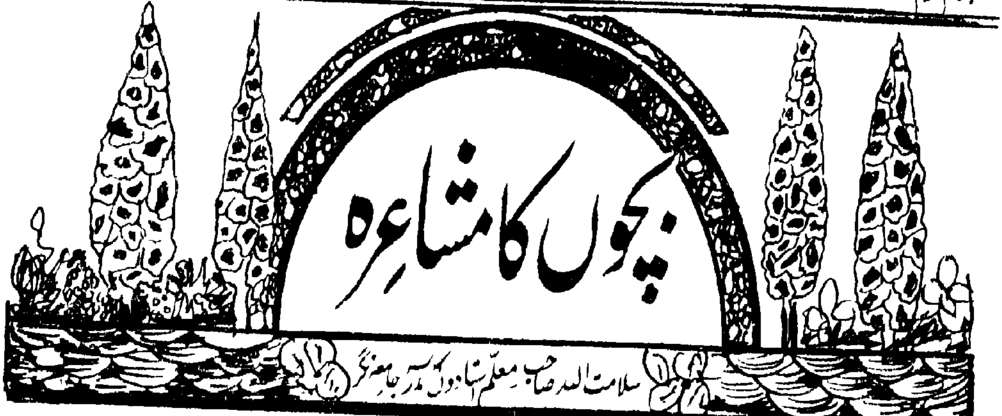
کشور:۔ اہا اب تو میں بھی اس کھیل کو خوب سمجھ گئی۔ تو ہمارے اباجان تو سب سے اچھے کھلاڑی ہوئے۔ کیوں!

زرینہ:۔ اور تم سب سے بدتر! (ذرا منہ بنا کر) کیوں؟

کشور:۔ چپ مردار ایک بک کئے جاتی ہے۔ اچھا تو بھائی جان میں آج ہی سے بہت ہی سختی کے ساتھ ان سب باتوں پر عمل کروں گی اور بہت جلد سب سے اچھی کھلاڑن بن جاؤں گی۔

زرینہ:۔ آمین!

اب کے تمھارا سالگرہ نمبر بجائے اکتوبر کے جنوری میں شائع ہوگا۔ اِس کا خیال رکھنا



بچوں کا مشاعرہ

سلامت اللہ صاحب معلم استادوں کا مدرسہ جامعہ نگر

تم میں سے بعض بچّے ایسے ضرور ہوں گے جو جانتے ہیں کہ مشاعرہ کیا چیز ہے۔ بلکہ بعض نے تو مشاعرہ ہوتے بھی دیکھا ہوگا۔ (یہ ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ شعر پڑھتے ہیں۔ سُننے والے کبھی کبھی اپنی پسند کے مُطابق "خوب" "مکرر ارشاد" (دوبارہ پڑھیے) کی آوازیں بلند کرتے ہیں اور پڑھنے والا اِس قدر دانی کے بدلے جُھک کر آداب بجالاتا ہے۔) لیکن تم میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے "بچّوں کا مشاعرہ" دیکھا ہو اور اِس میں خود بھی اپنی نظم پڑھی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ایسے مشاعرے میں ضرور حصّہ لینا پسند کروگے۔ اچھا آؤ تمھیں آج ایک ایسے ہی مشاعرے میں لے چلیں۔

وہ دیکھو! جامعہ نگر (اوکھلا) کے محمد علی ہال میں تُمھارے بہت سے پیامی بھائی اکٹھے ہیں۔ سامنے ایک تخت پر عمدہ سا قالین بچھا ہے۔ پاس ہی میز پر لیمپ ہے۔ یہ جلسہ اُستادوں کے مدرسے کے طلبا کی انجمن کی طرف سے ہو رہا ہے۔ انجمن کے سکریٹری صاحب اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: "میں تجویز کرتا ہوں کہ اس جلسے کی صدارت "بچوں کے شاعر" جناب شفیع الدین صاحب نیّر کریں، اِن سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص نہیں ہے۔" حاضرین تالیوں کی آواز سے اس تجویز کی تائید کرتے ہیں۔ جناب صدر تخت پر مسند کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔ اب مشاعرہ شروع ہوتا ہے۔

صدر .... جناب شباب احمد صاحب

جماعت سوم اپنی نظم سُنائیں گے

شباب احمد صاحب اپنی جگہ سے اُٹھتے ہیں اُن کا خیر مقدم تالیوں سے کیا جاتا ہے۔ وہ آکر صدر کے قریب دوسری مسند کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔

اچھا آؤ اُن کی نظم سُننے سے پہلے تمھاری اُن سے مُلاقات کرادیں۔ اُن کا قد بوٹا سا ہے عمر ۸ - ۹ سال ہوگی۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ خود بھی اچھا کہہ لیتے ہیں جیسا کہ تم خود ابھی سُنوگے

شباب صاحب اپنی کبوتر والی نظم ترنم سے پڑھنا شروع کرتے ہیں:۔

میں نے ایک کبوتر پالا
پیارا پیارا بھولا بھالا
رنگ برنگا اچھا اچھا
جیسے ریشم کا ہو لچھا

حاضرین:۔ سبحان اللہ! بہت خوب! مکرر ارشاد۔

شاعر:۔ (جھک کر) آداب! آداب!

رنگ برنگا اچھا اچھا
جیسے ریشم کا ہو لچھا
اس کے انڈے اچھے اچھے
چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے
چونچ تھی اُس کی نرم مُلائم
رُوئی رُوئی جیسے ہو ریشم

حاضرین:۔ بہت خوب! دوبارہ فرمایئے

شاعر:۔

چونچ تھی اُس کی نرم مُلائم
رُوئی رُوئی جیسے ہو ریشم
اُس کا بچہ پیارا پیارا
ننھا مُنا چھوٹا سارا
گود میں اس کو میں لے جاتا
اور وہاں پر خوب اُڑاتا
میں اُس سے جی کو بہلاتا
وہ بھی خوش ہو کر اُڑ جاتا

(نظم ختم ہوتی ہے اور تالیاں بجتی ہیں)

چائے

(سید محمد یحییٰ صاحب بانکی پور۔ پٹنہ)

مظفر:۔ بھیا۔ آج اسکول سے لوٹتے وقت راستے میں میں نے ایک میز پر بہت سی پیالیاں رکھی دیکھیں۔ ایک صاف سا برتن چولھے پر چڑھا تھا۔ لوگ چاروں طرف جمع تھے۔ ایک طرف موٹے موٹے حرفوں میں "چائے پیو اور بہت دن جیو" لکھا تھا۔ چائے والے نے مجھے بھی چائے پلائی۔

رحمٰن:۔ ارے بھائی وہ ہندوستانی چائے کا اشتہار ہے۔ ہندوستانی چائے کا اشتہار اسی طرح دیا جاتا ہے۔

مظفر:۔ بھائی یہ چائے لوگ اتنی کیوں پیتے ہیں۔

رحمٰن:۔ چائے ہی ایک ایسی چیز ہے جسے دنیا کے ہر حصے میں ہر قوم کے لوگ شوق سے پیتے ہیں۔

مظفر:۔ آخر اس کا رواج کیسے ہوا۔ پہلے پہل یہ کہاں سے آئی اور آج کل کہاں کہاں پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن:۔ چائے کے بارے میں چین کی پرانی پرانی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر اُس وقت یہ صرف دوا کے لئے استعمال ہوتی تھی آج کل کی طرح لوگ اتنی مقدار میں نہیں پیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے پانچویں صدی میں چین میں لوگ چائے پینے لگے اور اس کا دوا استعمال اُٹھ گیا۔ چین میں لوگ اُسی وقت سے آج کل کی طرح چائے پینے لگے۔ اب بھی دنیا میں سب سے زیادہ چائے چین میں پی جاتی ہے۔

مظفر:۔ ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ جب تم چین کے کسی گھر میں جاؤ تو لوگ تمھیں چائے کی ایک پیالی پیش کریں گے۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ چین میں سب سے اچھی اور زیادہ چائے پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن:۔ ہاں ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ چین کا پانی نہایت خراب اور بدمزا ہوتا ہے۔ اور اس کو بغیر کھولائے ہوئے پینا مشکل ہوتا ہے اس لئے چینی جب پانی کھولاتے ہیں تو اس میں تھوڑی سی چائے ڈال دیتے ہیں۔ اس سے پانی کا مزا اچھا ہو جاتا ہے۔

مظفر :- میں سمجھا تھا کہ چائے خاص ولائتی چیز ہے اور وہیں سے منگائی جاتی ہے۔

رحمٰن :- نہیں۔ چین سے چائے پہلے پہل جنوبی مشرقی ایشیا میں آئی۔ چائے کے فائدے یورپ والوں کو پہلے پہل سولھویں صدی میں معلوم ہوئے۔ لندن میں چائے کی سب سے پہلی دکان ۱۶۵۷ء میں کھلی۔

مظفر :- اچھا تو یہ ہندوستان میں کیسے آئی ؟

رحمٰن :- ہاں سنو ہندوستان میں بھی بہت ہی اچھی چائے پیدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلے ہندوستان میں یہ پودا جنگلی طور پر اُگا ہوا ۱۸۲۰ء میں آسام میں پایا گیا۔ اور آج بھی آسام میں سب سے عمدہ چائے پیدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلا چائے کا باغ ۱۸۳۵ء میں لگایا گیا اور جبھی سے چائے کی باقاعدہ پیداوار ہونے لگی۔ ۱۸۶۰ء سے ہندوستان میں چائے کا استعمال عام ہونے لگا۔

مظفر :- بھیا جغرافیے کے ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ آسام میں بارش بہت ہوتی ہے اور وہاں بہت سے پہاڑ ہیں۔ کیا چائے پہاڑوں پر ہوتی ہے ؟

رحمٰن :- ہاں بھائی چائے ڈھلوان زمین پر بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس کے لئے پانی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ مگر پانی کو اس کی جڑ میں ٹھہرنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ جڑ خراب ہو جائے گی۔ اس لئے یہ پہاڑوں پر ہوتی ہے۔ چائے کا پیڑ بڑا ہی مضبوط ہوتا ہے

مظفر :- چائے پتھریلی مٹی میں ہوتی ہے ؟

رحمٰن :- بتایا ناکہ پہاڑی ڈھلوان پر خوب اچھی چائے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے چند دواؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو پہاڑی ٹیلوں میں موجود رہتی ہیں۔ وہ دوائیں پوٹاش اور فاسفورس ہیں۔ عموماً یہ دونوں چیزیں پہاڑی ٹیلوں میں پائی جاتی ہیں۔

مظفر :- بھیا آپ نے چائے کا پودا دیکھا ہے ؟ کیسا ہوتا ہے ؟

رحمٰن :- ہاں پچھلی گرمیوں میں دارجلنگ گیا تھا۔ وہاں میں نے چائے کے پودے دیکھے تھے۔ اگر چائے کو جنگلی گھاس کی طرح چھوڑ دیا جائے تو اس کی اونچائی ۶ فٹ تک ہو جاتی ہے۔ وہاں تو ہر جگہ چائے کے پودے جنگلی اور لگائے ہوئے دونوں نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی کھیتی کرنے والے اُن کو کاٹ کر صرف ۳ یا ۴ فٹ کا رہنے دیتے ہیں۔

مظفر :- یہ کیوں ؟ کیا چائے کے درخت بالکل سیدھے اور لمبے ہوتے ہیں ؟

رحمٰن :- شاید اس وجہ سے کاٹ ڈالتے ہیں کہ اُن کو پتیاں توڑنے میں دقت نہ ہو۔ نہ جانے اور کیا وجہ ہے۔ ہاں تم نے یہ جو پوچھا کہ چائے کے

پودے کیسے ہوتے ہیں، تو یہ نہ بالکل سیدھے
ہوتے ہیں نہ بالکل جھکے ہوئے بلکہ جھاڑیوں کی
طرح ہوتے ہیں۔ اُن میں کام کے لائق پتیاں تین
برس کے بعد آجاتی ہیں۔ مگر لوگ اُنھیں پانچ سال
کے بعد کام میں لاتے ہیں۔

مظفر :۔ تو کیا ہمارے ہندوستان میں بہت چائے
پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن :۔ سب سے زیادہ تو چین میں۔ اس کے بعد
ہندوستان اور جاپان میں پیدا ہوتی ہے۔
سیلون میں اچھی اور کافی مقدار میں چائے پیدا
ہوتی ہے۔ یہ تمام ملک چائے پیدا کرتے ہیں
اور انگلستان۔ جمہوریہ امریکہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا
اور دوسرے ملکوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔
لندن چائے کی سب سے بڑی منڈی ہے۔
سب سے زیادہ چائے انگریز پیتا ہے۔ اس کے
بعد امریکہ والوں کا نمبر آتا ہے۔

مظفر :۔ جب اتنے ملکوں میں چائے پیدا ہوتی ہے
تو اس کی قسمیں بھی الگ الگ ہوں گی۔

رحمٰن :۔ کیوں نہیں...... کالی چائے۔ سبز چائے
گن پاؤڈر وغیرہ چائے کی قسمیں ہیں۔ تم ان کو
یاد نہیں رکھ سکتے۔ ایک قسم کی چائے کا نام ہی
"ورجن" یہ سب سے عمدہ اور قیمتی ہوتی ہے
اور اس کو امریکہ خریدتا ہے۔

مظفر :۔ ورجن کا ذکر تو چھوڑیے اس کے بعد اور
کون سی چائے ہوتی ہے۔

رحمٰن :۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان میں
قسم قسم کی چائے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی کسی کو پسند
کرتا ہے کوئی کسی کو۔

مظفر :۔ مگر بھیا کئی روز ہوئے ہمارے ماسٹر صاحب
تو درجے میں چائے کی بہت بُرائی کر رہے تھے۔

رحمٰن :۔ بھائی سچ پوچھو تو ہے تو ایسی ہی چیز۔ بچوں
کے لئے تو یہ خاص طور پر مضر ہے۔ اس کے
نقصان بہت سے ہیں۔ اور تم کو بھی اگر کسی
دعوت میں چائے پینے کی کہیں نوبت آجائے
تو مضائقہ نہیں۔ مگر روز نہ پیا کرو سمجھے! ہاں
ایک بات اور سنو۔ ہمارے کالج میں ایک فلم
ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ چائے کس طرح
پیدا کی جاتی ہے۔ کیسے پکائی جاتی اور کس طرح
ڈبوں میں بند کی جاتی ہے۔ یہ پوری فلم چائے
ہی کے متعلق ہے۔ اب کے یہ دکھایا جائے
گا تو تمھیں ضرور لے چلوں گا۔

مظفر :۔ ضرور بھائی جان ...... ضرور۔ میں
مدن اور سدھو کو بھی لیتا آؤں گا ؂



برف کا ٹکڑا

نجیب اللہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

اُن کا اصلی نام تو جانے کیا تھا مگر سب لوگ انھیں ذکو اور شکو ہی کہتے تھے۔ یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ذکو، شکو سے کوئی دو ڈھائی برس بڑا تھا۔ اور ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ شکو پر اپنی بڑائی کی دھونس جمائے۔ ایک روز اُسے ایک ترکیب سوجھی، چپکے سے ابا کے کمرے میں گھس اُن کی میز سے تازہ اخبار اُٹھا لایا اور شکو کے سامنے زور زور سے پڑھنے لگا۔

"سری نگر ۱۵ر جون اس سال ہمالیہ پر بہت برف گرا اب وہ پگھل رہا ہے۔ کبھی کبھی تو برف کے بڑے بڑے ٹکڑے دریا میں گر پڑتے ہیں۔"

ذکو نظریں اخبار پر جمائے ہوئے تھا۔ جیسے سچ مچ پڑھ رہا ہو۔ شکو ڈرائنگ کی کاپی پر کسی تصویر میں رنگ بھر رہا تھا۔ اُس نے ذکو کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ ذکو میاں سمجھے بس مار لیا پالا۔ کہنے لگے "ہے نا تعجب کی بات؟" شکو نے بہت بے پروائی سے کہا "تعجب کاہے کا یہ تو بہت معمولی بات ہے۔" ذکو کھسیا کر چپ ہو رہا اور بغل میں اخبار دبا کر وہاں سے چل دیا۔

صبح اسکول جاتے وقت شکو نے پوچھا: "بھیا آج تو برف گرنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔" ذکو نے چونک کر کہا "مجھے تو معلوم نہیں تم نے کسی اخبار میں کوئی ایسی خبر دیکھی تھی؟" شکو نے بھولے پن سے کہا "ارے آپ بھول گئے کل ہی تو آپ نے اخبار میں کچھ پڑھا تھا۔" ذکو نے کہا "ہاں، ہاں بھائی تم نے بھی اچھی یاد دلادی۔ اسکول کی لائبریری میں پیام تعلیم دیکھیں گے۔ اُس میں بہت دلچسپ اور تازہ معلومات ہوتی ہیں۔" شکو نے کہا "تو پھر ہمیں بھی لیتے چلیے گا۔" ذکو بولے "اوں ہوں ننھے چھوٹے بچوں کو لائبریری میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔" شکو نے تعجب سے کہا "واہ واہ کس نے منع کیا ہے؟" ذکو بولے "ارے کل ہی تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا تھا تمھیں نہیں معلوم؟"

شام کو اسکول سے گھر آتے وقت شکو نے

پوچھا "بھیا آپ نے پیام تعلیم دیکھا تھا؟"
ذکو:۔ ہاں دیکھا تھا!
شکو:۔ کیا لکھا تھا؟
ذکو:۔ یہی لکھا تھا کہ برف کا ایک بڑا ٹکڑا جمنا میں آ گرا ہے۔
شکو:۔ (تعجب سے) اچھا! دریائے جمنا میں!!
ذکو:۔ ہاں، ہاں اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے۔
شکو:۔ تو وہ دریا میں بہتا آ رہا ہوگا۔
ذکو:۔ ارے بھئی وہ تو بالکل قریب آ گیا ہے۔
شکو:۔ تو کیا اب تک کسی نے روکا نہیں۔
ذکو:۔ روکا کیوں نہیں۔ شہر سے باہر روک لیا گیا ہے۔

شکو میاں مارے خوشی کے اچھل پڑے اور کہنے لگے "سچ مچ بھائی جان" ذکو نے کہا "نہیں تو اور کیا میں تم سے جھوٹ بھی بول سکتا ہوں" شکو کو اطمینان ہو گیا۔

شکو رات بھر برف کا خواب دیکھتا رہا۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ صبح کو تڑکے سے اٹھ بیٹھا۔ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو، ناشتہ کر، اپنے دوست منو کے یہاں پہنچا اسے بھی یہ خبر سنائی۔ اسے بھی یقین آ گیا۔ اب دونوں دوستوں میں یہ بات طے ہوئی کہ چل کے دیکھنا چاہیے۔ منو بھاگے بھاگے اپنی امی کے پاس گئے اور یہ خبر سنائی۔ وہ منو کے ابا کے پاس گئیں اور بولیں: "ذرا تانگا منگوا دیجیے"

منو کے ابا:۔ کیوں خیر تو ہے؟
منو کی اماں:۔ ذرا بچوں کو ساتھ لے کر دریا پر جاؤں گی۔
منو کے ابا:۔ اچھا! دریا کی سیر ہوگی۔ آج کیسے جی چاہنے لگا۔
منو کی اماں:۔ ارے آپ نے نہیں سنا! جمنا میں برف کا ایک بہت بڑا ٹکڑا آ گیا ہے شہر کے باہر روک لیا گیا ہے۔ سنا ہے اخباروں میں بھی یہ خبر آ گئی ہے۔

منو کے ابا کو بہت تعجب ہوا اور انھوں نے اپنے دوستوں سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے دوسرے لوگوں کو خبر دی اس طرح یہ خبر پھیلتے پھیلتے سارے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ یکوں، تانگوں، موٹروں میں بیٹھ کر چل پڑے۔ بہت سے لوگ تو پیدل ہی بھاگے چلے جا رہے تھے کہ دیکھیں تو سہی کیسا برف کا ٹکڑا ہے جو ہمالیہ سے گر کر یہاں تک بہتا چلا آیا۔ لیکن دریا کے کنارے پہنچ کر لوگوں کو بہت نا امیدی ہوتی تھی اور غصے میں بڑبڑاتے ہوئے واپس آتے تھے۔

ادھر تو یہ گڑبڑ تھی اور ادھر میاں ذکو کمرے میں بیٹھے جغرافیے کا سبق یاد کر رہے تھے۔ ان کی

اُمّی نے تعجب سے پوچھا " ذکو سارا شہر برف کا ٹکڑا دیکھنے جا رہا ہے تو کیوں نہیں جاتا۔

ذکو :۔ امّی یہ گپ ہے۔

امّی :۔ واہ! گپ کیسے ہے۔ سُنتی ہوں اخبار میں لکھا ہے۔

ذکو :۔ نہیں امّی اصل میں شکو کو بے وقوف بنانے کے لئے میں نے یہ خبر اُڑائی تھی مگر وہ اُڑ گئی سارے شہر میں۔ یہ سُن کر امّی تو بے اختیار ہنس پڑیں مگر ابّا نے کہا دیکھو میاں تمہارے ذرا سے مذاق سے کتنے لوگوں کو کس قدر تکلیف پہنچی۔ لوگ جتنا بھی بُرا بھلا کہتے ہوں گے وہ سب تم پر پڑے گا"

اتنے میں شکو میاں بھی تھکے ہارے منہ پھلائے آئے۔ ذکو انھیں دیکھتے ہی کھلکھلا کے ہنسا۔ شکو نے کھسیا کر کہا " بس آپ کو دھوکا ہی دینا آتا ہے"۔ ذکو بولے " تو آپ نے عقل مندی سے کام لیا ہوتا"۔

شکو :۔ (ناک سکوڑ کر) ہونہہ آپ بڑے عقل مند بنتے ہیں۔

ذکو :۔ اب کچھ ہی کہیے۔ بس بن گئے آپ بے وقوف!

شکو :۔ اجی بس رہنے دیجیے۔ آپ مجھے کیا بے وقوف بنائیں گے۔ میں چاہوں تو آپ کو پڑھا کے رکھ دوں۔

ذکو :۔ (ہنس کر) یہ گھمنڈ!

شکو :۔ اور کیا۔ اچھا بتائیے آپ کو معلوم ہے کہ پانی کی جگہ آسمان سے مچھلیاں برستی ہیں۔

ذکو :۔ جھوٹ بالکل جھوٹ۔

شکو :۔ اور جو کتاب میں دکھا دوں۔

ذکو :۔ اگر آپ کتاب میں دکھا دیں تو پندرہ دن تک آپ کا بستہ اسکول لے جاؤں گا اور نہیں دکھایا تو پندرہ دن تک میرا بستہ تمھیں لے جانا پڑے گا۔

شکو :۔ منظور۔ میں آپ کی دھاندلی میں آنے والا نہیں ہوں۔ اس کے بعد وہ دوڑا دوڑا اپنی کتابوں کی الماری کے پاس گیا وہاں سے ایک اخبار نکال لایا اس میں ایک خبر تھی۔ کل کلکتے میں مچھلیاں برسنے لگیں۔ سب لوگ حیران تھے سائنس جاننے والوں کا خیال ہے کہ سمندر سے پانی کا ایک بگولا اُٹھا تھا جب وہ پھٹا تو مچھلیاں بوندیں بن کر برسنے لگیں۔

ذکو :۔ ہاں ہے تو بھئی۔ خیر صاحب اب ہم ہار گئے۔

شکو :۔ (خوش ہو کے) آپ بتائیے۔

ذکو :۔ میری رائے یہ ہے کہ تم شرط ہارنے کی سزا معاف کر دو اور میں برف کا ٹکڑا کہہ کر تمھیں نہ چڑھاؤں

امّی پاس ہی کھڑی اُن کی باتوں پر ہنس رہی تھیں کہنے لگیں " بس بس اسی بات پر صلح ہو جائے"۔

بچوں کی چند نظمیں

جناب مولانا شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

چٹھی

(ایک چھوٹی بچی کی نظم)

چلی جا تو چٹھی چمکتی ہوئی ⁝ سہیلی جہاں پر ہوں بیٹھی ہوئی
پہنچ کر وہاں پر کرے جب مقام ⁝ سہیلی کو جھک کر تو کرنا سلام
پہنچ جائے جب اس کو میرا سلام ⁝ تو پھر جلد دے اس کو میرا پیام
دعا ہے ہمیشہ یہ خاتون کی ⁝ رکھے تجھ کو اللہ راضی خوشی
جہاں میں ہمیشہ سلامت رہو ⁝ دعا ہے مری تا قیامت رہو

مری نظم کا یہ صلہ دیجیو
مرے حق میں پیاری دعا کیجیو

(قدسیہ خاتون اعظم گڈھ)

ریل

آؤ دکھائیں ہم اک کھیل ⁝ دیکھو آتی ہے وہ ریل
کس تیزی سے آتی ہے ⁝ کیسا شور مچاتی ہے
کتنے لوگ اس کے اندر ⁝ بیٹھے ہیں چیزیں لے کر
کچھ اس جانب تاک رہے ⁝ کچھ اس جانب جھانک رہے
اسٹیشن پر آ پہنچی ⁝ اتنے ہی دی سیٹی سی
آنے والے اترے ⁝ جانے والے بیٹھے
دیکھو کیسا شور ہوا ⁝ جیسے ہوتا ہے دنگا
کوئی قلی قلی کہتا ⁝ کوئی ہے کہتا شربت ٹھنڈا

آؤ چلو گھر شور مچائیں۔
ریل پہ ابا ہم کو چڑھائیں

(صدیقہ بی بی گورکھپور)

قدسیہ بانو

قدسی میری پیاری بھتیجی — سب سے اچھی سب سے پیاری
گھر کی رونق گھر کی برکت — گھر کی خوشی اور گھر کی راحت
صورت اس کی پیاری پیاری — رنگت اس کی پھولوں جیسی
باتیں اس کی میٹھی میٹھی — عادت اس کی اچھی اچھی
ہنستی رہتی ہے وہ سب سے — غصہ کرتی نہیں کسی سے
جب مکتب سے آتی ہوں میں — گود میں اس کو اٹھاتی ہوں میں
مجھ کو ہے وہ دل سے پیاری — ہے وہ اصلی راج کماری
خالق بخشے عمر زیادہ — ہو لائق یہ بہت زیادہ

بڑھتی جاؤ قدسی پیاری
پھوپھی صدقے پھوپھی واری

(طیبہ بانو دھرم سالہ)

تاروں سے

ننھے ننھے روشن تارو — بتلاؤ تم کیا ہو پیارو
دھوپ ہے جاتی سایہ آتا — سناٹا جب ہے چھا جاتا
چمک ہو اپنی تم دکھلاتے — راہ مسافر جس سے پاتے
فیض تمہارا سب پر یکساں — ہندو ہوں یا ہوں مسلماں
دیکھ تمھیں یہ دل میں آتا — بنوں ستارا میں تم جیسا
ایک بات ہے دل میں آئی — حاصل ہوگی جس سے بڑائی
دل سے اب میں لکھوں پڑھوں گا — درجے میں اول ہی رہوں گا

روشن ہوگا نام ہمارا
لوگ کہیں گے انور تارا

(انور حسین سیواں سارن)

رانچی

محمد ظہیر الحق انصاری۔ رانچی

رانچی بہار اور اُڑیسہ کا مشہور پہاڑی مقام ہے۔ گرمی کے موسم میں گورنر اور بہار کے دوسرے بڑے بڑے افسر یہیں آجاتے ہیں۔ یہاں میرے بہت سے عزیز رہتے ہیں۔ کچھ عرصے سے میں بھی یہیں آگیا ہوں۔ مجھے تو یہ جگہ اتنی پسند ہے کہ جی چاہتا ہے بس یہیں رہ پڑوں۔

رانچی کچھ زیادہ اونچی جگہ نہیں ہے۔ کل ایک ہزار ایک سو فیٹ۔ اسی لئے شملہ، نینی تال اور مسوری کی طرح یہاں اونچی نیچی پہاڑیاں زیادہ نہیں ہیں۔ ریل بھی یہاں تک آجاتی ہے۔ یہاں کی سب سے چوڑی سڑک مین روڈ کہلاتی ہے، اس کے دونوں طرف شان دار دکانیں ہیں۔

یہاں کی عمارتیں بھی بہت خوب صورت اور شان دار ہیں۔ سینما ہاؤس۔ صدر اسپتال بڑا ڈاک خانہ۔ ڈھاکیسوری ہاؤس۔ سر علی امام کی نامکمل کوٹھی یہاں کی مشہور عمارتیں ہیں عیسائیوں انگریزوں اور ہندو مسلمان لڑکوں کے لئے کوئی سات اسکول ہیں لڑکیوں کے لئے اسکول الگ ہے۔ ایک انٹرمیڈیٹ کالج بھی ہے۔ ایک سکول میں چمڑے، لکڑی اور لوہے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ایک اندھوں کا اسکول ہے۔ ہوٹل بھی بہت سے ہیں، تین چار تو انگریزی ہیں۔ ایک بہت بڑا ہوٹل ہندوؤں کا ہے۔

رانچی کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ اس لئے گرمیوں کے موسم میں دور دور سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ اور اسی لئے یہاں کئی مشہور شفا خانے ہیں۔ ایک شفا خانہ دق کے مریضوں کے لئے ہے۔ یہ اٹکی میں ہے۔ اٹکی رانچی کے شمال مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک پاگل خانہ بھی ہے۔ یہ کانکے میں ہے۔ کانکے بھی رانچی کے شمال میں ہے۔ رانچی میں آکلے (سرطان) کے علاج کا بھی انتظام ہے۔ یہ علاج ریڈیم کے ذریعے ہوتا ہے۔

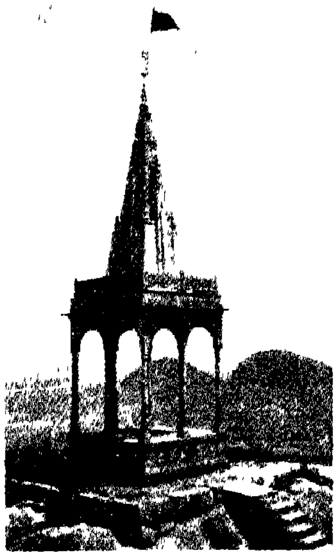
رانچی میں ایک بہت بڑا تالاب ہے۔ اور



رانچی کی خاص سڑک ''مین روڈ''



ہنڈرو آبشار (رانچی)



مورا آبادی کی چوٹی پر مندر

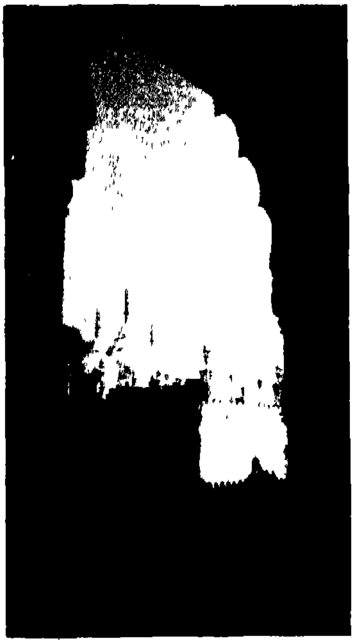


بڑا تالاب (رانچی)

(مضمون رانچی کے متعلق تصویریں)



محمد اسماعیل (سنڈاریہ کالونی)



لال قلعہ دہلی کی موتی مسجد

محمد خلیق احمد (لاہور)



مانسون

(احمد صمد بنوں)



جبل پور کا گھنٹہ گھر

(ایس۔ ایم۔ جمیل جبل پور)

یہاں یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس رانچی ہل ایک پہاڑی ہے۔ یہ ایک ٹیلے کی شکل میں زمین سے اونچی ہوتی چلی گئی ہے۔ اس کی چوٹی نوک دار ہے۔ یہاں ہندوں کا مندر ہے۔ مندر کے پاس ہی ایک گہرا غار ہے۔ حفاظت کے لئے غار کے چاروں طرف دیوار بنا دی گئی ہے۔ چوٹی پر چڑھنے کے لئے کچھ دور تک سڑک ہے اور پھر پکی سیڑھیاں ہیں۔

رانچی کے شمال میں ایک پہاڑی ہے' مرہ آبادی اس کی چوٹی پر ایک خوبصورت مندر ہے۔ اسی پہاڑی پر ٹیگور خاندان کی کوٹھی ہے۔ اور یہیں گھوڑ دوڑ کے لئے ایک بڑا میدان ہے۔ اکثر ہوائی جہاز بھی یہیں اترتے ہیں۔

رانچی سے کچھ دور ڈوانڈہ نامی ایک جگہ ہے یہاں گورکھا فوج کی چھاؤنی ہے۔ یہاں سے ایک ندی گذرتی ہے سوبرن رکھا۔ یہ نگڑی سے نکلی ہے۔ نگڑی رانچی کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے جہاں سے یہ ندی نکلتی ہے وہاں کنواں سا معلوم ہوتا ہے۔ آگے جاکر یہ ندی کافی چوڑی ہوگئی ہے۔

رانچی کے پاس ہی ہنڈرو فال اور جونہا فال دو آبشار بھی ہیں۔ ہنڈرو فال زیادہ مشہور ہے یہاں کوئی ڈیڑھ سو فٹ کی اونچائی سے پانی گرتا ہے بڑا اچھا منظر ہے۔ پانی چٹانوں سے ٹکراتا نیچے آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ روئی کے گالے اڑ رہے ہیں جن چٹانوں پر سے پانی بہہ کر نیچے آتا ہے وہ گھس گھس کر اتنی چکنی ہو گئی ہیں کہ قدم رکھنا مشکل ہے۔ آبشار کے نیچے ترائی میں گھنا جنگل ہے۔ اس جنگل میں شیر اور دوسرے درندے پائے جاتے ہیں ؃

ربڑ

فضل الدین صاحب آثر۔ ایم۔ اے۔

موٹر کی ایجاد کے سلسلے میں تمھیں ربڑ کے ٹائروں کی اہمیت بتائی جا چکی ہے۔ اگر مسٹر ڈنلپ اپنے لڑکے کے لیے ربڑ کے ٹائر نہ بناتے تو اس کا دوڑ میں اول آنا بہت دشوار ہوتا۔ لیکن ایک مسٹر ڈنلپ کے لڑکے کا دوڑ میں اول آنا ہی کیا اگر ربڑ نہ ہوتی تو نہ جانے ہمارے کتنے کاموں میں وہ آسانی نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔

پھر تمھیں تعجب ہوگا کہ آج سے سوا سو سال پہلے کوئی ربڑ کی حقیقت کو نہیں جانتا تھا۔ یورپ کی کتابوں میں ربڑ کا سب سے پہلا حوالہ ۱۵۲۵ء میں دیا گیا ہے۔ اس سال اسپین کے ایک باشندے نے میکسکو کے حالات لکھتے ہوئے اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا کہ کس طرح میکسکو کے باشندے ایک درخت کے کالے کالے لعاب سے گیندیں بنا کر کھیلتے ہیں۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے دو سو گیارہ سال بعد فرانس کے کچھ سائنس دان خاص اس مقصد سے گئے جنوبی امریکہ ربڑ کے درختوں کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

اس واقعے کے اور پچاس سال بعد یعنی ۱۷۰۶ء میں انگلستان کے ایک شخص سیموئیل پیل نے ربڑ کو تارپین کے تیل میں گھول کر اس سے برساتیاں بنانے کی کوشش کی۔ لیکن ان برساتیوں میں چپک اور بدبو بہت تھی اس لئے پیل کی اس کوشش کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ البتہ گلاسگو کے چارلس میکن ٹوش کو اچھی قسم کی برساتیاں بنانے میں کچھ عرصے بعد ضرور کامیابی حاصل ہوگئی۔ ان میں نہ زیادہ چپک تھی اور نہ زیادہ بدبو۔ بیس سال بعد انگلستان میں ٹامس ہین کوک اور امریکہ میں چارلس گڈایر نے ربڑ کی چپک دور کرنے اور اسے زیادہ نرم بنانے میں اور بھی زیادہ ترقی کرلی۔

گڈایر کو جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ان کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ فلاڈلفیا کا ایک سوداگر تھا، اور بچپن ہی سے بہت ذہین اور سمجھ دار تھا۔ اوزاروں اور مشینوں سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ گڈایر کو عرصے سے ربڑ کی ایسی پٹیاں بنانے کی جستجو تھی جن کی مدد سے سمندر پر کشتیوں کے الٹ جانے یا ٹوٹ جانے پر

ملاح اپنی جان بچاسکیں۔ اسی شوق میں گڈایر بازار سے ایک دن ایک قسم کی ملاحوں کی جان بچانے والی پیٹی (لائف بیلٹ، LIFE BELT) خرید لایا اور اُسے بہت اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد ارادہ کیا کہ وہ یہ پیٹی ایسی ربڑ کی بنائے جس پر گرمی سردی کا کوئی اثر نہ ہو۔ گڈایر کا خیال تو بہت اچھا تھا لیکن تجربے کے لئے اس کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ کوڑھ میں کھاج۔ یہ ہوا کہ اُس کا رہا سہا کاروبار بھی درہم برہم ہوگیا۔ اور گڈایر کو مقروض ہونے کی بنا پر سزا ہوگئی۔ جیل خانے میں گڈایر کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ وہاں سوچ خوب سکتا تھا۔ پھر کبھی کبھی اُس کے دوست اُس کے تجربوں کے لئے جیل خانے میں اس کے پاس کچی ربڑ بھی بھجوا دیا کرتے تھے۔ جیل سے چھوٹ کر گڈایر کا شوق اور بھی تیز ہوگیا۔ وہ رات رات بھر چولھے پر تجربے کرتا رہتا۔ اپنی بیوی کو بھی جگا کر پاس بٹھا لیتا اور اسے اپنے ہر تجربے کا نتیجہ لکھاتا جاتا۔

چارلس گڈایر سائنس سے بالکل ناآشنا تھا اس لئے اُس کو تجربوں میں اور بھی زیادہ دیر لگتی تھی اُسے اکثر گرمیوں میں پکائی ہوئی ربڑ پر سردی کا اثر دیکھنے کے لئے سردی کے موسم کا انتظار کرنا پڑتا تھا اسی طرح سردی کے موسم میں تیار کی ہوئی ربڑ پر گرمی کا اثر دیکھنے کے لئے گرمی کے موسم کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ سرمایہ ختم ہونے پر فاقوں تک نوبت آگئی اور ایک مرتبہ تو اسے اپنا تجربہ جاری رکھنے کے لئے اپنے بچوں کی کتابیں تک بیچنا پڑیں۔

ایک مرتبہ گڈایر نے کچی ربڑ کے کئی پیپے خرید لئے اور کپڑے پر اسے پھیلا پھیلا کر بہت سے پہننے کے کپڑے اور جوتے بنائے۔ لیکن گرمی آتے ہی یہ چپکنے کی وجہ سے بے کار ثابت ہوئے۔ ایک دن اتفاق سے گڈایر کے ایک ساتھی نے اپنے پاجامے کو واٹر پروف بنانے کے شوق میں اس پر کچی ربڑ لگالی، لیکن کچھ لمحے بعد ہی اُس کا تمام پاجامہ اس کی ٹانگوں پر بُری طرح چپک گیا اور وہ اُس کرسی پر ہی جم کر رہ گیا جس پر بیٹھا تھا۔ گڈایر نے قینچی سے اپنے ساتھی کے تمام کپڑے کاٹ کاٹ کر اُسے کرسی کی قید سے آزاد کیا۔

اس دلچسپ واقعے کے بعد گڈایر کو سب سے پہلے ربڑ کی چپک دور کرنے کی فکر ہوئی۔ اُس نے بہت سے سائنس دانوں سے مشورہ کیا لیکن کوئی اُسے مدد نہ دے سکا۔ اب گلی کوچوں اور بازاروں میں ہر بچہ بوڑھا اُس کا مذاق اُڑانے لگا تھا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے ربڑ کے جوتے، ربڑ کے کپڑے اور ربڑ کی ٹوپی پہن کر نکلتا تو بچے "ربڑ، ربڑ" چیختے ہوئے اس کے پیچھے بھاگتے۔ یہاں تک اُس کے دوستوں تک کو گڈایر کے پاگل ہو جانے کا اندیشہ ہو چلا۔ لیکن وہ اپنی دُھن کا پکا تھا۔

ایک دن گڈایر ربڑ چڑھے ہوئے کپڑے پر کچھ نقش و نگار بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاق

سے ایک جگہ زنگ بہت گہرا ہوگیا۔ گڈایر نے اُسے صاف کرنے کے لئے اس پر تیزاب ڈال دیا۔ تیزاب سے وہ کپڑا کچھ خراب سا ہوگیا۔ اس لئے گڈایر نے اُسے ایک طرف ڈال دیا۔ لیکن کچھ دن بعد جب اُس نے اس ٹکڑے کو پھر اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سخت ہوگیا ہے اور اُس پر گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوتا گڈایر نے بڑے حوصلے کے ساتھ تیزاب سے پکائی ہوئی ربڑ کے بہت سے جوتے اور ٹوپیاں اور کوٹ بنائے۔ لیکن بعد کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ تیزاب سے صرف ربڑ کی سطح سخت اور گرمی برداشت کرنے کے قابل ہوجاتی تھی۔

گڈایر کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کے دوست اُسے روزی کمانے کا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے تھے۔ اس کے گھر میں بھی افلاس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اُس کی بیوی کپڑا بُن بُن کر دن کاٹتی تھی لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ گڈایر کی حوصلہ افزائی اپنا فرض سمجھتی تھی۔ گڈایر کی صحت اب جواب دے چکی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کا ہر حوصلہ اور ہر ارادہ اپنی جگہ مضبوط تھا

ایک دن گڈایر بھٹی کے پاس کھڑا کھڑا کچی ربڑ میں گندھک ملا رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تھوڑی سی گندھک ملی ہوئی کچی ربڑ بھٹی میں گر پڑی۔ گڈایر نے اُسے بھٹی سے نکال لیا، اور یہ معلوم کرکے اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس ربڑ پر نہ سردی کا اثر ہوتا تھا اور نہ گرمی کا۔ اس نے اُسے آگ میں ڈالا لیکن وہ نہیں پگھلی۔ اُس نے اُسے رات بھر باہر سردی میں ٹنگا رہنے دیا۔ لیکن وہ ویسی ہی رہی جیسی تھی۔

اب گڈایر کامیابی کے دروازے پر آپہنچا تھا۔ اُس نے محنت کرکے ربڑ پکانے کا طریقہ مکمل کرلیا، اور امریکہ میں سرکاری طور پر اپنی ایجاد کے حقوق محفوظ کرالئے۔ لیکن اُسے اپنی محنت اور جانفشانی کی داد کبھی نہ مل سکی۔ اُسے عزت ملی۔ اُسے یہ خوشی بھی حاصل ہوئی کہ اُس کے ایجاد کردہ طریقے سے ربڑ تیار کرکے لاکھوں مزدور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ لیکن اس کی موت ایک غریب آدمی ہی کی موت تھی۔

ربڑ سے ہوا بھرے جانے والے ٹائر اور ٹیوب بنانا آئرلینڈ کے ایک شخص ڈنلپ کا کام تھا۔ ڈنلپ سے پہلے گاڑیوں اور بائیسکلوں کے پہیوں پر ٹھوس ربڑ چڑھتی تھی جس کی وجہ سے رفتار میں تیزی پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔

کچی ربڑ گرم اور مرطوب ممالک میں خاص قسم کے درختوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان درختوں کو ہیویا (HEVEA) کہتے ہیں، اور ان کی بہت بڑی تعداد جنوبی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ یہاں کے

باشندے ربڑ کے درختوں کو تلاش کرکے ان کے تنوں میں شگاف لگا دیتے ہیں اور ان کے نیچے پیالے لٹکا دیتے ہیں۔ ان کے شگافوں سے دودھ سا رس کر پیالوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس دودھ کو ذرا سخت کرکے کارخانوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ مشینوں کے ذریعے صاف ہو کر گڈائیر کے ایجاد کئے ہوئے طریقوں سے پکایا جاتا ہے۔

ربڑ کی تجارت امن اور جنگ دونوں زمانوں میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مختلف قومیں اس بات کی جستجو میں رہتی ہیں کہ ربڑ کے جنگل اور پٹرول کے چشمے ان کے قبضے میں ضرور رہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ ربڑ کے درختوں کی پیداوار جزیرہ نما مالے میں ہوتی ہے اور ان درختوں کی سب سے عجیب خصوصیت یہ ہے کہ نہ تو ہوا سے اُن میں کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے اور نہ اُن پر پرند بسیرا کرتے ہیں ؎

آم

سب سے انوکھا سب سے نرالا
آم کا رتبہ سب سے بالا

رنگ انوکھا چیز نرالی
جھکی ہوئی ہے ڈالی ڈالی

سامنے دیکھو پیڑ کھڑے ہیں
جن میں ہزاروں آم لگے ہیں

کوئی ہرا ہے کوئی ہے پیلا
کوئی ہے دھانی کوئی ہے سرخا

باغ میں اُن سے دم سے ہے زینت
کھانے سے اُن کے ہوتی ہے فرحت

انساں کھائے حیواں کھائے
سب کا اُس پر جی للچائے

شیرینی میں سب سے سوا ہے
کھٹے میں بھی ایک مزا ہے

سب سے ہے یہ میوہ اعلیٰ
سب سے اس کی شان ہے بالا

ایس ایم جبریل۔ جبل پور

معلومات

محمد اسمٰعیل سنگاریڈی تالریس

دنیا میں سب سے بڑا جہاز "کوئن میری" ہے جس کی لمبائی ایک ہزار اٹھارہ فٹ ہے اور چوڑائی ایک سو اٹھارہ فٹ ہے۔ اور اس میں اسی ہزار سات سو تہتر ٹن بوجھ لادا جاسکتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی جھیل کیسپین ہے، جو روسی ترکستان میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ چاندی میکسکو (امریکہ) میں نکلتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ چاول چین کے علاقے میں پیدا ہوتے ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ چائے برطانیہ میں پی جاتی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں وہاں اتنی چائے صرف میں لائی گئی جتنی کہ برطانیہ کو چھوڑ کر پوری دنیا میں۔

دنیا میں سب سے پرانا چڑیا گھر ایٹ برسی میں ہے، اس میں ایک ہزار سے زیادہ جنس ہیں۔

دنیا میں سب سے چوڑا دریا نیل ہے جو دکٹوریہ جھیل سے نکل کر جھیل البرٹ میں داخل ہوتا ہے اور افریقہ میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی خلیج (خلیج میکسکو) ہے جو امریکہ میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے چھوٹا شخص ایکیا زریٹ تھا جس کا قد ۲۰ انچ لمبا تھا، آج تک ایسا شخص دیکھنے میں یا سننے میں نہیں آیا۔

دنیا میں سب سے خوش منظر اور جنت نظیر ملک سوئٹزرلینڈ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا درخت شمالی امریکہ میں علاقہ نیویارک کے پارک میں ہے، جس کی عمر ۴۰۰۰ اور ۵۰۰۰ سال کے درمیان ہے۔ یہ درخت ۲۷۲ فٹ بلند ہے اور اس کا تنہ ۴۰ فٹ موٹا ہے۔ اس کی لکڑی سے ۳۰ ارب دیا سلائیاں بن سکتی ہیں اور ۴۰۰ مکان بھی۔ اس کی لکڑی کو لے جانے کے لئے ریل کے ۲۰ ڈبوں کی ضرورت ہوگی۔



پیام تعلیم کی اس قدر کامیابی اور ہر دلعزیزی کا گُر یہی ہے کہ وہ جن کے لئے نکالا جاتا ہے اُن کی صحیح معنوں میں پوری پوری خدمت کرتا ہے اور اُس کے چلانے والے ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ پیام تعلیم کا جو اصل مقصد ہے وہ ہر ممکن طریقے سے پورا ہوتا رہے اس کا اندازہ تمھیں خود بھی ہوگا۔

پیام برادری کی تحریک بھی اسی وجہ سے شروع کی گئی ہے کہ پیام تعلیم کے پڑھنے والوں میں بھائی چارے کے تعلقات پیدا ہو جائیں اور تعلیم کا مقصد محض کتابی ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اس سے سماجی فائدے بھی حاصل کئے جائیں۔

چار مہینے سے تمھارے رسالے میں معموں کا سلسلہ جاری ہے۔ اُن کا مقصد محض تعلیمی ہے اور کسی پہلو سے بھی اس کو تجارتی نہیں کہا جا سکتا۔ اِس وجہ سے جو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں وہ نقد روپئے کی صورت میں نہیں بلکہ کتابوں کی صورت میں دئے جاتے ہیں۔ معموں کے اشارے پڑھنے سے تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ ان کی عبارت ایسی ہوتی ہے کہ اگر اُن کو غور سے نہ پڑھا جائے تو مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس قسم کے اشارے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک دی ہوئی عبارت کو پڑھ کر اس کا صحیح مطلب نکالا جا سکے۔

اگر معموں میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو ہر اشارے کو بار بار اور غور سے پڑھ کر مناسب لفظ نکالنا چاہیئے۔ ہر اشارے میں ایک دو ہی لفظ ایسے ہوتے ہیں جن سے پورے جملے کے مطلب پر اثر پڑتا ہے۔ معمے میں جتنے الفاظ بھی بنتے ہیں اُن میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی جگہ کوئی دوسرا لفظ بھی آ سکتا ہے لیکن یہ صورت جب ہی ہوتی ہے جب اشارے کو سرسری طور پر پڑھا جائے ورنہ اس جگہ صرف ایک ہی لفظ موزوں ہوتا ہے۔

پچھلے معمے میں ایک اشارہ تھا "ہر جج مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت اس سے کام لیتا ہے" اشارہ پڑھتے ہی "عقل" اور "عدل" یہی دو لفظ دماغ میں آتے ہیں۔ لیکن اگر ہم لفظ "ہر" پر غور کریں تو آسانی سے سمجھ

میں آجائے گا کہ "عقل" اور "عدل" میں سے صرف "عقل" ہی اس موقع پر صحیح بیٹھتا ہے۔

جج جب مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ لازمی نہیں کہ عدل ہی سے کام لے۔ لیکن عدل سے کام لے یا نہ لے عقل سے دونوں صورتوں میں کام لیتا ہے۔

اگر بعض یا اکثر کا لفظ استعمال کیا جاتا تو "عدل" آسکتا تھا۔

اس لئے ضروری ہے کہ معما حل کرتے وقت اشاروں کو کافی غور سے پڑھو۔ آپس کے مشوروں سے اشارے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے ؛

معما نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کے نتیجے

معما نمبر ۹۔ صحیح حل : جمیل اختر، بجنور۔ ہری پرکاش، ہاپوڑ۔ سید محمد سراج حسین، دہلی۔ محمد خلیق الزماں، اندور۔ ریاض النساء بیگم، نانڈیڑ۔ مہندی کریم، استھانواں۔ ابرار الرحمٰن قدوائی، بارہ بنکی۔ قدسیہ خاتون، گھوسی۔ چھوٹی فہمیدہ، نہٹور۔ سیدہ محمودہ بیگم، لکھنؤ۔ حاجی یوسف، کلکتہ۔ محمد اسلم، امرتسر۔ تصدق امین خان۔

ایک غلطی : عبدالقیوم، پشاور۔ اسد حسین، پٹنہ۔ محمد علی احمد خاں، لدھیانہ۔ سید خواجہ معین الدین، حیدرآباد دکن۔ اصغری بیگم، جوگی پٹہ۔ ام سلیمان، کاٹھیاواڑ۔ رشیدہ خاتون، علی گڑھ۔ محمد غالب، دیجاپور۔ محمد صدیق، صدر بازار دہلی۔ سید شریف اسلام، بالاپور۔ زین العابدین خاں، بدایوں۔ محمد سلیم الدین، نام پلی۔ رام پیا، میلوار۔ احمد علی، علی گڑھ۔ کانڈی محمد عمر، دبھوی۔ عارف حسین، پٹنہ۔ آنسہ عالیہ بیگم، بالاپور۔ محمد سالم مہوری۔ لہ بانسرے۔ ام شہاب الدین احمد، باغ پختہ۔ عثمان علی، ڈپی گوڑھ۔ مقبول احمد، کوپخ۔ خلیل الرحمٰن قدوائی، بارہ بنکی۔ سرجیت سنگھ، چکلائی۔ اجمل حسین، دہلی۔ منظور عبدالرحمٰن، شملہ۔ محمد اسلم انصاری، بڑھل گنج۔ محمد اکرم انصاری، بڑھل گنج۔ محمد مسلم انصاری، بڑھل گنج۔ محمودہ خاتون، خریدار ۳۲۲۔ بشیر احمد خواجہ، نورپور۔ فیروز احمد، علی گڑھ۔ مرزا افتخار احمد خاں، سعید آباد۔ زبیدہ بیگم، جبل پور۔ اس ام، متیبت خریداری ۲۵۱۲۔ محمد ہاشم، استھانواں۔ محمد اکرم

معما نمبر ۱۰۔ صحیح حل : نعیم احمد، میرٹھ۔ رحیم الدین، تعلیمی مرکز جامعہ۔ سید مسرت علی، علی گڑھ۔ سید محمد ایوب، دھنباد۔ محمد نواز، میانوالی۔ محمد صدیق احمد، رائچور۔ ہمایوں اختر عادل، ہوشیارپور۔ ام محمد یوسف، ریاست دیر۔ سید عماد الدین، بھادل پور۔ محمد ارشد، بھرت پور۔

ایک غلطی : مقبول احمد، آبو روڈ۔ اسٹوڈنٹ لائبریری توت بگان۔ رئیس خانم، بجنور۔ خالد تشبیر انصاری، دہلی۔ محمد اسلم، امرتسر۔ قاضی عبدالمقتدر، گورکھپور۔ محمد الیاس قدوائی، سرنج۔ سجاد حیدر، سری نگر۔ جمیدہ سلطان، دہلی۔ تاج محمد خاں، بھوپال۔ فرید احمد وحیدی، دیوبند۔ بہاء الدین امان اللہ، آرہ۔ ننھا اسرائیل، پٹنہ۔ سعید الدین حیدر، شیخوپورہ۔ محمد عبدالرشید، چھپرہ پور۔ محمد حارث جعفری، پٹنہ۔ ہس، ایم اے، امرتسر۔ اجمل حسین، شملہ۔ محمد محسن فاروقی، بھرت پور۔ محمد وسیم انصاری، لکھنؤ۔ جان الحق قریشی، دہلی۔ علی بھائی، کالاکاچھ۔ سید محمد عمر، لہریا سرائے۔ عبدالحمید، چھپرہ۔ مرزا اقبال بیگ، لاہور۔ عدنان عنایت، لاہور۔ جمال ابراہیم، کراچی۔

پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست تمھیں یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ ہماری آپا جان کچھ دنوں کے لئے ہم سے جدا کر دی گئی ہیں۔ انھیں جامعہ ملیہ کے بچوں اور اپنے عزیز پیامیوں سے جدائی کا بہت صدمہ ہے۔ وہ لڑائی کے ختم تک پونا کے پاس کسی جگہ رہیں گی اور لڑائی ختم ہونے کے بعد جامعہ واپس آجائیں گی۔ اُنھوں نے یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ میرے پیچھے میری عزیز پیامی بچیاں اور بچے برادری کے کام اور بھی جوش و خروش سے کریں گے اور اپنی واپسی پر میں پیام برادری کو ایک ہرا بھرا درخت دیکھوں گی۔ اُنھوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ فرصت کے وقت پیام تعلیم کے لئے اچھے اچھے مضمون لکھیں گی۔

پچھلے مہینے یورپ میں لڑائی پھر زور پکڑ گئی تھی خصوصاً ... سے ... اگست تک جرمنی نے انگلستان پر بہت سخت ہوائی حملے کئے۔ لندن پر بھی بم برسائے گئے۔ انگلستان نے ان حملوں کا بہت سختی سے جواب دیا۔ ان تاریخوں میں جرمنی کے ۵۵۲ جہاز گرائے اور ایک ہزار ہوا باز یا تو مارے گئے یا گرفتار ہوئے۔ اس کے مقابلے میں انگریزوں کے کل ۱۳۱ جہاز تباہ ہوئے۔ خیال ہے کہ اگر جرمنی اسی طرح ہوائی حملے کرتا رہا تو اس کی ہوائی طاقت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

دوسری طرف افریقہ میں اٹلی نے سومالی لینڈ پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی کچھ یک طرفہ سی رہی۔ انگریزی فوج یہاں بہت کم تھی اب انگریزوں نے سومالی لینڈ کو خالی کر دیا ہے۔

اِدھر جاپان فرانس کی شکست اور برطانیہ کی لڑائی میں مشغولیت سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اس نے چینیوں کے لئے برما روڈ تو بند کرا ہی دی۔ اب اُس نے فرانس سے مطالبہ کیا ہے کہ ہند چینی میں اسے فوجی ہوائی اور سمندری اڈے بنانے کی اجازت دی جائے۔ ویسے بھی برطانیہ کے مقابلے میں اس کی ہمدردی جرمنی سے زیادہ ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے اُس نے کئی بڑے بڑے انگریز گرفتار کر لئے تھے انگلستان میں اس سے بہت ہل چل مچی۔ اس کے بعد کچھ جاپانی انگلستان میں بھی گرفتار کئے گئے۔ تاہم ان باتوں سے آپس کی دوستی میں فرق نہیں آیا ہے۔

عزیزی میاں احمد یار اللہ عدنی عدن سے ہندوستان آگئے ہیں۔ ان کے پاس عدن کے دو پیسے اور ایک آنے والے ٹکٹ

اور حیدرآباد اور کشمیر کی تصویروں کا کافی ذخیرہ ہے جو بچے مبادلے میں یہ چیزیں منگانا چاہیں وہ اس پتے پر خط کتابت کریں۔ محلہ پہادیوا، بڑھل گنج، گورکھپور۔ عزیزی عثمان علی (معرفت سید سردار علی، انسپکٹر خفیہ پولیس حیدرآباد دکن) انگلستان، فرانس، یورپ کے دوسرے ملکوں اور حیدرآباد کے ٹکٹوں کے مبادلے میں ترکی، مصر، چین اور جاپان کے ٹکٹ چاہتے ہیں سید غلام السبطین سلمہٗ (حبیب اللہ منزل، علی گڑھ) دیسی ریاستوں کے نئے اور پرانے اور دوسرے ملکوں کے ٹکٹوں کے مبادلے میں اسلامی ملکوں اور دوسرے ملکوں کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔ محمد یوسف سلمہٗ (طالب علم درجہ نہم انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں برار) حیدرآباد کے ٹکٹوں کا پٹیالہ، جیند، نابھ اور دوسری ریاستوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔ سید محمد خاں سلمہٗ (ڈی، ام۔ اچ، ای اسکول شیخ پورا ضلع مونگیر) حیدرآباد، بھوپال، ہندوستان (ایسٹ انڈیا کمپنی۔ آسٹریا، یوگنڈا، کینیا، ٹانگانیکا، جرمنی، ارجنٹائن کے ٹکٹوں کے مبادلے میں۔ آسٹریا، سلور جوبلی نیوزی لینڈ ہوائی جہاز، کناڈا، سلور جوبلی (جس پر شہزادی الزبتھ کی تصویر ہے) بلجیم، کانگو (جس پر اسکاؤٹ کیمپ کی تصویر ہے) کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔

پچھلی بار معمّے کے سلسلے میں کئی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ (صفحہ ۱۴۳ پر) معمّا نمبر ۹ کا حل اور انعام لکھ گیا حالانکہ لکھنا چاہیئے تھا نمبر ۹ کی جگہ نمبر ۸۔ پھر دوسرے ہی کالم میں معمّا نمبر ۹ کا حل بھی شائع کر دیا گیا اس سے بچّوں کو اور بھی غلط فہمی ہوئی۔ خود آپا جان کے خط میں بھی ۸ کی جگہ ۸ اور ۸ کی جگہ ۹ لکھ گیا۔ ہمیں اس غلطی کا بہت افسوس ہے۔ اب ہم نے طے کیا ہے کہ ہر معمّے کے حل کے ساتھ حلوں کا نتیجہ بھی شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مرتبہ معمّا نمبر ۹ اور معمّا ۱۰ دونوں کے حلوں کے نتیجے ایک ساتھ شائع نہ کئے جا رہے ہیں۔

معمّا ۹ کے صحیح حل کل ۱۳ آئے ہیں۔ ان حل بھیجنے والے بچوں کا انعام کوئی ۷ر فی کس ہوتا ہے۔ معمّا ۹ کے ایک غلطی والے حل کل ۳۷ ہیں ان حل بھیجنے والوں کا انعام فی بچہ ۲ر سے بھی کم ہوتا ہے۔ معمّا ۱۰ کے صحیح حل کل ۱۰ آئے ہیں حساب سے ہر بچے کو کوئی ۱۰ر انعام ملے گا۔ معمّا ۱۰ کے ایک غلطی والے حل کل ۲۷ آئے ہیں ہر بچے کو کوئی ۲ر انعام ملے گا۔

عزیزی امتزاج حسین میرٹھ۔ انوار الحق، میانوالی۔ محمد انور، سیالکوٹ نے اپنے حلوں کے ساتھ ٹکٹ نہیں بھیجے تھے خواجہ محمد رضی الحسن انصاری، بیدر نے چھپے ہوئے کوپن پر اپنا حل نہیں بھیجا تھا۔ اس لئے اُن کے حل مقابلے میں شامل نہیں کئے گئے[ف]

معمّا ۹ اور ۱۰ کے صحیح حلوں کے انعام بھیج دئے جائیں گے لیکن ان دونوں معمّوں کے ایک غلطی والے حلوں کا انعام اس قدر کم ہے کہ کوئی اچھی کتاب انھیں نہیں بھیجی جا سکتی۔ ان بچّوں کے لئے یہ رعایت کی جاتی ہے کہ وہ معمّا ۱۱ کے دو حل مُفت بھیج سکتے ہیں لیکن حوالہ دینا ضروری ہوگا۔ خصوصاً ان نمبروں کا جو ان کے نام کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

[ف] انعام پانے والے بچوں کے نام صفحہ ۳۹۰ کے نیچے لکھے ہیں۔

کوپنوں کا موجودہ طریقہ بچوں نے بہت پسند کیا ہے اس مرتبہ پچھلے مہینوں کے مقابلے میں بہت زیادہ حل آئے۔ اب ہم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے یعنی کوپن بجائے ۴ کے ۸ کردئے ہیں۔ یہ ۸ کوپن ۱ر میں بھیجے جاسکتے ہیں۔
معما بنانے والے صاحب نے چند ضروری ہدائتیں ہمارے پاس اور بھیجی ہیں انھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ بچے معما حل کرتے وقت ان کا خیال رکھیں گے۔

قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ۱ر کا ٹکٹ آنا ضروری ہے

(۳) ایک سے زائد حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعائتی فیس ۳ر۔ آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔

(۴) دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

(۵) تمام حل ۲۰ ستمبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں[1]

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما۔ معمے کا نمبر اور کوپنوں کی تعداد لکھ دی جائے مثلاً اس طرح: م۔ ن ۱۱۔ کٗ ۔ عبارت نہ ہو۔

(۸) پیام تعلیم میں چھپی ہوئی کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہ لیا جائے گا۔

(۹) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

(۱۰) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا وہ پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

(۱۱) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمے آنے چاہئیں۔

(۱۲) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے

(۱۳) معما حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

(۱۴) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

(۱۵) دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔

(۱۶) چھوٹی ۱ اور بڑی ۲ ے کا فرق لازمی ہے (ی ۱ ے ۲)

(۱۷) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور چاہئے

(۱۸) املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔ مثلاً اس مرتبہ بچوں نے طور کو ت سے لکھا ہے۔

(۱۹) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں

(۲۰) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

معما ۱ کا صحیح حل

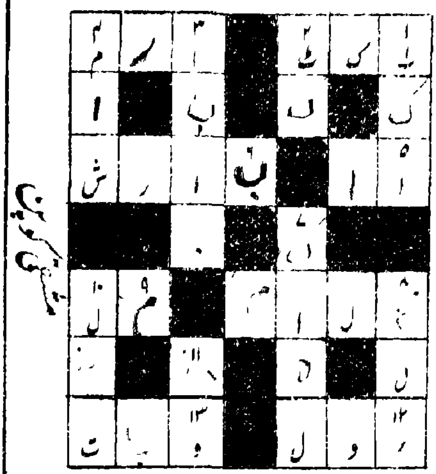
۱ ا	م	۲ ن		۳ چ	ی	۴ ت
ش		۵ و	ہ	م		ا
۶ ک	۷ د	ن		۸ ع	ر	س
	و				ا	
۱۰ ت	ا	۱۱ ش		۱۲ ا	گ	۱۳ ل
خ		۱۴ ع	ق	ل		ے
۱۵ ت	ی	ر		و	ھ	ف

[1] پتہ یہ ہوگا۔ سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ قرول باغ، نئی دہلی۔

معمّا نمبر ۱۱

پہلا انعام ۵ روپے

دوسرا انعام للعہ



اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ بعض لڑکے معمّا بھیجتے وقت ...... بھیجنا بھول جاتے ہیں۔

۳۔ شدّاد کی جنت

۵۔ ایک اور ایک گیارہ

۷۔ اس کی زیادتی سے ہر شخص گھبراجاتا ہے۔

۸۔ جب تک ہمارا ملک .... رہے گا ہم ترقی نہیں کرسکتے۔

۹۔ عام طور پر شہر میں ہوتے ہیں

۱۲۔ لمبائی

۱۳۔ باپ پر ...... پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا (بے ترتیب)

اوپر سے نیچے

۱۔ دو پیسے

۲۔ مہربانی کرکے آہستہ بولو ابھی ...... روتے روتے سوگیا ہے

۳۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے کئی ایسے ملک تباہ ہوگئے۔

۴۔ صبح کے بعد ...... کا آنا لازمی ہے (اُلٹا)

۶۔ ایسے آدمی کو لوگ عام طور پر پسند نہیں کرتے۔

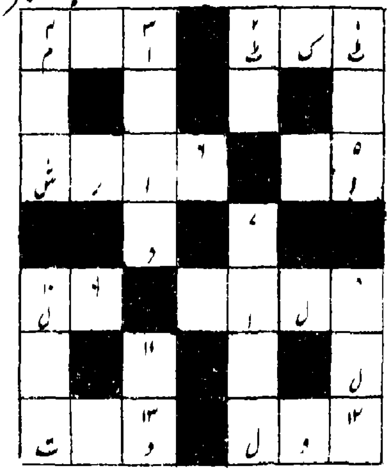
۸۔ ہر شخص اس لفظ کو غلط لکھتا ہے اور غلط بولتا ہے

۱۰۔ معمّا حل کرنے میں اکثر اس کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

۱۱۔ ایک عدد

ہر صحیح حل بھیجنے والے کو ایک خاص انعام بھی دیا جائے گا۔ سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو بھی ایک خاص انعام دیا جائے گا۔

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر ۱



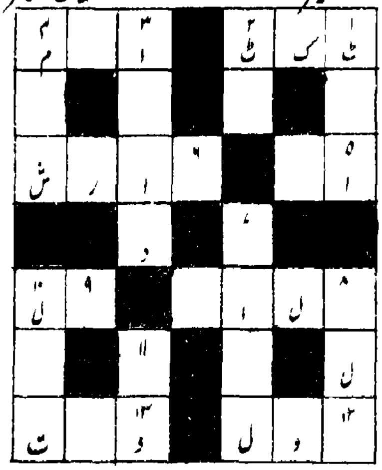
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر ۰



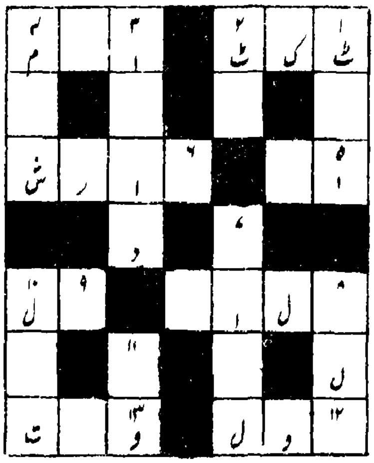
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر ۰



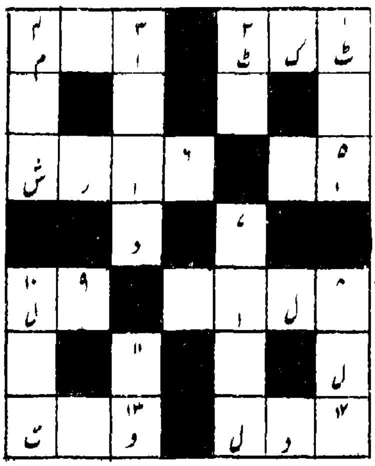
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر ۱



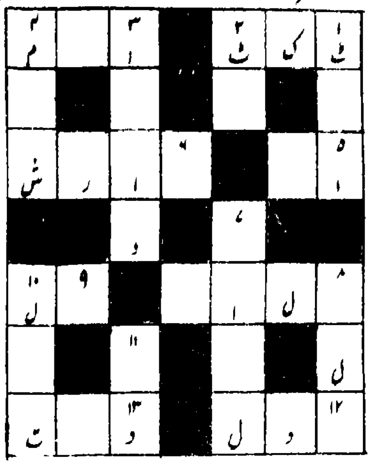
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

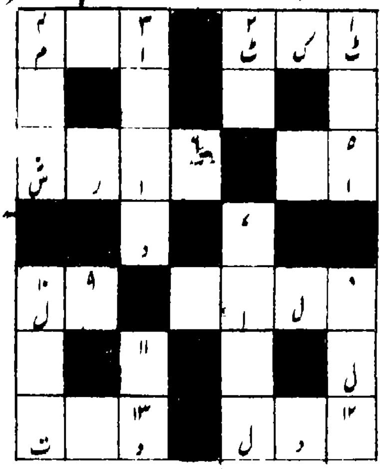
ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر 5



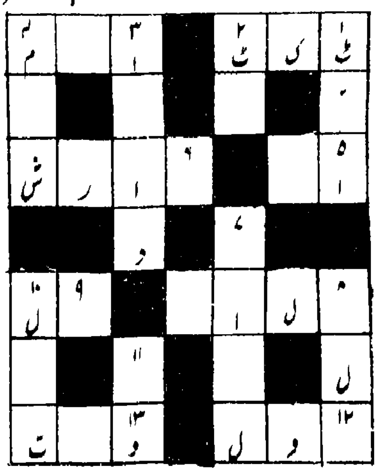
نام ....
پتہ ....
تصدیق ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر 6



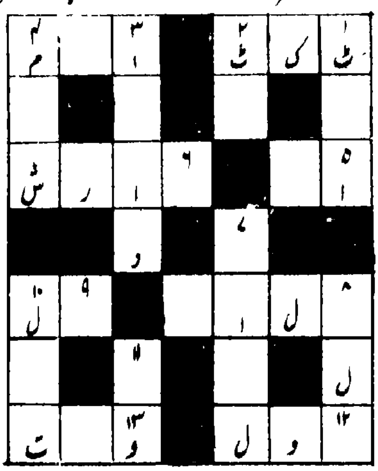
نام ....
پتہ ....
تصدیق ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



نام ....
پتہ ....
تصدیق ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



نام ....
پتہ ....
تصدیق ....
ٹکٹ ....

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات ؛ سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی ؛ دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے ؛ دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے ؛ اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر ؛ ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۴ر

تعلیمی کھیل ؛ اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی ؛ سائنس کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۹ر

Regd. No. L. 1961

اکتوبر ۴۰ء

پیام تعلیم

دہلی



مکتبہ جامعہ دہلی

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے
محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

پیام تعلیم

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

قیمت سالانہ
عہ

فی پرچہ تین آنے

نمبر ۱۰	اکتوبر سنہ ۴۱ء	جلد ۲۳

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے۔ پی ایچ۔ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

پیام تعلیم کے دفتر والوں کو اس بات کی سخت شکایت ہے کہ پیامی اُنھیں خط لکھتے وقت نہ تو اپنا پتہ لکھتے ہیں نہ نمبر خریداری۔ اور جب تک یہ دونوں چیزیں خط میں نہ ہوں جواب کیسے دیا جائے۔ اور شکایت کیسے دور کی جائے رجسٹروں میں پتے تلاش کرنے میں وقت بھی بہت لگتا ہے اور پریشانی بھی ہوتی ہے۔ یہ بات پیامیوں سے بار بار کہی گئی ہے۔ اگر وہ خط لکھتے وقت ذرا دھیان سے کام لیا کریں تو کیا اچھا ہو

خود میرے پاس کئی خط ایسے رکھے ہیں جن میں پتہ پورا نہیں لکھا ہے۔ خط لکھنے والوں میں اکثر ایسے بھی ہیں جو رسالے کے خریدار نہیں ہیں۔ اب ان کو کیسے جواب دیا جائے! مجبوراً انھیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنا پڑتا ہے۔

اس لئے جو بچے اپنے خطوں کا جواب چاہتے ہیں وہ دفتر کو خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر بھی لکھیں اور پتہ بھی ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت صرف پتہ لکھنا کافی ہے۔

---

۲۳ اگست کو اخبار میں دو مشہور آدمیوں کے مرنے کی خبر آئی۔ لیون ٹراٹسکی اور سر اولیور لاج۔ ٹراٹسکی روس کا مشہور لیڈر تھا اور اولیور لاج مشہور فلسفی اور سائنس دان۔ ٹراٹسکی کے حالات اس پرچے میں چھپ رہے ہیں۔ اولیور لاج کے اگلے پرچے میں۔ برکت علی صاحب فراق کا شکریہ کہ اُنھوں نے وقت پر ہمیں مضمون لکھ دیا۔

اس پرچے میں جناب مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کی ہوئی چند اور نظمیں چھپ رہی ہیں۔ نیر صاحب فرماتے ہیں کہ "اس مرتبہ نظم بھیجتے وقت پیامی دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ ایک تو اپنی عمر ضرور لکھیں دوسرے اپنے استاد یا سرپرست کے دستخط ضرور کرا لیں۔"

طاہر نے اِک انڈا توڑا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

طاہر نے اِک انڈا توڑا
انڈے میں سے نکلا گھوڑا

گھوڑے نے اِک ٹاپ جو ماری
نکلی پھولوں کی اِک کیاری

پھول تھے اُس کے پیارے پیارے
جیسے ہوں رنگین ستارے

اُن میں سے اِک پھول جو توڑا
اِس میں تھا اِک سونے کا کٹورا

اس میں بھرا تھا دودھ سا پانی
میٹھا پانی، ٹھنڈا پانی

بھینی بھینی خوش بو اُس کی
جب طاہر کی ناک میں پہنچی

اُس نے کٹورا مُنہ سے لگایا
آپ پیا اوروں کو پلایا



ایس۔ ایم جبریل

برسات آئی برسات آئی

ٹھنڈی ہوائیں | کالی گھٹائیں
دُنیا پہ چھائیں | مینہ ساتھ لائیں

برسات آئی برسات آئی

بوندیں جھما جھم | پڑتی ہیں دم دم
ہیں تیز مدھم | لو ہو گئی کم

برسات آئی برسات آئی

کوئل کی کوکو | قمری کی ہو ہو
پپیہے کی پیہو | سنتے ہیں ہر سو

برسات آئی برسات آئی

سبزہ چمن میں | لہکا دمن[۱] میں
خوش مور بن میں | ہیں بانکپن میں

برسات آئی برسات آئی

پانی ہی پانی | برکھا نشانی
پیہم روانی | ہے شادمانی

برسات آئی برسات آئی

کھیتوں میں جل تھل | ندیوں میں ہل چل
بہتا ہے بھل بھل | پھر اُس کی چھل بل

برسات آئی برسات آئی

جبریل آؤ | خوشیاں مناؤ
یہ گیت گاؤ | سب کو سناؤ

برسات آئی برسات آئی

۱ سبزہ زرد ۔ وردی

طلسمی مینا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

ایک دن کیا ہوا، میں کسی کام سے نکلا۔ شہر کے باہر سڑک پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ تیسرے پہر کا وقت۔ دھوپ ڈھل چکی تھی مگر لو کے جھکڑ اب بھی چل رہے تھے۔ اچانک پچھم کی طرف کچھ غبار اٹھتا دکھائی دیا۔ یہ غبار بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ آن کی آن میں بڑے زور کی آندھی سر پر آگئی۔ آندھی کے ساتھ اتنی خاک دھول تھی کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سورج چھپ گیا۔ پہلے تو شفق کی سی سرخی اور پھر ہر طرف سیاہی چھا گئی۔ ایسی سیاہی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ ہوا کی تیزی سے میرے پاؤں بھی اکھڑنے لگے۔ میں نے کوشش کی کہ سڑک پر چلتا رہوں۔ مگر ہوا کا زور ایسا تھا کہ کسی طرح قدم جمنے ہی نہ پاتے تھے۔ آندھی کا شور بھی اس بلا کا تھا کہ دل دہلا جاتا تھا۔ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ ڈر تھا کہ اس اندھیرے میں کسی موٹر وٹر سے ٹکر نہ ہو جائے۔

میں نے سوچا۔ سڑک کے کنارے کسی پیڑ کے نیچے کھڑا ہو جاؤں۔ مگر سڑک کے دونوں طرف پانی بھرا ہوا تھا۔ اور وہ بھی کافی گہرا۔ میں ڈرا کہ پاؤں کہیں غلط جگہ نہ پڑ جائے اور میں پانی میں گر جاؤں۔

آنکھیں کھلی رکھنا مشکل تھا۔ اس لئے

کہ خاک بہت اُڑ رہی تھی۔ ننھے ننھے کنکر، چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑے، اور ریت کے باریک باریک ذرّے آنکھوں میں گھُسنے لگے تھے۔ ہوا کی تیزی دم بدم اور بھی بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ میری گھبراہٹ بھی۔

اچانک میرے پاؤں زمین سے اُٹھتے ہوئے معلوم ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یہی خیال آیا جانے یہ ہوا کہاں اُڑا کر لے جائے اور کس جگہ لے جا کر گرائے۔ نہ جانے کسی پہاڑ کی چٹان سے ٹکراؤں یا کسی سمندر کی کھاڑی میں گر کر ڈوب جاؤں۔

مگر ہو بھی کیا سکتا تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ایسا معلوم ہوا جیسے میں کسی چیز پر سوار ہوں۔ اور مزے سے بیٹھا ہوا چلا جا رہا ہوں۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آتی تھی۔ میں نے آزمانے کے لئے اپنے پاؤں ہلائے تو معلوم ہوا کہ میں سچ مچ کسی آدمی کی گردن پر سوار ہوں۔ اور میرے دونوں پاؤں کندھوں پر آگے کی طرف لٹکے ہوئے ہیں۔ اب تو میں اور بھی ڈرا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر میرے دل پر اس خیال ہی سے ایسا خوف طاری ہوا کہ میری آنکھیں کسی طرح نہ کھُلیں۔

میں بڑی تیزی سے اُڑا چلا جا رہا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ دو ڈھائی گھنٹے تک میں اسی طرح اُڑتا رہا۔ اُڑان کی رفتار کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ اس کے بعد کچھ ایسا معلوم ہوا کہ میں اُتر رہا ہوں۔ تھوڑی سی دیر میں میرے پاؤں زمین پر ٹک گئے۔ میں بہت خوش ہوا۔ میرا سارا ڈر جاتا رہا۔ آندھی بھی تھم چکی تھی۔ زندہ بچ رہنے کی خوشی میں، میں نے جھٹ پٹ آنکھیں کھول دیں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ

میں ایک جنگل میں ہوں۔ میرے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے اس کی شکل کالی کالی اور بہت بھونڈی بے ڈھنگی ہے۔ آنکھیں لال لال انگارے کی طرح چمک رہی ہیں۔ ڈاڑھی، مونچھیں، بھویں، اور سر کے بال کچھ ایسے عجیب ہیں کہ انھیں دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔

میں اُسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے میری یہ حالت دیکھی تو بڑے زور کا ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا:۔ "آخر تم یہاں آ ہی گئے۔ گھبراؤ مت آدمی کو گھر سے نکل کر دُنیا کی تھوڑی بہت سیر بھی کرنی چاہیے۔ اِس سے بہت سے کام بنتے ہیں"۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سیر کر دُنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی بھی کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

لوگ اتنے لمبے سفر پر دس بیس، سو پچاس نہیں سینکڑوں ہزاروں روپیے خرچ کرتے ہیں۔ تم نے ایک پائی بھی خرچ نہیں کی اور یہاں آ گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم کو اپنا گھر یاد آ رہا ہوگا، اپنے ماں باپ اور بھائی بہن یاد آ رہے ہوں گے۔ اپنے یار دوست اور اپنا شہر یاد آ رہا ہوگا۔

تم بہت جلد اُن سے ملنا چاہو تو میری بات مانو۔ میں جو کچھ کہوں وہ کرو۔ تم نے ایسا کیا۔ تو تم ان سب سے بہت جلد مل سکو گے میں تم کو اتنی دولت بھی دوں گا کہ مالا مال ہو جاؤ گے "۔ میں نے کہا۔" اِن باتوں کو رہنے دو۔ یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟ اور مجھے یہاں اس سُنسان جنگل میں کیوں لائے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں ایک جادوگر ہوں جادوگر بھی ایسا کہ آندھی چلانا۔ طوفان اُٹھانا۔ آدمی کی صورت بدل دینا۔ بات کی بات میں روپوں اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بتاؤ۔ تم میری بات ماننا اور میرا کہا کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

میں یہ سوال سُن کر حیران ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دوں۔ آخر یہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے! کام معلوم ہوئے بغیر ہاں کر لینا کسی طرح ٹھیک نہیں۔

میں نے کہا: "تم نے مجھے میرے ماں باپ، بہن بھائی، اور یار دوستوں سے جُدا کر کے اچھا نہیں کیا۔ نہ جانے میرے غم میں اُن کا کیا حال ہو گا۔ اچھا بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر وہ کام میرے کرنے کا ہوا تو ضرور کر دوں گا۔ رہا مال و دولت تو مجھے مال و دولت کا لالچ نہیں ہے۔"

جادوگر بولا: "ہم اِس وقت ایک جزیرے میں ہیں۔ یہ جزیرہ ہر ملک سے ہزاروں میل دور ہے۔ میری مدد کے بغیر تم کسی طرح یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ یہ جزیرہ بہت بڑا نہیں ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی بس اتنی ہے کہ دن بھر میں تم اس کی سیر کر سکتے ہو۔ وہ دیکھو وہ قریب ہی ایک اونچا پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ وہ کھڑکی بس اتنی بڑی ہے کہ تمھارا جیسا بچہ اُس میں گھس سکتا ہے۔ اُس میں گھستے ہی ایک زینہ نظر آئے گا اور زینہ اُترنے پر ایک باغ دکھائی دے گا۔ اِس باغ کے ٹھیک بیچ میں صاف پانی کا ایک حوض ہے۔ اُس حوض کے کنارے پر پہنچو گے تو ایک سُنہری مچھلی اپنے مُنہ میں ایک پنجرا دبائے ہوئے آئے گی۔ اُس پنجرے میں ایک مینا ہو گی۔ وہ مچھلی ہر روز ایک بار یہ پنجرا لے کر حوض کے کنارے پر آتی ہے۔ تم وہاں کھڑے رہنا۔ وہ پاس آئے تو اُس سے پنجرہ لے کر اُسی وقت واپس چلے آنا۔ اور کوئی لاکھ پکارے اور لاکھ کچھ کہے کسی کی ایک نہ سُننا بھاگ کر سیدھے زینے پر چڑھ آنا۔ وہ پنجرا تم نے میرے حوالے کر دیا تو میں تم سے بہت ہی خوش ہوں گا۔ اُسی وقت تمھیں تمھارے گھر پہنچا دوں گا۔ اور تمھیں دولت کا لالچ ہو یا نہ ہو، اتنی دولت دوں گا، اتنی دولت دوں گا کہ ساری عمر آرام سے زندگی بسر کرو گے۔

(باقی آئندہ)

دو خط

پیام تعلیم پیامیوں کا اپنا رسالہ ہے اس سے انھیں جتنی بھی محبت اور دلچسپی ہو کم ہے۔ پیامیوں خصوصاً چھوٹے بچّوں کے خط روزانہ آتے رہتے ہیں۔ ان خطوں میں پیام تعلیم سے محبت اور دلچسپی اس طرح ظاہر کی جاتی ہے کہ ایڈیٹر کی ہمتیں دوُنی ہو جاتی ہیں۔ نیچے ہم دو خطوں کے کچھ حصے شائع کر رہے ہیں۔ پہلا خط ایک حیدرآبادی پیامی کا ہے۔ کسی غلطی سے وی پی واپس آگیا تھا وجہ پوچھی گئی تو اُنھوں نے یہ جواب لکھا
دوُسرا خط ریاست دیر (سرحد) کے چھوٹے شاہزادے صاحب کا ہے۔

۱

...... ایڈیٹر صاحب آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ میں پیام تعلیم سے اپنا تعلق توڑ دینا چاہتا ہوں۔ یہ الزام میرے سر خواہ مخواہ تھوپا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ کاش آپ نے یہ جملہ اپنے خط میں نہ لکھا ہوتا......
ایڈیٹر صاحب میں پیام تعلیم کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک لڑکا ایسی چیز سے کیسے جُدا ہو سکتا ہے جس سے اُسے عشق ہو۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں اس رسالے کو اپنا سمجھوں گا اور اس کی ہر ممکنہ خدمت کرتا رہوں گا۔ مگر اس میں آپ کی بھی کوئی غلطی نہیں آپ کو کیا معلوم کہ میں آپ کے رسلے کا سچا عاشق ہوں۔ آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے پیام تعلیم سے محبت ہے یا نہیں۔ پیام تعلیم میرا حقیقی دوست ہے۔ جسے میں کسی قیمت پر بھی اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا جب میں چھوٹا تھا تو شرارت میری رگ رگ میں بھری تھی۔ میں اتنا شریر و شوخ تھا کہ لوگ مجھ سے ڈرتے تھے، کیوں انھیں میں اپنی واہیات شرارتوں سے بارہا تکلیف دیتا رہتا تھا۔ میں اپنے خاندان بھر میں ایک شریر اور نالائق کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر ایک دم مجھ میں ایک انقلاب آگیا۔ میں شرارت سے اپنا دامن جھٹک کر متین اور سنجیدہ بن گیا

میرے اس تغیر کا باعث محض پیام تعلیم ہے۔ ایک روز میں نے اپنے ایک دوست اکبر کے ہاں پیام تعلیم پہلی بار دیکھا اسے ساتھ اپنے گھر لاکر بغور مطالعہ کیا۔ اس کا ایک ایک لفظ شربت کا گھونٹ ثابت ہوا اور اس نے بہت جلد میرے دل میں گھر کرلیا۔ اب میں نے والد سے اپنے لئے پیام تعلیم جاری کرانے کو کہا، مگر وہ بہت دنوں تک یونہی ٹالتے رہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ بہت شریر ہے اسے رسالے سے کیا واسطہ۔ خواہ مخواہ اسے منگاکر پھاڑتا رہے گا۔ اپنے دوست کے پاس اس رسالے کو دیکھ کر خود بھی منگانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر بعد میں میرے اصرار پر آخر پیام تعلیم جاری کرا دیا گیا۔ میں اسے غور سے پڑھتا اور خوش ہوتا۔ رفتہ رفتہ مجھ میں مطالعے کا شوق بڑھتا گیا۔ اور شرارت کم ہوتی گئی۔ آج وہی لڑکا متین اور سنجیدہ بن گیا ہے۔ وہ جو گھر میں ہر وقت حشر بپا کرتا رہتا تھا آج اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ گھر والوں کو اب یہ تک محسوس نہیں ہوتا کہ آیا وہ گھر میں ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ وہ آج اپنے کمرے میں بند، مطالعے میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سب چیزیں اسے پیام تعلیم کی بدولت حاصل ہوئیں۔ اس لئے وہ اپنے دوست پیام تعلیم کو بہت عزیز رکھتا ہے۔ ---------

ام۔ اے عظیم قادری۔ حیدرآباد دکن

(۲)

محترم ایڈیٹر صاحب رسالہ پیام تعلیم، دہلی۔

تسلیم بصد نیاز۔ جب سے میں نے پیام تعلیم جاری کرایا ہے یہ بہت باقاعدگی سے ماہ بماہ آتا رہتا ہے۔ اس میں نہایت اعلیٰ درجے کے مضامین، معلومات اور کہانیاں درج ہوتی ہیں۔ یہ اردو سیکھنے کے لئے ایک بہت عمدہ رسالہ ہے۔ اس میں وہ باتیں ہوتی ہیں جو بچوں کے دوسرے رسالوں میں نہیں مل سکتی ہیں۔ میں آپ سے اور آپ کے رسالے سے بہت خوش ہوں۔

دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

تابعدار خیر خواہ رسالہ پیام تعلیم
محمد شہاب الدین خاں صاحب شہزادہ خورد ریاست دیر

ایک نہر کے کنارے

بندھو لال ٹیگور

بہتا ہے جیسے پانی — ہم میں بھی ہے روانی
اس کو نہیں ٹھہرنا — ہم کو بھی ہے گذرنا
یہ بڑھ کے ہوگا ساگر — ہم سے جہان اُجاگر
ہم بڑھ رہے ہیں آگے — عالم یہ ہم سے جاگے
جذبہ مرا جواں ہے — اور جہدِ جاوداں ہے

پھر روک لے گا کیوں کر
ان تیزیوں کو کوئی
ہے کس کو تاب اس کی

ہم تو نہ رُک سکیں گے — دیکھو نہ تم بھی رُکنا
لوہا چٹان، پتھر — سب کو اُٹھا ہٹانا
اور راہ میں ہمالہ — بھی گر پڑے بہانا
ہے راہ صاف میری — مقصد نشان ٹھکانا

اس رو میں گر پڑے کچھ
بہہ کر نہ دور جائے

مقصد مرا جگانا — پچھڑوں کو ہے بڑھانا

غفلت کو ہے مٹانا تاریکیاں ہٹانا
اور قوم کو ہے اپنی ذلت سے پھر اٹھانا
رفعت کی منزلیں سب ایک ایک ہیں بتانا
حق کو بلند کرنا باطل کو جڑ سے ڈھانا
ہم کو جناب ہم کو یہ سب ہے کر دکھانا
کوشش ہے اس کی جاری منزل کو ہیں روانا

اور کون ہے جہاں میں
جو روک لے گا ہم کو
ہے کس کو تاب اس کی

کچھ دن کے بعد یارو ہم ہی بنیں گے ہادی
ہے منحصر ہمیں پر قومی خوشی و شادی
نظریں اٹھا کے دیکھو ٹیگور نے ندا دی

آگے کو بڑھتے جاؤ
پیچھے نہ مڑ کے دیکھو
دیکھو نہ روکے کوئی
سیلاب یہ تمہارا
ہے کس کو تاب اس کی

ننھے میاں کی کہانی

صفیہ درّانی
دہلی

یہ مکان جس میں ہم رہتے ہیں بہت ہی پرانا ہے۔ میری امّاں کہا کرتی تھیں کہ ہمارے نانا کے وقت سے ہمارا کنبا یہاں رہتا ہے۔ اس گھر کے رہنے والوں نے کبھی ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی۔ میں یہاں کے رہنے والوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب میری عمر پچاس برس کی ہوگئی ہے اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ پھر بھی گھر کا کوئی آدمی قریب سے گذر جائے تو سونگھ کر فوراً بتا دیتا ہوں کہ کون تھا۔

میرا زیادہ وقت اندر ہی گذرتا ہے۔ کبھی کبھی موسم اچھا ہوتا ہے اور میں اندر بیٹھے بیٹھے اُکتا جاتا ہوں۔ اس وقت میری بیٹی اور داماد پکڑ کر مجھے باہر لے آتے ہیں اور ہوا کھلا کر پھر اندر لے جاتے ہیں۔ کھانے کی چیزیں چکنی چکنی بوٹیاں۔ روٹی کے نرم نرم ٹکڑے۔ اور قسم قسم کی مٹھائیاں یہ میرے لئے اندر ہی لے آتے ہیں اور میں مزے لے لے کر کھاتا ہوں۔

میرا نواسا اور نواسی اپنا پیٹ باہر ہی بھر آتے ہیں نواسی تو اس قدر شریر ہے کہ خود کھا پی کر کچھ نہ کچھ میرے لئے بھی لے آتی ہے۔ وہ کہتی ہے "نانا میاں جس دن سے میں نے باہر نکلنا شروع کیا ہے شاید ہی کوئی ایسا دن گذرا ہو جو میں نے پتیلی کا ڈھکنا سرکا کر دودھ نہ پیا ہو۔ دودھ اگر انگیٹھی پر ہو تو بھی میں گرمائی سے نہیں ڈرتی اور پی ہی آتی ہوں۔ گھر کے بچے تو مجھے بہت ہی پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں ہاں بڑوں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

ایک دن وہ خوب خستہ تلی ہوئی کچوریں لائی میں نے کہا "ننھی تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں خوب مل جاتی ہیں۔ کہاں سے ہاتھ لگیں یہ؟"

وہ بولی "نانا میاں آپ تو یہاں کے رہنے والوں کو جانتے ہی ہیں۔ وہ جو گورے سے میاں ہیں نا بھوری بھوری آنکھوں والے تو نانا میاں وہ تو بہت ہی لاپروا لڑکے ہیں۔ جب وہ اسکول سے آتے ہیں اور ان کی امّاں مزے مزے کی چیزیں انھیں کھانے کو دیتی ہیں تو وہ کچھ کھاتے ہیں اور باقی یوں ہی کُھلی میز پر رکھ کر کبھی کوٹھے پر پتنگ اُڑانے چلے جاتے

ہیں اور کبھی طوطے کے پنجرے کے پاس جا کھڑے ہوتے ہیں۔ بس پھر تو مکھی اور یہ چیونٹی خوب دعوت اڑاتی ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وہ تو کھائیں اور میں رہ جاؤں۔ میں بھی کرسی پر چڑھ کر میز پر چھلانگ لگاتی ہوں۔ وہاں سے یہ چیزیں نیچے گرادیتی ہوں اور اٹھا لے آتی ہوں۔ میں نے کہا "نا بیٹی! اس طرح بچوں بے چاروں کی چیزیں لینا ٹھیک نہیں۔ اگر تم وہاں سے لے آؤ جہاں ان کی اماں بہت سی چیزیں رکھتی ہیں تو خیر دوسری بات ہے۔"

میں کھجوریں کھا ہی رہا تھا کہ میرے نواسے منہ لٹکائے آپہنچے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ کھجور کا ایک ٹکڑا اٹھا کھانے لگے۔ ننھی لپک کر آگے آئی کہنے لگی "واہ بھیا تم تو خود ڈھونڈ ڈھانڈ کر ہزاروں چیزیں کھا سکتے ہو نانا میاں تو بوڑھے ہیں باہر جا نہیں سکتے تم کیوں حصہ بٹانے لگے۔"

وہ لبسور کر بولے "ہم پر تو آج خوب مار پڑی، اب تک ہڈیاں دکھ رہی ہیں۔"

"کیا ہوا" ننھی شرارت سے بولی۔

"وہ جو بیوی ہیں نا چھوٹی سی۔ آج جب وہ اسکول سے آئیں تو ان کی اماں جان نے انھیں تلی ہوئی کھجوریں دیں۔ انھوں نے کرسی پر بیٹھ کر مزے سے کھائیں۔ کچھ تھوڑے کاغذ میں لگی رہ گئیں، وہ کاغذ میں گھسیٹ کر ایک طرف کو لا رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا ڈنڈا جسے وہ پنسل کہتی ہیں میری پیٹھ پر پڑا اور اس کے ساتھ ہی وہ بولیں کہ بھائی کی چیزیں روز ہی کھاتا ہوگا۔ جبھی تو وہ موٹے پھرتے ہیں۔ میں تو وہاں سے ایسا بھاگا کہ بس یہیں آ کر دم لیا۔ اب بھوکا ہوں تم ہی بتاؤ کیا کھاؤں۔"

ننھی نے وہ ٹکڑا رحم کھا کر پھر دے دیا اور بولی "تم بڑے بزدل ہو، ذرا تو بہادر بنو۔"

غرض یہ کہ ہمارے دن مزے سے گذر رہے تھے۔ میں ننھی کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ دیکھو کبھی لالچ نہ کرنا اور نہ بہت نڈر ہو کر ان انسانوں کے سامنے جانا۔ آخر انسان ہی تو ہیں، کبھی غصہ نہ آ جائے۔ مگر وہ شریر لڑکی مانتی ہی نہ تھی۔

ایک دن ننھی کے آنے میں بہت ہی دیر ہو گئی میں نے اپنے نواسے سے کہا "ارے جا ذرا دیکھ تو یہ شریر کہاں رہ گئی۔ اس کی باتیں جینے کی نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، پر بڑے بڑوں کے کان کاٹتی ہے"

ایک گھنٹے کے بعد میرا نواسا واپس آیا اور چپکے چپکے اپنے ماں باپ سے کچھ کہا۔ وہ بھی مجھ سے کچھ کہے سنے بغیر اس کے ساتھ ہو لیے۔

انھوں نے واپس آ کر جو قصہ سنایا اس سے میرا دل دہل گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ ان بھوری بھوری آنکھوں والے میاں اور چھوٹی سی بیوی نے میری بے چاری نواسی کو ایک لوہے کی سلاخوں والے پنجرے میں قید کر لیا ہے۔ اس کے ماں باپ اور بھائی نے

بہت کوشش کی لیکن اپنے تیز دانتوں سے سلاخ کا ذرا سا حصّہ بھی نہ کاٹ سکے۔ اور وہ بے چاری قید میں رو رہی ہے۔ میری بیٹی اور داماد کہنے لگے "ابا میاں آپ تو ان انسانوں کی رحم دلی کی بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ انھوں نے تو ہماری اتنی سی بچّی پر ایسا ظلم کیا۔ اب اگر ہماری بچّی کو نہ چھوڑا تو ہم بھی انھیں کاٹ لیں گے ہمارے مُنہ میں بہت زہر ہے۔ ہم نے ہزاروں سانپوں کو کاٹا ہے۔ اور اُن سانپوں سے انھیں بچایا ہے۔ لیکن اب یہ زہر ہم اِن میں پہنچا دیں گے۔"

میں نے اُن کو بہت تسلّی دی اور کہا "تم کہیں ایسا نہ کرنا کہ اِن بچّوں کے کاٹ لو۔ جیسے ہمارے بچے ویسے یہ بچّے اور کیا اتنے دن تک اُن کے گھر میں رہنے کا ہم انھیں یہ بدلا دیں۔ انھوں نے سزا کے لئے اُسے بند کر دیا ہے۔ ایک دو دن میں چھوڑ دیں گے۔"

اِس بات کو کئی مہینے گذر گئے ہیں۔ ننھی اب تک قید خانے میں ہے۔ اُس کے ماں باپ اور بھائی اُسے روز جا کر دیکھ آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس کے پاس کٹوریوں میں دودھ اور روٹی سب کچھ رکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ نہیں کھاتی جب وہ بچّے اپنے دوستوں اور سہیلیوں کو بُلاتے ہیں تو ننھی کا پنجرا بھی میز کے قریب رکھ لیتے ہیں اُس سے کھیلنا چاہتے ہیں لیکن وہ نہیں کھیلتی۔ سب یہ کہہ کر خوش ہوتے ہیں کہ اہا کیسی چھوٹی سی نیولی لیکن وہ نہیں ہنستی۔

کوئی میری یہ بات اُن بھوری بھوری آنکھوں والے میاں اور اُن چھوٹی سی بیوی تک پہنچا دے کہ آزادی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ اس لئے میری نواسی بند پنجرے میں کبھی خوش نہیں ہو سکتی۔ وہ اُسے جتنی جلدی ہو سکے چھوڑ دیں۔



نینی تال کی سیر

معین الدین یونیورسٹی علی گڑھ

ہمیں نینی تال دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ پاپا نے اس مرتبہ ہمیں نینی تال لے جانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو پاپا کو یہ وعدہ یاد دلایا گیا۔ وہ تیار تھے اور سنیچر کے روز روانگی طے ہوئی۔ خدا خدا کرکے سنیچر کا دن آیا۔ سب لوگ علی الصبح اٹھ بیٹھے اور تیار ہوکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے بریلی تک تو بڑی لائن پر گئے۔ اس کے بعد چھوٹی لائن آر، کے، آر (R. K. R) کے ذریعے کاٹھ گودام پہنچے۔ یہاں سے لاری پر ۲۲ میل کا سفر طے کیا۔ بریلی تک تو ہمارا سفر آرام سے طے ہوگیا۔ مگر چھوٹی لائن کا سفر قیامت سے کم نہ تھا۔ جھلستی ہوئی ہوا اور مسافروں کی کثرت۔ خیر بہزار دقت کاٹھ گودام تک پہنچے۔ کاٹھ گودام کافی گرم جگہ ہے۔ یہاں سے ہمارا لاری کا سفر شروع ہوا۔ لاری اس قدر تیزی سے چلی جا رہی تھی کہ ہر موڑ پر پہنچ کر لڑھک جانے کا خطرہ ہوتا تھا۔ آدھا راستہ اطمینان سے طے ہوا اس کے بعد اکثر مسافروں کو چکر اور متلی شروع ہوگئی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھ کو نہ آتے میں نہ جاتے میں اس سے سابقہ نہ پڑا۔ خیر تھوڑی دیر بعد نینی تال کے مکانات نظر آنے لگے۔ اور آخر لاری اپنے اڈے (جھیل کے بالکل کنارے) پر پہنچ گئی۔ یہاں بہت سی لاریاں اور موٹریں کھڑی تھیں۔ ہماری لاری رکتے ہی قلیوں نے وہ چیخ پکار مچائی کہ خدا کی پناہ! ہم لاری سے اتر کر ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہوٹل جھیل کے عین وسط میں اور بالکل کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے جھیل کا منظر نہایت خوش نما معلوم ہوتا تھا۔ دونوں طرف آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ اور ان کے بیچ میں لانبی نیلگوں جھیل! کچھ عجب بہار تھی۔ شام کو شفق کا عکس جھیل میں پڑتا تو اس قدر خوش نما منظر نظر آتا کہ بس کچھ نہ پوچھیے جیسے پوری جھیل میں آگ لگی ہوئی ہو۔ رات کے وقت جب مکانوں کی روشنیاں جل جاتیں تو ایسا نظر آتا تھا جیسے کسی نے دیوالی کے دیے پہاڑوں پر جا بجا سجا دیے ہیں اندھیری رات میں جب ان کا عکس جھیل میں پڑتا تھا تو سچ جانیے، جیسے آسمان کے تارے ٹوٹ کر جھیل میں آ پڑے ہیں اور سطح پر پڑے دمک رہے ہیں گویا بجائے آسمان پر چمکنے کے

جھیل پر چمک رہے ہیں۔ ایسا بہترین منظر ہوتا تھا کہ بس دیکھتے ہی رہنے کو دل چاہتا تھا۔ خیر ہم نے کھانا وغیرہ کھا کر سیر کی ٹھانی اور ایسے گھومے ایسے پھرے گویا دنیا دیکھ ڈالی اور تھک کر چور گھر واپس آئے۔ سیر کے دوران میں ایک صاحب کو کسی جھاڑی میں نہایت خوش رنگ پھل تقریباً جامن کے برابر نظر آئے۔ آپ نے فوراً انھیں منہ میں رکھ لیا۔ منہ میں رکھنا تھا کہ آپ کی حالت دیکھنے کے قابل ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے منہ میں جیسے مرچیں بھر گئیں۔ بہزار دقت پانی وغیرہ پی کر طبیعت ٹھیک ہوئی اور آیندہ توبہ کی کہ کوئی پھل نہ چھوئیں گے۔ دوسرے دن یہاں کے بازار وغیرہ دیکھنے نکلے۔ یہاں جھیل کے دو حصے ہیں ایک کو "ملی تال" اور دوسرے کو "تلی تال" کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے دونوں طرف کے بازاروں کے نام ہیں۔ بازار ملی تال اچھا کھلا کھلا ہے۔ اکثر دکانیں مسلمانوں کی ہیں اس کے نیچے کی طرف یہاں کا کھیل کا میدان ہے۔ جہاں ہاکی، پولو، فٹ بال غرض سبھی کھیل کھیل لئے جاتے ہیں۔ اور گھوڑے ٹہلانے کے کام بھی آتا ہے۔ میدان کے بیچ میں سنیما ہے۔ اور ایک سرے پر "نینی دیوی" کا خاص مندر ہے۔ اس مندر میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں بے شمار گھنٹے گھنٹیاں لٹکی ہوئی ہیں اور پجاری ہر وقت اُن کو بجاتے ہیں۔ ہر وقت ٹن ٹن ٹن ٹن کا اک شور سا برپا رہتا ہے۔ مندر کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اگر آپ پانی میں آٹے کی گولیاں پھینکیں تو بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں چارے کے لالچ میں آپ کے پاؤں تلے جمع ہو جائیں گی۔ اس کے بعد ہم نے جھیل کے چاروں طرف چکر لگایا اور ایک کنارے پر بہت سے کشتی گھر (BOAT HOUSES) بنے ہوئے دیکھے۔ مثلاً گورنر کا کشتی گھر وغیرہ اس کے پاس ہی نینی تال کی خاص چیز "بادبانی کشتیاں" رکھنے کی جگہ تھی مگر اس وقت سب نکلی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد تقریباً دس ہے۔ یہ جھیل میں تیرتی ہوئی بہت خوب صورت نظر آتی ہیں۔ مگر صرف انگریزوں کے استعمال کے لئے ہیں۔ پھر ہم نے جگہ جگہ لوگوں کو مچھلی کا شکار کھیلتے دیکھا ان میں سے بعض نے بہت بڑی بڑی مچھلیاں پکڑ رکھی تھیں۔ پھر ہم کشتیوں پر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے ان کو دوسرے کنارے تک کھے کر لے گئے۔ جس میں بڑا مزا آیا۔ نینی تال کے نواح میں سات تال اور ہیں جیسے بھیم تال، سات تال، کھرپا تال وغیرہ ان میں سے بھیم تال نینی تال سے کچھ ہی چھوٹا ہے اور اس میں مچھلیاں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

نینی تال میں کئی انگریزی کالج ہیں جیسے سینٹ جوزف کالج، شیر وڈ کالج، فلنڈر اسمتھ کالج اور سینٹ میری لوئی کالج۔ چھوٹے لڑکوں کا اسکول سینٹ میری کانونٹ اور لڑکیوں کے لئے ولزلی گرلز کالج ہیں۔

ہمارے یہاں رہنے کے زمانے میں سالانہ ہاکی ٹورنامنٹ ہوا جس میں علی گڑھ ینیتھرس، بریلی کالج، گولڈن کلب نینی تال اور نینی تال کے سب کالج شریک ہوئے تھے۔ علی گڑھ ینیتھرس نے اوّل سب کو ہرایا مگر نینی تال گولڈن کلب سے فائنل میں صرف ایک گول سے ہار گیا۔ اور ٹرافی گولڈن کلب نے حاصل کی۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ایک "نمائش فنونِ لطیفہ" بھی ہوئی جس کا افتتاح گورنر یو پی نے کیا۔ اس نمائش میں بعض نادر تصویریں بھی تھیں۔ نمائش کے کوئی ایک ہفتہ بعد "سالانہ فوجی نمائش" ہوئی جس میں علاوہ دوسرے کرتبوں کے رات کو مصنوعی جنگ بھی دکھائی گئی۔ سپاہی مشعلیں تھامے ہوئے مخالف پر بڑے جوش سے حملہ کرتے تھے اور بالکل اصلی جنگ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ خاص کر مشعلوں کی ہری پیلی سُرخ روشنی کا جھلمل جھلمل کرتے ہوئے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر ہلنا جلنا، اس پر بینڈ کی دل کش آواز سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی تھی۔ ایسا عُمدہ سماں تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

نینی تال میں کئی اونچی چوٹیاں ہیں جن میں سب سے اونچی "چینا پیک" (CHEENA PEAK) کہلاتی ہے۔ یہاں سے دُور فاصلے پر برف دکھائی دیتی ہے۔ مگر برف کا خاص نظارہ دیکھنے کے لئے لوگ علی الصبح ایک چوٹی "سنو ویو" (SNOW VIEV) پر جاتے ہیں۔ خیر ایک دن ہم نے "چینا پیک" پیدل جانے کا ارادہ کیا اور دوسرے دن علی الصبح روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے تھک گئے مگر راستہ تھا کہ شیطان کی آنت ختم ہی نہیں ہو چکتا تھا۔ دونوں طرف اونچے اونچے چیڑ اور (FIR TREE) کے گھنے جنگل تھے جن میں بمشکل روشنی پہنچ سکتی ہے۔ خدا خدا کر کے راستہ ختم ہوا۔ اور ہم تھک کر کچھ دیر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ پھر دور چمکتی ہوئی برف دیکھی جو سورج کی تازہ کرنوں سے جگمگا رہی تھی۔ یہ شوالک پہاڑ کا سلسلہ ہے جو شملہ مسوری، نینی تال وغیرہ ہوتا ہوا دُور تک چلا گیا ہے پھر ہم نے دُوربین سے "رانی کھیت" اور "الموڑہ" دیکھے اُن کے مکانات صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ سات مشہور پہاڑیاں دیکھیں۔ پھر نینی تال دیکھا۔ سارا نینی تال تصویر کی طرح سامنے پھیلا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جغرافیے کا "ماڈل" بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم لوگوں نے یہاں طرح طرح کے کھیل کھیلے اور کھانا وغیرہ کھا کر واپس آئے۔ وہاں سے آ کر پھر کشتی میں سیر کی۔ تھوڑے ہی دن بعد ہمارے سکول کھلنے کی تاریخ قریب آ گئی۔ اور ہم کو مجبوراً بڑی حسرت کے ساتھ نینی تال اور اس کی دلچسپیوں کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور دوسرے ہی دن ہم گرمی میں جھلستے علی گڑھ واپس آ موجود ہوئے۔ یہ ہنسی خوشی کا ایک مہینہ ایسا گذر گیا کہ پتہ بھی نہ چلا۔ افسوس ہے کہ ہم نینی تال کے قریب کے ساتوں تال نہ دیکھ سکے۔ خیر پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ انشاء اللہ

لیون ٹراٹسکی

برکت علی صاحب فراق۔ بی اے (جامعہ)

۲۳ اگست کے اخباروں میں ایک بہت بڑے آدمی کے قتل کی خبر چھپی۔ یہ بڑا آدمی لیون ٹراٹسکی تھا۔ روزانہ اخبار پڑھنے والے تو تھوڑا بہت اس کا حال جانتے ہوں گے مگر ہمارے پیامیوں میں سے بہت کم ہوں گے جنھیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوگا انھی کے لئے ہم لیون ٹراٹسکی کا مختصر سا حال لکھتے ہیں۔

لیون ٹراٹسکی روس کے ایک یہودی کسان کے گھر ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا۔ اصلی نام لیبا بران اشٹین تھا اس زمانے میں روس کا بادشاہ بہت طاقت ور اور ظالم تھا۔ اس کی حکومت میں روس کے کسان اور مزدور بہت مصیبت میں تھے۔

ویسے بھی یہ زمانہ بہت نازک تھا۔ یورپ کے اور ملکوں کے مزدوروں کو بھی یہ خیال ہوگیا تھا کہ کارخانے کے مالک ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ اس کا علاج ہونا چاہئے لیون ٹراٹسکی کے پیدا ہونے سے کوئی ۲۵ برس پہلے جرمنی میں مزدوروں نے حکومت سے اپنی بہت سی باتیں منوا لی تھیں اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جرمنی میں ایک یہودی کارل مارکس تھا۔ یہ بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے اپنی کتابوں کے ذریعے مزدوروں کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ دنیا میں جو لوگ محنت کرتے ہیں انھی کو دنیا کی دولت کا مالک بھی ہونا چاہئے۔ لیکن ہوتا ہے اس کے خلاف۔ جو لوگ کھیتوں میں مر مر کر ہل چلاتے کارخانوں میں بارہ بارہ، چودہ چودہ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ انھیں پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہیں ہوتی اور زمیندار اور کارخانوں کے مالک مزے سے عیش کرتے ہیں اس لئے دنیا کے تمام مزدوروں کو چاہئے کہ وہ آپس میں مل جائیں اور اس ظلم کو جڑ سے مٹا دیں۔ کارل مارکس نے کتابیں ہی نہیں لکھیں اس نے ملکوں ملکوں کا دورا کیا۔ اور مزدوروں میں اپنے خیالات کو پھیلایا۔ مزدور اس وقت بہت مصیبت میں تھے انھیں جو اپنا ایک ہمدرد ملا تو دل سے اس کے ساتھ ہوگئے اور جگہ جگہ مزدوروں کی انجمنیں بن گئیں۔

کارل مارکس کے ساتھی روس بھی پہنچے۔ وہاں مزدوروں اور کسانوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور

ان کی ہدایت کے مطابق اپنی انجمنیں بنالیں۔ وہاں کا بادشاہ اس قسم کے لوگوں سے بہت جلتا تھا۔ حکومت یا حکومت کے قانون کے خلاف کوئی بھی کچھ کہتا تو وہ پھانسی کے تختے پر چڑھتا یا جلاوطن ہوتا۔ لیکن لوگ توحکومت کے ظلموں سے تنگ آچکے تھے وہ اِس بادشاہت ہی کو ختم کرنے پر تُل گئے۔

لیون ٹراٹسکی اس وقت اوڈیسا کی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ سترہ، اٹھارہ برس کی عمر ہوگی۔ وہ کارل مارکس کی کتابیں اور مضمون بہت شوق سے پڑھتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس پر کارل مارکس کے خیالات کا اثر ہوا، اور وہ ایک انقلابی جماعت کا ممبر بن گیا۔ منچلا تو وہ شروع سے تھا۔ انقلاب کے کاموں میں بہت آزادی سے حصہ لینے لگا۔ اس زمانے میں پوری یونیورسٹی میں یہی خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ اسی آزاد خیالی کی سزا میں اسے یونیورسٹی سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا گیا۔

یونیورسٹی سے الگ ہونے کے بعد لیون ٹراٹسکی مزدوروں میں باقاعدہ کام کرنے لگا۔ آدمی بہت مخلص تھا اور پرجوش تھا، تقریر بھی خوب کرلیتا تھا۔ اس لئے مزدوروں کی جماعت میں بہت جلد مقبولیت حاصل کرلی۔ تمام مزدور اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اب وہ حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ چنانچہ جب وہ جنوبی روس میں تھا تو مزدوروں کی انجمن کے ایک ممبر کی حیثیت سے انقلابی سازشوں کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس سے پہلے روسی انقلاب کا بانی یعنی لینن اور اُس کا ساتھی چیچانوف جلاوطن کر دئے گئے تھے اور اس وقت لندن میں تھے۔ لیکن ٹراٹسکی کو سائبیریا جلاوطن کیا گیا۔ یہ اس زمانے میں بہت ہی غیر آباد جگہ تھی۔ آب وہوا بھی بہت خراب۔ ٹراٹسکی نے اپنے پرانے نام بران اسٹین کی جگہ نیا نام لیون ٹراٹسکی رکھا اور اسی نام سے پاسپورٹ حاصل کرکے یہاں سے نکل بھاگا اور سیدھا جنیوا پہنچا۔ بعد میں وہ اسی نئے نام سے دنیا میں مشہور ہوا۔

جنیوا میں اس نے اخباروں کے ذریعے اپنے خیالات پھیلانے شروع کئے اور روس کے جلاوطن انقلابیوں کو ایک جھنڈے میں لانے کی کوشش کرنے لگا ان سرگرمیوں کی بدولت وہ یہاں سے بھی نکالا گیا۔ اب وہ لندن پہنچا۔ لندن میں لینن اور چیچانوف پہلے سے موجود تھے۔ لینن سے اس کی پہلی ملاقات یہیں ہوئی یہ تینوں یہاں روسی انقلاب کی تیاریاں کرنے لگے۔

ان تینوں کی جلاوطنی کے باوجود روس میں مزدوروں اور کسانوں کی تحریک برابر ترقی کر رہی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں انقلاب کی آگ بڑھتے بڑھتے بادشاہی محل تک پہنچ گئی۔ مزدوروں نے شاہی محل کو گھیر لیا۔ اور بادشاہ کو اپنی جان کا ڈر ہوگیا۔ ان تینوں کو لندن میں اس کی خبر ہوئی تو فوراً وہاں سے روس کی طرف چل کھڑے

ہوئے۔ مگر جب یہ وہاں پہنچے، روسی حکومت بغاوت کو دبا چکی تھی۔ یہ لوگ وہاں پہنچتے ہی گرفتار کر لیے گئے۔ لینن کو فوراً جلاوطن کر دیا گیا۔ ٹراٹسکی کو ایک سال کی قید ہوئی۔ ایک سال کے بعد اُسے بھی تمام عمر کے لئے جلاوطنی کی سزا ہوئی اور سائبیریا بھیج دیا گیا۔ سائبیریا سے کسی نہ کسی طرح وہ پھر بھاگ نکلا۔ اب کی وہ ویانا پہنچا۔ یہاں اُسے کام کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ ۱۹۱۲ء تک وہ یہیں رہا۔ اسی سنہ میں وہ یہاں سے بھی نکالا گیا۔ یہاں سے وہ جرمنی گیا۔ یہاں بھی یہی حشر ہوا۔ برطانیہ اور فرانس میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ آخر امریکہ میں پناہ ملی۔ وہ نیویارک میں آکر ٹھہرا۔ اور یہیں اس نے نئی دنیا کے نام سے ایک اخبار نکالا۔ یہ اخبار ۱۹۱۷ء تک جاری رہا۔

۱۹۱۴ء میں بڑی لڑائی چھڑ گئی اور یورپ کے قریب قریب سبھی ملکوں کو اس میں حصہ لینا پڑا۔ روس کو بھی۔ روس کے انقلابیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ ملک میں چاروں طرف مزدوروں کی تحریک پھیل گئی۔ سب سے خطرناک چیز فوج کے سپاہیوں کی بغاوت تھی۔ سپاہیوں نے روسی حکومت کی طرف سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ مزدور اور کسان اپنے اپنے کام بند کر کے بیٹھ رہے۔ ملک کا انتظام حکومت کے بس سے باہر ہو گیا۔ ۱۹۱۷ء میں حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر ایک پنچایت بنائی اور اپنے بہت سے اختیارات اسے سونپ دئے۔ لیکن اس پنچایت میں جو لوگ آئے وہ وہی لوگ تھے جو غریبوں کا خون چوستے تھے۔ سرمایہ دار اور زمیندار۔ اس لئے مزدوروں کی تحریک برابر جاری رہی اور حالت دن پر دن بدتر ہوتی گئی۔

لینن، ٹراٹسکی اور دوسرے جلاوطنوں کو روس کے ان حالات کی خبر ہوئی تو سیدھے اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔ اور مزدوروں کی تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء تک پنچایت کو بھی ختم کر دیا اور بادشاہت کو بھی۔ حکومت مزدوروں کے ہاتھ میں آ گئی۔

لیکن حکومت کے ہاتھ میں آجانے سے انقلابی لیڈروں کی دشواریاں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ ملک کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا، نئے سرے سے حکومت کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ٹراٹسکی لینن اور اُن کے ساتھی اس کام کی دشواریوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

مزدوروں کی جماعت نے لینن اپنا صدر چنا اور لینن نے ٹراٹسکی کو وزیر خارجہ اور پھر وزیر جنگ بنایا۔ ان دونوں عہدوں کے زمانے میں اس نے بہت کام کیا۔ اسی کی خوش انتظامی کی بدولت ملک سے مخالفوں کا وجود بالکل ختم ہو گیا۔ اور مزدوروں کی حکومت کے خلاف سازش یا بغاوت کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اُس نے

زار کے زمانے کے تجربہ کار فوجیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک زبردست فوج تیار کی۔ اس میں تمام انقلابی مزدور اور کسان شریک تھے۔ اس فوج نے پولینڈ کی فوجوں کو جو روس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں تہس نہس کر دیا۔ اس فوج کا نام ٹراٹسکی نے سُرخ فوج رکھا۔ یہ نام اب تک چلا آ رہا ہے۔ انقلاب کے زمانے میں ریل اور بجلی دونوں چیزیں تقریباً تباہ ہو چکی تھیں۔ اب ان دونوں کو ٹھیک کرنے کا کام بھی اسی کے سپرد کیا گیا۔ اس زمانے میں ٹراٹسکی نے ملک کی تمام آبادی کو کام کرنے پر مجبور کیا۔ یہ لوگ دن بھر کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ کھانا کپڑا اور ضرورت کی دوسری چیزیں اُنھیں حکومت کی طرف سے فراہم کی جاتی تھیں۔

غرض یہ ٹراٹسکی کی محنت اور ہوشیاری کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے دنوں میں مزدوروں کی حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی اور ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔

جب ان کاموں سے فرصت ملی تو لینن نے ایک پانچ سالہ پروگرام بنایا مقصد یہ تھا کہ ملک کی صنعت و حرفت تجارت اور کھیتی باڑی کو پھر سے ترقی ہو اور عام لوگوں کو فارغ البالی اور اطمینان نصیب ہو۔ ٹراٹسکی اس کام میں بھی گویا لینن کا دایاں ہاتھ تھا

۱۹۲۴ء میں لینن مر گیا۔ اب ٹراٹسکی اکیلا رہ گیا اس نے انقلاب سے پہلے انقلاب کے زمانے میں انقلاب کے بعد جو کچھ کام کیا تھا اُسے دیکھتے ہوئے لینن کے بعد صدر اسی کو ہونا چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ لینن کی زندگی ہی میں کام کرنے والوں میں آپس جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ سوائے لینن کے اور دوسرے تمام لوگ ٹراٹسکی کے خلاف تھے۔ ان سب دشمنوں کا سردار سٹالین تھا جو آج کل روس کی حکومت کا صدر ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ ٹراٹسکی ہماری پارٹی میں باقاعدہ طور پر ۱۹۱۷ء میں شریک ہوا (یعنی بہت دیر میں) پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ اس پر حکومت پر اثر قائم ہو جائے۔"

لینن کے مرنے کے بعد ٹراٹسکی اور اس کے مخالفوں میں اختلاف یہاں تک بڑھا کہ آخر کار اُسے جلاوطنی کی سزا دی گئی اس سزا کے بعد وہ ترکی چلا آیا لیکن موجودہ روسی حکومت کے اثر سے وہ یہاں سے نکال دیا گیا۔ اب وہ جس ملک میں جاتا وہیں سے نکالا جاتا۔ امریکہ میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ آخر وہ میکسیکو چلا گیا۔ اور آخر وقت تک یہیں رہا۔

میکسیکو میں کئی بار اس پر حملے ہوئے اس کے قتل کی سازشیں ہوئیں مگر ناکام رہیں مگر یہ آخری سازش کامیاب ہوئی اور جانسن نامی ایک یہودی نے دوست بن کر اس کا کام تمام کر دیا۔

دُنیا کے ہر بڑے آدمی کی طرح ٹراٹسکی نے بھی عمر بھر اپنے مقصد کی خاطر مصیبت اُٹھائی اور اسی کی خاطر جان بھی دی اس کی شخصیت اور مرتبے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود اس کا دشمن سٹالین اس کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"اکتوبر کے انقلاب میں مزدوروں کے ہاتھ میں جو طاقت آئی اُسے حاصل کرنے میں ٹراٹسکی نے جو کام کئے وہ اسی کا حصہ تھے مزدوروں کی پنچایتوں کے ہاتھ میں اس قدر جلد طاقت کے آجانے اور اس کے بعد انقلابی فوجی کمیٹی کی ساری کامیابی کا سہرا حقیقت سے ٹراٹسکی کے سر ہے۔"

ہم آبشار دیکھنے چلے

سید ابو نعیم صاحب فرید آبادی

کیا اچھا ہوتا اگر ہم آبشار دیکھنے کی نیت ہی نہ کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ غیب کی خبر تو بندوں کو ہوتی ہی نہیں۔ ہزاروں انسان ہر سال کورٹالم کا آبشار دیکھنے اور اُس میں غسل کرنے جاتے ہیں۔ اگر ہم نے اُس کے دیکھنے کی نیت کی تو کیا غضب کیا

نہیں مگر ایک غضب ضرور کیا۔ وہ کیا؟ وہ ہم پھر بتلائیں گے۔ اِس وقت تو ہم ایک گول سی بات کہے دیتے ہیں کہ ہم سے ذرا سی سستی ہو گئی۔ بس ذرا سی۔

مولوی صاحب قبلہ کو ہم نے مہینہ بھر پہلے یہ لقمہ دیا کہ وہ جنوبی ہند کے اُس پُر فضا قصبے کو ضرور دیکھیں جس کا نام کورٹالم ہے اور جہاں ایک بہت بڑا آبشار گرتا ہے۔

مولوی صاحب نے جب یہ پوچھا کہ "تم بھی چلو گے"۔ تو ہم نے آگے پیچھے کی سوچے بغیر کہہ دیا کہ "ہاں صاحب ضرور"۔

پروگرام پرنسپل صاحب نے بنایا۔ وہ یہ کہ "وہ اور مولوی صاحب قبلہ ڈنڈیگل سے ۱۵ تاریخ کو تری وبندرم جائیں۔ ۱۸ کی صبح کو وہاں سے لوٹیں اور راستے میں کورٹالم کے اسٹیشن (تنکاسی) پر ۲½ بجے دوپہر اُتریں۔ میں ڈنڈیگل سے ۱۸ کی صبح کی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں جو تنکاسی ۱۲½ بجے پہنچتی ہے۔ اور اِس طرح مولوی صاحب کی ریل سے تقریباً ۲ گھنٹے پہلے پہنچ جاؤں، بشیر باورچی کو ساتھ لے کر۔"

جب یہ پروگرام بن رہا تھا تبھی مولوی صاحب نے بدشگونی کی اور کہا "یہ لڑکا بہت سست ہے اِس کو صبح کی گاڑی شاید ہی ملے۔ میں نے کہا "صاحب ایسا بھی ہیں کیا بالکل گویا مرزا پھویا ہوں کہ صبح ۶½ بجے بھی اسٹیشن پر نہ پہنچ سکوں گا۔"

پرنسپل صاحب نے میری طرف داری کرتے ہوئے کہا "نہیں نہیں یہ ضرور پہنچ جائیں گے۔ کیا ایک دن سویرے اُٹھنا اتنا مشکل ہے"۔

"اور صاحب میرے پاس الارم ٹائم پیس ہے" میں نے کہا۔

مولوی صاحب نے شاید مجھے جلانے کو کہا

"مگر تم لوگ اُٹھ کر الارم بند کر دیتے ہو اور پھر سو جاتے ہو۔ الارم کوئی ڈنڈے تو مارتا نہیں۔"

میں نے کہا "مولوی صاحب آپ تو تصویر کا بدترین پہلو دیکھتے ہیں۔"

الغرض میں نے بڑی قسما دھرمی سے یقین دلایا کہ میں اُن سے دو گھنٹے پہلے تنکاسی کے اسٹیشن پر ملوں گا۔

پرنسپل صاحب نے مدراس کے ایک دوست کو خط لکھ دیا کہ وہ اپنے کورٹالم کے بنگلے کے چوکی دار کو تار دے دیں کہ دو تین دن کے لئے مولوی صاحب اس میں قیام کریں گے۔

۱۷ تاریخ آئی۔ ہم نے سفر کی تیاری مکمل کر لی۔ شام ہی سے الارم دو تین مرتبہ لگا کر دیکھ لیا کہ بالکل ٹھیک کام کرتا ہے۔

بشیر نے پوچھا "کیوں صاحب کھانے پینے کا سامان اور پتیلیاں وغیرہ بھی ساتھ لے جاؤں یا ضرورت نہیں۔"

ہم نے کہا "مطلق ضرورت نہیں۔ ہم کورٹالم کے ایک شان دار بنگلے میں ٹھہریں گے۔ وہاں لڑے قلفلے کا سامان موجود رہتا ہے۔"

بشیر نے کہا "خیر میں احتیاطاً وہ چھوٹا صندوق لے لوں گا جس میں دو پتیلیاں اور ایک دو رکابیاں ہیں۔"

میں نے جواب دیا "اگر تم ایسی احتیاط کرو گے تو بہت بڑی حماقت کرو گے۔ بھلا سفر میں خواہی نخواہی بوجھ سے چلنے سے فائدہ!"

اُس نے کہا "اجی بوجھ تو ریل لے جائے گی ہم کیا سر پر لادیں گے۔"

ہم نے یہ سوچا کہ یہ بے وقوف ہے، کیوں مغز مارے۔ لہٰذا اُس سے کہہ دیا کہ "اچھا۔ تمھارا جی چاہتا ہے تو لے چلو۔ باقی یہ سب بے کار ہے۔ وہاں کھانے پینے برتنے کا سب سامان تیار رہتا ہے۔"

۱۸ مئی کی صبح کو ۲½ بجے الارم بجا اور ہم کلمہ پڑھتے ہوئے اُٹھ بیٹھے گھڑی دیکھی۔ اٹھ انگڑائی لیتے ہوئے خود ہی کہا "اوہ۔ یہ تو کم بخت ۱۵ منٹ پہلے بول پڑا۔ چلو ذرا سستی اتار لو، تھوڑی دیر۔"

بہت ایمان داری سے ہم نے صرف ۱۵ منٹ تک سستی اتاری اور پلنگ پر خوب انگڑائیاں لیں پھر اُٹھ کر نماز وغیرہ کی تیاری کی۔ نماز سے فارغ ہو کر جانے کا لباس پہنا۔ معلوم نہیں کس جگہ دیر ہوئی۔ اب جو گھڑی دیکھی تو ۴½ بجے تھے۔ گاڑی چھوٹنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ اب ہم ذرا گھبرائے اور گھبرا کر سوتے ہوئے لڑکے کو جگا کر کہا "لپک کر کوئی سواری لا۔" وہ آنکھیں ملتا چلا سواری لینے اور ہم نے ٹہلنا شروع کیا۔ بشیر باورچی اپنے سامان کے ساتھ تیار تھا اور ہم بھی تیار تھے۔ مگر کم بخت سواری نہ تھی۔ یہ

گھوڑوں کی سواری ایسی ہی بے تکی ہوتی ہے۔ جلدی ہی کے وقت گھوڑا سبت بھی کرتا ہے۔ جکڑ ہی کاٹتا ہے اور سیدھا کھڑا بھی ہو جاتا ہے۔ جب تک سواری نہ آئی ہم سواری لانے والے کو اور دُنیا کے تمام گھوڑوں کو کوستے ہی رہے۔ سواری آئی ہم بیٹھ کر لپکے لپکے چلے جب اسٹیشن رہ گیا کوئی ۱۰ گز کے قریب تو کیا دیکھتے ہیں کہ انجن صاحب چھک چھک کرتے چلے جا رہے ہیں اور اُن کے پیچھے کی ساری گاڑیاں بھی۔ بس اس وقت نہ جلنے ہمارے سینے میں، نہ جلنے ہمارے دل میں کس جگہ درد ہوا۔ آہ تو نہ نکلی مگر رونے کو جی چاہنے لگا۔ اُتر کر پہلے تو بابوؤں سے پوچھا کہ یہ ریل کیوں چلی گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ "یہ تو ۵ منٹ دیر سے روانہ ہوئی ہے" ہم نے کہا "کاش یہ یا تو ۵ منٹ پہلے ہی چلی جاتی کہ ہم اس کو جاتا نہ دیکھتے۔ یا اگر لیٹ ہوئی تھی تو ابھی اور ۱۰ منٹ نہ چلتی۔ بابوؤں نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی ظاہر کی، مگر ہمارا جی اس وقت جل رہا تھا۔ بس نہیں تھا کہ ریلوے کے تمام محکمے کو بھون کر کھا جاتے۔

دوسری ریل کافی دیر بعد چلتی تھی اور منزلِ مقصود پر ۶ گھنٹے بعد پہنچتی تھی یعنی بجائے دوپہر کے بارہ بجے کے شام کے ۶ بجے پہنچتی تھی۔

ایک تار تنکاسی کے اسٹیشن پر ہم نے مولوی صاحب کو دے دیا اور اس میں لکھا کہ شام کو پہنچ رہا ہوں۔

اُس وقت سے لے کر شام تک ہم کھولتے ہی رہے۔ دُنیا کی ہر چیز بری معلوم ہو رہی تھی۔ مولوی صاحب کے غصّے اور پریشانی کا خیال کر کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔

بارے چھ بجے ہم تنکاسی کے اسٹیشن پر پہنچے مولوی صاحب ٹہل رہے تھے، ہمارے اُترنے سے پہلے ہی اُنھوں نے ایک جھکی میں کہا "آئیے۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید اس ٹرین سے بھی آپ تشریف نہیں لائے"۔

ہم نے مسکرا کر اور کافی سے زیادہ مسکراتی شکل بنا کر کہا "کیا عرض کروں۔ واللہ قبلہ صرف دو منٹ کی دیر ہو گئی"۔

اُنھوں نے کہا "میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ صبح اُٹھو۔ تمھارے لئے موت ہے تم دُنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے ......"

ہم نے جلدی سے گفتگو کا رُخ بدلنے کو کہا "آپ نے سُنا؟ وہ فرانس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے"۔

"جہنم میں جائے فرانس اور تم"۔

ہم نے خیریت اسی میں سمجھی کہ چپکے سے اسٹیشن کے باہر چلے جائیں۔ موٹر بس تیار تھی، سامان لاد کر کورٹالم جانے کو بیٹھ گئے۔ یہاں سے کورٹالم ۵ میل تھا۔ پہنچتے پہنچتے مغرب کا وقت ہو گیا۔ سڑک پر سامان

رکھ کر اور بشیر کو بٹھا کر ہم اس بنگلے کی تلاش میں نکلے جہاں ٹھہرنا تھا۔ کورٹالم پہاڑ کے دامن میں آباد ہے اکثر مکانات پہاڑ پر ہیں۔ ایک قلی لڑکے کو ہم نے راستہ بتانے کے لیے ساتھ لے لیا تھا۔ مدراس والے صاحب کا بنگلہ کافی دور تھا اور ہم کو خاصا اونچا چڑھنا پڑا۔ جوں ہی اس بنگلے میں گھسے ایک جنگ جو کتے نے ہماری مزاج پرسی کی۔ بارے شکر ہے کہ ایک شخص، معقول صورت آگیا۔ اس نے کتے کو چمکار کر بلایا اور ہم سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا بات وات کیا ہوتی، ہم یہاں ٹھہریں گے۔

اس نے پوچھا "آپ ہیں کون؟"

ہم نے جواب دیا "ہم کوئی بھی سہی، مگر اس مکان میں ٹھہریں گے۔"

اس نے کہا "آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ چھ مہینے کو میں نے یہ پورا مکان کرایہ پر لے لیا ہے۔"

ہم نے کہا "کیا کہا؟ اب کے کہنا۔"

اس نے جواب دیا "آپ نے سن لیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کتے کو پیار کرتا کمرے میں چلا گیا اور ہم منہ تکتے کے تکتے رہ گئے۔

سوال یہ تھا کہ اب کیا ہو؟ یعنی اب کہاں ٹھہریں۔

اب ہم کو اس قصبے کی زمین، آسمان، درخت ہوائیں سب ڈراؤنی معلوم ہو رہی تھیں۔ نئی جگہ پھر زبان بھی نئی۔ یعنی اس سرزمین میں ٹامل بولی جاتی ہے۔ اور ہم کو ٹامل کی شد بد ہی آتی تھی۔

پھر اور مکان تلاش کرنے کا مضمون الگ دل بٹھائے دیتا تھا۔

اچھا اگر مکان مل گیا تو چولھا، توا، ہانڈی کہاں سے آئے گی؟

غرض ڈرتے ڈرتے ہم ایک گھنٹے تک کرایے کا مکان اس اندھیری رات میں تلاش کرتے رہے۔

مکان مل گیا۔ ہاں مل گیا۔

مگر نہ اس میں پلنگ تھا نہ برتن حتیٰ کہ لالٹین تک نہ تھی، بس ایک کرسی اور ایک بنچ تھی اور اللہ کا نام اور محمد کا کلمہ۔

سوچو تو سہی کہ ہم پر کیا گزری ہوگی۔

بشیر باورچی کا سامان اس وقت اتنا کام آیا کہ کیا بتائیں۔ اگر وہ سامان نہ ہوتا تو شاید ہم فاقے ہی کرتے رہتے۔

مگر دیکھنا۔ جو مزا تکلیف میں بعض دفعہ آتا ہے وہ راحت میں بھی نہیں ملتا۔ آدمی کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور رہا آدمی کو سستی بھی نہیں کرنی چاہیے۔

فرانس

محمد عبدالقادر فاروقی حمایت نگر

فرانس کا رقبہ ۲ لاکھ ۱۳ ہزار مُربع میل ہے۔ اِس کی آبادی ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ ہے۔ آبادی کا ۴۹ فی صدی حِصّہ شہروں میں بستا ہے۔ اور کوئی آدھا حِصّہ کاشتکار اور اہلِ حرفہ ہے۔

فرانس کا ساحل بہت لمبا ہے۔ بحرِاوقیانوس پر اس کے ساحل کی لمبائی ۱۳۰۴ میل ہے، اور بحرِ متوسط کا کنارا ۴۵۶ میل لمبا ہے۔ عام طور پر مُلک فرانس ہموار ہے پھر بھی آدھے سے زیادہ حِصّہ سطحِ سمندر سے ۶۵۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ مُلک میں دریاؤں کی بُہتات نے تجارت کے لئے سہولیت پیدا کر دی ہے۔ یہاں کے دریا سُست رفتار اور جہازرانی کے قابل ہیں۔ سوئٹزرلینڈ، جرمنی اور بلجیم کے کوئلے اور لوہے کا بڑا حصہ اِسی راستے سے آتا ہے۔ مارسلز، ڈنکرک، بورڈو اور کیلے مشہور بندرگاہیں ہیں۔ ان بندرگاہوں سے درآمد برآمد بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ مُلک میں زبردست ہوائی مرکز ہے۔ یہاں سے سارے یورپ اور فرانسیسی افریقہ کو ہوائی جہاز جاتے ہیں۔ سارے ملک میں ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اکثر ریلیں اور میل گاڑیاں بجلی سے چلتی ہیں۔

فرانس میں ۴۰ فی صدی لوگوں کی آبادی کا اِنحصار کاشتکاری پر ہے۔ ہندوستان کی طرح فرانس میں بھی زمینیں زمینداروں کے قبضے میں ہیں۔ یہ کسانوں کو کاشت کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دے دیتے ہیں۔ ۸۰ فی صدی زمینوں میں گیہوں، جو اور جوار بوئے جاتے ہیں اور صرف ۲۰ فی صدی زمینوں سے مختلف قسم کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے۔ فرانس شراب کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ اوک کے درخت جس کی لکڑی سے کارک بنائے جاتے ہیں سارے مُلک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

چراگاہوں میں گائے، بھیڑ، بکریاں گھوڑے اور سؤر پائے جاتے ہیں۔ جنوبی حِصّے میں بکریاں، گدھے اور خچر کی قسم کے گھوڑے دکھائی دیتے ہیں۔ دودھ اور پنیر کا پیشہ تو اہلِ فرانس کا خاص پیشہ ہے۔ ایک لاکھ ۶۰ ہزار آدمیوں کا پیشہ ماہی گیری ہے۔ ہر سال تقریباً ۶½ کروڑ روپے کی مچھلی فروخت ہوتی ہے۔

آلیس اور لارنس میں کوئلے اور لوہے کی بڑی

بڑی کانیں ہیں۔ مٹی کا تیل اور پٹرول بھی بہ کثرت پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں کپڑا بننے اور دوسری چیزیں بنانے کے کارخانے کثرت سے ہیں سیسہ جست مینگنیز اور دوسری دھاتیں افراط سے ملتی ہیں فرانس میں صرف کوئلے کی کمی ہے۔ المونیم تیار کرنے کے کارخانے شمالی فرانس میں ہیں۔ ملک میں جگہ جگہ موٹر سازی کا کام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کھیتی باڑی کے آلات اور لڑائی کا سامان بنانے کے کارخانے بھی بہت ہیں۔

ریشم اور اون سے اعلیٰ درجے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ فرانس اپنی خوب صورتی کی بدولت یورپ کی دُلہن کہلاتا ہے۔ بڑے بڑے امیروں اور رئیسوں کی زبان پر پیرس کا نام ہمیشہ چڑھا رہتا ہے۔ پیرس نہایت خوب صورت شہر اور فرانس کا دارالسلطنت ہے۔ یہاں کے کپڑے، فرنیچر، خوشبودار تیل اور سونے چاندی کا کام ساری دُنیا سے بہتر ہوتا ہے شکر تیل، صابن، بندوقیں، چینی مٹی کے برتن، غالیچے آئینے، لیس اور گھڑیاں فرانس میں مختلف مقامات پر تیار کی جاتی ہیں۔

فرانس کی درآمد برآمد اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ ریشمی اور سوتی کپڑا، دوائیں، شراب، جواہرات، صابن، عطر اور موٹریں ملک سے باہر بھیجی جاتی ہیں۔ کوئلہ غلّہ اور کچا سامان باہر سے آتا ہے۔ بحرِ متوسط میں جزیرہ کارسیکا فرانس کے قبضے میں ہے۔ یہ ۳۰۳۶۷، مربع میل ہے ملک کا زیادہ حصّہ جنگل سے بھرا پڑا ہے۔ گیہوں یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ جزیرے کی آب و ہوا بہت اچھی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ سارے مُلک کا صرف ¼ کارآمد ہے۔ باقی حصّے میں گھنا جنگل ہے۔

جو علاقے اِس وقت فرانس کے قبضے میں ہیں۔ اُن کا رقبہ تقریباً ۴۵ لاکھ مربع میل ہے اور آبادی ۹ کروڑ ہے۔ افریقہ میں الجیریا، ٹیونس، مدغاسکر، فرانسیسی مشرقی افریقہ، فرانسیسی گیانا، فرانسیسی سوڈان سومالی لینڈ اور مراکو قابلِ ذکر ہیں۔ ایشیا میں شام اور ہندوستان میں پانڈیچری۔ اور چندر نگر فرانس کے قبضے میں ہیں اس کے علاوہ مختلف مقامات پر کچھ کچھ علاقہ اس کے اثر میں ہے۔ مثلاً انڈوچین کا کچھ حصّہ امریکہ اور آسٹریلیا کا کچھ حصّہ۔

موجودہ جنگ میں فرانس اتحادیوں کا شریک تھا۔ مگر افسوس ہے اور ساتھ ہی تعجب بھی کہ .... اس قدر وسیع اور طاقت ور سلطنت ہونے پر بھی اُس نے جرمنی کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیے۔

بچوں کی نظمیں

جنابِ مولانا شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

میری گڑیا

راضیہ خاتون ، علی گڑھ

ہم نے اِک گڑیا بنوائی ؛ یہ گڑیا جب بن کر آئی
ہم نے اُس کو اچھا رکھا ؛ صاف رکھا اور ستھرا رکھا
ہم نے اُس کی شادی رچائی ؛ ہم نے اُسے ساری پہنائی
ہم نے اک موٹر منگوایا ؛ اُس گڑیا کو اُس میں بٹھایا

میری مُنّی مُنّی گڑیا
میری پیاری پیاری گڑیا

باغ کی سیر

عالم وارثی ، کان پوری

آؤ بچو سیر کو جائیں ؛ باغ میں جا کر دل بہلائیں
پھول بھی توڑیں آم بھی کھائیں ؛ اُچھلیں، کودیں شور مچائیں
دیکھو پیڑ یہ جامن کا ہے ؛ آؤ جامن توڑ کے کھائیں
کھیل سے جی اُکتا جائے ؛ نہر میں تھوڑی دیر نہائیں
نہا چکیں تو ناؤ بنا کر ؛ پانی میں اِس کو ہم تیرائیں
بارش کی جب بوندیں آئیں ؛ جھولے پر ہم گیت سنائیں
آئے رات جو کالی کالی ؛ باغ سے واپس گھر جائیں

اپنے پیارے پیام میں بھیجیں		سہرے یہ اپنی ہم چھپوائیں
بہل گئے سب پیامی بھائی
عالم اب اسکول کو جائیں

نیّا

شاہین سرمست، حیدرآباد

رات کے تارے بھاگ رہے تھے		دُنیا والے جاگ رہے تھے
تڑکے تڑکے آنکھ کھلی تھی		اچھی ساعت اچھی گھڑی تھی
وہ میری چھوٹی سی نیّا		لائے تھے جس کو میرے بھیّا
تیر رہی تھی اک دریا میں		نیّا کو تھا دیکھ رہا میں
اتنے میں اک مچھلی آئی		مچھلی نے یہ شان دکھائی
خوب ہی اس پانی کو اچھالا		میں نے اس نیّا کو نکالا
پھر میں جلدی گھر کو بھاگا		چھوٹ گیا بس ہاتھ سے دھاگا
آگے آگے یہ نیّا تھی		پیچھے پیچھے دوڑی مچھلی
وہ سمجھی ہے گوشت کی بوٹی		یا شاید ہے گھی کی روٹی
مار جھپٹا لے گئی مچھلی		دکھ یہ مجھ کو دے گئی مچھلی
کاغذ ہے اس کو بتلادے
کوئی میری نیّا لادے

پیامِ تعلیم

قدسیہ خاتون، گھوسی

سب رسالوں میں ہے پیارا یہ پیامِ تعلیم		دل بہلنے کا سہارا ہے پیامِ تعلیم
اس کا مقصد ہے بلاشبہ فلاحِ ملّت		کام کرتا یہ گوارا ہے پیامِ تعلیم
واہ بے ساختہ آتی ہے زباں پر اس کے		جس نے اک بار بھی دیکھا ہے پیامِ تعلیم
درس دیتا ہے ہمیں علم و ہنر کا خاتون		میری آنکھوں کا یہ تارا ہے پیامِ تعلیم

دبابے

محمد عبدالحبیب ۔ حیدرآبادی

آج کل کی بڑی لڑائی میں لڑائی کے دوسرے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ اکثر دبابوں اور ٹنکوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ ہتھیار توپوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دیو پیکر مشین بغیر کوئی نقصان اُٹھائے دشمن کی فوج میں گھس کر قیامت برپا کردیتی ہے۔

یہ دبابہ یا ٹنک انگریزوں کی ایجاد ہے۔ پہلے پہل مسٹر چرچل کی تجویز پر یہ پچھلی بڑی لڑائی میں بنائے گئے اور برطانیہ کے ایک خفیہ پڑاؤ میں جنرل سوئنٹن کی نگرانی میں چند ہوشیار سپاہیوں کو اُن کے چلانے کی تعلیم دی گئی۔ یہ کارروائی بہت راز میں رکھی گئی۔

دبابے سب سے پہلے دریائے سیوم کی لڑائی میں استعمال کئے گئے۔ لڑائی کے میدان میں سخت گولا باری کی وجہ سے آگے بڑھنا مشکل تھا۔ لیکن دبابوں نے بڑی ہمت سے آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کیا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔ اس زمانے میں دبابوں کو برباد کرنے کی کوئی تجویز انسان کے ذہن میں نہیں آئی تھی اس لئے جرمنی کا ان دبابوں سے بہت نقصان ہوا جانی اور مالی دونوں۔

دبابہ اصل میں ٹریکٹر کی ترقی یافتہ شکل ہے اور غالباً اسی کو دیکھ کر دبابہ بنانے کی تجویز انگریزوں کے ذہن میں آئی۔ ٹریکٹر یورپ کے ملکوں میں کھیتوں میں ہل چلانے کے کام آتا ہے۔ یہ پٹرول سے چلتا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک تو وقت کم لگتا ہے۔ دوسرے زمین خوب کُھد جاتی ہے اور معمولی ہلوں سے کھودی ہوئی زمین کے مقابلے میں اس زمین کی پیداوار کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

ٹریکٹر کی شکل بھی عجیب ہوتی ہے۔ ایک لوہے کے چوکھٹے پر چار سلنڈر والا پٹرول انجن لگا رہتا ہے۔ انجن کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے پانی اور انجن کو چلانے کے لئے کافی پٹرول ہوتا ہے۔ انجن کے ذریعے جو پہیا چکر کھاتا ہے اُس کا بس ایک ہی دندانہ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ایک دوسرا دندانے دار پہیہ ہوتا ہے۔ جس کا ہر ایک دندانہ انجن والے ایک دندانے کے پہیے کے ذریعے ڈھکیلا جاتا ہے۔ فرض کرو دندانے دار پہیے میں پچاس دندانے ہیں تو اس پہیے کو پورا چکر دینے کے لئے انجن ذرا

پہیے کو پچاس چکر لگانے پڑیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب دندانے دار پہیا آہستہ آہستہ چکر لگائے گا تو نیچے کے پہیے بھی آہستہ آہستہ اسی رفتار سے آگے بڑھیں گے۔

نیچے والے پہیوں میں ایک زنجیر ہوتی ہے اُس زنجیر کی وجہ سے ٹریکٹر اور بھی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ ان نیچے کے پہیوں پر بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دندانے ہوتے ہیں۔ زنجیر انھی دندانوں میں یوں سمجھو کہ پھنسی ہوتی ہے۔ یہ دندانے چکر لگاتے ہوئے زنجیر کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس زنجیر سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ چھوٹا انجن بھی زیادہ وزن کھینچ سکتا ہے۔ دوسرے ناہموار زمین پر ٹریکٹر پھسلتا نہیں۔

جنرل سوئنٹن کی تحریک پر ان ٹریکٹروں پر ایسا فولادی خول لگایا گیا جس پر گولی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ اس لئے کہ میدانِ جنگ میں حملے کے وقت اندر بیٹھے ہوئے سپاہی حفاظت سے رہیں۔ بس اسی فولادی خول والے ٹریکٹر کو دبابہ یا ٹینک کہتے ہیں۔ اس میں ہلکی توپیں اور مشین گنیں اور سات، آٹھ سپاہیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

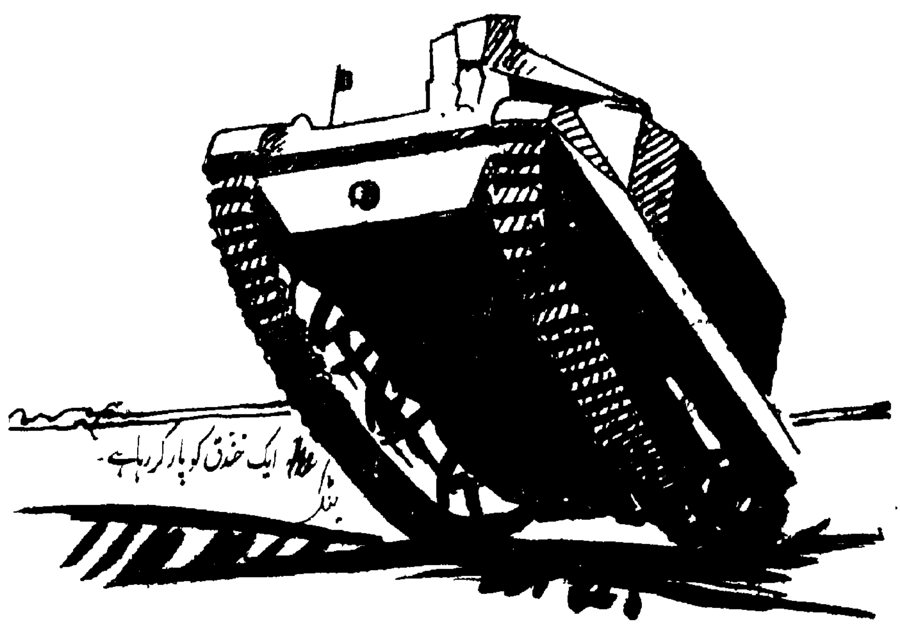
ریل اور فولادی موٹریں تو بس ریل کی پٹری اور سڑک ہی پر چل سکتی ہیں۔ لیکن دبابہ اونچی نیچی ہموار ناہموار زمین پر چل سکتا ہے۔ خندقوں کو بھی پار کرسکتا ہے اور اس وقت اس کے بنانے کا مقصد بھی یہی تھا۔

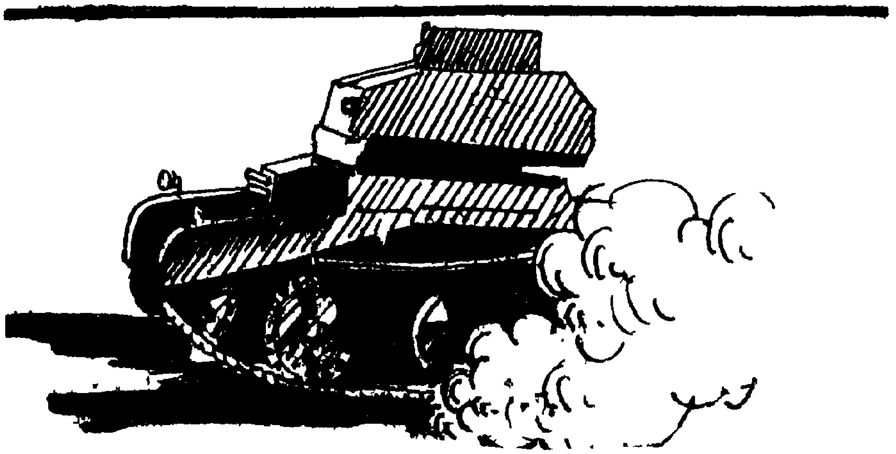
برطانیہ کے سب سے پہلے دبابے کا نام مارک رکھا گیا تھا۔ یہ دبابہ ۲۶ فٹ لمبا اور ۲ ٹن وزنی تھا اس میں آٹھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی رفتار ۴ میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ دبابہ آج کل کے دبابوں کی طرح دیواروں، خاردار تاروں اور خندقوں کو پار کرسکتا تھا۔ دریائے سیوم کی لڑائی میں یہ دبابہ بھی استعمال کیا گیا تھا اور جرمن فوجیں ایک نئی چیز کو دیکھ کر حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہوگئی تھیں۔

اب ہر ملک میں دبابوں کا رواج عام ہے لیکن اس کے بہت سے توڑ بھی معلوم کرلئے گئے ہیں اس لئے اب ان بے ڈول جانوروں کو آگے بڑھنے اور پہلے کی طرح دشمن کو شکست دینے میں اتنی آسانی نہیں رہی ہے۔ مثلاً اکثر مقامات پر کھڑے پتھر لگا دئے جاتے ہیں تاکہ دبابہ پتھروں سے آگے نہ بڑھ سکے یا زمین سے ایک ایک دو دو فٹ اونچے پتھر مختلف قطاروں میں کھڑے کئے جاتے ہیں تاکہ دبابہ ان پر چڑھ جائے تو اس کی زنجیر زمین کو نہ چھو سکے۔

ایک مثلث نما گڑھا کھودا جاتا ہے اور اسے کمزور لکڑیوں اور پتوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ جب دبابہ اس پر سے گزرتا ہے تو لکڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور دبابہ گڑھے کے اندر ہی رہ جاتا ہے یا ایک موزوں جگہ انتخاب کرکے گڑھا کھودا جاتا ہے۔ اس کے اندر شیل رکھ دئے جاتے ہیں اور اسے ڈھانپ

دبا جاتا ہے۔ دبابہ گڑھے میں گرتا ہے تو شیل پھٹ جاتے ہیں اور دبابہ ٹکڑے ٹکرے ہو جاتا ہے۔ ایسی توپیں بھی ایجاد ہو چکی ہیں جو دبابوں کو تباہ کرسکتی ہیں جاتا تھا اور دبابے برف میں غرق ہو جاتے تھے دبابوں کی بناوٹ میں بہت ترقی ہوگئی ہے یہ ہلکے اور بھاری دونوں طرح کے بننے لگے ہیں۔ تاکہ جہاں چاہیں





فن لینڈ کی لڑائی میں روسیوں کے دبابے برف سے ڈھکی ہوئی جھیلوں پر گذرتے تھے تو فنستانی ہوائی جہاز اوپر سے بم برساتے تھے۔ ان بموں سے برف پھٹ انھیں آسانی سے لے جائیں۔ یہ اب معمولی ندی نالے بھی پار کرسکتے ہیں۔ سنا ہے جرمنی نے بعض دبابے ایسے بھی بنائے ہیں جنھیں ہوائی جہاز پر لاد کر جہاں چاہیں لے جاسکتے ہیں

فِنستان کے حمّام

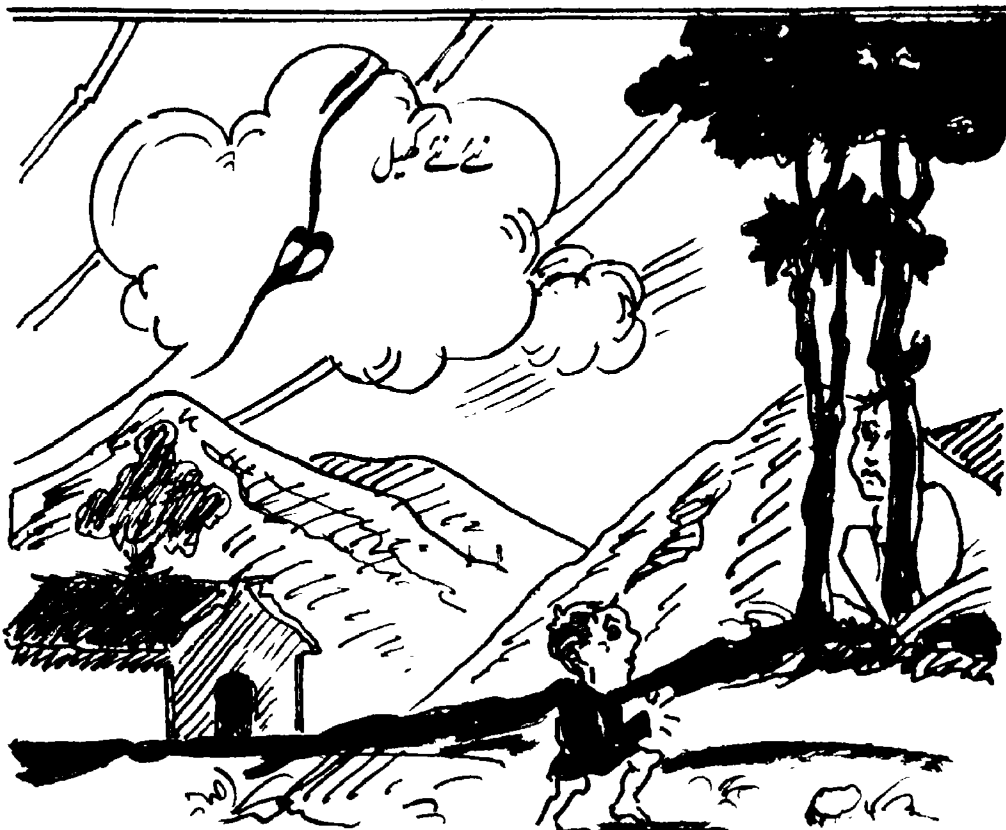
عابد مسیح، بی اے

جُغرافیہ پڑھنے والوں کو چھوڑ کر اکثر ہندوستانی فِنستان (فن لینڈ) کے نام سے واقف نہ تھے لیکن جب سے اس چھوٹے سے بہادر مُلک نے رُوسی سلطنت کا مقابلہ کیا ہے، اُس وقت سے ہمارے ملک میں بھی فِنستان کافی مشہور ہو گیا ہے۔

آج ہم تمھیں مُلک فِنستان کے عجیب و غریب حمّام کا بیان سنانا چاہتے ہیں۔ فنستان کے باشندے حمّام کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ شہریوں کا تو ذکر کیا ہے۔ دیہات کے رہنے والے بھی ہفتے میں کم سے کم ایک بار ضرور حمّام کرتے ہیں۔ گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا حمّام خانے وہاں ضرور ہوں گے۔ آدمی، عورت، بچے سب کے سب حمّام کے عادی ہوتے ہیں۔ حمّام خانہ ایک بند کمرا ہوتا ہے یعنی بھاپ کے نکلنے کے لئے اس میں دُودکش وغیرہ نہیں رکھتے۔ اس کمرے کے اندر پتھر کی ایک انگیٹھی ہوتی ہے جب یہ انگیٹھی دہکانے سے سُرخ ہو جاتی ہے تو حمّام کرنے والا پانی کی بالٹی لے کر داخل ہوتا ہے۔ حمّام خانے کی دیواروں سے لگی ہوئی چاروں طرف بنچیں پڑی رہتی ہیں۔ حمّام کرنے والا فاصلے سے پانی کی بالٹی دہکتی ہوئی انگیٹھی پر اُلٹ دیتا ہے جس کی وجہ سے کمرا بھاپ سے بھر جاتا ہے۔ حمّام کرنے والا فوراً بنچ پر لیٹ جاتا ہے اور جلد جلد اپنے جسم پر قمچیوں سے بار بار ضرب لگاتا ہے تاکہ خون کا دَورہ خوب تیز ہو جائے۔ جب بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو وُہ صابن اَور گرم پانی سے غُسل کرتا ہے اَور باہر آکر جھیل کے خوب ٹھنڈے پانی یا برف میں لوٹتا ہے۔

بعض فِنستانی حمّام کے لئے لوہے کی انگیٹھی استعمال کرتے ہیں۔ اس انگیٹھی کے اُوپر والے خانے میں پتھر کے ٹکڑے رکھ کر خوب گرم کر لئے جاتے ہیں اَور جب وُہ دہکنے لگتے ہیں تو انگیٹھی کا پٹ کھول کر اور پتھروں پر پانی ڈال کر بھاپ پیدا کی جاتی ہے وہاں کے باشندوں کو حمّام کے بعد سرد پانی یا برف میں لوٹنے سے زُکام وغیرہ کی شکایت نہیں ہوتی اور اس حمام سے فِنستانی خوب صاف اَور تندرست رہتے ہیں۔

فِنستان میں تین ہزار سے زیادہ جھیلیں ہیں وہاں جھیلوں کی ایسی کثرت ہے کہ ہر گاؤں کے قریب دو چار جھیلیں ضرور ہوتی ہیں۔ اِس لئے فِنستان کے باشندے غُسل کے بعد آسانی سے سرد پانی میں لوٹ لگا سکتے ہیں۔



کھیل شروع ہونے پر کسی ایک جگہ کو "گھر" مقرر کر کے سپاہی چند منٹ وہاں کھڑے رہیں۔ اور چوروں کو موقع دیا جائے کہ وہ کہیں چھپ جائیں۔ 'سپاہی' پھر چوروں کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جو چور پکڑا جائے اُسے اُٹھاکر یا کھینچ کر گھر لے آتے ہیں۔ 'چور' بچ کر نکلنے کے لئے سارے راستے کوشش کرتا آتا ہے۔ پکڑے ہوئے چوروں کو گھر میں چند سپاہیوں کی زیرِ نگرانی قید میں رکھا جاتا ہے۔ یہاں سے 'چور' سپاہیوں کو غافل پاکر ان کی حراست سے نکل سکتے ہیں۔ جب تک سب چور نہ پکڑے جائیں کھیل جاری رہتا ہے۔

اس کھیل میں اگر چور کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کر سکے تو کھیل خصوصاً بچوں کے لئے بہت دلچسپ رہتا ہے۔

اِحتیاط

۱۔ گھر اگر کسی ٹیلے، مکان یا درخت کے نیچے ہو تو اچھا رہے گا۔

۲۔ کھیل دوبارا شروع کرتے وقت پہلے چوروں کو پھر سے چور نہ بنایا جائے۔

۳۔ رات کے وقت یہ کھیل زیادہ دلچسپ رہتا ہے ۞

معلومات

محمد اسمٰعیل ۔ سنگارینی کالریس

دنیا میں سب سے بڑا دروازہ یونان میں ہے۔ جس کی اونچائی ۵۰ء فٹ ہے اور چوڑائی ۴۰ فٹ ہے۔ اس دروازے میں ۶ ٹن لوہا صرف ہوا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند شخص امریکہ کروڑپتی راک فیلر ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی دیوار چین میں واقع ہے جو ۱۵۰۰ میل لمبی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ڈاک خانہ لنڈن کا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ ربر جزیرہ نمائے چین ہندی میں پیدا ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی رصدگاہ گرینج میں ہے جو شہر لنڈن کے قریب واقع ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی رو (خلیجی رو) ہے۔ جو انگریزی میں گلف اسٹریم کہلاتی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی رودبار (رودبار انگلستان) ہے۔ جو بقیہ یورپ سے برطانیہ کو جدا کرتی ہے۔

دنیا میں سب سے خوب صورت روضہ تاج محل ہے۔ جو آگرے میں ہے اور جسے شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔

دنیا میں سب سے بڑی ریل روڈس کی ٹرانس سائبران ہے۔ جس کا طول ۶۰۰۰ میل ہے۔

دنیا میں سب سے قیمتی چیز ریڈیم ہے۔ جو ۱۹۰۲ء میں معلوم ہوئی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن نیویارک (امریکہ) میں ہے۔ جس کے ۴۷ پلیٹ فارم ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا ریلوے کا پل (لورزمبی) افریقہ میں ہے۔ جس کی لمبائی ۱۱۶۵۰ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے مشکل زبان چینی ہے۔ جو چین میں بولی جاتی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا زلزلہ جاپان میں ۱۹۲۳ء میں آیا۔

دنیا میں سب سے زیادہ زلزلے جاپان میں آتے ہیں۔ جہاں تقریباً ہر آدھ گھنٹے میں زلزلہ آتا ہے۔

جغرافیہ

غلام یزدانی صاحب ۔ حیدر آباد دکن

مجھے جغرافیے کا مضمون سب سے زیادہ پسند ہے، اور ہے بھی یہ کچھ ایسا ہی دلچسپ۔ سچ پوچھو تو جغرافیے کی تعلیم گھر کے جغرافیے سے شروع ہوئی ہے جب ہم بہت چھوٹے تھے۔ تو ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر سامنے کی گلی میں کھیلا کرتے تھے۔ ہمیں اپنی گلی کا نقشہ حفظ ہو گیا تھا۔ ذرا اور بڑے ہوئے تو ہمارے سفر بھی بڑے ہونے لگے۔ اور کبھی کبھی تو پاس کے جنگل تک چلے جاتے۔ اُس زمانے میں جنگل کی سیر بہت دلچسپ ہوتی تھی جب سیر سے گھر واپس آتے تو جیبیں رنگ برنگ کے چمکیلے پتھروں سے بھری ہوتیں۔

میرے بچپن کا زمانہ اورنگ آباد میں گذرا ہے۔ یہ مقام پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ ایک ندی شہر کی فصیل سے ٹکراتی ہوئی گذرتی ہے۔ شہر کے مکی دروازے کے پاس اس ندی کا ایک پُل بنا ہوا ہے۔ پُل کے پاس ندی کا پانی ایک چٹان پر گرتا ہے۔ برسات میں جب ندی چڑھتی تو اس آبشار کی آواز دور دور تک پہنچتی میں آواز سنتے ہی بے چین ہو جاتا۔ میری والدہ سمجھ جاتیں کہ اب یہ ندی پر ضرور جائے گا۔ چنانچہ ہماری نگرانی شروع ہو جاتی۔ مگر ہمارا شوق کچھ ایسا معمولی تو تھا نہیں۔ کسی نہ کسی طرح نظر بچا کر نکل ہی جاتے اور سیدھے ندی پر پہنچتے۔ قدرتی مناظر میں مجھے آبشار بہت پسند ہے۔ اور اب تک اورنگ آباد کا یہ چھوٹا سا آبشار میری نظروں میں ہے۔ چاند چھوٹوں اور بڑوں سب کو پسند ہے۔ رات کو جب یہ پہاڑی پر نکلتا تو میں یہ سوچا کرتا کہ اگر کسی طرح رات کو میں اس پہاڑی پر جا بیٹھوں تو اچھل کر اُسے پکڑ لوں گا۔ یہ خیال میرے دل میں بہت دنوں تک رہا۔

اس زمانے میں جب کبھی دلی کا سفر ہوتا تو سمتوں کے بارے میں مجھے بہت مغالطہ ہوتا تھا۔ دلّی آکر میں یہ سمجھتا تھا کہ اورنگ آباد شمال مشرق کی طرف ہے۔ اور سورج مغرب سے طلوع ہوتا ہے۔ یہاں کی زمین بالکل ہموار ہے اور سردی کے موسم میں ان میدانوں میں سرسوں کے کھیت بڑی بہار

دکھاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بستی سمندر لہریں مار رہا ہے۔

جغرافیے سے دلچسپی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ سمندر۔ غرض ان چیزوں سے بحث ہوتی ہے جو ہمارے آس پاس کی چیزیں ہیں۔ اب بھی مہینے میں دو ایک مرتبہ میں یہاں چڑیا گھر دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ یہاں پرندوں اور جانوروں کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ چڑیا گھر میں طرح طرح کی خوب صورت چڑیاں، رنگ برنگ کے طوطے، سفید مور، تیتر چکور اور آسٹریلیا کے بڑے شوخ رنگ کے پرندے ہیں۔ جنگلی جانور بھی بہت سے ہیں جن میں ۱۰، ۱۲ شیر ببر بھی ہیں۔ یہ بے چارے لیٹے رہتے ہیں تو لوگ ان پر کنکر باں پھینکتے ہیں کہ کھڑے ہو کر چال دکھائیں اور ممکن ہو تو دہاڑ بھی سنائیں۔ مگر سب سے زیادہ بھیڑ بندروں کے پاس ہوتی ہے۔ اوّل تو یہ جانور خود نچلا نہیں بیٹھتا دوسرے لوگ اسے چین نہیں لینے دیتے۔ اس باغ میں درخت بھی قسم قسم کے ہیں۔ پودوں میں سب سے زیادہ قسمیں گلاب اور گردھن کی ہیں۔ یہ دونوں درخت سو سو قسم کے ہوں گے۔

جغرافیے کا شوق ہمیشہ سے لوگوں کو رہا ہے۔ پرانے زمانے کے زمین کے نقشے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ لیکن امریکہ کی دریافت کے بعد لوگوں نے سمندروں میں آزادی سے سفر کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر طرف کے بحری رستے معلوم کر لئے گئے۔ اور اب کرۂ ارض کا ایسا صحیح نقشہ بن گیا ہے کہ جہاز اندھیری رات میں اس طرح سفر کرتے ہیں جس طرح ریل پٹری پر چلتی ہے۔ ان سمندروں کے صرف سطحی نقشے ہی نہیں بنائے گئے بلکہ ہر مقام پر اُن کی گہرائیاں بھی ناپ لی گئی ہیں۔ بحر اوقیانوس میں بعض مقامات اتنے گہرے ہیں کہ اگر اُن میں ماؤنٹ ایورسٹ کو رکھ دیا جائے تو وہ بھی ڈوب جائے۔ اس کے ساتھ ہوائی راستے بھی مقرر ہو گئے ہیں اور ہوائی جہاز قطب شمالی پر سے گذرنے لگے ہیں۔ لیکن زمین کا مکمل نقشہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ وادی امیزن اور افریقہ کے بعض وسطی علاقوں کا حال ابھی معلوم نہیں ہوا ہے۔ بہت سے لوگ صحرائے اعظم کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔ قطب جنوبی بھی ابھی پوری طرح دریافت نہیں ہوا ہے خود ہندوستان میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیاں جغرافیے کے شوقینوں کو اپنی طرف بار بار بلاتی ہیں۔ ننگا پربت کی مہم کا انجام تم پیامِ تعلیم میں پڑھ چکے۔ اس قسم کے بہت سے حادثے قطبین کے دریافت اور بحری راستوں کے معلوم کرنے میں پیش آ چکے ہیں۔ لیکن انسان کی طبیعت میں جغرافیے کا شوق ایسا نہیں ہے کہ ان حادثوں کے خوف سے کم ہو جائے عنقریب تم سنو گے کہ ننگا پربت پر مہم پھر روانہ ہونے والی ہے ؏

پیام برادری

عزیز بھتیجو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔

تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آپا جان پونا میں اچھی طرح ہیں۔ ابھی ابھی اُن کا خط آیا ہے اُس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ میں اپنے عزیز پیامیوں کو بھولی نہیں ہوں۔ خصوصاً اس زمانے میں تو وہ مجھے اور بھی یاد آتے ہیں۔ میں بہت جلد اپنے پیامیوں کے لئے کوئی اچھی سی چیز لکھ کر بھیجوں گی۔

یورپ کی لڑائی اس مہینے بھی بہت تیز رہی، جرمنی اور انگلستان دونوں نے دن رات ایک دوسرے پر ہوائی حملے کئے۔ انگلستان کی عمارتوں کا زیادہ نقصان ہوا اور جرمنی کے ہوائی جہازوں اور عمارتوں دونوں کا۔ عام خیال یہ ہے کہ جرمنی بہت دنوں تک اِن نقصانوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اِدھر اِٹلی نے مصر پر دھاوا کر دیا ہے۔ لیکن مصر میں انگریزوں کی لاکھوں فوج پڑی ہے اور ابھی سے اُس نے بہت سخت مقابلہ شروع کر دیا ہے۔ اُدھر جاپان چینی حکومت کے نئے دارالسلطنت چنگ کنگ پر برابر حملے کر رہا ہے۔ فرانسیسی ہند چینی کے معاملے میں فرانس سے کوئی بات ابھی طے نہیں ہوئی ہے[1] لیکن ہندچینی میں بہت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان میں کانگرس کی باگ پھر مہاتما گاندھی نے لے لی ہے اور وہ عنقریب وائسرائے سے ملنے والے ہیں۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں دلی میں بہت بڑی کانفرنس ہونے والی ہے۔ اِس میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ وغیرہ کے سرکاری نمائندے شریک ہوں گے۔ کانفرنس میں لڑائی کا سامان فراہم کرنے کے بارے میں اور لڑائی ہی کے سلسلے میں چند اہم باتوں پر غور ہوگا۔

ہندوستان کے لئے ایک بہت ہی خوشی کی خبر یہ ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو نوبل پرائز ملا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے مسلمان اور تیسرے ہندوستانی ہیں جنھیں یہ عزت نصیب ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر ٹیگور اور ڈاکٹر رامن (مدراس) کو یہ انعام ملا ہے۔ ہم اپنی اور تمام پیامیوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

[1] بعد کی خبر ہے کہ فرانس نے جاپان کی سب شرطیں مان لیں اور جاپان کو فرانسیسی ہندچینی میں ہوائی اور سمندری اڈے قائم کرنے کا حق مل گیا۔

عزیزی سید محمد شفیق الحسن ہاشمی (متعلم ششم ج نمبر ۳ جامعہ عثمانیہ کالج ورنگل) کو ٹکٹ اور دیا سلائی کے لیبل جمع کرنے کا شوق ہے مبادلہ کرنے والے پیامی اُن سے خط کتابت کریں۔ عزیزی احسان الحق قریشی (گلی مدرسے والی کلاں محل دہلی) کو جولائی ۳۱ء کے پیام تعلیم کی سخت ضرورت ہے اگر کوئی پیامی اپنا پرچہ الگ کرنا چاہیں تو اُن سے خط کتابت کریں۔ عزیزی محمد حبیب انصاری (ابیت العالی فرنگی محل لکھنؤ) کے پاس موزنبیق، افریقہ، پرتگال، فن لینڈ، یوگنڈا کے ٹکٹ ہیں۔ اُن کے بدلے میں وہ مصر کی تاج پوشی، ولی عہد ایران مع شاہزادی فلسطین، ٹرانکور، ناروے کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔

اس مرتبہ معمّا نمبر ۱ کے حل کل تین بچوں کے صحیح آئے نام یہ ہیں:۔ محمد سُلطان فروغ تعلیمی مرکز جامعہ۔ رحیم الدین تعلیمی مرکز جامعہ سلطان احمد تعلیمی مرکز جامعہ۔ ایک غلطی کرنے والوں کے نام بھی ایک بہت کم ہیں یعنی جھیدی لال بارہ بنکی بلطیف بیگ ڈیرہ اسمٰعیل خان سید مصور حسین تعلیمی مرکز جامعہ۔ محمد ظفر الہدیٰ تعلیمی مرکز جامعہ اور لیس۔ عزیزی عبدالحیٔ صدیقی بنارس۔ حمیدہ سُلطان بیگم دہلی محمد سُلطان فروغ تعلیمی مرکز جامعہ اور محمد مجیب الرحمٰن خان شروانی نے آٹھ آٹھ کوپنیں بھر کر بھیجی ہیں۔ اوّل آنے والوں کو دو دو روپے کی (مع زائد انعام) اور ایک غلطی والوں کو ایک ایک روپے کی کتابیں انعام میں بھیجی جائیں گی۔ سب سے زیادہ کوپنیں بھیجنے والے چاروں بچوں کو بھی انعام دیا جائے گا۔ محمد حسین حسان۔ ایڈیٹر پیام تعلیم

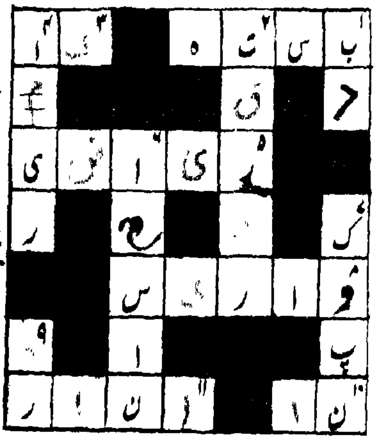
ٹکٹ خوب صورت ٹکٹ ٹکٹ

۲ ایڈورڈ ہشتم	ار	۳ ساؤتھ افریقہ	ار	۲ منچوریا	ار	۱۰ مختلف	ار	۲۵ دس ممالک کے	۵ر	۱۰۰ تیس ممالک کے	عہ
۲ جرمنی	ار	۲۵ مسلم ممالک	۵ر	۱ جوبلی	ار	۲۵ "	۲ر	۵۰ پچیس " "	۲	۲۰۰ " " "	عہ
۴ عراق غازی فیصل	ار	۲۵ عیسائی "	۴ر	۱ ڈنمارک	ار	۵۰ "	۸ر	۵۰ " " "	۱۰	۱۰۰ خوب صورت مختلف	عا
۱۲ عدن	۵ر	۲۵ " "	۳ر	۴ "	ار	۵۰ "	۶ر	۵۰ " " "	۱۲	۱۰۰ " " "	ہے
۶ سماترا	۲ر	۱۲ عرب	۴ر	۱۰ یورپ کے ممالک	ار	۲۵ دس ممالک کے	۳ر	۱۰۰ تیس " "	عہ	۱۰ ملایا	۳ر

جو حضرات عہ ماہوار کے خریدار ہونا چاہتے ہیں وہ ۲۵ اکتوبر تک مطلع کر دیں۔ جواب طلب اُمور کے لئے جوابی کارڈ یا ار کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ اُدھار کی خریداری معاف۔ لہر سے کم کی کوئی صاحب فرمائش نہ کریں عہ کی خریداری پر ایک خوب صورت ٹکٹ انعام دیا جائے گا۔ ہے کی خریداری پر دیوان حسید انعام دیا جائے گا مع فوٹو۔ پتہ صاف اور خوش خط اُردو یا انگریزی میں لکھیں۔

مقصود احمد صدیقی راجہ پور سکرور
سرائے میر۔ اعظم گڈھ یوپی (انڈیا)

MAQSOOD AHMED SIDDIQI RAJA PORE SICRORE
SARAI MIR AZAMGARA (U.P) (INDIA)



معمّا نمبر ۱۲

پہلا انعام ...... ۶ ؍

دوسرا انعام ...... للعہ ؍

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ چھٹی ہوتے ہی لڑکے اپنا ...... لے کر بھاگتے ہیں۔

۳۔ کمال ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

۵۔ طلبا، عام طور پر اس مضمون سے گھبراتے ہیں۔

۸۔ سواری کے بے ترتیب حروف۔

۱۰۔ بیسیوں کا سر کاٹ لیا
...... مارا نا خون کیا

۱۱ ایک ...... نامہ سو بیمار

اوپر سے نیچے

۱۔ ...... اچھا بدنام برا

۲۔ اکثر لوگ اپنے خیالات کا اظہار اس کے ذریعے آسانی سے کر سکتے ہیں۔

۴۔ سیاست میں حصہ لے کر بہت سے یہ ہو جاتے ہیں

۶۔ دنیا میں معمولی اس سے بھی اچھے اچھے کام نکل جاتے ہیں۔

۷۔ اس کو بھرنے سے پہلے ہر اشارہ غور سے پڑھنا چاہیے۔

۹۔ اس کی زیادتی بزدل بنا دیتی ہے۔

مفید باتیں ایک سے زیادہ کوپنوں کا بھیجنا اسی صورت میں مفید ہوسکتا ہے جب ہر کوپن ایک دوسرے سے مختلف ہو۔
فرض کیجئے کہ معمّا نمبر ۱۱ میں آزاد ، آباد ۔ بارش اور خارش میں زیادہ شبہ تھا۔ اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے چار کوپنیں بھرنے کے بعد یہ یقین ہوسکتا ہے کہ ایک ضرور صحیح ہوگی۔ طریقہ ذیل میں درج ہے۔

کوپن:۔ (۱) آزاد ۔ بارش (۲) آزاد ۔ خارش
(۳) آباد ۔ بارش (۴) آباد ۔ خارش

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر ۔ ۰ حلوں کی ۶ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۵ اکتوبر تک دفتر پیامِ تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ اڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیامِ تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۴۔ دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔ (ڈ ۔ ڈ)

۱۵۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (ی ۔ ے)

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور چاہیے۔

۱۷۔ املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں۔

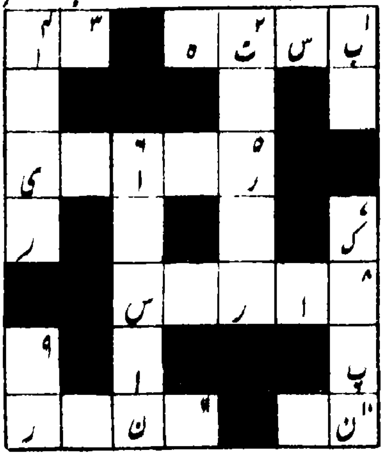
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

۲۰۔ پتہ:۔ سب اڈیٹر پیامِ تعلیم ، مکتبہ قرول باغ ۔ نئی دہلی۔

معمّا نمبر ۱۱ کا صحیح حل

۱ط	ک	۲ٹ	■	۳ا	ر	۴م
ک	■	ک	■	ب	■	ا
۵ا	ا	■	۶خ	ا	ر	ش
■	■	ئ	■	و	■	■
۸ع	ل	ا	م	■	۹م	۱۰ل
ل	■	ہ	■	۱۱س	■	غ
۱۲ط	و	ل	■	۱۳و	پ	ت

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



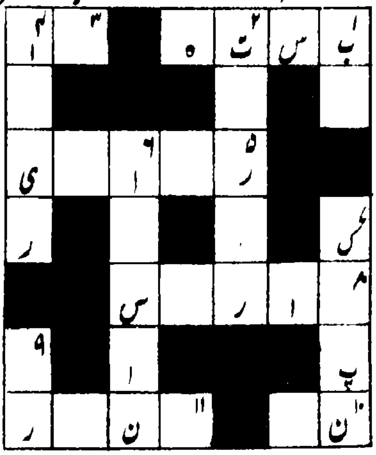
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



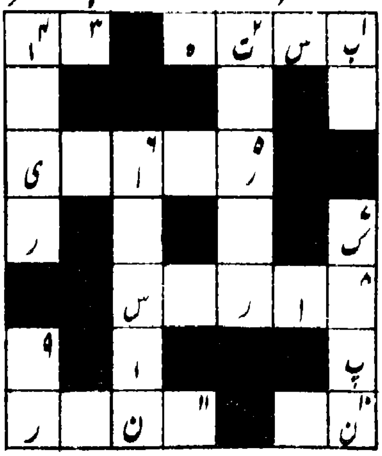
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



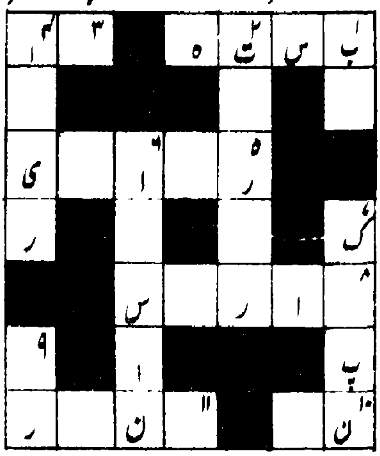
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



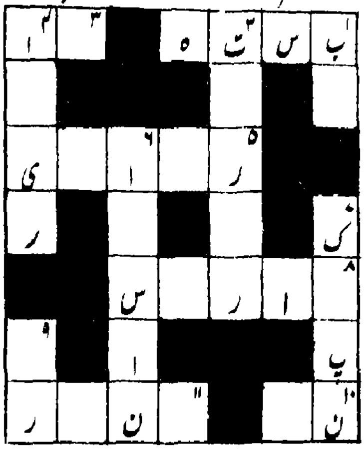
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۲ — کوپن نمبر



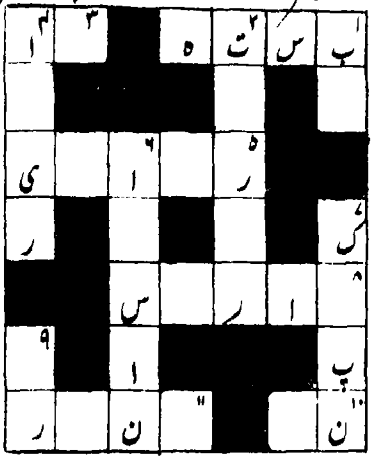
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۲ — کوپن نمبر



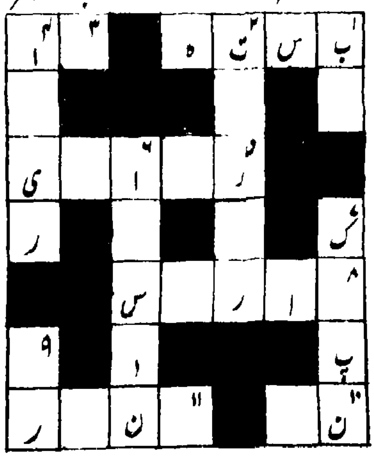
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۲ — کوپن نمبر



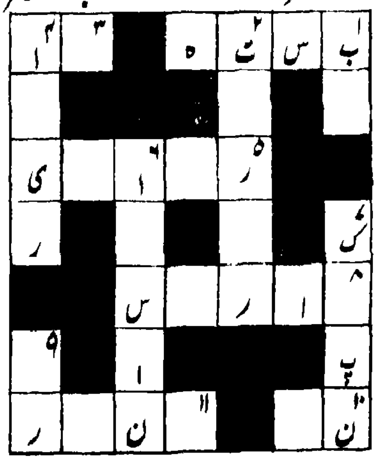
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۲ — کوپن نمبر



نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

Regd. No. L. 1961

نومبر ۴۷



مکتبہ جامعہ دہلی

کہانیوں کا سلسلہ

چھوٹے بچوں کے لئے اُردو میں اچھی اچھی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اور اُن کی مانگ برابر جاری ہے۔ مکتبہ جامعہ نے بھی مختلف عمر کے بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیوں کا سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ ہر کہانی نہایت خوشنما اور صاف خط میں چھپی ہے اور با تصویر ہے۔

درجہ اوّل

ننھی مرغابی ۲ر
بچوں کی کہانیاں ۲ر

درجہ دوم

لال مُرغی ۲ر
جنگو کی بلّی ۲ر
مُرغی اجمیر چلی ۲ر
نانبیل خاں ۲ر
پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی ۲ر
چھوٹا چمو ۲ر
چنبیلی ۲ر

درجہ سوم

نیت کا پھل ۳ر
شیدلا ۳ر
انعامی مقابلہ ۳ر
بے کاری ۳ر
چھدّو ۳ر

درجہ چہارم

شہزادی گلنار ۴ر
عقاب ۴ر
ترکوں کی کہانیاں ۴ر
دو بھائی ۴ر

مکتبہ جامعہ

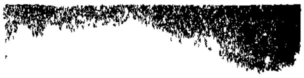
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ - بمبئی



امتیاز حسین خاں صاحب بی-اے- جامعہ
بی-کام- لندن یونیورسٹی



نعیم پاشا صدر پیام برادری میرٹھ

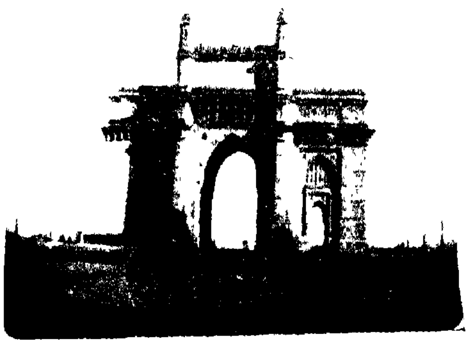




دو شہرا میں کشتیوں کا پل
(عبدالقیوم پشاور)



کشتیاں ماہیان
(عبدالقیوم پشاور)



گیٹ وے آف انڈیا بمبئی
(محمد حمید الزماں اندور)



بلیا ڈرائیور
(میر عثمان علی حیدرآباد دکن)

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے بنج

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

پیام تعلیم
دہلی

قیمت سالانہ
دو روپئے آٹھ آنے

فی پرچہ تین آنے

جلد ۲۲ | نومبر سنہ ۴ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی۔

بچوں سے باتیں

از ایڈیٹر

یہ پرچہ جس وقت تمھارے پاس پہنچے گا تو تم عید کی تیاریوں میں مشغول ہوگے۔ پیامِ تعلیم بھی تمھاری اس خوشی میں شریک ہے۔ اس عید کی خوشی تمھیں مبارک ہو۔ کھاؤ، پیو، اچھلو، کودو خوشیاں مناؤ اور ایسی ہزاروں عیدیں دیکھنا نصیب ہوں۔ آمین!۔

جناب محمد شفیع الدین صاحب نیر کی کہانی چھوٹے اور بڑے سبھی بچوں نے پسند کی۔ دفتر میں بہت سے بچوں کے تعریفی خط آئے ہیں۔ نیر صاحب کو نظم کی طرح نثر لکھنے میں بھی کمال حاصل ہے۔ ان کی کئی اور کہانیاں بھی بچوں کے رسالوں میں چھپی ہیں اور بہت مقبول ہوئی ہیں۔ اس پرچے میں طلسمی مینا کا دوسرا حصہ چھپ رہا ہے تیسرا اور آخری حصہ دسمبر کے پرچے میں چھپے گا۔

پیامی جناب امتیاز حسین خاں صاحب بی اے جامعہ کو بھولے نہ ہوں گے۔ یہ پیامِ تعلیم کے پرانے مضمون نگار ہیں ۱۹۳۵ء میں لندن گئے تھے اور اب پانچ سال بعد لندن یونیورسٹی سے بی کام کی ڈگری لے کر واپس آئے ہیں لندن میں قیام کے زمانے میں وہ پیامِ تعلیم کی برابر خدمت کرتے رہتے تھے، مضمون بھیجتے تھے۔ بچوں کے اچھے اچھے رسالے بھیجتے تھے اور ان کے اخباروں کے تراشے بھیجتے تھے جن میں بچوں کے لئے مضمون چھپتے تھے اور اب وہ پیامِ تعلیم کی لائبریری کے لئے ایک قیمتی کتاب لائے ہیں۔ ان کی یہ مہربانیاں شکریے سے بالاتر ہیں۔ ہم ان کی اس کامیاب واپسی پر اپنی اور سب پیامیوں کی طرف سے دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

عزیزی عظیم قادری کے ایک خط سے یہ معلوم کرکے دلی صدمہ ہوا کہ ان کے چچازاد بھائی اور پرانے پیامی میاں معین اللہ شاہ قادری کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم اپنے والدین کے اکلوتے فرزند اور بہت ہونہار تھے۔ والدین اور عزیزوں کو جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ ہمیں اس صدمے میں مرحوم کے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا مرحوم کو جنت میں جگہ دے۔ اور ان کے والدین اور عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

کوؤں کی بارات

از جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیّر

کیوں یہ کائیں کائیں مچائی
کوؤں کی بارات ہے آئی

مل جل کر سب کھانے بیٹھے
خوب مزے سے دعوت کھائی

کوئی لایا لڈّو پیڑے
کوئی لایا دودھ ملائی

کھا پی کر دولھا یوں بولا
میری دلہن کیوں نہیں آئی

اس پر بگڑے سارے براتی
ہونے لگی آپس میں لڑائی

اُس نے اُس کے ٹھونگیں ماریں
اُس نے گردن اُس کی دبائی

کوؤں کی بارات میں نیّر
اپنی غزل یہ ہم نے گائی



چندا ماموں

جناب برکت علی صاحب فراق

چندا ماموں آجا آجا　　آجا دودھ ملائی کھا جا
دودھ ملائی کھا جا ماموں　　ہم کو گیت سنا جا ماموں
گیت سنا جا پیارے ماموں　　آجا آجا پیارے ماموں
میٹھے میٹھے گیت سنوں گا　　پیارے پیارے گیت سنوں گا
گیت سنوں گا خوش ہو ہو کر　　جاگوں گا میں منہ دھو دھو کر
صبح سویرے گھر کو جانا　　نرم بچھونے پر سو جانا
دے دوں گا میں نرم بچھونا　　خوب مزے سے اس پر سونا
سو کر دن بھر شام کو آنا　　شام کو پھر اک گیت سنانا

گیت سنا کر جی بہلانا
ماموں مجھ کو بھول نہ جانا

طلسمی مینا

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

(۲)

میں نے پوچھا کہ یہ باغ کیسا ہے؟ اور وہ حوض وہاں کیوں بنا ہے؟ وہ مینا پنجرے میں کیوں بند ہے؟ مچھلی مینا کا پنجرا لے کر ہر روز حوض کے کنارے پر کیوں آتی ہے؟ اور اس مینا میں وہ کون سی خوبی ہے کہ اسے لینے کے لئے تم یہاں آئے اور مجھے لانے کا دکھ اٹھایا؟

جادوگر میرے یہ سوال سن کر مجھے ذرا غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ میرا یہ باتیں پوچھنا اسے بہت ہی ناگوار گذرا۔ اس نے کہا۔ "اگر اپنا بھلا چاہو تو مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ جو کچھ میں کہوں۔ کچھ کہے سنے بغیر کرتے رہو۔ ورنہ تم کو ایسی سزا دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

سچ یہ ہے کہ اس کی لال لال آنکھیں دیکھ کر میں ڈر گیا اور مجھے ہمت نہ ہوئی کہ میں کچھ اور پوچھوں۔ مگر دل میں ارادہ کر لیا کہ میں ان سب باتوں کا پتہ لگاؤں گا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ اس ارادے سے میری ہمت بڑھ گئی اور اس راہ میں ہر طرح

کے دُکھ اُٹھانے کے لئے مَیں تیار ہوگیا۔ لیکن نہ معلوم کیوں پھر جادوگر سے ایک بات پوچھ بیٹھا۔ وہ یہ کہ تم مینا کا یہ پنجرا مجھ سے کیوں منگا رہے ہو؟

یہ سوال سُن کر تو وہ جھلّا گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُسی وقت اُس نے ایک منتر پڑھا۔ منتر کے لفظ کچھ اِس طرح کے تھے:۔

خرقوم مرقوم عقرب مار
کھٹ پنچ دھٹ پنچ پائے ہزار
بسیار بسیار بسیار

جادوگر کا منتر پڑھنا تھا کہ سانپ، بچھو کن کھجوروں اور اژدھوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر تو میرے اوسان جاتے رہے اور سامنے موت کھڑی نظر آنے لگی۔

مَیں گھبرا گیا۔ مَیں نے جھٹ پٹ جادوگر سے چلّا کر کہا۔ "اب مَیں کوئی سوال نہ کروں گا۔ تم جو کچھ کہو گے کرتا رہوں گا۔ خدا کے لئے اس بلا کو دور کرو"

جادوگر نے پھر کچھ پڑھا اور یہ بلا ٹل گئی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور نرمی سے کہا۔ "صاحب زادے! فضول باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ بس اب کچھ کھاؤ پیو۔ اور رات کو یہیں آرام کرو۔ کل صبح سویرے ہم اُس پہاڑی پر چلیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے تین مرتبہ تالی بجائی یکایک آسمان سے ایک خوان اُترا۔ اس میں طرح طرح کے لذیذ کھانے اور عمدہ عمدہ مٹھائیاں تھیں۔ جادوگر نے آپ بھی کھایا۔ مجھے بھی کھلایا اور ایسی میٹھی میٹھی باتیں کیں کہ میرا جی بہل گیا۔ میں بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ مگر دل میں یہ ارادہ

کر لیا کہ اب کروں گا تو وہی جو میرے جی میں ہوگا۔ اُس سے پوچھوں گا کچھ نہیں۔ ہم دونوں کھاپی کر سو رہے۔ صبح سویرے اُٹھے۔ مَیں نے مُنہ ہاتھ دھویا۔ خُدا کو یاد کیا اُس سے دُعا مانگی کہ "اے اللہ! مُجھ میں اِتنی ہمت اور طاقت پیدا کر دے کہ جو مشکل آئے اُس کا آسانی سے مُقابلہ کر سکوں"۔

ہم نے کچُھ ناشتہ کیا۔ پھر ہم دونوں چل کھڑے ہوئے۔ جزیرہ کیا تھا۔ اچھا خاصا باغ تھا۔ طرح طرح کے درختوں کے پھل کھڑے جھوم رہے تھے۔ قسم قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ پھولوں کی اتنی کثرت تھی کہ فضا خوشبو سے بسی ہوئی تھی خوش آواز پرندے چہچہا رہے تھے۔ اُن کے میٹھے میٹھے گیت دِل کو لُبھا رہے تھے ہم کچھ ہی دور چلے تھے کہ پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوئی۔ ہر طرف ہرے بھرے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر صاف پانی کے قدرتی چشمے بہہ رہے تھے۔ آبشاروں کا شور کچُھ اور ہی سماں پیدا کر رہا تھا۔ ہم اِس سہانے منظر کا لطف اُٹھاتے اور پہاڑ کے ٹیڑھے ترچھے رستے پر چلتے چلاتے اُس چوٹی پر پہنچ گئے۔ جس کا ذکر جادوگر نے کیا تھا۔

چوٹی کیا تھی۔ ایک اچھا خاصا ہموار چبوترا تھا۔ چوکور۔ اس چبوترے کے بیچ میں لوہے کا ایک صندوق سا رکھا ہوا دکھائی دیا۔ جادوگر نے کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اچانک صندوق کے اوپر کے حصّے میں ایک کڑا آپ ہی آپ اُٹھا۔ جادوگر نے کڑے کو پکڑ کر اُٹھایا تو بس اتنی بڑی کھڑکی نکلی۔ جس میں مَیں اچھی طرح گھس

سکتا تھا۔ ذرا اور موٹا ہوتا تو میں بھی اس میں نہ جا سکتا۔ اب میں سمجھا کہ اس کام کے لئے جادوگر نے مجھے ہی کیوں پسند کیا۔

اس بھید کا پتہ لگانے کے لئے میرا دل شوق سے بھرا ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ شوق اتنا بڑھا کہ مجھے اپنی جان کی بھی پروا نہ رہی۔ مگر جادوگر کو دکھانے کے لئے میں اندر جانے سے جھجھکا۔

اس پر جادوگر نے میری ہمت بندھائی میری پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ "بہادر ڈرا نہیں کرتے۔ اس سے بھی بڑے بڑے کام کر دکھاتے ہیں۔ تم اندر جاؤ۔ یقین کرو کہ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ تم نے میرا یہ کام کر دیا تو بہت بڑے امیر بن جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "مگر دیکھو تم کہیں چلے نہ جانا۔ اور یہ کھڑکی بند نہ کر دینا۔" اس نے کہا "جانا ہوتا تو میں جاتا ہی کیوں۔ رہا اس کھڑکی کا بند ہونا، تو اب یہ دوبارا بند نہیں ہو سکتی۔" میں نے دیکھا تو سچ مچ اس کا پٹ آپ ہی آپ اتنا چھوٹا ہو گیا کہ کھڑکی کیا ایک چھوٹا سا ڈبا تک اس سے بند نہ ہوتا۔

یہ دیکھ کر میں کھڑکی میں داخل ہوا اندر جا کر مجھے ایک زینہ نظر آیا۔ میں بڑی تیزی اور پھرتی سے اترتا چلا گیا اور بات کی بات میں اس کے دروازے پر آ پہنچا۔ کواڑ جو کھولے تو جادوگر کا کہنا سچ نکلا۔

بس ایسا معلوم ہوا کہ جنت میں آ گیا کیا پیارا پیارا باغ تھا۔ اچانک میرے کان میں یہ آواز آئی:۔

"کسی بات کے سن لینے میں
کوئی مضائقہ نہیں۔"

میں اس باغ کے پھل اور پھول دیکھ دیکھ کر اور یہاں کے پرندوں کی دل لبھانے والی

صدائیں سُن کر محو ہو رہا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد میرے کان میں پھر وہی آواز آئی۔

"کسی بات کو سُن لینے میں
کوئی مضائقہ نہیں۔"

میں اور آگے بڑھا تو مجھے سنگ مرمر کا بہت ہی صاف پانی کا ایک حوض نظر آیا۔ اس حوض کے کنارے پر قدم رکھنا تھا کہ پھر تیسری دفعہ میرے کان میں وہی آواز آئی۔

"کسی بات کے سن لینے میں
کوئی مضائقہ نہیں۔"

میں نے ہر طرف دیکھا۔ مگر اس بات کا کہنے والا مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ حوض کی طرف سے کسی کے گانے کی سُریلی آواز مجھے سنائی دی۔ میں نے جھٹ اُس طرف توجہ کی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک سُنہری مچھلی سونے کا ایک بہت ہی خوب صورت پنجرا اُٹھائے کنارے کی طرف آرہی ہے۔ اس پنجرے میں مینا ہے، وہی یہ سریلا گیت گا رہی ہے۔ اس رسیلے گیت کو سُن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ نیند سی آنے لگی۔ مگر میں نے بہت کوشش کی اور اپنے آپ کو ہوشیار رکھا اور مچھلی کے کنارے کے پاس آتے ہی جھٹ پٹ ہاتھ بڑھا کر میں نے وہ پنجرا اُس سے چھین لیا۔ پنجرا لے کر میں بھاگنے ہی والا تھا کہ پیچھے کی طرف سے پھر وہی آواز میرے کان میں آئی:۔

"کسی بات کے سن لینے میں
کوئی مضائقہ نہیں۔"

میں نے مڑ کر جو دیکھا تو نہ وہاں حوض ہے نہ پانی ہے اور نہ مچھلی ہے۔ ہاں ایک بہت ہی حسین اور خوب صورت لڑکی کھڑی ہے۔ اُس کا چہرا ایسا تھا کہ چاند بھی دیکھتا تو شرما جاتا۔ میرے دیکھتے ہی وہ آگے بڑھی اور بہت ہی نرمی سے بولی:۔

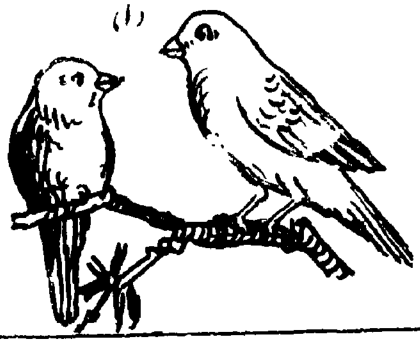
"کسی بات کے سُن لینے میں
کوئی مضائقہ نہیں۔"

(۱)

چڑا اور چڑیا

سید برہان الدین نجم ہاشمی

(۱)



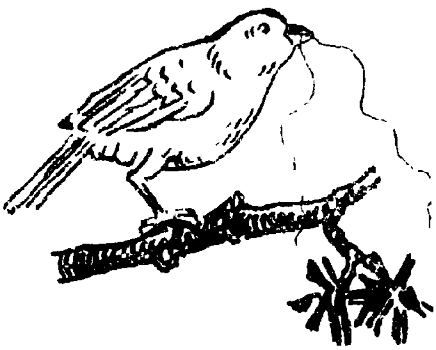
(۱)

ایک چڑا تھا ایک تھی چڑیا
اچھا چڑا تھا اچھی چڑیا

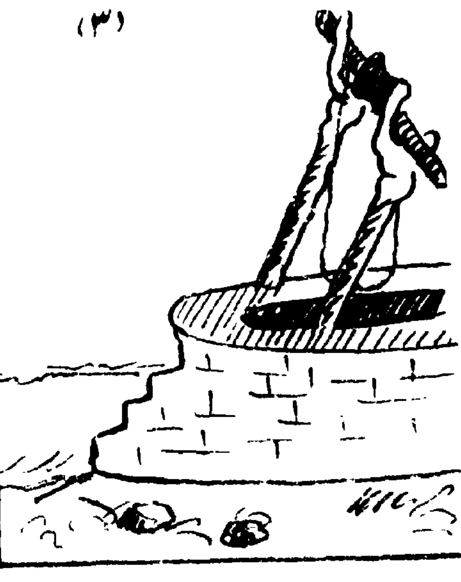
(۲)

چڑیا کہیں سے دھاگا لائی
بولی آؤ ڈالیں جھولا

(۲)



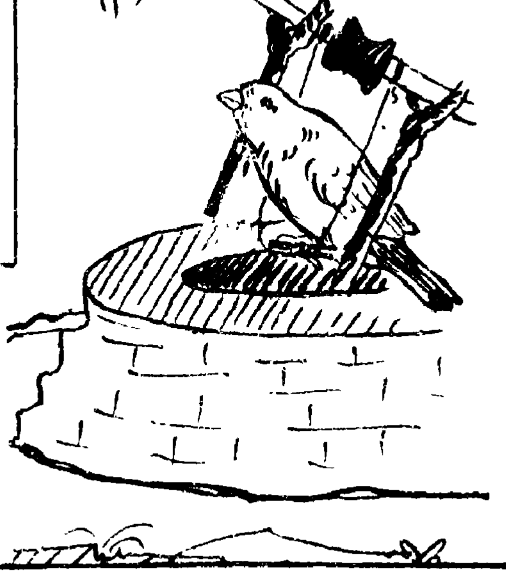
(۳)



(۳)

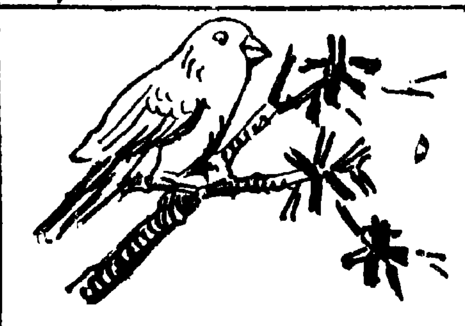
ایک کنوئیں پر دونوں پہنچے
اُس پر اپنا جھولا ڈالا
جھول چکا جب خوب چڑا تو
بولا اب تم جھولو چڑیا

(۴)



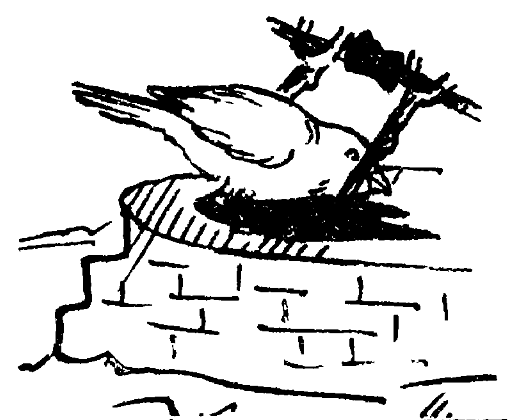
(۴)

چڑیا اُس جھولے پر بیٹھی
ٹوٹ گیا کم زور تھا دھاگا
گر گئی بے چاری کنوئیں میں
اُڑنا اُس کا کام نہ آیا
اب تو چڑا بے حد گھبرایا
بیٹھ کے کچھ اک شاخ پہ سوچا
آئی اک تدبیر سمجھ میں
اُڑ کر وہ اک گھر میں پہنچا



(۵)

ایک پڑی تھی ڈوری صحن میں
اُس کو اُٹھا کر چونچ میں لایا
ایک سرا تو چونچ میں پکڑا
دوسرا اُس نے چاہ میں ڈالا
پاس جو ڈوری پہنچی اُس کے
بولا پکڑ لو اِس کو چڑیا
لے کے اُڑا کچھ دور چڑا پھر
چڑیا نے جب اُس کو پکڑا



(۶)



(۶)

آ گئی چڑیا چاہ کے باہر
خوب چڑے نے اُس کو بچایا

سر اولیور لاج

۲۳؍ اگست ۱۹۴۰ء کے اخباروں میں دُنیا کے دو مشہور لوگوں لیون ٹراٹسکی اور سر اولیور لاج کے مرنے کی خبریں شائع ہوئیں۔ لیون ٹراٹسکی کا حال پچھلے پرچے میں شائع ہو چکا ہے۔ سر اولیور لاج کا مختصر سا حال نیچے لکھا جاتا ہے۔

سر اولیور لاج ۱۲؍ جون ۱۸۵۱ء میں انگلستان کے ایک مقام پنکھل میں پیدا ہوئے۔ شروع میں اُن کے سرپرستوں کا خیال تھا کہ اُنھیں تجارت میں لگا دیا جائے لیکن انھیں سائنس سے شروع سے غیر معمولی دلچسپی تھی، اِس لئے یہ ۱۸۷۲ء میں لندن یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۷۵ء میں انھیں عورتوں کے ایک کالج میں نیچرل فلاسفی کا ریڈر مقرر کیا گیا۔ ۱۸۷۹ء میں لندن یونیورسٹی کالج میں عملی ریاضی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔ دو سال بعد لورپول یونیورسٹی کالج میں طبیعات کے شعبے کے صدر ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں برمنگھم یونیورسٹی کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں سر کا خطاب ملا۔ سائنس کے سلسلے میں اُنھوں نے بہت سی باتوں پر تحقیقاتی کام کئے مثلاً آسمانی بجلی بجلی کی رفتار، برقی لہریں، وائرلیس ایتھر کی حرکت زمین کے قریب بجلی کے

ذریعے دھوئیں اور کہر کو دور کرنا۔ بغیر تاروں کے سگنل بازی کرنا وغیرہ۔ ان چیزوں پر اس کی کتابیں اور یادداشتیں بھی شائع ہو چکی ہیں

۱۹۲۰ء میں انھیں روحانیات کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس میں بھی اُنھوں نے بہت شہرت حاصل کی۔ اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ مُردوں سے بات چیت کی جا سکتی ہے۔ اس موضوع پر اُنھوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ پچھلی بڑی لڑائی میں ۱۹۱۶ء میں اُن کا بیٹا میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اُنھوں نے اپنے مرحوم بیٹے سے بات چیت کی اور اُس سے مرنے سے پہلے اور بعد کے حالات معلوم کیے۔

۱۹۲۰ء میں وہ پرنسپل کے عہدے سے الگ ہو گئے اور امریکہ کا سفر کیا۔ امریکہ میں اُنھوں نے بہت سی تقریریں کیں۔ چند سال بعد اُنھوں نے سائنس پر آسان زبان میں چند رسالے شائع کیے۔ اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔ آدمی کی تخلیق ہتھر اور حقیقت۔ اضافیت۔ وائرلیس کی گفتگو وغیرہ۔ ۱۹۱۹ء میں رائل سوسائٹی آف آرٹ کی طرف سے اُنھیں وائرلیس کے سلسلے میں کام کرنے پر البرٹ تمغہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۰۲ء میں وہ رائل سوسائٹی کے فیلو بھی مقرر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کئی سوسائٹیوں کے صدر بھی منتخب ہوئے مثلاً برٹش ایسوسی ایشن، فزیکل سوسائٹی، روحانی تحقیقات کی سوسائٹی ریڈیو سوسائٹی۔ رانتجن سوسائٹی۔

فرض کی پابندی

ایم رئیس الدین احمد

کسی زمانے میں امریکہ سے ایک جہاز انگلستان واپس آرہا تھا۔ اس کا ایک مسافر اپنے سفر کا حال یوں بیان کرتا ہے۔ ہمارے جہاز کا کپتان کامران تھا، یہ بہت رحم دل اور وقت کا پابند تھا اور جہاز والوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھتا تھا۔ مسافر بھی اس سے ہمیشہ خوش اور مطمئن رہتے تھے۔ کامران کا بیٹا رینلڈ بھی جہاز پر نوکر تھا۔ یہ بھی بہت باہمت اور سنجیدہ لڑکا تھا۔ کامران کا برتاؤ اس کے ساتھ بھی اور نوکروں جیسا تھا۔ چلتے چلتے جب ہمارا سفر ختم ہونے کے قریب تھا تو شام کے وقت کپتان نے خوش خبری سنائی کہ صبح ہونے سے پہلے ہمیں زمین دکھائی دینے لگے گی۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور اپنی اپنی جگہ جاکر سو گئے۔ میں رات کو جاگ رہا تھا اور اس خوشی میں تھا کہ صبح کو جہاز کے صحن میں کھڑے ہوکر زمین کا نظارہ کریں گے۔ یکایک ہوا تیز ہوئی اور سمندر کی موجیں جہاز سے لڑنے لگیں۔ آدھی رات کا وقت تھا، بجلی کڑک رہی تھی اور سمندر میں شور مچ رہا تھا۔ رات نہایت ڈراؤنی اور بھیانک تھی۔ یکایک ایک شور ہوا، چاروں طرف سے آگ آگ کی آواز جہاز میں بلند ہوئی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ جہاز کے اگلے حصے میں آگ لگ گئی۔ رفتہ رفتہ لوگ جاگنے لگے اور بدحواسی میں اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگے۔ جہاز میں کہرام مچ گیا مگر آگ ابھی زیادہ نہ تھی۔ ملاحوں نے جلدی جلدی کشتیاں اتاریں، مگر جوں ہی کشتی اتری جہاز سے لوگ دھما دھم کود پڑے اور کشتی ڈوب گئی۔ اِدھر لوگ آگ بجھانے میں مصروف تھے۔ بہت سے لوگ زینے پر تھے اور کچھ اوپر۔ آدھ گھنٹے میں دوسری کشتیاں بھی غرق ہوگئیں۔ ڈوبنے والوں کا شور، بچوں اور عورتوں کی واویلا، مردوں کی آپس کی لڑائی کے شور نے جہاز کو سر پر اٹھا لیا۔ مگر کپتان اور اس کا بیٹا سخت جاں فشانی سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تختہ جہاز آدمیوں سے بھر گیا۔ سب لوگ سمٹ کر اِدھر ہی آرہے تھے۔ رینلڈ اور کپتان اپنے جلتے کپڑوں کو ملتے ہوئے اِدھر

سے اُدھر دوڑے پھرتے تھے۔ آگ نہایت زوروں پر تھی اور لوگ بہت پریشان۔ یکایک کپتان نے رینلڈ کو آواز دی۔ وہ جہاز کے کنارے کنارے دوڑا جا رہا تھا کہ پاؤں رپٹ گیا اور ذرا سی دیر میں سمندر کی موجوں میں لڑھکتا ہوا نظر آیا۔ کامران نے یہ دیکھ کر سوچا کہ جہاز لوٹائے مگر پھر اُس نے یہ خیال کیا کہ چند منٹ کھونے سے اور سب مسافروں کی جانیں ضائع ہو جائیں گی۔ اِدھر رینلڈ نے چیخ کر کہا الوداع، الوداع۔ اپنا فرض مت چھوڑو۔ تم سب کی خاطر اگر میری جان کی بھینٹ کافی ہے تو مجھے دریغ نہیں۔ باپ نے آخری مرتبہ بیٹے کو دیکھ کر مُنہ پھیر لیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ڈرائیور کو حکم دیا، جہاز کا رُخ شمال کی طرف پوری رفتار سے کر دو۔ جہاز پانی کو چیرتا پھاڑتا ہوا ہوا کی طرح دوڑ رہا تھا۔ آدمی سکڑ سکڑ کر ایک طرف ہوتے جاتے تھے۔ آگ انجن کے قریب آ گئی تھی اور ڈر تھا کہ بوائلر پھٹا اور ہم یا تو آگ یا پانی کی نذر ہو جائیں گے صبح ہو چکی تھی اور کہیں زمین نظر آ رہی تھی ہم زمین کو دیکھ کر حسرت سے کہہ رہے تھے کاش جہاز تباہ ہونے سے پہلے ہم تجھ پر پہنچ جاتے۔ دم بھر میں ہم کو اپنی طرف خلیج اور کھاڑیوں سے کشتیاں چھپکتی ہوئی نظر آئیں۔ بوائلر پھٹنے والا تھا۔ کامران نے حکم دیا کہ بادبان گرا دو اور سمندر میں کود پڑو۔ ہم نے جلدی جلدی بے ہوشوں اور بچوں کو ساتھ لے کر دھما دھم کودنا شروع کیا۔ کشتیوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ہمیں ڈوبنے سے بچا لیا۔ ابھی ہمارے حواس ٹھکانے بھی نہ تھے کہ یکایک بوائلر کے پھٹنے کی آواز سنائی دی۔ جلتی ہوئی لکڑیاں ہر طرف اُڑتی ہوئی نظر آئیں اور دم بھر میں سمندر پر کالی کالی سن سن کرتی ہوئی تیرتی لکڑیوں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ باقی جہاز بھی غڑم غڑم ہو کر پانی کی تہہ میں بیٹھ چکا تھا۔ ہم لوگ سگنل ہاؤس میں ٹھہرائے گئے۔ ہمیں اس بات کا بہت صدمہ تھا کہ کامران کی کوششوں سے ہماری جان بچی اور اس کا لائق بیٹا سمندر کی نذر ہو گیا۔ شام کے وقت سپاہیوں میں ہل چل مچی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جائے نشست مقام سے کچھ اُڑتی اُڑتی خبر آئی ہے کہ رینلڈ بچا لیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ساحل پر ایک کشتی آ لگی۔ اس میں سے ایک نوجوان اُترا۔ چہرا جھلسا ہوا۔ بال اور کپڑے بھی جل گئے تھے۔ بدن کی کھال جگہ جگہ سے اُڑی ہوئی۔ کامران نے اُس کو فوراً ہی چپٹا لیا۔ یہ وُہی رینلڈ تھا۔ ہم لوگ بہت خوش ہوئے اور سب اُس سے گلے ملے۔ رینلڈ نے کہا۔ "آپ مجھے زندہ نہ پاتے۔ میں جب پانی میں گرا تو دم سادھ کر پڑ گیا۔ کیوں کہ تیرنا بے کار تھا۔ یکایک جوار کے ساتھ بہتا ہوا روشنی کے مینار تک پہنچا

اس وقت میں بے ہوش تھا۔ مینار والوں نے مجھے اُٹھا لیا۔ ہوش آنے کے بعد مجھے اپنے بچ جانے کا بہت رنج تھا۔ میرا خیال تھا کہ آپ لوگ آگ یا پانی کی نذر ہو چکے ہوں گے۔ مگر اس وقت کی خوشی کبھی نہیں بھولوں گا۔ مینار والوں نے کہا کہ تمھارا قافلہ ساحل پر صحیح سلامت پہنچ گیا ہے۔

برما روڈ

تم نے دیوارِ چین کا نام تو سنا ہوگا اور شاید اس کا حال بھی پڑھا ہو۔ یہ کوئی ۱۶۰۰ میل لمبی دیوار قدیم چینیوں کے عزم و ارادہ اور ہمت و استقلال کی بہت شاندار یادگار ہے۔ اور تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ انھی قدیم چینیوں کی اولاد نے اتنی مدت کے بعد ایک اور حیرت انگیز اور شاندار کام کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ چین اور جاپان کی لڑائی کوئی تین برس سے جاری ہے۔ چینی باوجود لڑائی کے سامان کی کمی کے اب تک بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

جاپان نے چین کے پوربی ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے اور چینیوں کو مجبوراً ان علاقوں کی طرف ہٹنا پڑا ہے جو پہلے زیادہ آباد نہ تھے۔

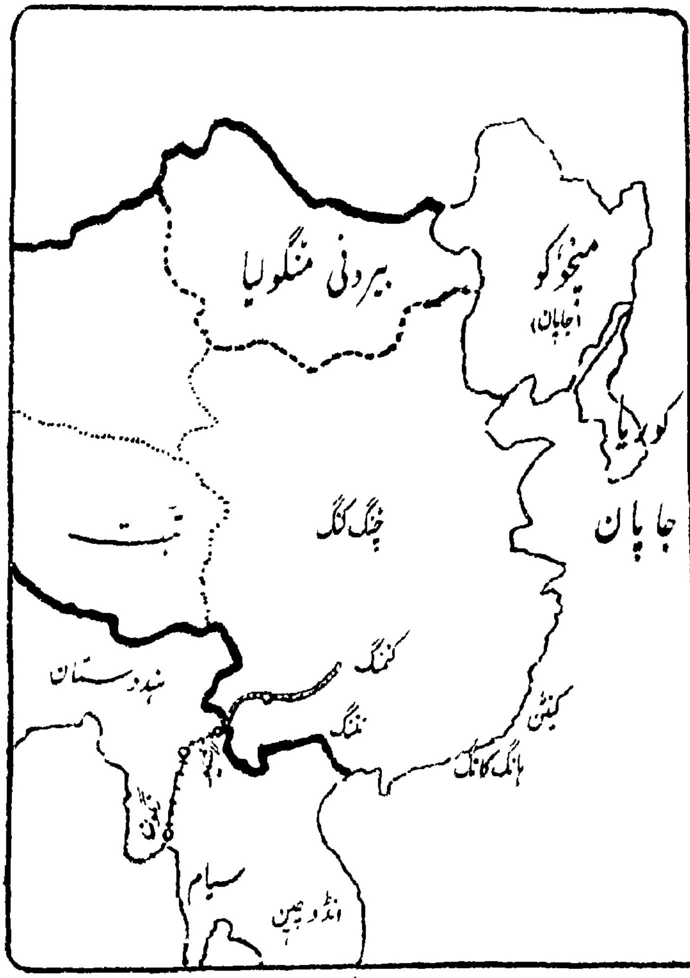
اب سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ چینی حکومت دنیا کے دوسرے ملکوں سے الگ تھلگ ہوگئی۔ ہر قسم کا خصوصاً لڑائی کا سامان باہر سے منگانے اور باہر بھیجنے میں بہت دقتیں پیش آنے لگیں۔ اس سے پہلے فرانسیسی ہند چینی کے راستے سے صوبہ یونان میں مال آتا تھا۔ ہند چینی اور اس صوبے کے درمیان جو ریلوے لائن ہے وہی آمد و رفت اور مال لانے اور لے جانے کا ذریعہ تھی۔ مگر یہ راستہ ایک تو جاپانی بموں سے محفوظ نہ تھا دوسرے جاپان نے اب فرانسیسی حکومت پر دباؤ ڈال کر انڈو چائنا کا راستہ بھی بند کر دیا ہے۔ اور چینیوں کے لئے بہت پریشانی کا سامنا ہوتا اگر وہ اس سے پہلے برما روڈ مکمل نہ کر چکے ہوتے۔

برما روڈ چینیوں کا ایک شاندار کارنامہ ہے اور اُن کی حب الوطنی، ایثار اور قربانی کی قابلِ فخر یادگار۔

چین کی حکومت آج کل صوبہ یونان کے دارالسلطنت چنگ کنگ میں ہے۔ یہ صوبہ برما کی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ برما ریلوے کے آخری اسٹیشن لاشیو سے کنمنگ تک سات سو میل کا فاصلہ ہے۔ ان میں سے ایک سو میل تو برما کی اور چھ سو میل یونان کی حد میں پڑتے ہیں۔ چینیوں نے انھی دونوں مقامات کے درمیان اتنی لمبی سڑک ایک سال کی مدت میں بنا ڈالی۔ یہ سڑک تین بڑے بڑے دریاؤں۔ سالوین میکونگ اور یانگ

سے گذرتی ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اور ندیاں ان کے علاوہ ہیں۔ ان دریاؤں کے درمیان بڑے بڑے اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ اگر یورپ کے کسی مُلک میں ایسی دشوار گذار سڑک بنتی تو بڑے بڑے ماہر انجینیر مقرر

نے ان سے ایسا عظیم الشان کام کرایا جو معجزے سے کم نہیں۔ وہ بڑی بڑی پتھریلی چٹانوں کو اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالتے تھے۔ پھر ٹوٹے ہوئے پتھروں، کنکروں اور مٹی کے بڑے بڑے تودوں کو بانس سے بندھی



ہوتے اور بڑی بڑی مشینوں اور انجینیری کے نئے سے نئے آلات سے کام لیا جاتا۔ غریب چینی ان تمام سہولتوں سے محروم تھے۔ ان کے پاس اگر کوئی چیز تھی تو وہ اپنے مُلک کو دشمنوں سے بچانے کا جذبہ تھا۔ اسی سچے جذبے

ہوئی ٹوکریوں میں اُٹھا کر پھینک آتے تھے۔ ان لاکھوں سڑک بنانے والے چینیوں کو کوئی مزدوری نہیں ملتی تھی وہ اپنا کھانا ساتھ لاتے تھے۔

سڑک بناتے وقت پہلے پہل برسات کا موسم آیا

تو بہت دقت ہوئی۔ چھوٹے پل اور نالیاں زیادہ تعداد میں نہ تھیں۔ پہاڑوں سے پانی کی تیز رَو آتی تھی اور سڑک کو بھی اپنے ساتھ بہالے جاتی تھی لیکن چینیوں کی ہمت استقلال اور حب وطن کے جذبے کی بدولت ایک سال کی مختصر سی مدت میں ۷۰۰ میل لمبی سڑک بن کر تیار ہوگئی۔

اب اس سڑک کا انتظام ایک خاص محکمے کے سپرد ہے۔ سڑک کے پلوں کو بہت مستحکم بنا دیا گیا ہے۔ سڑک کی دیکھ بھال برابر کی جاتی ہے اور جہاں کہیں خرابی نظر آتی ہے وہاں فوراً مرمت کردی جاتی ہے۔ اسی سال شروع میں سڑک کہیں خراب ہوگئی تھی اور چند نئے پلوں کی بھی ضرورت تھی۔ کوئی بہتر (۷۲) ہزار چینی اس کام میں لگ گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں سڑک بھی ٹھیک کردی اور تین ہزار نئے پل بنا ڈالے۔ اب کے ان لوگوں کو چینی حکومت کی طرف سے مزدوری بھی دی گئی ہے۔

غرض اس سڑک کی وجہ سے چینی حکومت کا تعلق باہر کی دنیا سے پھر قائم ہوگیا ہے اور تجارتی اور لڑائی کے سامان کی درآمد برآمد میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔ لیکن جاپانی حکومت کو یہ چیز بھی گوارا نہ تھی۔ اس نے انگریزوں پر زور ڈالنا شروع کیا کہ چینیوں کو اس طرف سے لڑائی کا سامان لے جانے کی قطعاً ممانعت کردی جائے۔ انگریزوں نے جاپانیوں کی یہ بات تو نہیں مانی لیکن اتنا منظور کرلیا ہے کہ تین مہینے تک لڑائی کا سامان اس راستے سے نہ بھیجا جائے۔

بچوں کی نظمیں

جناب مولانا شفیع الدین صاحب نیرؔ
کی
اصلاح کے بعد

کاکا رانی

کاکا رانی کاکا بیٹی — دن کو کھیلی شام کو لیٹی
کہاں کہاں کی سیر لگائی — اتنی مٹھائی کہاں سے لائی
کہاں گری تھی چوٹ جو کھائی — کوڑی گری تھی کیوں نہ اٹھائی؟
امّی جان نے کیا تھا کھلایا — کب نہلایا کب سلایا؟
ننھا بھیا کہاں ہے سویا — کرے اس کو پیار ذرا سا
تو بھی میری گود میں آجا — میں بھی تجھ کو پیار کروں گا
ابّو کو بھی یاد کیا کر — ننھے ننھے خط لکھا کر

کاکا رانی کاکا بیٹی
راج دُلاری کاکا بیٹی

سید محمد یحییٰ پٹنہ

اسکول سے گھر

دیکھو مکتب ختم ہوا ہے — ہنگامہ سا ایک بپا ہے
گیٹ پہ ٹھہری آکر لاری — ہم سب بیٹھے باری باری
فرّاٹے وہ بھرتی نکلی — ہر اک کے وہ گھر تک پہنچی
جب وہ ہمارے گھر پہ ٹھہری — بلقیس اتریں میں بھی اتری

ہم نے قدم جب گھر میں رکھا — ٹہل رہے تھے باغ میں ابّا
اّن ہماری اچھی امّی — دیکھ رہی تھیں راہ ہماری
چلئے ابھی ہم پی ہی رہے تھے — امجد ماموں موٹر لائے
چلو چلو اب سیر کو نکلیں — سیدھے باغِ عام کو جائیں

رات کا جب چھا جائے اندھیرا
اس وقت آکر پڑھ لکھ لینا

سید موسیٰ کلیم بدرالہی حیدر آباد

مُنّی اور اُس کی بلّی

چھوٹی تھی ایک لڑکی تھا نام اُس کا مُنّی — اک بھولی بھالی بلّی تھی اس نے پال رکھی
ہر وقت ہر گھڑی وہ بس اُس سے کھیلتی تھی — ہمجولیوں سے بڑھ کر تھی اس کی یہ سہیلی
جو چیز اُس کے ابّا بازار جاکے لاتے — رکھ دیتی اس کے آگے کھائے وہ یا نہ کھائے
منی کو بلّی پیاری ۔ بلّی کو مُنّی پیاری — اس طرح پیار اُن کا کرتا گیا ترقی
مُنی کے ساتھ بلّی گھر ہی پہ کھیلتی تھی — مُنی کے مدرسے میں ہرگز نہ وہ گئی تھی
حالت ہوئی یہ اب تو ایسی بڑی محبت — مُنی بغیر اس کو اِک پل بھی تھا قیامت
اِک دن تھی جبکہ مُنی اِسکول جانے والی — بلّی نے ساتھ چلنے کی اُس سے آرزو کی
سُن کر یہ بات اُس نے خوش خوش اُسے اُٹھایا — اور مدرسے کی جانب اپنا قدم بڑھایا
اُستانی صاحبہ نے بلّی کو واں جو دیکھا — فوراً چھڑی اُٹھاکر باہر اسے بھگایا
لیکن وہ گھر کو واپس ہرگز ہوئی نہ ۔ بلّی — مُنی کی منتظر تھی مُنی کو ڈھونڈتی تھی
گھنٹی بجی تو مُنی درجے سے اپنے نکلی — بلّی خوشی سے اُچھلی اور اس کے پاس آئی
مُنی نے اُس کو فوراً بڑھ کر اُٹھالیا پھر — گھر کی طرف چلی وہ ۔ بلّی کو اپنی لے کر

کس لاڈ پیار سے وہ کہتی تھی چھوٹی بی بی
مارا ہے جس نے تجھ کو میں اُس سے بدلا لوں گی

(محمد اکرام، لاہور)

گیس ماسک

عرفان اللہ۔ لکھنؤ

سائنس نے جہاں لوگوں کے واسطے آرام و آسائش کی چیزیں بنائی ہیں انسانی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔ مثلاً بم، لڑائی کے ہوائی جہاز، بندوق، توپ، اور آبدوز کشتی وغیرہ۔ یہ چیزیں لڑائی میں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک چیز زہریلی گیس ہے۔ اس کے بم لڑائی کے زمانے میں دشمن کے شہروں پر ہوائی جہاز سے پھینک دیے جاتے ہیں۔ ان کے پھٹتے ہی تمام جگہ دھواں ہی دھواں پھیل جاتا ہے۔ یہ دھواں زہریلا اور بھاری ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نیچے رہتا ہے اور آدمیوں کو بے ہوش کر دیتا ہے بعض اوقات مار بھی ڈالتا ہے۔

اگر اس کے سو ڈیڑھ سو بم کسی شہر پر پھینک دیے جائیں تو تمام شہر دھوئیں سے بھر جائے اور شہر کے رہنے والوں کو کافی نقصان پہنچائے۔ یہ دھوئیں یا (GASES) کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے، بعض سے کھانسی آتی ہے اور بعض سے آنسو نکلتے ہیں۔

جب پہلے پہل یہ گیس ایجاد ہوئیں۔ اور دشمن پر استعمال کی گئیں تو اُن سے کافی نقصان ہوا چونکہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" لوگوں کو اس سے بچنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت تھی۔ اس لئے انھوں نے گیس ماسک ایجاد کئے۔ یہ اس قسم کا چہرا ہوتا ہے جیسے غوطہ خور منہ پر لگا کر پانی میں اُترتے ہیں۔ اس میں ربڑ کے فیتے ہوتے ہیں۔ یہ فیتہ سر پر باندھا جاتا ہے اور پورا منہ ڈھک جاتا ہے۔

آنکھوں کی جگہ ربڑ ملے ہوئے شیشے ہوتے ہیں یہ شیشے ٹوٹ نہیں سکتے۔ اس قسم کے شیشے اکثر موٹروں میں لگے ہوتے ہیں۔ منہ کی جگہ ایک گول ڈبیا ہوتی ہے۔ اس میں سامنے کی طرف سوراخ ہوتے ہیں۔ ان سوراخوں کے بعد ایک خاص قسم کی جالی ہوتی ہے۔ اس جالی کے بعد کوئلے کی قسم کے مصالحے ہوتے ہیں جو زہریلی اور خراب گیسوں کو جذب کرتے ہیں۔ اور آکسیجن کو آنے دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نقصان

سانس لے سکتا ہے۔

بعض گیس ماسک ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں زہریلی گیس کو جذب کرنے والے مصالحوں کے بجائے ایسے مصالحے ہوتے ہیں جو اپنے میں سے آکسیجن خارج کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بجائے ڈبیا کے چھوٹے چھوٹے پیپے ہوتے ہیں۔ یہ پیٹھ پر باندھے جا سکتے ہیں۔ ان پیپوں سے ماسک تک ایک ربڑ کی نلکی لگی ہوتی ہے جس سے آکسیجن آسکتی ہے۔ اس قسم کے ماسک میں ایک والو ہوتا ہے جس سے جسم کی بنائی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ نکلتی ہے۔ مگر باہر کی زہریلی گیس اندر نہیں آسکتی۔

بعض گیس ماسک ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایک خاص لباس بھی پہننا پڑتا ہے۔ اس سے ایک قسم کے دھوئیں سے بچاؤ ہوتا ہے، کیوں کہ یہ دھواں جسم کے جس حصے پر لگتا ہے وہ جگہ جل جاتی ہے۔ یہ لباس خاص طور پر سپاہی استعمال کرتے ہیں۔

معمولی قسم کے گیس ماسک سے انسان دو یا تین گھنٹے اور عمدہ قسم کے گیس ماسک سے چھ گھنٹے تک گیس میں رہ کر کام کر سکتا ہے ؎

حمید میاں

محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ ابتدائی حمایت نگر

حمید میاں یوں تو بہت ذہین اور تیز لڑکا تھا مگر گڑبڑی اور جلد باز بہت تھا کسی کام کو سہولت اور اطمینان سے انجام دینا جانتا ہی نہ تھا۔ اس عادت کی وجہ سے اس کو دن میں کئی مرتبہ شرمندگی اُٹھانا پڑتی۔ صبح بستر سے اُٹھ کر کبھی اُلٹا کرتا پہن کر باہر آتا تو اُس کے بھائی بہن خوب ہنستے۔ کبھی مدرسے جاتے وقت جلد جلد شیروانی کے بٹن لگاتے ہوئے چلا جاتا تو جماعت کے لڑکے اُس کے نیچے اوپر لگے ہوئے بٹنوں کو دیکھ کر جی بھر کر ہنستے۔ اپنے کمرے میں ٹنگے ہوئے ٹائم ٹیبل کو ایک نظر دیکھ کر وہ جلدی میں ایسی کتابیں اور کاپیاں اُٹھا لیتا جن کی اس دن مدرسے میں مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ مدرسے پہنچنے کے بعد اُس کو اپنی غلطی کا علم ہوتا۔ حساب کرتے وقت اکائی کے ہندسے کو حاصل سمجھ کر میزان میں شامل کر لیتا جس سے آسان حساب بھی غلط ہو جاتا۔ اُن کی جلد بازی کے لطیفے تو بہت سے ہیں آج ایک تم بھی سن لو:۔

عید کی چھٹی میں مدرسہ بند تھا۔ حمید مدرسے کا کام کر رہا تھا کہ اس کی امّی نے آواز دی "حمید ذرا کپڑے پہن کر یہاں آؤ۔ بازار سے کچھ سودا لانا ہے۔" حمید نے کاپی اور کتاب بند کر کے کچھ اس طرح پھینکی کہ سیاہی کی دوات اُلٹ گئی اور فرش لت پت ہو گیا جلد جلد شیروانی اور ٹوپی پہن کر ماں کے پاس گیا امّی نے اُسے چار روپے دئے اور ساڑھے چار سیر شکر۔ ڈیڑھ پاؤ مغز بادام کی گری اور ایک تولہ زعفران لانے کو کہا۔ یہ بھی ہدایت کی کہ یہ سب سودا کاغذ پر لکھ لے۔ حمید نے جواب دیا "کیا ضرورت ہے۔ تین ہی تو چیزیں ہیں۔ راستے میں وہ دل میں یاد کرتا جا رہا تھا۔ ساڑھے چار سیر شکر۔ ڈیڑھ پاؤ مغز بادام۔ ایک تولہ زعفران۔

راستے میں اُس کے تین چار دوست ملے۔ یہ پاس کے تالاب میں تیرنے کو جا رہے تھے۔ اُنھوں نے حمید کو بھی اپنے ساتھ لینا چاہا۔ حمید نے کہا بازار سے سودا لے کر میں ابھی آتا ہوں۔ تین ہی چیزیں تو ہیں۔ بس گیا اور آیا۔ تم یہیں ٹھہرے رہو۔

پھر اُس نے اپنا سودا یاد کیا۔ ساڑھے چار سیر مغز بادام۔ ڈیڑھ پاؤ شکر۔ ایک تولہ زعفران۔ بنئے کی دُکان پر پہنچتے ہی حمید نے کہا "لائیے سیٹھ جی مجھے سودا دیجئے ذرا جلدی کرنا بھئی"۔

بنیا:۔ ذرا ٹھہرئے بس دو ہی گاہک ہیں اِن کو بھگتا کر آپ کو دیتا ہوں۔

حمید:۔ بھئی تین ہی چیزیں ہیں۔ کچھ زیادہ سودا نہیں ہے۔ پہلے مجھے دے دو۔

بنیا:۔ یہ دونوں آپ سے پہلے آئے ہیں اور بہت دیر سے بیٹھے ہیں۔

حمید:۔ ایک ضروری کام کے لئے جانا ہے۔ خیر کسی دوسری دوکان سے خرید لوں گا۔

حمید کی جلدی دیکھ کر ان دونوں گاہکوں نے بنئے سے کہا "سیٹھ جی پہلے اُن کو چکا دو۔ یہ بہت جلدی کر رہے ہیں"۔

بنیا:۔ ہاں بتائیے آپ کو کیا لینا ہے۔

حمید:۔ بس صرف تین ہی چیزیں ہیں۔

بنیا:۔ فرمائیے۔

حمید:۔ ڈیڑھ پاؤ مغز بادام، ایک تولہ شکر، ساڑھے چار سیر زعفران بس اسی قدر۔ ذرا جلدی کرنا۔

حمید کے سودے کی تفصیل سن کر سیٹھ جی اور گاہک دیر تک ہنستے رہے۔ انھیں دیکھ کر حمید نے کہا ہیں! مجھے تو اتنی جلدی ہے اور آپ کو ہنسی کی سوجھی ہے۔

بنئے نے کہا "بس میاں آپ جلد سودا لے چکے روپئے تولائے چار اور چلے ہیں جلدی جلدی۔ ساڑھے چار سیر زعفران خریدنے۔ اس قدر زعفران کے لئے ایک ہزار روپئے چاہئیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ جلدی میں سودے کی تفصیل بھول گئے ہیں۔ جائیے دوبارہ پوچھ کر آئیے۔

حمید صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ واپس آرہے تھے۔ اُن کے دوستوں نے دور ہی سے اُن کو خالی ہاتھ آتا دیکھ کر سمجھ لیا کہ حمید کچھ بھول گئے ہیں۔ سب قہقہے مارتے ہوئے چلے گئے۔ اور میاں حمید رونی صورت بنا کر اپنے گھر میں داخل ہو گئے ؛

پہیلیوں کے جواب

(۱) روپیہ (۲) ناریل (۳) کنواڑ
(۴) کڑھاؤ (۵) انگوٹھی (۶) قرآن پاک

ہونہار ظفر

از مولانا سوز ناروی

یہ نظم مصنف نے اُس زمانے میں لکھی تھی جب وہ [illegible] میں دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ میں نائب نگراں کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

ایک لڑکا ظفر ہے ندوے میں
چھوٹا سا اک بشر ہے ندوے میں
اُس کا جو وصف ہے نرالا ہے
پیارا پیارا ہے بھولا بھالا ہے
شوخ بھی ہے بہت متین بھی ہے
محنتی بھی ہے اور ذہین بھی ہے
سارے اُستاد دل سے مانتے ہیں
سب اُسے ہونہار جانتے ہیں
ورزشوں سے بھی خاص ذوق ہے اُسے
ہاکی، فٹ بال کا بھی شوق اُسے
فیلڈ میں ہر چہار سمت خیال
بال لے جائے اُس سے کس کی مجال
اپنی اپنی جگہ بجا سب کام
کھیل میں بھی وہ پاتا ہے انعام
بھائی بہنوں کو چاہنے والا
خوب سب سے نباہنے والا
ہے وہ خوش فعلیوں سے سب کو عزیز
اتنے سے سن میں اس قدر تمیز
صاف ستھری کتاب کپڑے صاف
کبھی پاؤ گے تم نہ اُس کے خلاف

اس کی ہر چیز میں صفائی ہے
وہ محمد علی کا بھائی ہے

یونہی بن جاؤ تم بھی اے بچو
خوب محنت کرو پڑھو لکھو
تاکہ تم کو نہ لوگ نام دھریں
سب تمھاری بھی یونہی قدر کریں

عید کے کپڑے

عید بالکل قریب آگئی تھی اور عباس میاں نے ابھی یہ بھی طے نہ کیا تھا کہ کون سا کپڑا خریدا جائے۔ ایک دن وہ اسی فکر میں چارپائی پر لیٹے کچھ سوچ رہے تھے کہ نیند آگئی۔ آنکھ لگتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ بہت بڑا بازار ہے۔ چاروں طرف کپڑے کی دکانیں ہیں۔ مگر ان دکانوں پر دکان دار کا نام و نشان نہیں بلکہ خود کپڑے گاہکوں سے بات چیت کرتے ہیں۔

آفتاب کو دیکھتے ہی تمام تھانوں نے گڑبڑ شروع کردی اور ہر ایک اپنی اپنی طرف بلانے لگا۔ آفتاب ایک تھان کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا اور پوچھنے لگا کیوں میاں مخمل مجھے کیوں بلا رہے تھے۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟

مخمل کا تھان :۔ میاں اگر تمھاری جیب میں بہت سے روپئے پیسے ہیں تو مجھے لے جاؤ۔ میرا لباس پہنو گے تو سب لوگ تمھیں بڑا مال دار سمجھیں گے اور خوب عزت کریں گے۔ میں ملائم اور چکنا بھی ہوں۔ اس لئے تمھارے جسم کو بہت آرام پہنچاؤں گا

آفتاب :۔ بس؟

مخمل کا تھان :۔ بس۔

ریشم کا تھان :۔ (چیخ چیخ کر) میاں! او میاں! ذرا ادھر تو آئیے۔ میں ریشم کا تھان ہوں بہت اچھا ہوں۔ اگر آپ مجھے پہنیں گے تو آپ کو خوب اچھی طرح نیند آیا کرے گی۔

آفتاب :۔ کہو میاں ریشم کیا کہتے ہو

ریشم کا تھان :۔ میاں تم جو کچھ بھائی مخمل سے سن چکے ہو میرا بھی وہی حال ہے۔ مجھے لے جاؤ تم کو بہت آرام ملے گا

باریک آواز میں ایک چیخ ۔ میاں! او میاں! ذرا ادھر آنا۔ ادھر۔

آفتاب :۔ تم کون ہو؟

وہی آواز :۔ میں ٹوئیڈ ہوں میاں

آفتاب :۔ کہو کیا کہتی ہو۔

ٹوئیڈ :۔ مجھے لے جاؤ۔ دیکھو میں کتنی خوب صورت اچھی ہوں۔

آفتاب :۔ اچھا ابھی ابھی دیکھتا ہوں۔

آواز :۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ادھر تشریف لائیے۔
آفتاب :۔ تم کون ہو؟
آواز :۔ میں سب کچھ ہوں اور کچھ بھی نہیں۔ لوگ مجھے گاڑھا کہتے ہیں، آپ لوگوں کا پرانا غلام ہوں۔ آج یہ جتنے کپڑے دکھائی دے رہے ہیں سب میری ہی بدولت وجود میں آئے ہیں مجھے ہر سمجھ دار اور کام کرنے والا آدمی، جوان بوڑھا، غریب مفلس، غرض ہر ایک پسند کرتا ہے۔
آفتاب :۔ کیوں گاڑھے میاں ایسی آپ میں کیا خوبیاں ہیں؟
گاڑھا :۔ بات یہ ہے کہ ہر سمجھ دار اور کام کرنے والے آدمی ہمیشہ کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور اچھے بچوں کو لکھنے پڑھنے ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ جس کی وجہ سے آرائش و زیبائش کا خیال اُن کے دل میں آنے ہی نہیں پاتا اور وہ محض صاف ستھری چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ میرا اصلی اور حقیقی رنگ سفید ہے اور ہر شریف آدمی سفید رنگ کو پسند کرتا ہے۔ ہاں روپئے پیسے والے مجھے پہنتے ہوئے ذرا ہچکچاتے ہیں اور بعض تو عیب سمجھتے ہیں، بات ذرا سی ہے سُن لیجئے آپ بھی کیا یاد کریں گے۔ قصہ یہ ہے کہ دُنیا میں ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی قابل اور لائق نہیں ہے اس لئے وہ لوگ جن میں کوئی جوہر نہیں ہوتا محض عمدہ عمدہ کپڑوں کے طفیل میں عزت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔
آفتاب :۔ بھئی یہ تو تم نے عجیب بات بتائی۔
گاڑھا :۔ آپ دور کیوں جاتے ہیں۔ سرکار دوعالم کو ہی لے لیجئے۔ زندگی بھر گاڑھا پہنتے رہے۔ عید ہو یا بقرعید۔ کبھی مخمل یا ریشم وغیرہ نہیں پہنا۔ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ معمولی اور موٹا کپڑا پہنو۔ سفید رنگ آپ کو بہت پسند تھا مگر افسوس ہے کہ اُن کے نام لیوا اور اُن کی پیروی کرنے والے یعنی عید بقرعید میں چیزیں رہن رکھ کر اور سودی قرضہ لے کر عمدہ عمدہ کپڑے بناتے ہیں۔
آفتاب :۔ بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ تم تو بڑے قابل اور لائق معلوم ہوتے ہو۔
گاڑھا :۔ آپ کا نام کیا ہے میاں۔
آفتاب :۔ مجھے آفتاب کہتے ہیں۔
گاڑھا :۔ اچھا تو آفتاب میاں یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ تمام کپڑوں میں سستا ہوں اور مضبوط بھی، ہاں ایک بات اور ہے۔
آفتاب :۔ وہ کیا؟
گاڑھا :۔ جس طرح دوسرے کپڑے میل کو چھپا لیتے

ہیں۔ میں نہیں چھپاتا۔ ذرا سا بھی میل ہو فوراً ظاہر کر دیتا ہوں۔

آفتاب:۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے اس طرح ہم گندگی، غلاظت اور میل کچیل سے اچھی طرح بچ سکتے ہیں۔......... اچھا گاڑھے میاں تم میرے ساتھ چلو۔

گاڑھا:۔ بہت خوب سرکار۔

ابھی یہ تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ زور سے پانی برسنے لگا۔ اور کوندا بھی بڑے زور سے ہونے لگا اور بجلی چمکنے لگی۔ بے چارہ آفتاب سرپٹ بھاگتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ بے تحاشا گرا، گرتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اب جو دیکھتا ہے تو نہ پانی ہے نہ بادل بجلی نہ آندھی، گاڑھے کا تھان بھی غائب ہے بس یہ اپنے پلنگ کے نیچے پڑا ہوا ہے اور گرمی کی وجہ سے پسینے میں شرابور۔ اٹھتے ہی منہ ہاتھ دھو کر شیروانی پہنی، بازار گیا۔ اس کے پاس کچھ روپئے تھے اس نے ایک گاڑھے کا تھان خریدا۔ اس میں کئی قمیصیں، پاجامے شیروانیاں بن گئیں۔ عید میں اس نے یہی کپڑے پہنے اب یہ جب گھر سے نکلتا ہے اس کے جسم پر سب کپڑے گاڑھے کے ہوتے ہیں۔

سناؤں تمھیں بات اک رات کی

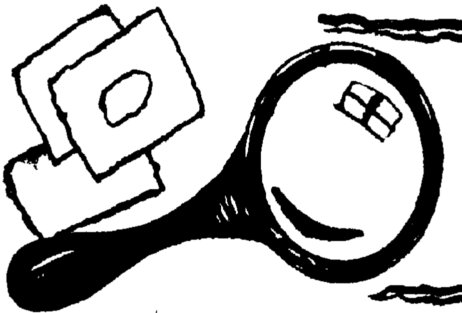
رات کا وقت تھا کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہم سب بیٹھے مدرسے کا کام کر رہے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اور چھوٹی بہن فریدہ کے خراٹے اس خاموشی کو توڑ رہے تھے۔ فریدہ دروازے سے سر لگائے بیٹھی کتاب دیکھ رہی تھیں۔ کہ آنکھ لگ گئی۔ رشیدہ اُن کے قریب بیٹھی کچھ لکھ رہی تھیں اور میں الجبرا کے ایک سوال میں غرق۔ فریدہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر تھیں۔ سرد ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اُس کے لئے لوری کا کام دے رہے تھے اتنے میں ہوا سے یکایک دروازہ کھُلا۔ فریدہ نیند سے چونک پڑیں۔ اور اماں چور پکڑا اماں چور پکڑا" کہتی ہوئی رشیدہ کی طرف بڑھیں۔ رشیدہ بالکل بے خبر بیٹھی لکھ رہی تھیں۔ فریدہ کو اس طرح اپنے پر گرتے دیکھ کر وہ بھی لگیں چیخنے۔ " اماں چور، اماں چور" دونوں کی چیخ پکار نے کمرہ سر پر اُٹھا لیا اور بدحواسی کی حالت میں دونوں میری میز کے نیچے گھُس گئیں۔ بھائی جان پاس کے کمرے میں پلنگ پر لیٹے اخبار دیکھ رہے تھے۔ ہماری اس طرح یکایک آوازیں بلند اور پھر ایک دم بند ہو جانے سے انھیں یقین ہو گیا کہ سچ مچ بچوں کو کوئی پکڑ لے گیا۔ فوراً پلنگ سے کود کر کمرے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اندر دیکھا جب فریدہ اور رشیدہ دکھائی نہ دیں تو لگے چیخنے۔ "ارے چھوڑ۔ ارے چھوڑ کہاں لے چلا۔ لاؤ میری بندوق " میں پریشان تھا کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ بھائی جان کو اس طرح پکارتا دیکھ کر اماں جان بھی لگیں چیخنے۔"ارے میرے بچے ! دوڑو ! پکڑو ! ہماری بوڑھی بُوا جنھیں نانی کہتے ہیں افیون کھا کر اونگھ رہی تھیں۔ انھوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لگیں پکارنے "ارے مرے گیا رے۔ تجھ پر خُدا کا قہر۔ علی کی ذوالفقار پڑے۔ میرے بچے وغیرہ وغیرہ"۔ ماموں جان پاس کے گھر سے" پولیس پولیس چراغ لاؤ۔ بنگلے پر جاؤ"۔ پکارتے ہوئے نکلے۔ چھوٹے بھیا نے تتلاتے ہوئے کہا" نانی میری بندوک (بندوق) تردل (کروں) فائل (فائر)

میں پریشان تھا کہ آخر ان لوگوں کو ہو کیا گیا۔ میں بھائی جان کو اصلیت بتانا چاہتا تھا۔ مگر بھائی جان نے نہ سننے کی قسم کھائی تھی۔ کہنے لگے "خاموش رہو"۔ پھر وہی۔ دوڑو۔ پکڑو کے الفاظ اُن کی زبان پر تھے۔ مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھتے یا کم از کم کمرے ہی میں داخل ہوتے، دروازے ہی پر کھڑے چیخ رہے تھے۔ اماں جان، ماموں جان اور نانی کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔ گھر کے قریب پولیس کا تھانہ تھا۔ جب پولیس والوں نے "یعقوب دوڑنا۔ سکندر دیکھنا، چھوٹے پکڑنا" کی آوازیں سُنیں تو ڈنڈے لئے دروازے پر آگئے محلے والے بھی جمع ہوگئے۔ اماں اور نانی نے نہ جانے اتنی دیر میں کتنی مرادیں، منتیں مانگ لیں مجھے ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آخر میں نے چیخ کر کہا۔ "بھائی ذرا میز کے نیچے تو دیکھئے نا" بھائی جان نے میز کے نیچے فریدہ اور رشیدہ کو بے ہوش پڑا دیکھا۔ انھیں نکالا، مُنہ پر پانی چھڑکا تھوڑی دیر بعد ہوش آیا۔ سب پریشان تھے کہ آخر ہوا کیا۔ میں نے واقعہ بیان کیا کہ صرف ہوا سے دروازہ کھُلا۔ فریدہ ڈر کر رشیدہ پر گریں اور دونوں بے ہوش ہوگئے .... اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا۔

ننھا بچہ

ایس۔ ایم۔ جبریل

ننھے بچے آجا لادوں تم کو باجا
جب وہ پیں پیں بولے گُر کی باتیں کھولے
بین بجائیں اُس میں گانا گائیں اُس میں
تو ہے ننّھا بھیا
لادوں تجھ کو پہیا
خوب گھمانا اس کو ناچ نچانا اس کو
لادوں تجھ کو چھُن چھُن بولے گا وہ چھُن چھُن
جھولے میں تو بیٹھا کھیلنا اُس سے اچھا



ٹکٹوں کے شوقین

سرکس دیکھنے کے لئے شہر میں سرکس کی آمد کا انتظار کیوں کیا جائے؟ ٹکٹوں کے البم کی ورق گردانی کرتے ہیں، اسی میں سرکس کے جانور مل جائیں گے۔

تماشے کی ابتدا ہاتھیوں کے کام سے ہوتی ہے ہم بھی پہلے ہاتھی ہی دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ لیبریا اور سیرالیون کے ٹکٹوں کو دیکھو۔ اُن پر افریقہ کے بڑے بڑے ہاتھیوں کی تصویریں ہیں اور ہاں ریاست جے پور کا ٹکٹ بھی تو ہمارے البم میں ہے۔ آہا شاہی رتھ کو ہاتھی کھینچ رہے ہیں۔ یہ ہاتھی کیسے زبردست اور زیوروں سے بنے سنورے ہیں۔ واہ واہ سرکس کی ابتدا بالکل قاعدے میں ہوئی ہے۔

اب شیر اور چیتے آنے چاہئیں؟ یہ کیا مشکل ہے ایسے ٹکٹ تو بہت سے ملیں گے، سوئیڈن۔ برطانیہ عظمیٰ۔ ٹری پولی لانیا۔ اسٹیٹس سٹلینٹ وغیرہ کے ٹکٹوں پر یہ تصویریں ہیں۔ اگر اونٹ دیکھنا چاہو تو سوڈان۔ ریلو نوئر اور ٹری پولی لانیا کے ٹکٹ دیکھو۔ بہت تھوڑے ملکوں کے ٹکٹ ایسے ہیں جن پر اس طرح کے جانوروں کی تصویریں ہیں۔

ٹانگا نیکا کے ٹکٹ پر زراف کی، جنوب مغربی افریقہ کے ٹکٹ پر زیبرا کی اور لیبریا کے ٹکٹ پر دریائی گھوڑے اور مگرمچھ کی تصویریں ہیں۔ بہرحال یہ بھی ہمارے اس سرکس کی زینت بن سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہمارے اس سرکس میں تو چند ایسے نایاب جانوروں کی تصویریں بھی ہیں جو سچ مچ کے سرکس میں خواب میں بھی نظر نہیں آئیں۔ مثلاً شمالی بورنیو کے چار سنٹ کے ٹکٹ کو دیکھو کیسی عجب صورت کے بندر کی تصویر بنی ہے۔ ذرا لٹکی ہوئی ناک ملاحظہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے خاص طور سے ہمارے ہنسانے کے لئے لٹکائی گئی ہے۔

اس بندر کی صورت تو عجیب و غریب ہے ہی، اس کی حرکتیں بھی بڑی پرلطف ہیں۔ یہ بہت ہی کم یاب ہے اور ذرا مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ صرف بورنیو میں پایا جاتا ہے اور دریا کے کنارے یا کسی دلدل کے قریب اونچے اونچے درختوں پر رہتا ہے بڑا ڈرپوک ہوتا ہے۔ جوں ہی خطرہ محسوس کیا اور یہ جا وہ جا۔

بورنیو کا دوسرا ڈرپوک جانور جسے ہم اپنے سرکس

میں شامل کریں گے جاوا کا گینڈا ہے۔ یہ چھ سینٹ کے ٹکٹ پر ملے گا۔ یہ بھی عجیب جانور ہے، صورت سے انتہائی خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ دو دانت ہاتھی کے سے باہر کو نکلے ہوتے ہیں۔ ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ اس کی بغیر بالوں والی کھال موٹی اور سخت ہوتی ہے۔ اونچائی یوں سمجھو کہ ایک بڑے آدمی کے کندھے کی برابر۔ یہ لڑنے اور جان جوکھم میں پڑنے سے بہت گھبراتا ہے۔ گھاس اور پتے کھاتا ہے اور انسانوں کی بستی سے بہت دور رہتا ہے۔

ہمارا سرکس چونکہ خیالی ہے اس لئے ہم آسٹریلیا کے ٹکٹ کے ایک ایسے جنگلی کرنے والے جانور کو بھی شامل کئے لیتے ہیں جو آسٹریلیا کا ریچھ کہلاتا ہے اور بالکل ٹیڈی انگریزی بھالو کی طرح ہوتا ہے۔ دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے بالوں والے کان ہیں اور چھوٹا سا ہلکا اور ملائم جسم ہے۔ یہ اصل میں ریچھ نہیں ہے۔ چونکہ اس کی صورت ریچھ سے ملتی جلتی ہے اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ حالانکہ یہ ان جانوروں میں سے ہے جو بندروں کی طرح درخت پر رہتے ہیں۔

کوئی سچ مچ کا سرکس والا اس ریچھ کو اپنے یہاں نہیں رکھ سکتا۔ اس کی غذا صرف آسٹریلیا کے گوندے کے درختوں کے پتے ہیں اور چونکہ یہ درخت یہاں نہیں اُگتے اس لئے یہ جانور بھی نہیں پالا جا سکتا۔

آسٹریلیا کے لوگ اس ریچھ کو پالتے بھی ہیں اور جب تک اسے گوندے درخت کے پتے ملتے رہیں وہ صبر و شکر سے زندگی گذارتا رہتا ہے ؀

پہیلیاں[1]

(۱) چھدر بدن۔ زخمی تن۔ بغیر پاؤں وہ چلتا ہے ؀ امیر خسرو یوں کہیں۔ دھیرے دھیرے چلتا ہے

(۲) ڈھال پر ڈھال۔ ڈھال پر خال۔ خال پر بال۔ چکنا مال۔

(۳) ہر گھر پر عزیز دو دربان۔ آتے جاتے کرتے ہیں شور افغان۔

(۴) ایک جوان کھائے بہت دھان۔ ہاتھ پاؤں کچھ نہیں۔ ایک پیٹ دو کان۔

(۵) پیٹ میں اُنگلی سر پر پتھر۔

(۶) ایک گھوڑے پر تیس سوار

قاضی محمد اشرف احمد جودھپوری

[1] جواب صفحہ ۷۶۵ پر دیکھو۔

جادو کا کھیل

علی عباس رضوی۔ پٹنہ

پسچ پوچھو تو جادو کوئی چیز نہیں۔ محض نظر کا دھوکا اور ہاتھ کی صفائی ہے۔ ہم عید کی خوشی میں پیامیوں کی دلچسپی کے لئے یہاں اسی قسم کا ایک شعبدہ لکھتے ہیں۔ پیامی اسے عید کے دن اپنے دوستوں کو دکھائیں۔ سب حیران رہ جائیں گے۔

پہلے تمھیں ان چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ ایک بڑی میز (تخت۔ پلنگ یا فرش سے بھی کام چل جائے گا۔) دو تین موٹی چادریں۔ ایک مفلر یا رومال اور ایک ساتھی جو خوب ہوشیار ہو۔ اور کسی کو تمھاری ترکیب نہ بتلائے۔ یعنی وہ تمھارا پکا دوست ہو۔

ایک اونچے تختے پر میز کو رکھو۔ چادریں مفلر وغیرہ ایک اسٹول پر قرینے سے رکھ دو اور اپنے تمام دوستوں اور دوسرے لوگوں کو نیچے فرش یا کرسیوں پر بٹھادو۔ اس کے بعد خوب باتیں بناؤ کر دیکھئے جادو کیا ہے۔ لوگ اس میں دلچسپی کیوں لیتے ہیں۔ اس سے عقل پر زور پڑتا ہے، ہم میں سمجھنے کی قوت بڑھتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد اپنے سکھائے ہوئے دوست کو بلاؤ اور میز پر بٹھا کر اسے خوب گھور دو گویا تم مسمریزم کر رہے ہو، چند منٹ کے بعد وہ آہستہ سے میز پر گرجائے گا (یہ باتیں اسے پہلے سے بتاکر خوب مشق کر لینا) جیسے بے ہوش ہوگیا۔ اب اسے میز پر لمبا لمبا لٹاکر اس کی آنکھوں پر مفلر یا رومال باندھ دو۔ پھر تمام چادریں اس کے اوپر ڈال دو۔ اب اپنے کسی دوست سے کہو کہ وہ کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لے لے۔ میں اپنے شاگرد سے پوچھوں گا اور وہ بتائے گا۔ تمھارے دوست حیران ہوں گے کہ جس پر اتنی چادریں پڑی ہوں اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہو وہ کیسے بتا سکتا ہے مگر نہیں تمھارا دوست بتائے گا۔

فرض کرو تمھارے کسی دوست نے ٹوپی اپنے ہاتھ میں لی۔ اب تم اپنے لیٹے ہوئے ساتھی سے اس طرح کہو۔

"ٹک ٹک نہ دیکھو"۔ (پھڑک کر)

"واہ بھئی واہ بولو تو کچھ جانتے ہو"۔

"پھر بولتے کیوں نہیں ؟"

"یہ اپنے ہاتھ میں کیا لئے ہوئے ہیں ؟"

تمھارا ساتھی کہہ دے گا "ٹوپی" دیکھو تم نے چار جملے کہے۔ پہلے میں ٹے (ٹ) آئی۔ دوسرے میں واؤ (و) آیا۔ تیسرے میں پے (پ) آئی اور چوتھے میں یے (ی) آئی۔ اب ان حرفوں کو جوڑ دو۔

ٹ + و + پ + ی = ٹوپی

سمجھے ! یعنی وہ چیز جو تمھارا دوست نے اُس کے نام کے حروف اپنے سوالوں یا جملوں میں اس طرح جوڑو کہ وہ جملے کا پہلا حرف ہو۔ جیسے ٹوپی کا پہلا حرف ٹ ہے۔ اس لئے تم نے کہا کہ ٹک ٹک نہ دیکھو

اسی طرح تمھارا ساتھی جو جملے تم کہوگے۔ اُن کا پہلا حرف جوڑتا چلا جائے گا اور پھر ملا کر کہہ دے گا۔ وہی اس چیز کا نام ہوگا اور تمھارے دوست حیران ہوں گے۔

ہدایات :۔

۱۔ کھیلنے سے پہلے ایسے جملوں کی خوب مشق کرلو۔

۲۔ جملے ایسے استعمال کرو جو بالکل اس جگہ مناسب ہوں۔ ورنہ دوسروں کو شک پیدا ہو جائے گا ◆

نئے نئے کھیل

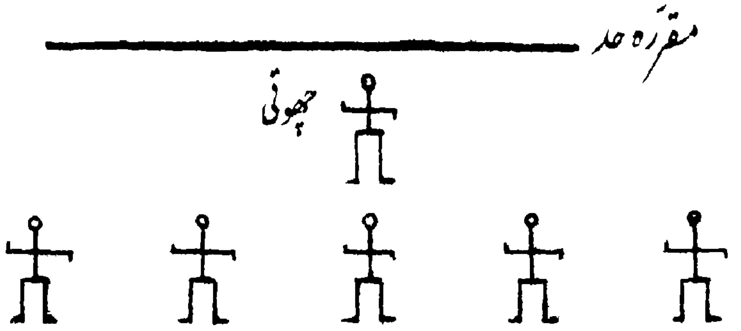
اِدھر آؤ

جناب الطاف علی صاحب نگراں تربیت جسمانی

تعداد:۔ ۱۰ سے ۶۰ تک

جگہ:۔ کھیل کا میدان

طریقہ:۔ سب کھلاڑی ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ اُن میں سے ایک چھوتی چُن لیا جائے وہ اُن سے پندرہ گز کے فاصلے پر اُن کی طرف مُنہ کرکے کھڑا ہو جائے۔ کھیل شروع ہونے پر وہ کھلاڑیوں کو زور سے "اِدھر آؤ" کہہ کر پکارے۔ یہ سُن کر تمام کھلاڑی سامنے کی طرف مقررہ حد کی طرف دوڑیں۔ اِس دوران میں وہ انھیں چھونے کی کوشش کرے۔ جتنے کھلاڑی چھوجائیں وہ اُس کے ساتھ شامل ہوکر اس کی مدد کریں۔



کھیل جاری رہے یہاں تک کہ تمام کھلاڑی چھوُ جائیں۔

احتیاط (۱) مقررہ حد کھلاڑیوں سے پچیس گز کے فاصلے پر ہو

(۲) جتنی دفعہ بھی کھیل شروع کیا جائے کھلاڑی ہمیشہ پہلی ہی جگہ آکر کھڑے ہوں اور ان کے اور چھوتی کے درمیان فاصلہ ہمیشہ برابر ہے

(۳) "اِدھر آؤ" ہمیشہ پہلا ہی چھوتی پکارے گا۔

(۴) نیا کھیل نئے چھوتی سے شروع ہوگا۔

معلومات

محمد اسمٰعیل۔ سنگاریڈی کالریس

دنیا میں سب سے بڑا ساحل ایشیا کا ساحل ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ سردی سائبیریا میں ہوتی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی سُرنگ سوٹزرلینڈ اور اٹلی کے درمیان ہے۔ جس کی لمبائی ۱۲ میل ۶۶۰ گز ہے

دنیا میں سب سے بڑی سڑک گرانڈ ٹرنک روڈ ہے جو کلکتہ سے پشاور تک گئی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا سطح مرتفع تبت ہے

دنیا میں سب سے بڑی سمندر بحر الکاہل ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ سونا جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) کے مقام پر نکلتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ستارہ مشتری ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ سنیما دیکھنے والا شخص ایچ نارمن اولڈین ہے جس نے لندن کے سنیما ہال میں سال بھر میں ۲۹۱ فلم دیکھے۔

دنیا میں سب سے بڑا سنیما ہال نیویارک (امریکہ) میں ہے۔ اس کا نام "روکسی" ہے اور اس میں ۶۵۰۰ آدمی ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا مشہور شاعر شکسپیر گذرا ہے جس نے سنہ ۱۶۱۶ء میں انگلستان میں انتقال کیا۔

دنیا میں سب سے زیادہ شراب فرانس میں تیار ہوتی ہے۔

دنیا میں سب سے پرانا شفاخانہ "بیمارستان عضدی" ہے جس کی سنہ [illegible]ھ میں دریائے دجلہ کے سبز کنارے پر بنیاد رکھی گئی۔

دنیا میں سب سے بڑا شہر لندن ہے جس کی آبادی تقریباً ۹۰ لاکھ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ شیر ببر افریقہ میں پائے جاتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا صحرا افریقہ میں صحرائے اعظم ہے

دنیا میں سب سے زیادہ صابن لندن کی ایک کمپنی میں تیار ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے اونچی عمارت نیویارک (امریکہ) میں موجود ہے۔ جس کی اونچائی ۱۲۵۰ فٹ ہے۔

پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ تمھیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ آپا جان پونا میں بہت خوش وخرم اور تندرست ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے جامعہ کے چند لوگ اُن سے ملنے گئے تھے۔ اُن کے ہاتھ آپا جان نے جامعہ والوں اور سب پیامیوں کو سلام کہلا بھیجا ہے۔

یورپ میں لڑائی برابر جاری ہے۔ جرمنی انگلستان پر حملے کر رہا ہے اور انگلستان جرمنی پر۔ جرمنی کا دعویٰ تھا کہ وہ ۱۵ اگست کو انگلستان فتح کرے گا مگر اب تو اکتوبر بھی ختم ہوگیا۔ اصل میں جرمنی نے انگلستان کی طاقت کا اندازہ غلط لگایا تھا۔ اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ انگلستان اتنا طاقت ور ہے۔ اس کی سمندری طاقت، اس کی ہوائی جہازوں کی طاقت اور اس کی خشکی کی طاقت کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور اب تو برطانیہ کا ارادہ ہے کہ تھوڑے دنوں بعد وہ خود جرمنی پر حملہ کرے گا۔ جوں جوں لڑائی کھنچتی جارہی ہے، انگلستان کو لڑائی کا سامان بڑھانے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل رہا ہے۔

جرمنی چاہتا ہے کہ اسپین کو بھی لڑائی میں کھینچ لے۔ اِدھر انگلستان کی یہ کوشش ہے کہ وہ کم سے کم غیر جانب دار رہے اسپین کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اس لئے کہ اسپین کو آپس کی لڑائیوں سے تھوڑے ہی دن ہوئے نجات ملی ہے۔ اس خانہ جنگی نے اسے تباہ حال کر دیا ہے۔ اب خواہ مخواہ ایک اور لڑائی میں پھنسنا بڑی ناسمجھی کی بات ہوگی۔

جرمنی کی دوستی سے سب سے زیادہ نقصان رومانیہ کو پہنچا ہے۔ اُس کے ملک کا کچھ حصّہ روس نے دبایا اور کچھ حصّہ جرمنی کے اشارے سے ہنگری وغیرہ نے۔ ان حصّوں بخروں کے بعد رومانیہ کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تھا کہ جرمنی نے ایک نیا پہلو بدلا اور خود اپنی فوجیں رومانیہ میں اُتار دیں اس سے ایک طرف تو بلقان کی ریاستیں چوکنا ہوگئیں۔ دوسری طرف روس کو ناگواری پیدا ہوئی۔ اس لئے کہ روس

کا نیا علاقہ بسرابیا قریب ہے۔ دوسرے رومانیہ پر قبضے کے معنی یہ ہیں کہ اس طرف کے علاقے پر جرمنی کا اثر قائم ہو جائے اور روس خود اسی فکر میں ہے۔ اس لئے جرمنی کو یہ حرکتیں اُسے ایک آنکھ نہیں بھاتیں اب جرمنی کو بلقان کی ریاستوں سے تو ایسا ڈر ہے نہیں۔ اُسے ڈر ہے تو روس سے۔ اسی لئے روسی حکومت کو سمجھانے بجھانے اور روسی ڈکٹیٹر اسٹالن کو شیشے میں اتارنے کے لئے خود فان ربن ٹراپ وزیر خارجہ جرمنی ماسکو گئے ہیں۔

مصر پر اٹلی کا کوئی نیا حملہ نہیں ہوا ہے بلکہ جو فوج مصر کے ریگستانی علاقے میں گھس آئی تھی اس کا کچھ حصہ واپس بھی چلا گیا ہے۔ آج کی (۲۲ر اکتوبر) خبر ہے کہ اٹلی سدی بارانی سے دس میل آگے بڑھ آیا، انگریزی فوجیں بھی پورے ساز و سامان کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ ۱۸ر اکتوبر کو برما روڈ چینیوں کے لئے کھل گئی۔ برما کے ریلوے اسٹیشن سے چین کو لاریوں کے ذریعے اسی تاریخ سے سامان جانا شروع ہو گیا جاپانی اس بات سے بہت ناراض ہیں۔ انھوں نے سڑک پر بم باری بھی کی مگر خاص نقصان نہیں ہوا۔

ہندوستان میں وائسرائے اور کانگرس کی بات چیت کامیاب نہ ہو سکی۔ مسلم لیگ کے لیڈر مسٹر جناح بھی وائسرائے کی شرطوں سے مطمئن نہ ہوئے۔ مہاتما گاندھی اب کانگرس کے ڈکٹیٹر ہو گئے ہیں انھوں نے ستیہ گرہ بھی شروع کر دی۔ مگر ابکی یہ بالکل نئے انداز سے شروع کی ہے۔ بس ایک ایک پڑھا لکھا اور سمجھ دار آدمی ستیہ گرہ کرے گا۔ اور یہ غالباً محض اس لئے کہ ستیہ گرہ میں اس مرتبہ تشدد کا شائبہ بھی نہ پیدا ہو

بمبئی میں ۱۸ر اکتوبر کو بہت سخت طوفان آیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ایسا طوفان سو برس میں نہیں آیا تھا۔ مچھلی پکڑنے کی کشتیاں ڈوب گئیں۔ رومانیہ کا ایک گیارہ سو ٹن کا جہاز ڈوب گیا۔ سمندر کے کنارے کی اور شہر کی بہت سی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ ابھی تک ستر جانوں کے ضائع ہونے کی اطلاع ہے۔

وائسرائے دس دن پہلے اپنے دورے سے واپس آ گئے۔ نئی دہلی میں آج کل بہت چہل پہل ہے۔

اس مرتبہ ان بچوں نے حل بھیجے۔

صحیح حل — اوّل انعام — فی کس ۱۲/-

(۱) طاہر صدیقہ - برار
(۲) سلطان احمد - تعلیمی مرکز جامعہ
(۳) ظفر الہدیٰ " " "
(۴) مقبول احمد - جل گاؤں
(۵) رحیم الدین - تعلیمی مرکز جامعہ

ایک غلطی — دوسرا انعام — فی کس ۲/-

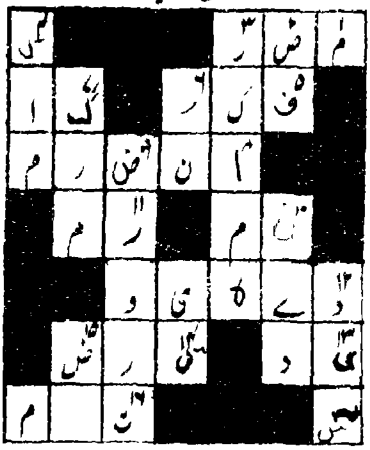
(۱) محمد رفاقت اللہ صدیقی - لکھنؤ
(۲) بھان پرکاش "
(۳) محمد طیب انصاری "
(۴) غازی منظر حیدری حیدرآباد
(۵) محمد احسان "
(۶) محمد اقبال قادری "
(۷) مس اقبال باسط "
(۸) مشتاق صدیقی دہلی
(۹) عطاء الرحمن (تعلیمی مرکز) "
(۱۰) محمد سلطان (فروغ) " "
(۱۱) محمد اسلم قریشی رہتک
(۱۲) نعیم حامد رضوی بھوپال
(۱۳) نسیم احمد ردولی
(۱۴) محمد اسلم صدیقی فتح گڑھ
(۱۵) شہزاد طاہر نئی دہلی
(۱۶) رشید احمد گجرات
(۱۷) بخش الٰہی کلکتہ
(۱۸) محمد اسلم امرتسر
(۱۹) سید منصور حسین (تعلیمی مرکز) دہلی

معمّا نمبر ۱۳

پہلا انعام ۶ روپے

دوسرا انعام للعہ

مشقی کوپن



اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ آج کل اس ملک کی آزادی بھی خطرے میں ہے۔

۵۔ اس لفظ کو دہلی والے مذکر بولتے ہیں اور لکھنؤ والے مونث۔

۸۔ اس مہینے میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا (بغلاب ترتیب)

۱۱۔ ایک ...... میں بیس دستے ہوتے ہیں۔

۱۲۔ ہٹلر نے موجودہ جنگ سے پہلے ہی اپنے ملک سے ہر ...... کو نکال باہر کیا۔

۱۳۔ عربی میں ہاتھ کو کہتے ہیں۔

۱۴۔ اس کی ادائگی ہر شخص پر لازمی ہے۔

۱۶۔ ہر جان دار اس کا مزا چکھتا ہے۔

اوپر سے نیچے

۲۔ ایک ہی ...... میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز (اقبال)

۳۔ کہنے سے ...... گدھے پر سوار نہیں ہوتا (بے ترتیب)

۴۔ کیا بہ حیثیت اچھے طالب علم کے تمھاری یہ آرزو نہیں کہ تم دنیا میں کچھ نہ کچھ ...... کرجاؤ۔

۶۔ جب چاہا گئے ...... کو جب چاہا گھر آبیٹھے۔

۷۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ روئی اون سے زیادہ ...... ہوتی ہے۔

۹۔ ...... ایجاد کی ماں ہے۔

۱۰۔ بعض مجرموں کو ...... کی معمولی سزا دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۱۲۔ اپنے ...... پر جان تک نثار کر دینا آسان کام نہیں۔

۱۵۔ روشنی

مفید باتیں

ایک سے زیادہ کوپنوں کا بھیجنا اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب ہر کوپن ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ فرض کیجئے کہ معمّا نمبر ۱۳ میں احسان ۔ انسان ، ڈر ، زر میں زیادہ شبہ تھا۔ اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے چار کوپنیں بھرنے کے بعد یہ یقین ہو سکتا ہے کہ ایک ضرور صحیح ہوگی۔ طریقہ ذیل میں درج ہے۔

کوپن:- (۱) احسان - ڈر (۲) انسان - ڈر
(۳) احسان - زر (۴) انسان - زر

سید عروج الحسن

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر ہے ۸ حلوں کی ۶ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۵ر نومبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہیے

۱۲۔ معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۴۔ دالؔ اور واؤؔ کا فرق نمایاں ہو (دؔ - وؔ)

۱۵۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہو (یؔ - ےؔ)

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ نہ چھوڑا جائے۔

۱۷۔ املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں۔

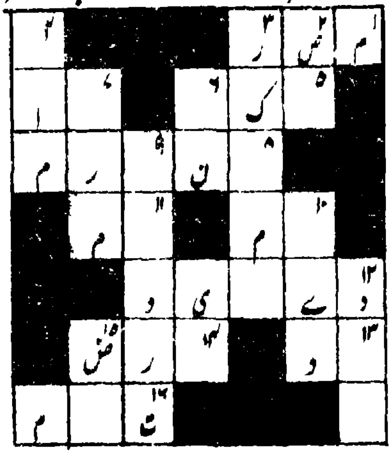
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

۲۰۔ پتہ :- سب ایڈیٹر پیام تعلیم۔ مکتبہ جامعہ ۔ قرول باغ۔ نئی دہلی

معمّا نمبر ۱۲ کا صحیح حل

۴ا	۳گ		ہ	۲ت	س	۱ب
س				ق		د
ی	ض	۶ا	ی	۵ر		
ر		ح		ی		۷گ
		س	ی	ا	ا	۸و
۹ز		ا				ب
ر	ا	ن	۱۱ا		ا	۱۰ن

معما نمبر ۱۳ کوپن نمبر



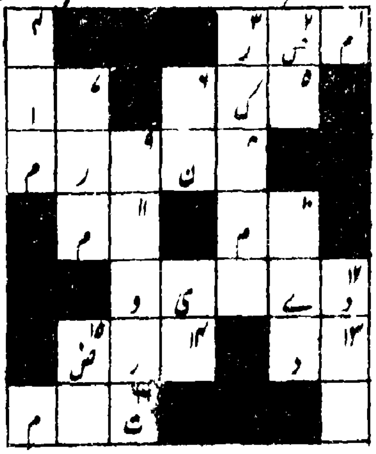
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر کوپن نمبر



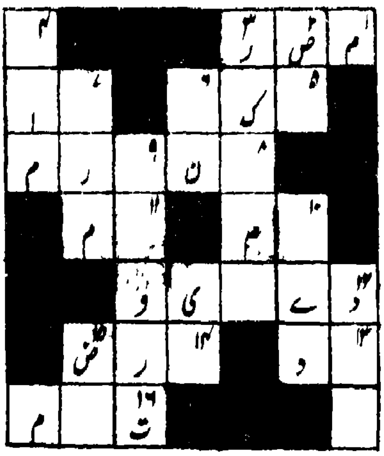
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۳ کوپن نمبر



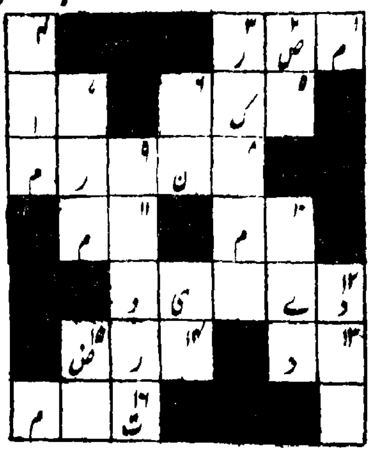
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۳ کوپن نمبر



نام ....

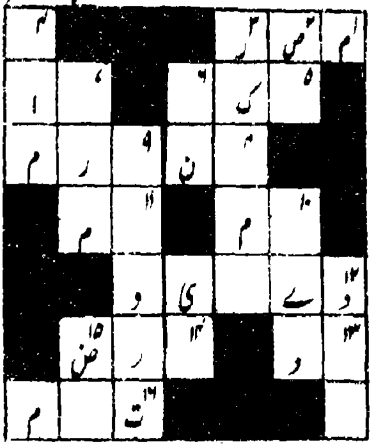
پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۳

کوپن نمبر



نام ....

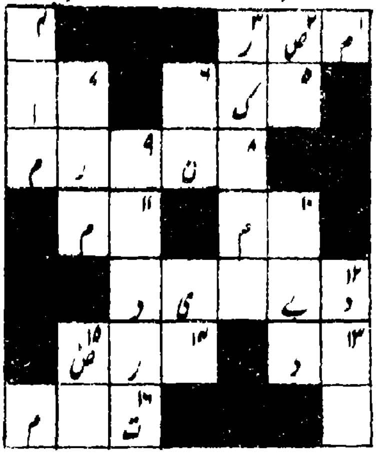
پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۳

کوپن نمبر



نام ....

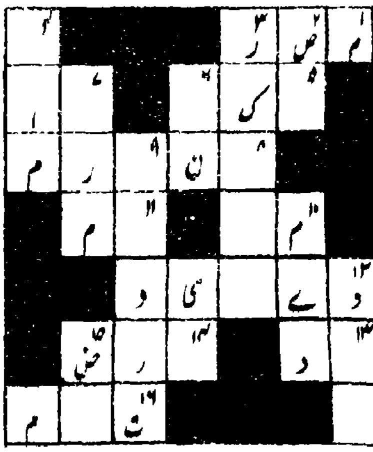
پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۳

کوپن نمبر



نام ....

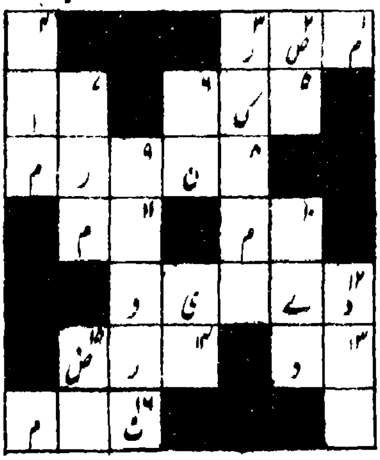
پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۳

کوپن نمبر



نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

رحمتِ عالم ﷺ

مبتدی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلعم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو۔ پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں، اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر سیرت نگار نبوی سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلما میں چھوٹے بچوں کے دار الاقامے کے لئے وقف کر دیا ہے۔ یہ کتاب پانچ ہزار (۵۰۰۰) کی تعداد میں چھپی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچے کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا۔ قیمت فی نسخہ ۸/ ہے۔ لیکن بیس نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا۔ مجلد کی قیمت ۲/ فی نسخہ زائد ہوگی۔

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین۔ ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع دہلی

دسمبر ۶۹ء

پیام تعلیم
دہلی



مکتبہ جامعہ دہلی

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے
تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

پیامِ تعلیم دہلی

ایڈیٹر محمد حسین حسان

قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے

فی پرچہ تین آنے

FIROZE 40

جلد ۲۳ | دسمبر سنہ ۴۰ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر بعض مجبوریوں سے اکتوبر میں نہ چھپ سکا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے اب یہ نمبر جنوری میں چھپے گا تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ بعض اچھے اچھے مضمون بھی آگئے ہیں

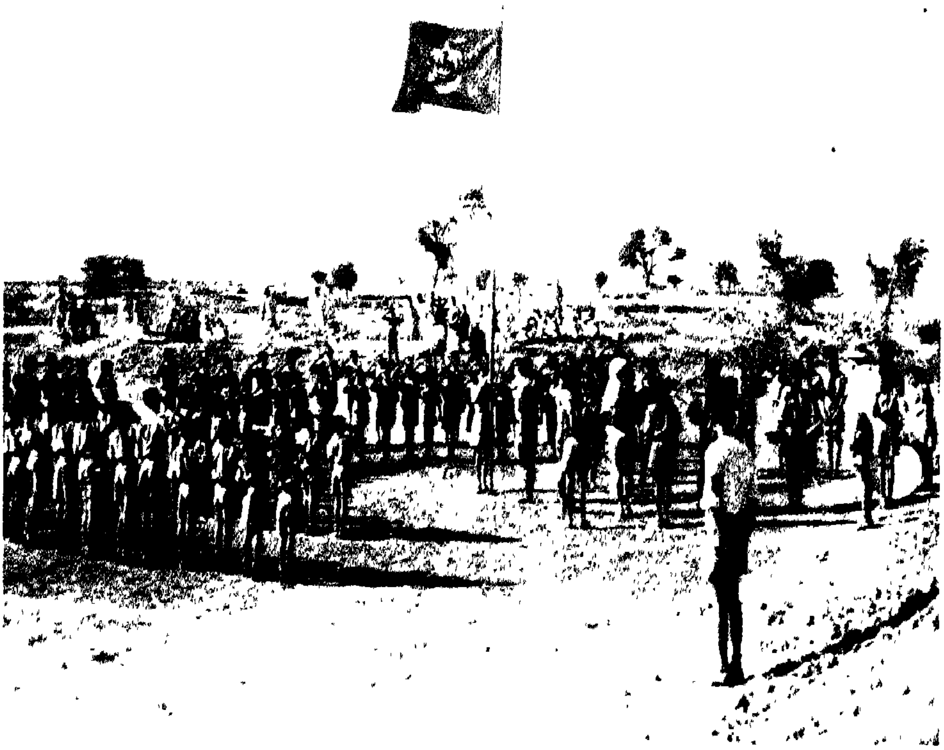
آج کل لڑائی کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہوگئی ہے۔ خصوصاً کاغذ اور چھپائی کے سامان کے دام تو بہت ہی بڑھے ہوئے ہیں اس کے باوجود ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ تمھارا یہ خاص نمبر پچھلے خاص نمبروں سے کچھ بہتر ہی ہو۔

اس پرچے میں طلسمی مینا کا آخری حصّہ چھپ رہا ہے بچوں نے اس کہانی کو بے حد پسند کیا۔ نیّر صاحب نے سال گرہ نمبر کے لئے ایک بڑی ہی اچھی کہانی مرحمت فرمائی ہے۔ ہم اس کا نام بھی بتادیں؟ ٹلو میاں

جو بچے اپنی نظمیں یا مضمون پیام تعلیم میں چھپوانا چاہیں وہ دس دسمبر تک بھیج دیں۔ مضمون بھیجتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ وہ سال گرہ نمبر کے لئے بھیج رہے ہیں

ہمیشہ کی طرح اب کے بھی ہم مضمونوں کا انعامی مقابلہ رکھنا چاہتے ہیں مضمونوں کے عنوان یہ ہیں (۱) (بڑے لڑکوں کے لئے) (۲) بچپن سے اب تک تمھارا سب سے دلچسپ مشغلہ کیا ہے۔ (۲) (چھوٹے بچوں کے لئے) کوئی دلچسپ شرارت جس پر مار بھی کھائی ہو ہر مضمون کے ساتھ ۲ر کے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے

تمھارا یہ پرچہ بہت محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ سبھی مضمون کام کے ہیں چمبرلین اور یونان والے مضمون وقت کے وقت خاص طور سے لکھوائے گئے ہیں امید ہے کہ تمھیں پسند آئیں گے۔



نئی (جامعہ نگر اوکھلا) کے میلے میں ماس ڈرل کا ایک منظر - جھنڈا لہرایا جا رہا ہے



ریچھ کا تماشا

(عبدالقیوم پشاوری)



ذرا سی لاگ پر رکھا ہوا پتھر
(جبریل جبل پوری)



افغان بچے پانی لا رہے ہیں
(عبدالقیوم پشاوری)



کشمیر
(عبدالقیوم پشاوری)

آئیے میلا ہمارا دیکھئے

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

میلے پر یہ دلچسپ نظم بچوں کے خاص شاعر جناب شفیع الدین صاحب نیرؔ نے یوں سمجھو کہ باتوں باتوں میں لکھی ہے ہوا یہ کہ اُن کے پاس میلے کا پروگرام بھیجا گیا تھا اُسے اُنھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے نظم کی صورت میں بدل دیا اور پروگرام لانے والے چپراسی کے حوالے کر دیا۔ یہ برجستہ نظم عام طور پر اس قدر پسند کی گئی کہ اُسے فوراً چھپوایا گیا اور میلے سے پہلے اور میلے میں خوب تقسیم کیا گیا۔ اب ہم تمھاری دلچسپی کے لئے یہاں شائع کرتے ہیں (ایڈیٹر)

آئیے میلا ہمارا دیکھئے ❊ اِک نئی بچوں کی دُنیا دیکھئے
جامعہ کی سیر بھی کر لیجئے ❊ اپنا تعلیمی اِدارا دیکھئے
دیکھئے اِس کی عمارت کی بہار ❊ باغ کا منظر سُہانا دیکھئے
دیکھئے تھوڑی سی کوشش کا اثر ❊ دشت کا گُل زار بنا دیکھئے
ہو مُبارک عید کا روزِ سعید ❊ "عید پیچھے ٹر" کا میلا دیکھئے
چلتے پھرتے رہیے اس میلے میں آپ ❊ اِس کی دُوکانوں کا نقشا دیکھئے
اِن دُکانوں میں قرینے سے سجا ❊ اِک سے اِک اچھا کھلونا دیکھئے

کچھ کچالو کچھ مٹھائی کھائیے — مُنہ میں پانی کیوں بھر آیا دیکھیے
جامعہ کے مختلف شعبوں کے کام — آئیے اِک جا مُہیّا دیکھیے
کر رہے ہیں کام بچوں کے لئے — جامعہ کے لوگ کیا کیا دیکھیے
پھر نمازِ ظہر کر لیجے ادا! — سب مُسلمانوں کو اِک جا دیکھیے
جائیے پھر کھیل کے میدان میں — خوب جی بھر کر تماشا دیکھیے
ورزشیں، کھیلیں، ڈرل، اسکاوٹنگ — دیکھیے اور بے محابا دیکھیے
کشتی، بنوٹ اور کبڈّی اور کھو کھو — سارے کھیلوں کا اکھاڑا دیکھیے
جامعہ کے پُر فضا ماحول میں — مِل کے سب کا لُطف اُٹھانا دیکھیے
اجنبی بچوں کا باہم ہو کے خوش — پیار سے مِلنا مِلانا دیکھیے
ہو اگر اچھی کتابوں کی تلاش — مکتبہ کا کل ذخیرا دیکھیے
دن کی تفریحات جب ہو جائیں ختم — بعد مغرب اِک ڈراما دیکھیے
اِس نئی دُنیا میں دُنیا سے الگ — رات دِن ہوتا ہی کیا کیا دیکھیے
سانچے میں انسانیت کے الغرض — کچّی اِن دھاتوں کا ڈھلنا دیکھیے

آئیے بچوں کو اپنے لائیے
مانیے نیّر کا کہنا دیکھیے

طلسمی مینا

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

(۳)

میں ٹھیر گیا۔ میں نے کہا "جو کچھ کہنا ہو کہو میں خوشی سے سننے کے لئے تیار ہوں۔"

اس نے کہا "تم پہلے آدمی ہو جو اس مینا کا گیت سن کر نہیں سوئے۔ اسی لئے تم کو یہ پنجرا مل سکا۔ تم یہاں آئے ہو۔ اور مینا لے چلے ہو تو اس کی کہانی بھی سنتے جاؤ۔"

یہ مینا اصل میں ایک طلسمی پرندہ ہے۔ یہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بنایا گیا تھا یہ جس کے پاس ہوتا ہے وہ نہ کبھی بیمار ہوتا ہے نہ محتاج۔ دن رات میں صرف ایک مرتبہ وہ بھی خاص وقت پر یہ گانا گاتا ہے اس کا گانا تم ابھی سن چکے ہو۔ سچ بتاؤ کیا اس سے بہتر گانا خیال میں بھی آسکتا ہے"

میں نے کہا "میں نے آج تک کبھی ایسا گانا نہیں سنا"

لڑکی بولی "تو بس سمجھ لو کہ یہ پرندہ کیسا ہے۔ اس کا حال صرف ایک ہی کتاب میں لکھا ہے۔ خبر نہیں تمھیں کیسے معلوم ہو گیا۔ دیکھو یہ ایک کتاب میرے پاس بھی ہے" اس نے اپنی بغل میں سے کتاب نکالی اور میرے سامنے کھول کر رکھ دی۔ اس میں لکھا تھا کہ ملک شرقستان میں ایک شہزادی پیدا ہو گی۔ سورج چاند اس کے حسن کو دیکھ کر شرمائیں گے۔ بہت حسین، بہت خوب صورت بہت

نازک۔ اس زمانے میں اس جیسی کوئی اور شہزادی ساری دنیا میں نہ ہوگی ملک ملک کے شہزادے اس سے شادی کرنا چاہیں گے مگر کوئی اس کی شرط پوری نہ کرسکے گا۔ اس کی شرط ہوگی۔ "جو یہ طلسمی مینا لے کر آئے گا۔ اسی سے میں شادی کروں گی۔" آخر ایک جادوگر ایک کتاب میں اس طلسم کا حال پڑھے گا وہ شہزادی کے پاس جائے گا شادی کا اقرار لے گا۔ اور اس طلسم کی تلاش میں نکلے گا۔ وہ ایک نیک اور باہمت لڑکے کو لے کر آئے گا۔ بس وہی لڑکا اس پنجرے کو لے سکے گا۔ اگر اس لڑکے نے یہ مینا جادوگر کو دے دی تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ جادوگر اسی وقت اس کا کام تمام کردے گا۔ اس لڑکے کو چاہیئے کہ حوض کی خاتون سے ایک انگوٹھی مانگے۔ انگوٹھی مل جائے تو بے دھڑک جادوگر کے پاس چلا جائے وہ لڑکا کسی صورت میں بھی اس انگوٹھی کو اپنی انگلی سے جدا نہ کرے۔ یہ انگوٹھی اس کے پاس ہوئی تو جادوگر کے کسی جادو کا اثر اُس پر نہ ہوگا۔ اگر جادوگر کسی اور طرح اس کو دکھ دینا چاہے تو وہ لڑکا اس انگوٹھی کو ایک پتھر پر رگڑ دے۔ اسی وقت شمشان نامی دیو اس کی مدد کو آئے گا۔ اور اس جادوگر کو دفع کردے گا۔ اور تین روز تک وہ اس لڑکے کی ہر خدمت بجا لائے گا۔

کتاب پڑھنے سے میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ جادوگر نے مجھے پنجرا دینے کے بعد وہاں ٹھیرنے سے کیوں روکا تھا۔

میں نے کہا: "اچھا اب وہ انگوٹھی مجھے دیجئے۔" اس نے اسی وقت وہ انگوٹھی میرے حوالے کی۔ میں نے جھٹ اس کو اپنی انگلی میں پہن لیا۔ انگوٹھی کا پہنا تھا کہ وہ لڑکی روشنی کا ایک شعلہ بن کر غائب ہوگئی۔

میں نے پنجرے کو اچھی طرح پکڑ لیا۔ اور دوڑتا ہوا زینے پر چڑھا مجھے دیکھتے ہی جادوگر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا شاباش! تم بہت بہادر اور باہمت ہو۔ میں اب تمھیں اتنی دولت دوں گا کہ تم نہال ہو جاؤگے یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لاؤ یہ پنجرا مجھے دے دو"

میں نے کڑک کر کہا "الگ رہو۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس پنجرے کو کیوں لینا چاہتے ہو؟" مجھ کو واپس آنے میں دیر ہوئی تھی۔ اس لئے جادوگر سمجھ گیا تھا کہ مجھے اس طلسمی مینا کا حال معلوم ہو گیا ہے اب اسے غصہ نہیں آیا۔ اس نے میری خوشامد شروع کر دی۔ اور جب میں کسی طرح پنجرا دینے پر راضی نہ ہوا۔ تو اس نے مجھے سارا حال سنا دیا۔ یہ وہی باتیں تھیں جو میں اس حسین لڑکی کی کتاب میں پڑھ چکا تھا۔

یہ سن کر مجھے مذاق سوجھا۔ میں نے کہا "تم اپنی صورت تو دیکھو۔ کیسی بھونڈی ہے۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ تم اس قابل نہیں کہ ایسی حسین لڑکی سے شادی کرو۔ پھر تم مجھے یہاں کیوں لائے۔ میرے ماں باپ میرے غم میں پریشان ہوں گے۔ اس کی سزا یہی ہے کہ یہ مینا تمھیں نہ دی جائے۔ اپنا بھلا چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ" یہ سن کر تو وہ جادوگر آگ بھبوکا ہو گیا۔ اس نے پھر وہی منتر پڑھا۔ اور میرے چاروں طرف پھر سانپ بچھو۔ کن کھجورے اور اژدھے جمع ہو گئے۔ مگر اب ان میں سے کسی کو میرے پاس آنے کی جرات نہ ہوئی۔ میں نے سوچا اب دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ اسی وقت اس انگوٹھی کو پتھر پر رگڑا۔ انگوٹھی رگڑتے ہی ہوا میں ایک سنسناہٹ سی ہوئی۔ اور آن کی آن میں ایک تخت وہاں آن کھڑا ہوا۔ اس پر سے بہت

ہی بڈھا ایک دیو اترا۔ اس نے مجھے جھک کر سلام کیا۔ اور پوچھا "آپ کا کیا حکم ہے؟"

میں نے کہا "یہ جادوگر بہت برا آدمی ہے۔ اس نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، اس سے چھٹکارا دلاؤ۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ دیو نے ہلکے سے ایک پھونک ماری مجھے جادوگر اڑتا ہوا دکھائی تو دیا۔ مگر پھر پتہ نہ چلا کہ وہ کیا ہوا۔ اس کے اڑتے ہی وہ جادو کے سانپ بچھو بھی غائب ہو گئے۔

میں نے کہا "مجھے ابھی شرقستان کی شہزادی کے پاس پہنچا دو۔" ذرا سی دیر میں میں شہزادی کے محل کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے شہزادی سے کہلا بھیجا کہ میں تمہاری شرط پوری کرتا ہوں۔ شہزادی یہ سن کر بہت خوش ہوئی۔ اسی وقت مجھے اپنے محل میں بلا لیا۔ اور جواہرات سے جڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ میں اس کرسی پر بیٹھ گیا اس نے طلسمی مینا کا پنجرا اپنے ہاتھ میں لیا۔ شہزادی نے میری اور جادوگر کی کہانی بڑے غور سے سنی۔ اور میری ہمت اور بہادری کی بہت تعریف کی۔

شہزادی نے میری بڑی آؤ بھگت کی۔ بہت ہی قیمتی اور شاہانہ لباس میں نے پہنا۔ اور نہایت اچھے اچھے کھانے کھائے میرا جی نہ چاہتا تھا کہ ابھی میری شادی ہو مگر شہزادی نے اپنا اقرار پورا کرنے کے خیال سے شادی پر زور دیا۔ خیر صاحب! میری شادی ہو گئی۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ تیسرے دن میں نے شہزادی سے کہا کہ میرے ماں باپ میرے غم میں پریشان ہوں گے مجھے اب اسی وقت ان کے پاس جانا چاہیئے۔ شہزادی یہ سن کر میرے ساتھ خود بھی چلنے کو تیار ہوئی۔ میں اور شہزادی

کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر چلے۔ شمشان دیو نے اسی وقت ہمیں ہمارے گھر پہنچا دیا اس کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے چلنے کی اجازت مانگی اور انگوٹھی بھی طلب کی میں نے اس کی خدمت سے خوش ہو کر وہ انگوٹھی اس کے حوالے کی۔ وہ خوش خوش رخصت ہوا

میرے ماں باپ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور شہزادی سے مل کر اور میری ساری کہانی سن کر تو ان کی حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

وہ طلسمی مینا اب بھی ہمارے پاس ہے ہم اب امیر اور دولت مند بن گئے ہیں۔ شہزادی حسین بھی ہے اور نیک بھی۔ اس لئے بہت اچھی طرح ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے۔ دن بھر میں ایک بار طلسمی مینا جب اپنا شیریں نغمہ سناتی ہے تو اس کے سامنے دنیا کی ساری دولت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔



دیا سلائی

علی محمد جلال الدین

الیاس:۔ زرینہ زرینہ آج چچا جان اب تک نہیں آئے کیا بات ہے۔

زرینہ:۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے وہ تو اپنے وقت پر آئیں گے۔

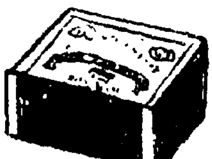
الیاس:۔ آج مجھے ان سے پچاس باتیں پوچھنا ہیں، پچاس۔

زرینہ:۔ اکٹھی پچاس! احمق!

الیاس:۔ اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔ کل میں نے دیا سلائی کی ڈبیا کھولی تو اس میں پوری پچاس سلائیاں تھیں۔

زرینہ:۔ اچھا یہ بات ہے! تو تم آج چچا میاں سے دیا سلائی کے بارے میں پوچھو گے لو وہ آگئے چچا میاں

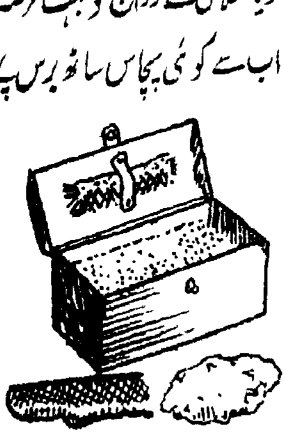
چچا میاں:۔ زرینہ بیٹی۔ الیاس بیٹے جیتے رہو جیتے رہو۔ خدا عمر میں برکت دے۔ دیکھو میں آگیا نا ٹھیک وقت پر! کیا باتیں ہو رہی تھیں (ٹھٹھا مار کر) ہاہاہا میں سب سن رہا تھا آج الیاس میاں دیا سلائیوں کے بارے میں



سوال کریں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

الیاس اور زرینہ۔ جی ہاں جی ہاں

چچا میاں:۔ اچھا آؤ بیٹھ کے باتیں کریں۔ دیکھو الیاس میاں یہ جو تمھارے ہاتھ میں دیا سلائی ہے نا تو اس کی عمر کوئی بہت زیادہ نہیں ہے۔ یعنی دیا سلائی کے رواج کو بہت عرصہ نہیں گزرا ہے اب سے کوئی پچاس ساٹھ برس پہلے اسے کوئی

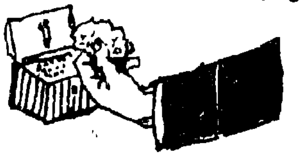


جانتا بھی نہ تھا۔

الیاس:۔ اے! تو چچا میاں پھر آگ کیسے جلاتے تھے۔

چچا میاں:۔ عام طور پر فولاد کے ٹکڑے کو چقماق پتھر پر مارتے تھے۔ اس سے چنگاری پیدا ہوتی تھی۔ پاس ہی روئی، کپڑے کی دھجیاں یا کوئی اور چیز رکھی ہوتی تھی۔ چنگاریوں کو روئی وغیرہ میں لے لیتے تھے اور بہت ہوشیاری سے آہستہ آہستہ پھونکتے تھے یہاں تک کہ یہی چنگاریاں پھیل کر شعلہ بن جاتی تھیں۔ ولایت میں تو یہ سب چیزیں لکڑی کے ڈبے میں باورچی خانے کے کانس پر رکھی رہتی تھیں۔ اور ضرورت کے وقت کام آتی تھیں۔





الیاس:۔ اُوہ چچا میاں بڑی مشکل سے آگ جلتی تھی

زرینہ:۔ اور کیا۔ اور اب تو جہاں ڈبیا پر سلائی گھسی اور آگ تیار۔

چچا میاں:۔ بہترین دیا سلائیاں صنوبر کی لکڑی سے تیار ہوتی ہیں۔ سوئڈن کے جنگل ان درختوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دیا سلائیاں



بھی پہلے پہل وہیں بننا شروع ہوئی تھیں۔

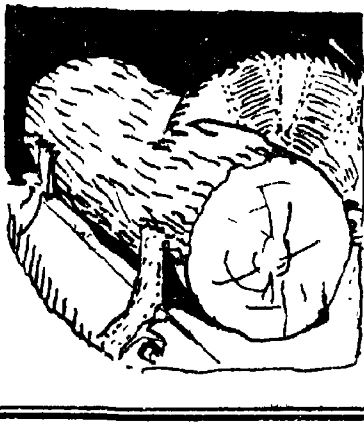
الیاس:۔ یہ سوئڈن کہاں ہے چچا میاں۔

زرینہ:۔ ارے اتنا نہیں معلوم! یورپ میں ایک ملک ہے۔

چچا میاں:۔ تم اپنے نقشے میں دیکھو گے تو تمھیں یہ ملک یورپ کے شمال میں ملے گا۔ وہاں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں دیا سلائیاں بنتی ہیں پہلے ہمارے ملک میں بھی وہیں سے بن کر آتی تھیں مگر اب ہندوستان میں بھی جگہ جگہ دیا سلائی کے کارخانے کھل گئے ہیں اور باہر کا مال بس برائے نام آتا ہے۔

الیاس:۔ اور چچا میاں۔ یہ دیا سلائیاں بناتے کیسے ہیں

چچا میاں:۔ یہی تو بتا رہا ہوں۔ پہلے درختوں کو کاٹ کر ان کے چھوٹے چھوٹے کندے بنائے جاتے



ہیں۔ ان کندوں کے بکل یا چھال کلہاڑی کے ذریعے الگ کی جاتی ہے۔ اب ان کندوں



کو مشین میں چڑھایا جاتا ہے۔ مشین ان کی پتلی پتلی چادریں تراش دیتی ہے ایک اور مشین ان چادروں کو کتر کر دیا سلائی کے برابر لانبی لانبی سلائیوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس مشین سے ایک سکنڈ میں دو سو پچاس سلائیاں کتر جاتی ہیں



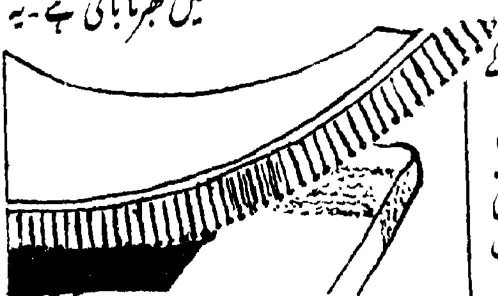
اس کے بعد ایک اور عجیب و غریب مشین کے ذریعے ایک بڑے فولادی پتر کے چاروں طرف مہین مہین سوراخوں میں اٹکائی جاتی ہیں۔ سب سوراخ بھر جاتے ہیں تو یہ فولادی پتر بالکل سیئی کی پیٹھ سی معلوم ہوتا ہے۔ اب انھیں پیرافین میں ڈبو دیا جاتا ہے تاکہ

لکڑیاں آسانی سے جل سکیں۔ اچھا زرینہ بیٹی تم اس لفظ کو پڑھ سکتی ہو......

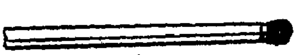
....فاس۔۔فو..... رس

زرینہ۔ جی ہاں چچا میاں فاسفورس لکھا ہے۔

چچا میاں:۔ تو بیٹی فاسفورس بڑی عجیب مگر بہت کام کی چیز ہے۔ یہ بہت جلد آگ پکڑ لیتی ہے اور اندھیرے میں خود بخود چمکتی ہے۔ جب سلائیاں سوکھ جاتی ہیں تو مشین ان کے سروں کو سریش اور فاسفورس کے مُرکب میں سے گذارتی ہے سریش سے سلائیوں پر فاسفورس چپک جاتا ہے اور فاسفورس کے رگڑنے سے سلائی میں شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اب سلائیاں بالکل تیار ہیں۔ صرف ڈبیوں میں بھرنا باقی ہے۔ یہ



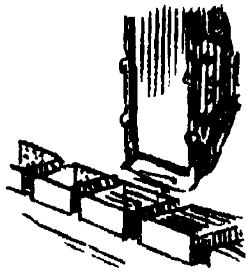
کام بھی مشین ہی بڑے مزے میں کرتی ہے۔



الیاس:۔ ڈبیا میں پچاس دیا سلائیاں ہوتی ہیں کیوں چچا جان۔

چچا میاں:۔ ہاں مگر کبھی زیادہ بھی ہوتی ہیں۔

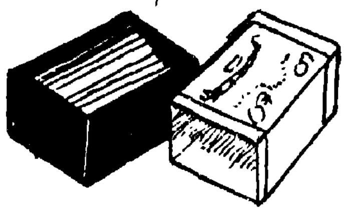
دیا سلائی کی ڈبیاں بھی اسی کارخانے میں بنتی ہیں۔ دو مشینیں ایک منٹ میں کوئی دو سو پچاس ڈبیاں تیار کر دیتی ہیں۔ ان ڈبیوں پر کاغذ کا



لیبل۔ اور سلائی رگڑنے کے لئے دونوں طرف کالا کاغذ بھی مشین ہی کے ذریعے چپکایا جاتا ہے اور سب سے آخر میں بازار میں بیچنے کے لئے بارہ بارہ ڈبیوں کے پیکٹ بھی مشین ہی بناتی ہے۔

الیاس:۔ اور یہ سیفٹی دیا سلائی کا کیا مطلب ہے چچا میاں

چچا میاں:۔ بات یہ ہے کہ فاسفورس تو ذرا سے اشارے میں جل اٹھتا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی لوگوں کو حادثے بھی پیش آجاتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے بچنے کی اچھی ترکیب نکالی۔ ڈبیا کے کناروں پر تو فاسفورس لگاتے ہی ہیں لیکن سلائی میں جو فاسفورس لگایا جاتا ہے اس میں کوئی ایسی چیز ملادی جاتی ہے کہ

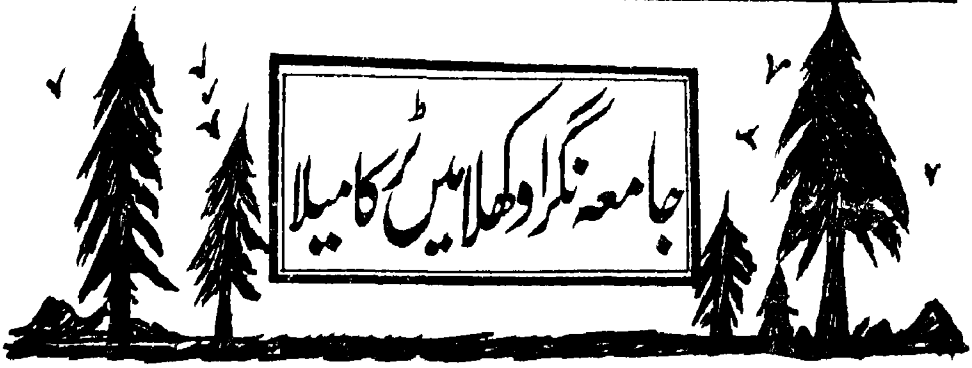


جب تک سلائی کو ڈبیا کے کناروں پر رگڑا نہ جائے جب تک وہ جل نہیں سکتی۔ اس طرح دیا سلائی میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ بس ایسی دیا سلائیوں کو سیفٹی یعنی محفوظ یا بے خطر دیا سلائی کہتے ہیں اور اب تو بس انہی دیا سلائیوں کا رواج ہے۔ اچھا مجھے ذرا دیا سلائی دو پائپ سلگا لوں اور تم اب جا کے سو رہو۔ بہت رات جا چکی ہے۔



خدا حافظ

معمے کے حل دفتر میں پہنچنے کی آخری تاریخ ہر مہینے کی پندرہ ہے اس کا خیال رکھا کرو



جامعہ نگر اوکھلا میں ٹر کا میلا

بچوں کے میلے کی تجویز ایک عرصہ سے جامعہ کے کارکنوں کے ذہن میں تھی خصوصاً محترمہ آپا جان کو اس کی بہت خواہش تھی۔ ایک دفعہ تو انھوں نے اعلان بھی کر دیا تھا۔ لیکن کچھ ایسی رکاوٹیں پیش آتی رہیں کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

اس مرتبہ رمضان کے مہینے میں جامعہ کی نئی بستی جامعہ نگر اوکھلا کے بچوں اور ان کے استادوں نے طے کیا کہ بچوں کا میلا ضرور منایا جائے۔ دہلی میں عید کا دوسرا دن خاص طور سے منایا جاتا ہے۔ لوگ جگہ جگہ سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ خصوصاً اوکھلے میں تو ایک میلا سا لگ جاتا ہے۔ یہ عام طور پر ٹر کا دن کہلاتا ہے اس لئے تجویز ہوئی کہ یہ میلا ٹر کے دن ہو تاکہ دہلی شہر کے لوگ بھی اس سے دلچسپی لے سکیں۔ وقت کم تھا۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ بچے عید اپنے گھر پر ہی منا نا پسند کرتے ہیں پھر ٹر کے بعد چھٹیاں بھی نہیں ہیں کہ باہر کے بچے اس میلے میں شریک ہوسکیں۔ اس لئے مجبوراً پیامیوں کو دعوت نہ دی جا سکی۔

بچوں میں میلے کی خوشخبری سے جوش اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ میلے کا سارا کام انھی نے کیا استادوں کا کام صرف نگرانی یا ہدایت تھا۔ پہلے تو پروگرام بنایا گیا کہ میلے میں کیا کیا ہونا چاہئے پھر سارا انتظام بچوں کی کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کمیٹیوں کے نام یہ ہیں آرائش کمیٹی میلے کی تمام آراستگی کا کام اس کمیٹی کے سپرد تھا۔ کھیل کمیٹی کھیل کے سارے انتظام اس کمیٹی کے ذمے تھے۔ پھر کھانے پینے کی نگرانی کرنے والی کمیٹی، کھلونوں اور دکانوں کو چلانے والی کمیٹی، ڈراما کمیٹی، مداری اور بازی گر کے کھیلوں کا انتظام کرنے والی کمیٹی، روشنی، صفائی اور میلے کا انتظام کرنے والی کمیٹی۔ نمازوں کا انتظام کرنے والی کمیٹی، میلے کی نگرانی کرنے والی کمیٹی۔

ان تمام کمیٹیوں نے میلے کو کامیاب بنانے کے لئے پورے جوش اور سرگرمی سے کام کیا۔

عید کے دوسرے دن یعنی ٹر کے روز دس بجے میلے کا پروگرام شروع ہوا۔ پہلے جناب شیخ الجامعہ صاحب نے جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی۔ بچوں نے موقع کے مناسب

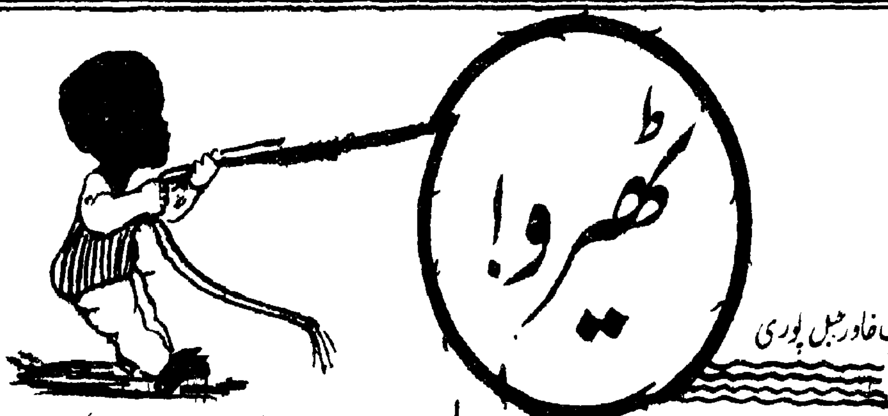
عید کا ترانہ پڑھا یہ نظم بچوں اور پھر پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر نے پیام تعلیم کے لئے لکھی تھی۔ نیر صاحب نے میلے کا پروگرام بھی نظم میں لکھ دیا تھا۔ یہ پروگرام بھی خاص طور سے مقبول ہوا اور میلا کمیٹی کی طرف سے بہت خوش خط چھپوا کر بچوں اور بڑوں میں تقسیم کیا گیا۔

بھئی تم نے تو میلا دیکھا نہیں مگر آؤ تمھیں ہم اپنی سیر کا حال سنا دیں۔ ہم ٹھیک دس بجے جامعہ نگر پہنچے گیٹ سے ذرا ہٹ کر کچھ والنٹیر بچے میلے کا چھپا ہوا پروگرام تقسیم کر رہے تھے۔ یہ پروگرام پڑھتے ہوئے ہم گیٹ یعنی صدر دروازے کی طرف چلے۔

بھئی واہ یہ گیٹ پر اور میلے کے راستے میں دونوں طرف کیسے دلچسپ اور مزے مزے کے کارٹون لگائے گئے ہیں۔ انھیں دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ سب بچوں ہی نے بنائے ہیں۔ کیسی اچھی ڈرائنگ ہے۔ ذرا آگے بڑھے تو ایک ننھے سے صاحبزادے نے گھیر لیا کہ "جناب پہلے جامعہ کا جھنڈا تو لیتے جائیے۔ ایک ایک پیسے ایک ایک پیسے" ان سے چھٹکارا پا کر بائیں طرف کو مڑے تو کھلونوں کتابوں مٹھائیوں پھلوں وغیرہ کی دکانیں نظر آئیں۔ ایک طرف پان بک رہے تھے دوسری طرف گنڈیریوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عمارت کے اندر دروازے پر تفریح گاہ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ جا کر دیکھا تو سلیقے سے میزیں چنی ہوئی تھیں چار اور کھانے پینے کا انتظام تھا۔ کھانا بہت عمدہ اور دام مناسب تھے۔ دو تین ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور چائے پی یہاں سے فارغ ہو کر پھلوں کی دکان پر کچھ پھل اور پھر چاٹ کھائی۔ اور پان والے کی دکان پر گئے۔ پان کھا کر سیدھے ہاتھ کی طرف مڑے۔ یہاں تعلیمی مرکز قرول باغ کی طرف سے کھانے پینے کی دکان تھی۔ یہاں بھی کافی مجمع اور چہل پہل تھی۔ مگر ہم اس طرف توجہ نہ کر سکے۔ ابھی تو کھا کر آئے تھے! اس دکان سے لگا ہوا دارالمطالعہ یا ریڈنگ روم تھا۔ اخبار اور رسالے کافی تعداد میں قرینے سے میزوں پر رکھے تھے۔ بہت سے اللہ کے بندے آج اور اس ہنگامے میں بھی بڑی توجہ سے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ریڈنگ روم کے برابر ایک اور دکان تھی بورڈ پر قہوہ خانہ لکھا تھا بڑی خوشی ہوئی کہ قہوہ پئیں گے اور جو کچھ کھایا پیا ہے سب ہضم ہو جائے گا۔ اندر جا کر معلوم ہوا کہ جناب قہوہ وغیرہ کچھ نہیں صرف چائے ہے یا نیبو اور سوڈے کا پانی زیادہ جی للچائے تو پراٹھے اور کباب حاضر ہیں۔ ہم نے صرف چائے پر قناعت کی چائے بہت اچھی تھی۔ پھر سیدھے ہاتھ کی طرف مڑے تو جامعہ کیمکل انڈسٹریز کی دکان نظر آئی مچھر بھگاؤ تیل، ویسلین، فاؤنٹین پین کی روشنائی، منجن اور دوسری چیزیں رکھی تھیں۔ اس کے پاس ہی شعبۂ نجاری (بڑھئی) کی دکان تھی۔ سنگھار میزیں، الماریاں، کرسیاں وغیرہ رکھی تھیں۔ ہر چیز نئے نمونے کی تھی۔ عمارتوں کے دونوں طرف کے کمروں میں بچوں کی بنائی ہوئی تصویریں سجائی گئی تھیں ان سب چیزوں کو دیکھتے بھالتے ساڑھے بارہ بج گئے۔ خیال تھا کہ کہیں آرام کریں کہ ایک پرانے ساتھی مل گئے یہ اب

اوکھلا میں رہتے ہیں۔ کہنے لگے "بریانی اور کباب تیار رہیں ہمارا تو پیٹ بھرا ہوا تھا۔ مگر ہمارے ساتھی کے منہ میں پانی بھر آیا" اس لئے زیادہ تکلف مناسب نہیں معلوم ہوا۔ ان کے گھر جا کر ہم نے تو کم مگر ساتھی صاحب نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ یہاں ظہر کی نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر چلے میلے کی طرف۔ یہاں بھی پروگرام شروع ہو چکا تھا اور نٹ اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ نٹوں کے بعد سپیروں نے اپنے کمال دکھلائے۔ پھر لاؤڈ اسپیکر نے اطلاع دی کہ آپ لوگ دکانوں کے پیچھے کے میدان میں تشریف لے جائیے۔ وہاں ماس ڈرل ہو گی۔ سب لوگ اس طرف پہنچے۔ یہاں پہلے جھنڈا لہرایا گیا۔ پھر بچوں نے مل کر ترانہ پڑھا پھر ڈرل شروع ہوئی جامعہ کا بینڈ بھی بج رہا تھا۔ بہت ہی پر لطف اور شاندار منظر تھا۔ یوں سمجھو کہ سارے پروگرام کی جان یہی چیز تھی۔ ڈرل کے بعد اسکاؤٹ بچوں نے اپنے ہنر دکھلائے پھر عصر کے بعد سید محمد اخضر صاحب استاد بنوٹ کی نگرانی میں بچوں نے بنوٹ کے ہاتھ دکھائے۔ دوسری طرف ننھے ننھے پہلوانوں کا دنگل شروع ہوا۔ اور اس کے بعد کبڈی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی کبڈی بھی بہت ہی مزے دار رہی۔ کبڈی کے بعد سب نے مغرب کی نماز پڑھی اور ڈراما دیکھنے کی فکر ہوئی۔ ڈرامے کا ٹکٹ پہلے ہی خرید لیا گیا تھا۔ ڈرامے دو تھے ایک بڑے لڑکوں کا دوسرا بچوں کا۔ بڑے لڑکوں کے ڈرامے میں پشاوری ناچ بہت پسند کیا گیا۔ چھوٹے بچوں کا ڈراما سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔ غرض دن بھر مصروفیت میں گزرا میلے کی خوش انتظامی سے ہر شخص خوش تھا۔ دوپہر سے میلے میں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تھی۔ اور شام کو تو کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ پھر بھی دفتر معلومات، فوری امداد اور جامعہ پولس کا اس قدر باقاعدہ انتظام تھا کہ کسی کو ذرا بھی شکایت نہ پیدا ہوئی۔ شہر کے لوگ بھی بچوں کی دکانداری اور اخلاق سے بہت خوش تھے۔ بڑوں کے علاوہ شہر کے مدرسوں کے بہت سے بچے بھی یہ میلا دیکھنے آئے تھے۔ جامعہ نگر اوکھلا شہر سے کوئی سات میل ہے آنے جانے کا انتظام معقول تھا۔ اس معاملے میں ہندوستان بس سروس والوں نے میلا کمیٹی کی بہت مدد کی۔ اس نے اپنی بسوں کے علاوہ تین بسوں کا اور انتظام کیا تھا۔

سنا ہے کہ بچوں کی مجلس ہر سال ٹر کا میلا منایا کرے گی۔ ہمیں امید ہے کہ اگلے سال اس میلے کے تجربے کو سامنے رکھ کر اور بھی بہتر انتظام کیا جائے گا۔ ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ آئندہ شہر کے بچے بھی میلے میں جامعہ کے بچوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔ ہاں ایک بات بتانا ہم بھول گئے۔ اس میلے کے مہتمم جناب عبدالواحد صاحب سندھی مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے استاد تھے۔ ان کے علاوہ ماس ڈرل کی کامیابی کا سہرا ہمارے خاص مضمون نگار جناب الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی جامعہ نگر کے سر ہے۔



ٹھیرو!

حضرت خاور جبل پوری

اگلے زمانہ میں ایک نواب صاحب تھے بہت ہی امیر، نیک دل ہمدرد اور شریف۔

لیکن ان میں ایک خاص کمزوری بھی تھی۔ جب کوئی ان سے کسی کام کے لئے کہتا تو وہ اسے پورا کرنے کا وعدہ ضرور کر لیتے۔ مگر پھر بھول جاتے یا یاد رکھنے کی کوشش ہی نہ کرتے اور جب یاد دہانی کرائی جاتی تو کہہ دیتے کہ مجھے خیال ہے ذرا ٹھیرو ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے۔ اسی طرح انتظار انتظار میں برسیں گذر جاتیں مگر نواب صاحب کی ٹھیرو کبھی ختم نہ ہونے پاتی تھی۔

جب لوگ ان کی ٹھیرو سے تنگ آ گئے تو سب نے مل کر اس بلا سے پیچھا چھڑانے کا مشورہ کیا۔

اتفاق سے انھی دنوں نواب صاحب کے پوتے کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔ نواب صاحب کا محل دلہن کی طرح سجایا گیا تھا باجے اور نقاروں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ کہیں گانا ہو رہا تھا۔ کہیں ناچ اور کہیں تماشے، ایک خاص محفل میں نواب صاحب اپنے بے تکلف دوستوں کے ساتھ بھانڈوں کی نقلیں دیکھ رہے تھے۔ تم نے بھی بیاہ شادیوں میں ان کی نقلیں دیکھی ہوں گی۔ ایسی نقل کرتے ہیں کہ دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جائیں۔ عام طور پر کھیل کھیل میں اچھی اچھی نصیحتیں بھی کر جاتے ہیں۔ چاہے بری لگے یا بھلی مگر وہ نہیں چوکتے۔

اس روز بھانڈوں میں سے ایک شکاری بنا اور کچھ لوگ اس کے ساتھی شکاری کے ہاتھ سے چلائی ہوئی بندوق کی گولی ایک غریب آدمی کے لگ گئی۔ اور وہ بے چارا مر گیا۔

پولس نے شکاری کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کر دیا۔ ملزم کو اپنے جرم سے اقبال اور آنکھوں دیکھی شہادتیں موجود تھیں۔

عدالت میں چار پانچ جج اس معاملہ پر غور کر کے فیصلہ سنانے کے لئے بیٹھے۔ ایک جج نے

کہا۔ "شکاری پر جرم ثابت ہے اسے جنم قید کی سزا ہونی چاہیئے" دوسرا بولا۔ "کالے پانی کیوں نہ بھیج دیا جائے"۔ تیسرے نے سر ہلا کر کہا "میری رائے میں پھانسی دی جائے۔ پھانسی"

چوتھا جو سب میں زیادہ بوڑھا تھا ذرا غور کر کے کہنے لگا "اگر تم لوگ میری ایک بات مانو تو کہوں"

سب نے جواب دیا "ضرور۔ ضرور۔ ہم آپ کا مشورہ ماننے کے لئے تیار ہیں"

اس نے کہا "یہ سب سزائیں جو تم نے تجویز کی ہیں ناکافی ہیں۔ پھانسی سے زیادہ اور کیا سزا ہو سکتی ہے"۔ ایک جج نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کیوں نہیں ہو سکتی"۔ اور سارے جج اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

بوڑھے جج نے پھر کہا۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ اس شکاری کو نواب صاحب کی "ٹھیرو" میں ڈال دیا جائے تاکہ عمر بھر موت زندگی کی کھینچ تان اور انتظار کی تکلیف میں گرفتار رہے کیونکہ انتظار کو موت سے زیادہ سخت کہا گیا ہے"۔

سب نے اس کی تجویز کو پسند کر کے منظور کر لیا ساری محفل نے تالیاں بجا کر قہقہہ لگایا۔ اور نواب صاحب کی شرم کے مارے گردن نیچی ہو گئی۔

لطیفے جمع کرنا

محمد نور کھنکھٹے بمبئی

"پیام تعلیم" میں اب تک مختلف مشغلوں کے بارے میں بہت سے مضمون شائع ہو چکے ہیں۔ اور جن بھائیوں نے ان مشغلوں کو اختیار کیا ہے ان کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ان کا فالتو وقت ان مشغلوں کی بدولت کس آسانی سے کٹ جاتا ہے۔ پیام تعلیم بچوں کو ہمیشہ نئے نئے مشغلوں کے متعلق اچھی اچھی باتیں بتایا کرتا ہے۔ اس لئے آج میں لطیفے جمع کرنے کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔

بازار سے ۲۰۰ صفحات کی ایک مجلد کاپی، ایک چھوٹی گوند کی بوتل اور ایک برش خرید لاؤ۔ بس اب لطیفے تلاش کرنے کا کام رہ گیا ہے۔ ان کے تلاش کرنے میں تمھیں زیادہ دقت اٹھانا نہیں پڑے گی۔ انگریزی اور اردو کے اکثر اخبارات میں لطیفوں کے لئے ایک صفحہ مخصوص ہوتا ہے اور اس میں اچھے اچھے لطیفے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پھر انگریزی کے اکثر اخبارات میں ہفتہ میں ایک یا دو بار بچوں کے لئے چند کالم مخصوص ہوتے ہیں۔ ان کالموں میں ہمیشہ اچھے اچھے اور ہنسانے والے لطیفے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ تم ہمیشہ ان صفحات کو پڑھا کرو۔ جو لطیفے بہترین ہوں انھیں کاٹ کر اپنی کاپی میں چپکا لو۔ یاد رکھو کسی کام کے اخبار کو ہرگز خراب نہ کرنا۔ پہلے ابا سے پوچھ لو کہ ان لطیفوں کے کاٹنے سے کوئی ہرج تو نہ ہوگا۔ اگر کوئی کام کا اخبار یا رسالہ ہے جس میں سے لطیفہ کاٹنے کی ابا اجازت نہ دیں تو پھر اس لطیفے کو کاپی میں خوش خط نقل کر لو۔ اسی طرح کسی قیمتی کتاب میں کوئی عمدہ لطیفہ دیکھو تو اسے بھی اپنی کاپی میں نقل کر لو۔ جو لطیفہ چپکاؤ اس کے نیچے اس اخبار کا نام (جس میں سے یہ کاٹا گیا ہی) اور تاریخ ضرور ڈالو۔ کاپی کے صفحات پر نمبر ڈال کر ان لطیفوں کی ایک فہرست بھی ضرور بناؤ تاکہ ضرورت کے وقت تمھیں وہ لطیفہ فوراً مل جائے۔

انگریزی اور اردو لطیفوں کی علیحدہ علیحدہ کاپیاں رکھو تو اچھا ہے، مگر شروع میں بہتر یہی

ہے کہ سب ایک ہی کاپی میں رکھو۔

لطیفے صرف وہی جمع کرو۔ جو واقعی بہت دلچسپ ہوں اخلاق سے گرے ہوئے اور بے مزہ لطیفے جمع کرکے اپنی کاپی کی اہمیت مت گھٹاؤ

شروع میں شاید تمھیں یہ مشغلہ کچھ زیادہ دلچسپ نہ معلوم ہوگا۔ مگر یقین جانو۔ جیسے جیسے تمھاری کاپی بھرتی جائے گی ویسے ویسے تم اس میں زیادہ دلچسپی لیتے جاؤگے۔

تمھاری عمر کے ساتھ ہی تمھاری کاپی بھی بھرتی جائے گی۔ اور جب تم بڑے ہو جاؤگے تو تمھارے پاس ان لطیفوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جائے گا۔ جس سے بڑے اور چھوٹے سبھی لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

اس مفید مشغلہ کے اختیار کرنے سے رفتہ رفتہ تم میں بھی زندہ دلی اور حاضر جوابی کا مادّہ پیدا ہو جائے گا۔ عقل بھی بڑھے گی۔ بیربل نے اکبر بادشاہ کا دل صرف اسی زندہ دلی اور حاضر جوابی کے ہتھیار سے فتح کر لیا تھا۔ اگر بیربل میں یہ صفت نہ ہوتی تو آج کوئی اس کا نام بھی نہ جانتا۔ تم میں بھی یہ صفت پیدا ہو سکتی ہے۔ شرط صرف یہی ہے کہ تم ان لطیفوں کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ اور ذہن نشین کرکے موقع پر استعمال بھی کرتے رہو۔

دوسری چیزوں کی طرح تم ان لطیفوں کا بھی تبادلہ کر سکتے ہو۔ مثلاً تمھارے پاس کوئی عمدہ اور نیا لطیفہ ہے تو تم وہ کسی اور لڑکے کو لکھ بھیجو۔ اس کے بدلے میں وہ لڑکا بھی تمھیں اپنا کوئی اچھا لطیفہ لکھ بھیجے گا۔ اس طرح تمھاری خط و کتابت بھی دلچسپ اور پر لطف ہو سکتی ہے۔

اگر سب لطیفوں سے دلچسپی رکھنے والے پیامی ایڈیٹر صاحب کو لکھ بھیجیں کہ ہر مہینے یا ہر دوسرے مہینے لطیفوں کا بھی ایک انعامی مقابلہ پیامِ تعلیم میں ہوا کرے تو مجھے امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب اس تجویز کو خوشی سے قبول کریں گے۔

اس انعامی مقابلے میں انعام یہ رکھا جائے کہ کچھ پوسٹ کارڈوں پر دلچسپ لطیفے مع کارٹون چھپوائے جائیں اور چند بہترین لطیفے بھیجنے والے پیامیوں کو یہ کارڈ بطور انعام بھیج دیئے جائیں۔

اچھا تو آج ہی سے اس دلچسپ مشغلے کو اختیار کرو۔ اور مجھے اجازت دو۔

خط لکھتے وقت پورا پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھو۔

چمبرلین

حسن سبحانی صاحب بی اے (جامعہ)

اس لڑائی کے سلسلہ میں چمبرلین کا نام برابر اخباروں میں آتا رہا ہے۔ یہ مسٹر چرچل سے پہلے برطانیہ کے وزیر اعظم تھے۔ یہ لڑائی انھی کے زمانے میں شروع ہوئی۔ ان بے چاروں نے بہت کوشش کی کہ لڑائی کسی نہ کسی طرح ٹل جائے۔ مگر ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی۔

۱۱ر نومبر کے اخباروں میں ان کے اچانک انتقال کی خبر آئی۔ یہ کچھ دنوں سے بیمار تھے مگر یہ کسی کو خیال نہ تھا کہ یہ اس قدر جلد مر جائیں گے۔ انگریز قوم نے اپنے اتنے بڑے آدمی کے مرنے کا بہت غم کیا۔

چمبرلین ۱۸۶۹ء میں برمنگھم میں پیدا ہوئے۔ یہ جوزف چمبرلین کے دوسرے لڑکے تھے۔ جوزف چمبرلین انگلستان کا ایک بڑا آدمی گذرا ہے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد کچھ دنوں تک تو تجارت کے کام کرتے رہے مگر جب اس سے طبیعت اچاٹ ہوئی تو سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ ۱۹۱۸ء میں ان کو انگلستان کی پارلیمنٹ (قانون بنانے والی مجلس) کا ممبر چنا گیا۔ آدمی ذہین اور محنتی تھے بہت جلد ترقی کرلی اور تھوڑے ہی دنوں میں انھیں ڈاک خانے کا سب سے بڑا افسر بنا دیا گیا۔ کچھ دنوں تک یہ اس عہدہ پر رہنے کے بعد صحت کے وزیر ہوگئے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے ملک کے رہنے والوں کی صحت کو بہتر بنانے کے لئے بہت سے قانون بنائے۔ اور ان کے لئے آرام دہ ہوادار مکانات تیار کرائے۔ اور ان کی غریبی کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کوششیں کیں۔

۱۹۲۴ء میں چمبرلین کو خزانہ کا وزیر بنا دیا گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ پھر وزیر صحت مقرر ہوئے۔ اس دفعہ انھوں نے بیواؤں اور یتیموں کی حالت سدھارنے میں جان کھپا دی۔ غریبوں کی خدمت کرنے کی ان کے دل میں کچھ ایسی لگن تھی کہ جب بھی ان کو موقع ملا انھوں نے ان کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کیا۔

جارج ششم کے تخت پر بیٹھنے کے بعد جب بالڈون (جو اس وقت وزیر اعظم تھے) نے استعفٰے دے دیا تو

حکومت کو چلانے کا کام چیمبرلین کے سپرد ہوا۔ انھوں نے کچھ ایسے نازک زمانہ میں حکومت ہاتھ میں لی کہ اس وقت سے برابر ان کے ملک کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تمھیں شاید یہ معلوم ہوگا کہ پچھلی جنگ میں جرمنی کو انگلستان نے بہت بری طرح ہرایا تھا۔ اسی زمانہ سے جرمن قوم پر اپنی شکست کا بدلہ لینے کی دھن سوار تھی۔ انھیں ایک ایسا آدمی بھی مل گیا جس نے انتقام کی آگ کو اور بھی بھڑکایا۔ یہ وہی آدمی ہے جس کی وجہ سے دنیا آج لڑائی کے خوفناک عذاب میں مبتلا ہے۔ یعنی ہٹلر۔

جب جرمن قوم لڑنے کے لئے پوری طرح تیار ہو گئی تو ہٹلر جنگ چھیڑنے کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے آسٹریا کے اس علاقہ پر قبضہ کیا۔ جس میں جرمن بولنے والے لوگ موجود تھے اور جسے سوڈیٹن لینڈ کہتے ہیں۔ برطانیہ نے جرمنی کی اس زبردستی پر برا بھلا کہا۔ چیمبرلین بھاگم بھاگ جرمنی گئے اور ہٹلر سے کہا کہ وہ جنگ کئے بغیر جو چاہتا ہے لے لے۔ ہٹلر نے یقین دلایا کہ اگر سوڈیٹن لینڈ جرمنی کو مل جائے تو وہ آئندہ کچھ نہیں مانگے گا۔ چیمبرلین نے ہٹلر کی بات مان لی اور دونوں حکومتوں میں معاہدہ ہو گیا۔ جو میونخ کا معاہدہ کہلاتا ہے۔

چیمبرلین طبیعت کے نیک آدمی تھے۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ دنیا جنگ سے بچ جائے۔ جرمنی سے دوستی کرنے کی نیت سے وہ اپنے بڑھاپے کے باوجود ہوائی جہاز کے ذریعے برلن گئے اور ہٹلر سے درخواست کی وہ دنیا پر جنگ کی مصیبت نہ لائے۔ انھوں نے دبی زبان میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر جرمنی اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ اور اسی طرح کمزور ملکوں کو تنگ کرتا رہا تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ ہٹلر نے یقین دلایا کہ وہ معاہدہ کو نہیں توڑے گا۔

چیمبرلین کو ہٹلر کی بات پر یقین تو نہ آیا مگر وہ اپنی پالیسی پر جسے صلح کی پالیسی کہتے ہیں، برابر جمے رہے۔ ان کے ساتھیوں نے انھیں سمجھایا کہ اب صرف توپ اور مشین گن کے ذریعے قوم کو بچایا جا سکتا ہے۔ مگر انھیں اپنی بات کے ٹھیک ہونے کا کچھ اتنا یقین تھا کہ انھوں نے دوسروں کی سنی ان سنی کر دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہٹلر کو تھوڑا بہت دے دیا جائے تو دنیا کے سر سے آنے والی مصیبت ٹل جائے گی۔ چیمبرلین شاید یہ بات بھول گئے تھے کہ لالچی آدمی کو جب ایک چیز مل جاتی ہے تو اس کا دل دوسری میں اٹک جاتا ہے

ہٹلر نے یہ دیکھ کر کہ انگریز ابھی لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ اب انگریزوں نے بھی جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور اپنی فوج پولینڈ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ پولینڈ کو جیسے تیسے جرمنی نے فتح کر لیا۔ مگر دونوں ملکوں میں ٹھن گئی، چیمبرلین کو اب

اپنی غلطی کا اندازہ ہوا۔ اور انھوں نے اپنے ملک کو جنگ کے لئے پورے طور پر تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ جرمنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنا صرف انگریزوں ہی کا نہیں بلکہ دنیا کا فرض ہے۔

چمبرلین کی پالیسی کی وجہ سے برطانیہ کو جو نقصان ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کی سخت مخالفت شروع ہو گئی جنگ کے پہلے دو تین ہفتے تک تو وزیر اعظم رہے۔ مگر جب حکومت کو کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں دینے کا سوال آیا۔ جسے سب کی ہمدردی حاصل ہو اور جس کے ساتھ سب کام کرنے کے لئے تیار ہوں تو چمبرلین وزیر اعظم کے عہدہ سے علیحدہ ہو گئے۔

چمبرلین کی موت سے ان کے ملک کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ان کی پالیسی صحیح رہی ہو یا غلط، لیکن ان کی اور ان کے کاموں کی عزت دوست و دشمن سب کے دل میں یکساں تھی جو شخص ملک کی خدمت کرتے کرتے مرجائے اس کی بڑائی سے کون انکار کر سکتا ہے۔

بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

ننّھی گڑیا

امی نے اک گڑیا بنائی
درزی سے کرتی سلوائی
کرتی یہ گڑیا کو پہنائی
گڑیا مجھ کو بے حد بھائی
چھوٹا سا اِک طاق تھا گھر میں
کی اس کی پھر ہم نے صفائی
چھوٹی مسہری ہم نے بچھا کر
ننھی گڑیا اس پہ بٹھائی
ہے یہ گڑیا مجھ کو پیاری
کرتی ہوں میں اس کی بڑائی
ہم نے اِک گڈا بنوایا
گڑیا کی شادی ٹھہرائی
ہوگی دسمبر میں یہ شادی
آئیں اس میں پیاری بھائی

فہیم جہاں بیگم علی گڑھ

کُتّا

میں نے ہے ایک کتّا پالا
رنگ ہے اس کا کالا کالا
اس کے گلے میں پٹّا ڈالا
پٹّے کا تھا رنگ نرالا
دروازے پر بیٹھا رہتا
گھر میں کسی کو آنے نہ دیتا
رات کو بھی وہ پہرا دیتا
خوب خبر چوروں کی لیتا
کتّوں سے بھی لڑتا رہتا
سارے دن وہ جھگڑتا رہتا
وقت تھا جب کھانے کا آتا
میرے پاس وہ دوڑا آتا

(رضیہ خاتون علی گڑھ)

پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر

مبارکباد اکتوبر یہ ہے اچھی خبر لایا　　کہ تعلیمی رسالے کا نیا نمبر نکل آیا
مبارکباد پھر تعلیم کا طالع ہوا روشن　　مبارکباد پھر تعلیم کا روشن قمر نکلا
الٰہی گلشن تعلیم میں ہو یہ شجر ایسا　　خزاں کے تند جھونکوں کی ہوا اس کو کبھی پڑا
دعا یہ خامۂ خاتون کی مقبول یزداں ہو　　کہ سارے ہند میں نیرِ تعلیم تاباں ہو

(قدسیہ خاتون. گھوسی)

بیدار ہو جاؤ

کوئی دم میں جب دم یہ جاتا رہے گا　　تو اے دل بتا کس سے ناتا رہے گا
بس اب خواب غفلت سے بیدار ہو تو　　بھلا کوئی کب تک جگاتا رہے گا
تو جس کبر و نخوت پہ پھرتا ہے پھولا　　یہی تجھ کو آخر رلاتا رہے گا
مسافر ہے تو اور یہ دنیا سرا ہے　　تو کب تک یہاں دل لگاتا رہے گا

تو دنیا میں از بہر کیے جا بھلائی
یہاں کون پھر پھر کے آتا رہے گا

(مبارک حسین خاں۔ از سرائے سین بھوپال)

بہار

"دیکھو بہار آئی بلبل یہ گا رہی ہے　　پھولوں کو دیکھ کر وہ باجا بجا رہی ہے
ہر شے کا رنگ بدلا دنیا نئی ہے گویا　　بلبل کی پیاری بولی جادو جگا رہی ہے
مارے خوشی کے کھلتی گلشن کی ہر کلی ہے　　اور فاختہ کی کوکو دل کو لبھا رہی ہے

بلبل کی حرکتوں سے ہو خوش دلی ہویدا
ہر پھول پر ہے قرباں ہر پھول پر ہے شیدا

محمد سعید اختر جماعت ہشتم
دھرم کوٹ۔

ہنڈکلیا

ط۔ب زیدی چھپرا مئو

عائشہ :۔ اے ہے فہیدہ بہن تم تو بہت کنجوس ہوگئی ہو جہاں دعوت کا نام لیا اور تمھیں بخار چڑھا۔ دیکھو سب سہیلیاں ایک جگہ جمع ہوں گی۔ سب مل کر کھائیں پکائیں گے تو کیسا مزا آئے گا۔ نا بہن چاہے کچھ ہو آج تو تمھیں دعوت کرنا ہوگی۔

فہمیدہ :۔ ذرا ان آپا کو دیکھنا خواہ مخواہ بدنام کرتی ہیں بھلا کب تم نے دعوت کا ذکر کیا تھا اور کب میں نے انکار کیا۔ بے شرم۔ جھوٹی دوسروں پر تہمت لگانے والی!

عائشہ :۔ (مسکرا کر) یہ ایک زبان میں سو سو سنانا کس سے سیکھا ہے۔ خوب فرّاٹے بھرتی ہو۔ خیر تو دعوت تو پکی ہو گئی نا۔

فہمیدہ :۔ ہاں آج چار بجے سب کی دعوت ہے۔ بس ایک تمھاری نہیں ہے۔

عائشہ :۔ خیر ہم تم دو تھوڑی ہیں۔ اچھا پریشان نہ ہو خرچ زیادہ نہ ہونے پائے گا۔

فہمیدہ :۔ جب خرچ کرنے پر آئے تو کیا کم کیا زیادہ۔

عائشہ :۔ اے ہے تم تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو میری بات تو سن لو۔ میں کہہ رہی تھی کہ خرچ زیادہ نہ ہونے پائے گا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی چیز باہر سے نہیں آئے گی۔ سب اپنے ہاتھ سے تیار کر لیں گے۔ سامان کچھ زیادہ نہیں چاہیئے۔ بس تھوڑے سے سموسے کچھ انڈوں میں تلے ہوئے توس۔ کچھ خستہ سیمیں۔ کچھ آلو کی پھلکیاں۔ بس اتنا سامان بہت ہے۔

فہمیدہ :۔ ماشاءاللہ ماشاءاللہ نئی نئی چیزیں بتا رہی ہیں بس آپ ہی پکائیے۔ ہم تو سیدھی سادی دعوت کرنا جانتے ہیں۔

عائشہ :۔ جی ہاں نئی نئی چیزیں ہی ہونی چاہئیں۔ آپ سامان منگائیے۔ میں پکاؤں گی بھی اور آپ کو سکھاؤں گی بھی۔ بس زبان ہی ہاتھ بھر کی ہے یا کچھ آتا بھی ہے اچھا پہلے سب سہیلیوں کو اطلاع کر دو کہ چار بجے یہاں آجائیں اور شام کی چاء یہیں پئیں۔ گلابو کو بھیج دو۔ سب سے

کہہ آئے گی۔ گھر تو سب کے جانتی ہوگی۔
ہاں تو بہن وقت کم رہ گیا ہے۔ تیاری ابھی سے شروع کردو سب کچھ خود ہی پکانا ہے سامان باہر سے کچھ نہیں آئے گا۔ سب گھر میں موجود ہوگا۔ اچھا پہلے سموسے پکائیں۔ ذرا پاؤ پاؤ بھر میدہ نکال لاؤ۔ زاہدہ تم پانی گرم کردو میدے میں تھوڑا سا نمک بھی ملے گا۔ پانی گرم ہوجائے تو اس میں گوندھ لینا۔ پانی گرم ہے؟ چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ فہیدہ تم اسے خوب مکیاں دے کر گوندھ لو۔ دیکھو زیادہ سخت نہ ہونے پائے۔ ہاں بس ٹھیک ہے۔ اب اس کے آٹھ پیڑے بنا لو۔ اور ایک کپڑا بھگو کر اس میں پیڑے لپیٹ کر رکھ دو۔

فہیدہ: بس یہ یونہی لپٹے رہیں گے! یہ تبا ؤ سموسے کیسے بنیں گے۔

عائشہ: ابھی بتاتی ہوں۔ دیکھو آدھ گھنٹے بعد یہ پیڑے کپڑے میں سے نکال لینا۔ ان میں خشکی لگا کر بیلنا اور خوب بڑی سی چپاتی بڑھا کر سینی میں پھیلا دینا پھر گرم گرم گھی چپاتی میں لگا کر اسے دوہرا کر دینا۔ اس کے بعد گرم گھی لگا کر ایک دفعہ اور دوہرا کرنا۔ اسی طرح سولہ تہیں ہوں گی۔ گرم گھی لگاتی جاؤ اور تہہ کرتی جاؤ جب سولہ تہوں کے بعد ایک چوکور گدی سی بن جائے تو چاروں طرف سے آدھ آدھ انگل نکال دینا اب کناروں پر پانی لگا کر اور شکپڑہ کی طرح تہ کرکے کنارے دبا دینا زور سے نہ دبانا نہیں تو پرت نہ کھلیں گے۔

فہیدہ: بس ہوگئے تیار! بہن زاہدہ تم بھی سنتی جاؤ سبق ذرا لمبا ہوگیا ہے۔

عائشہ: جی ہاں ہوگئے تیار۔ آپ کو بیچ میں بولنے کا مرض ہے مرض۔ اب ان سموسوں کو گھی کڑکڑا کر کڑاہی میں ڈال دو۔ اور ہلکی آنچ پر گلابی گلابی تل لو۔ تلتے وقت چمچے سے سموسوں پر گھی ڈالتی جانا۔ سب پرت کھل جائیں گے۔
بہن زاہدہ تم چار انڈے لے آؤ۔ انھیں توڑ کر زردی اور سفیدی خوب پھینٹ لو۔ کوئی ایک چھٹانک شکر بھی ملا لینا۔ لاؤ ڈبل روٹی کے توس میں کاٹ لوں۔ فہیدہ تمھارے سموسوں میں ابھی دیر ہے خالی بیٹھی کیا کررہی ہو۔ ذرا گھی گرم کرلو۔ بس۔ بہن زاہدہ انڈے خوب پھینٹ گئے اب ان توسوں کو انڈوں میں لت کرکے کڑاہی میں ڈالتی جاؤ۔ دیکھو کیسے مزے کے ہوتے ہیں، کرکرے کرکرے۔ ہاں یہ توس نمکین بھی بناتے ہیں۔ بس شکر کی جگہ نمک مرچ ڈال دیتے ہیں۔
ذرا آصفہ کو دیکھو کیسی الگ الگ پھر رہی

ہیں جیسے کوئی مطلب ہی نہیں۔ دسترخوان پہ آ موجود ہوں گی کام پورا ۔ اے آصفہ بہن ذرا ادھر تشریف لائے۔ ذرا ہم مزدوروں کا بھی ہاتھ بٹا دیجئے ۔ بات یہ ہے کہ آپ کی سب ماما ئیں کام میں لگی ہوئی ہیں ورنہ آپ کو تکلیف نہ دی جاتی ۔ ذرا خستہ سیمیں تلنا ہیں ۔ ترکیب میں بتاتی ہوں ۔ دیکھئے آدھ پاؤ میدہ لے لیجئے ۔ اس میں گھی نمک ملا کر خوب گوندھ لیجئے ۔ ہاں تھوڑے پتے بھگو دیجئے ۔ پٹرے پر بیلن سے میدے کی پتلی سی چپاتی بیل لیجئے ۔ اور پتلی پتلی پٹیاں چاقو سے کاٹ لیجئے ۔ بس سیم کی برابر ۔ اب پستوں کے چھلکے اتار لیجئے ۔ اور تین تین چار چار پتے ایک ایک پٹی پر چُن دیجئے یہ جیسے سیموں کے بیج ہوئے اب ان پر ایک پٹی اور رکھ کر کنارے اچھی طرح دبا دیجئے اور گھی میں تل لیجئے ۔

ہاں بس ایک چیز اور رہ گئی ۔ آلو کی پھلکیاں ۔ ناہید تم تو خالی ہو گئیں نا ۔ تو بہن یہ کام اور کر ڈالو ۔ بس کوئی پاؤ بھر آلو اُبلنے رکھ دو ۔ جب خوب ابل جائیں تو چھلکا اتار کر سل پر باریک پیس لینا ۔ جب تک آلو ابلیں چھ انڈے لے کر خوب پھینٹ لو ۔ انڈوں میں تولہ بھر ارا روٹ بھی ملا دینا مگر اراروٹ تو منگوانا بھول ہی گئے ۔ خیر بہن میدا ڈال دو ۔ نمک مرچ اور زیرہ بھی پیس کر ملا دینا ۔ ہاں ایک چھٹانک گھی بھی ملا دینا ۔ پھر ان سب چیزوں کو ملا کر خوب پھینٹنا اور گھی میں تل لینا مگر آنچ خوب تیز ہو ورنہ پھلکیاں پھولیں گی نہیں

فہمیدہ:۔ ہائے لو مہمان تو آنے شروع ہو گئے

عائشہ:۔ کوئی ہرج نہیں ۔ تم موسے تل چکی ہو انھیں دوسرے کمرے میں لے جا کر باتوں میں لگاؤ ذرا سی دیر میں سب تیار ہوا جاتا ہے ۔ چاء کا پانی اب ہوا جاتا ہے ۔ دس منٹ میں سب چیزیں دسترخوان پر لگ جائیں گی ۔

تمہارا سالگرہ نمبر!
جنوری میں چھپ رہا ہے تم اسے کیا تحفہ دو گے؟

یونان

ریاض الاسلام بی۔اے (علیگ)

تم میں سے بہت سے بچے ایسے ہوں گے جن کو یورپ کی لڑائی سے تھوڑی بہت دلچسپی ہوگی اور وہ بزرگوں سے روز صبح اُٹھتے ہی پوچھتے ہوں گے کہ "آج کون سی نئی خبر آئی ہے؟" ان بچوں کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ اٹلی نے یونان پر حملہ کر دیا ہے۔ یونان کا نام تو تم نے اس سے پہلے بھی ضرور سنا ہو گا۔ آج ہم تمھیں اس ملک کے متعلق کچھ ضروری اور دلچسپ باتیں سناتے ہیں۔

یونان یورپ کے جنوب مشرق میں بحیرہ روم کے کنارے ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس ملک کی تاریخ بہت شاندار ہے۔ اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے یونان کے لوگوں نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ آج تک شاید ہی کسی دوسرے ملک نے کی ہو۔ آج دنیا میں جتنے بڑے بڑے علوم ہیں اُن میں سے اکثر کی بنیاد یونان ہی میں پڑی۔ مثلاً فلسفہ، اقلیدس، تاریخ، ڈرامہ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کی باقاعدہ ابتدا اسی چھوٹے سے ملک سے ہی ہوئی۔ اور یہیں وہ کمال کو پہنچے۔ یہاں کے لوگ اتنے عقل مند ہوتے تھے کہ اگر آج بھی ہم میں سے کوئی بچہ اپنی سمجھ سے باہر کوئی بات کہتا ہے تو لوگ اُس سے کہتے ہیں کہ "تم کہاں کے افلاطون ہو۔" افلاطون قدیم یونان کا ایک بہت زبردست فلسفی گذرا ہے۔

دنیا میں سب سے پہلے بڑی نظمیں بھی یونان ہی میں لکھی گئیں۔ ان نظموں کے مصنف کا نام ہومر تھا۔ اُس نے اپنے زمانے کی جنگوں کا حال بڑے کمال سے بیان کیا ہے۔ انھی نظموں میں سے ایک میں کاٹھ کے گھوڑے کا مشہور قصہ ہے۔ یہ قصہ اس طرح ہے کہ یونان اور شہر ٹرائے میں ایک لمبی لڑائی ہوئی۔ جو دس سال تک جاری رہی۔ یونانیوں کو اتنے عرصے لڑنے کے بعد بھی ٹرائے پر فتح حاصل نہ ہوئی تو ان کے ایک جنرل نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے ایک بہت بڑا لکڑی کا گھوڑا بنوایا۔ اور یونانی اُسے شہر کے باہر چھوڑ کر شہر سے دور

چلے گئے۔ شہر والوں کو جب یہ خبر ملی تو وہ سمجھے کہ یونانی ہار مان کر واپس چلے گئے اور انھوں نے خوب خوشیاں منائیں۔ باہر نکل کر آئے تو کاٹ کا گھوڑا کھڑا پایا۔ اسے دیکھ کر سب کو تعجب ہوا لیکن طے یہ پایا کہ یونانیوں پر فتح کی یادگار کے طور پر اسے شہر کے اندر رکھا جائے۔ لیکن گھوڑا بہت بڑا تھا، بہت ہی بڑا۔ دروازے میں سے ہوکر نہ جا سکتا تھا۔

شہر کے سب دروازے کھول دینا جب لوگ سو گئے تو یہ گھوڑے کے پیٹ میں سے نکل پڑے اور دروازوں کو کھول کر شہر فتح کرا دیا۔ جو بات دس سال کی لڑائی سے حاصل نہ ہو سکی تھی وہ ایک جنرل کی ہوشیاری و چالاکی سے ایک رات میں حاصل ہو گئی۔

یونانیوں نے اس زمانے میں ایک اور بہت



اس لئے شہر کی چہار دیواری کو ایک جگہ سے توڑ کر گھوڑے کو اندر پہنچایا گیا۔ رات کے وقت جب ٹرائے والے بے خبر سو رہے تھے تو ایک دم یونانی شہر میں گھس آئے اور شہر فتح کر لیا۔ بات در اصل یہ ہوئی کہ گھوڑے کے اندر یونان والے اپنے کچھ سپاہی چھوڑ گئے تھے۔ اور ان سے کہہ گئے تھے کہ رات کو ہم پھر لوٹ کر آئیں گے تم ہمارے لئے

زبردست لڑائی ایرانیوں سے لڑی۔ ایرانیوں کی طاقت اس زمانے میں سب سے بڑی تھی۔ یونان کی ایران کے سامنے بساط ہی کیا تھی؟ لیکن یونانی اپنے وطن سے محبت کرتے تھے۔ وہ آزاد تھے اور اپنی آزادی کے لئے جان دینے کو تیار تھے چنانچہ وہ اس بہادری سے لڑے کہ ان کی چھوٹی سی فوج نے ایرانیوں کے دَل کے دل کو پسپا کر دیا۔

جیسا میں نے ابھی کہا، یونانی آزاد تھے۔ بلکہ ایک لحاظ سے تو وہ دنیا کی پہلی آزاد قوم تھی۔ ان کی قوم چھوٹے چھوٹے شہروں میں رہتی تھی۔ ہر شہر کی حکومت شہر کے رہنے والوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ قانون بنانے کے لئے سب باشندے کسی ایک میدان میں جمع ہو جاتے تھے اور عقل مند آدمیوں کی تقریریں سننے کے بعد قانون پر اپنی رائے دیتے تھے۔

یونان میں جتنے عقل مند لوگ پیدا ہوئے ہیں اتنے شاید دنیا کے کسی خطے میں نہ ہوئے ہوں گے سقراط، افلاطون، ارسطو، جالینوس، یہ سب یونان کی خاک ہی سے پیدا ہوئے۔ سقراط اتنا عقل مند تھا کہ لوگ اس کی عقل مندی سے ڈرنے لگے اور انھوں نے اسے مار ڈالا۔ دنیا کی سب سے بڑی شاعر عورت بھی یونان ہی میں پیدا ہوئی۔ اس کا نام سیفو تھا۔ یونانیوں نے عمارتیں اور مجسمہ بنانے میں بھی بڑا کمال حاصل کیا اور وہاں کی بہت سی عمارتیں دنیا میں بے مثل سمجھی جاتی ہیں۔

یونانیوں میں تمام اچھائیاں تھیں۔ بس ایک بات بری تھی، وہ آپس میں متحد نہ تھے۔ جب ایران سے لڑائی کا موقع آیا تو سب نے مل کر مقابلہ کیا، لیکن اس کے بعد پھر وہی آپس کی لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ آپس کے جھگڑے لڑائی کا نتیجہ تو تم سمجھتے ہی ہو کیا ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے سے علاقہ کے حاکم سکندر کو موقع ملا، اس نے سب کو شکست دے کر سب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہی سکندر ہے جو دنیا کو فتح کرتا ہوا ہندوستان تک آیا اور تاریخ میں سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے بعد یونانیوں کے تنزل کا دور آگیا۔ وہ تمام علوم کے خزانے، جو قدیم یونانیوں نے جمع کئے تھے اسے دنیا بھی بھول گئی اور خود یونان بھی۔ جب اسلام نے پھر "جاگو اور جگاؤ" کا علم اٹھایا تو عربوں نے یہ پرانے خزانے ٹٹولے اور ان علوم کو پھر زندہ کیا۔ لیکن یونانیوں کی حالت جوں کی توں رہی۔ ترکوں نے جب یورپ پر حملہ کیا تو بڑی آسانی سے یونان پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبضہ اب سے کوئی سو سال پہلے تک قائم رہا۔ یونانیوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے ۱۸۳۰ء میں پھر اپنی آزادی حاصل کی جنگ عظیم کے بعد جب ترکی میں کمال اتاترک نے نئی حکومت قائم کی تو یونان سے پھر دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

آج یونان پھر اپنی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے ابھی تک وہ اٹلی جیسے زبردست دشمن کے سامنے ثابت قدم ہے۔ اس آزادی کی لڑائی میں ہماری ہمدردی یونان کے ساتھ ہے اس لئے اور بھی کہ اس نے دنیا کو علوم کے بیش قیمت خزانے دیئے۔

ہیرو کی کہانی

فضل الدین صاحب انز ایم اے

بہت دنوں کی بات ہے۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے بھی نو سو برس پہلے کی، یونان میں اسپارٹا نام کی ایک ریاست تھی۔ یہ ریاست بہت بڑی نہیں تھی صرف ایک شہر کی ریاست تھی۔ لیکن زمانے کی ضرورت کے مطابق اس کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ریاست کے افسروں کو اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ ان کے بچے خوب تندرست پیدا ہوں۔ اور بڑے ہو کر بہادر سپاہی اور اچھے شہری بنیں تاکہ عزت اور امن کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ اسپارٹا والوں کی بہادری تاریخ میں مثال ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن کوئی قوم آسانی سے بہادر نہیں بنتی۔ بہادر بنانے کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے حکومت کو بھی اور رعایا کو بھی۔

ہیرو اسی شہر اسپارٹا میں پیدا ہوا تھا جونہی اس کی پیدائش کی خبر حکومت کو ہوئی کچھ افسر ہیرو کا معائنہ کرنے آئے۔ جب تک افسر ہیرو کا معائنہ کرتے رہے ہیرو کی ماں کا دل زور زور سے دھڑکتا رہا یہ افسر جس بچے کو کمزور یا دبلا پتلا دیکھتے تھے اسے اس کی ماں کی گود سے چھین کر ہلاک کر ڈالتے تھے۔ لیکن جب افسروں نے ہیرو میں کوئی کمزوری نہیں پائی تو وہ ہیرو کی ماں کو مبارکباد دینے لگے۔ ہیرو کی ماں کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔

حکومت کے قانون کے مطابق ہیرو اپنی ماں کے پاس صرف سات سال کی عمر تک رہ سکتا تھا۔ اس پر بھی ہیرو کی ماں نے ہیرو کو اس لاڈ پیار سے نہیں رکھا جس لاڈ پیار سے ہماری اور تمہاری ماؤں نے رکھ کر ہمیں اور تمہیں ڈرپوک اور آرام طلب بنا دیا ہے۔ ہیرو کی ماں جانتی تھی کہ اسے اپنے بیٹے کو ایک بہادر سپاہی بنانا ہے ...... ایسا سپاہی جو دنیا اور زندگی کی ہر تکلیف کو برداشت کرے۔ چنانچہ اس نے شروع ہی سے ہیرو کو سختی کا عادی بنایا۔ وہ اسے نرم گدوں پر نہیں لٹاتی تھی ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر یونہی ننگا ڈال دیتی تھی۔ ہیرو کو نڈر بنانے

کے لئے وہ اسے اکثر اندھیرے میں چھوڑ دیتی تھی ہیرو چیختا چلاتا مگر کوئی اس کی نہیں سنتا تھا۔

ہیرو جب سات سال کا ہوا تو اسے اپنی ماں سے جدا ہونا پڑا۔ لیکن نہ اس کی ماں کو کچھ زیادہ رنج ہوا اور نہ اسے خود کچھ ایسی تکلیف ہوئی۔ ہیرو کے رہنے سہنے اور تعلیم کا انتظام ایک ایسی عمارت میں تھا۔ جہاں اس کے ہم عمر اور اس سے کچھ بڑے لڑکے کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ عمارت بالکل ایک فوجی بیرک کی طرح تھی۔ یہاں ہیرو کو ایک ایسے لڑکے کی نگرانی میں دیا گیا جو عمر میں ہیرو سے کافی بڑا تھا۔ اس بڑے لڑکے کا نام پیرس تھا پیرس کی نگرانی میں ہیرو کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ پیرس اپنے ماتحت لڑکوں سے ذرا نرمی کا سلوک نہیں کرتا تھا۔ وہ ان سے سخت سے سخت خدمت لیتا تھا اور دن بھر انھیں شدید قسم کی ورزشوں میں مصروف رکھتا تھا۔ ہیرو اور اس کے تمام ساتھی اپنا سارا وقت دوڑنے، کودنے بلم پھینکنے، کشتی لڑنے اور مکا بازی میں صرف کرتے تھے۔ اس پر غذا بھی کچھ اچھی اور معقول نہیں ملتی تھی۔ کھانا مقدار میں تھوڑا اور موٹا جھوٹا ہوتا تھا سونے کے لئے نہ پلنگ تھا نہ بستر۔ پیال پر پڑ کر رات کاٹنی ہوتی تھی۔ ہیرو کو صرف ایک چادر دے دی گئی تھی۔ سردی ہو یا گرمی یہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھی اور یہی اس کا لباس۔ اس طرح انگارے برسیں یا برف پڑے لیکن ہیرو نہ پاؤں میں جوتا پہن سکتا تھا نہ سر پر ٹوپی۔

جب ہیرو کچھ اور بڑا ہوا تو پیرس کے علاوہ اسپارٹا کے شہریوں میں سے بھی ایک سن رسیدہ شخص اس کا اتالیق مقرر ہوا۔ اچھی اچھی اخلاقی اور عقلمندی کی باتیں سیکھنے کے لئے ہیرو اپنے اس اتالیق کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اتالیق اسے اپنے ساتھ بازار لے جاتا۔ گھر پر کھانے کے وقت بھی اسے ساتھ ہی رکھتا۔ تاکہ ہیرو دیکھے کہ ایک شہری دوسرے شہری سے کس طرح ملتا ہے۔ ہیرو کا اتالیق ہیرو سے کبھی کبھی بعض سوال بھی پوچھتا تھا۔ سوال کوئی ایسے پیچیدہ نہیں ہوتے تھے کہ ہیرو کو ان کا جواب دینے میں دقت ہو۔ ایک مرتبہ جب ہیرو سے پوچھا گیا کہ اسپارٹا کا سب سے اچھا آدمی کون ہے تو اس کی زبان سے غلط جواب نکل گیا۔ اس کی سزا اسے یہ ملی کہ پیرس نے اپنے دانتوں سے اس کا انگوٹھا کاٹ لیا۔ اس زمانے میں لڑکوں کو سزا دینے کا یہ عام طریقہ تھا۔

جب ہیرو جوان ہو گیا تو دو سال میں اسے لڑائی کے مختلف ہتھیاروں کا استعمال سکھایا گیا۔ اسی دوران میں ہر دسویں دن ہیرو کی طاقت، ہمت اور برداشت کا اندازہ لگانے کے لئے اس

کے افسر اسے کوڑوں سے پیٹتے تھے۔ سینکڑوں آدمی جمع ہو کر یہ تماشا دیکھتے تھے جو جوان جتنی ہمت سے کوڑے برداشت کرتا۔ اس کی اتنی ہی تعریف ہوتی۔ کوڑوں سے پٹتے پٹتے بعض جوان مرجاتے تھے لیکن کوئی ان کا غم نہ کرتا تھا۔ اسپارٹا والوں کے نزدیک دشمن کے ہاتھوں مرنے سے یہ کہیں زیادہ اچھا تھا کہ وہ خود مر جائیں۔ ہیرو بھی آزمائش میں پورا اترا۔ جب وہ بیس سال کا ہوا تو اسے ایک عام جلسے میں اسپارٹا کی ریاست کا وفادار رہنے کی قسم کھانی پڑی اور اس کے بعد اسے ایک سرحدی قلعہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنا کر شہر سے باہر بھیج دیا گیا۔

قلعے کی حفاظت کا انتظام ہیرو نے بہت ہوشیاری سے کیا نہ کبھی اپنی عزت کو ٹھیس لگنے دی۔ اور نہ دوسروں کے اعتبار کو۔ ہیرو دس سال یہ فوجی خدمت انجام دینے کے بعد اسپارٹا واپس لوٹا۔ اب وہ ایک دیکھنے کے قابل جوان تھا۔ حکومت کے قانون کے مطابق اسے فوراً ایک لڑکی سے شادی کرنی پڑی۔ یہ لڑکی بھی ہیرو جیسی بہادر اور مضبوط تھی کیونکہ اسپارٹا کی لڑکیوں کو بھی وہی دوڑنے، کودنے، بلم پھینکنے اور کشتی لڑنے کی تعلیم دی جاتی تھی جو لڑکوں کے لئے رائج تھی۔ یہ ضرور ہے کہ لڑکیوں کو اپنے ماں باپ کے پاس گھر رہنے کی اجازت ہوتی تھی۔ شادی کے بعد ہیرو ایک فوجی افسر اور شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا لیکن حکومت کے دستور کے مطابق جس طرح ایک شہری نے لڑکپن میں ہیرو کی تربیت کی تھی۔ اسی طرح ہیرو کو بھی ایک لڑکے کی تربیت اور نگرانی کا ذمہ دار بننا پڑا۔

باپ کا خط بیٹی کے نام

محمد عبدالقادر فاروقی حمایت نگر

پیاری بیٹی! خدا کا شکر ہے کہ آج مجھے تمام آفتوں سے نجات مل گئی۔ تمہارے سارے خطوط ملے۔ خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی۔ اس رنج میں بھی جو مسترت چھپی ہوئی تھی اس کو مجھ جیسا مصیبت زدہ ہی سمجھ سکتا ہے۔

تمھیں یہ معلوم کرنے کا شوق ہوگا کہ کس طرح میں ان آفتوں میں پھنسا اور کس طرح ان سے رہائی حاصل کی۔ لندن سے روانگی کے بعد انگلینڈ کے شمال میں بہت سی سرنگیں بچھی ہوئی ملیں۔ جزیرہ شٹیلنڈ کے نزدیک ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ علی الصباح ایک جرمن طیارہ پیراشوٹ (ہوائی چھتری) کی مدد سے وہاں سرنگیں بچھا رہا تھا۔ اس پر ہم نے توپیں چلائیں اور بھگا دیا۔ سرنگوں پر گولیاں مار کر انھیں تباہ کر دیا۔ سورج نکلنے سے کچھ دیر بعد ایک پیراشوٹ ہمارے جہاز کی طرف آ رہا تھا۔ مگر ہم نے توپ چلا کر اسے بھگا دیا اور اس میں لگی ہوئی سرنگ کو بندوق چلا کر میں نے ناکارہ کر دیا۔ اس سے مجھے بڑی مسترت ہوئی۔

اس وقت تک بڑی مشکل سے ہم آئس لینڈ کے قریب پہنچے تھے۔

سردی بڑے غضب کی تھی۔ اس وقت ہم ذطول البلاد شمال میں تھے۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ قطب جنوبی سورج کی طرف جھکا ہوا تھا اور قطب شمالی سورج سے پرے! اس وجہ سے دن صرف چھ گھنٹوں کا تھا! سورج کبھی سر پر تو آتا ہی نہ تھا! افق مشرق سے بلند ہوتا اور ہمارے سامنے مغرب میں ڈوب جاتا! رات اٹھارہ گھنٹوں کی! سردی نہایت شدت کی! سرنگ اور برف کی بہتات تھی۔ آنکھیں بند کرکے ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں رہ سکتے تھے لہٰذا اب ہم اس سمت کو چھوڑ کر شمال کی طرف چلنے لگے۔ سمندر میں سکون تھا۔ اب ہمارا قافلہ ۶۰ عرض البلاد مغرب میں پہنچا۔ یہاں کہر بہت تھی! ہمارا جہاز بالکل کہر کے نرغے میں تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ سردی اس بلا کی تھی کہ دانت بج رہے تھے۔ کہر کی وجہ سے لوگوں کو ایک دوسرے سے

کافی فاصلہ پر رکھا گیا۔ کیونکہ ٹکر کا اندیشہ تھا۔ لیکن لاسلکی کے ذریعے ہم ایک دوسرے کی خبر لیتے رہتے تھے۔ ہم عرض البلاد کے قریب پہنچ کر ہماری اندھیری دنیا اور بھی تاریک ہوگئی!

ایک دن شام کے وقت — یعنی تیسرے پہر (کوئی تین بجے) ہمارے جہاز کو یکایک نیچے سے ایک زبردست دھکا لگا یہ ایک آبدوز کا چھوڑا ہوا تارپیڈو تھا۔ سارا جہاز ڈگمگا گیا۔ سونے والے لوگ اٹھ بیٹھے کھڑے ہوئے آدمی گر پڑے۔ جہاز کی تہہ میں ایک زبردست سوراخ پڑ گیا اور پانی نہایت تیزی سے اندر آنے لگا۔ دوسرے جہاز کو اشارہ کیا گیا!

حفاظتی کشتیوں کو تسموں سے باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیا گیا۔ لحظہ بہ لحظہ جہاز سمندر کی تہہ میں جانے لگا۔ اپنے کپڑے اور کچھ ضروری چیزیں لے کر ہم سمندر میں کود پڑے۔ ان واقعات کو لکھنے کے لئے جتنا وقت درکار ہے اس سے بھی جلد اور نہایت ہی عمدگی سے یہ سب کچھ ہوگیا!

ہمارا جہاز دیکھتے دیکھتے سمندر کی تہہ میں پہنچ گیا۔ اب ہم ایک چھوٹی سی ناؤ کے ناخدا بن گئے! شام کی سیاہی بڑھتی جا رہی تھی اور دوسرا جہاز نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ سردی اور کہر خوب تھی! وہ بھیانک اور تاریک رات کس طرح کٹی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارے ساتھ ایک امریکن قلی بھی تھا۔ وہ بڑا ہی زندہ دل اور دلچسپ آدمی تھا۔ اکثر وہ میرا مذاق اڑاتا تھا۔ مگر اس وقت وہ بہت حیران اور خاموش تھا۔ میں ویسے ہی دل بہلانے کے لئے ایک گیت گنگنا رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "آپ کو ایسی مصیبت میں بھی گانے کی سوجھ رہی ہے!"

میں نے کہا "بہادر آفتوں سے ڈرتے نہیں! ہم تو ایسی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے! تم ڈر رہے ہو کیا؟ دیکھوں تمھارا سینہ . . . — جہاز میں سوار ہوتے وقت تم میرا سینہ ٹھونک کر دیکھتے تھے!"

صبح تک بھٹکنے والی ہماری کشتیاں دوپہر کے وقت گرین لینڈ کے ساحل کے قریب پہنچیں۔ زمین دکھائی دی۔ کولمبس کے ملاحوں کی طرح ہم بھی "زمین! زمین!!" کہہ کر خوب چلائے۔ اب ہمیں بھوک کا احساس ہوا۔ سہ پہر میں تین بجے ہم گرین لینڈ کی زمین پر اترے —

ہاں! خط بہت طویل ہوگیا ہے۔ ختم کرتا ہوں —

"تمھارا باپ"

نیویارک (امریکہ)

(۲)

پیاری بیٹی!

اب صرف تمھیں ہی خط لکھنا رہ گیا تھا۔ عرصہ تک تمھیں خط نہ لکھ سکا۔ ناراض نہ ہونا! یہ دلچسپ خط پڑھ کر تم بہت خوش ہوگی۔

پچھلے ایک مہینے میں ایک غیر معروف پردیس میں تھا۔ جہاز کے تباہ ہونے کے بعد ہماری کشتی گرین لینڈ کے ساحل پر لگی۔ ساحل تک پہنچتے پہنچتے ہمیں بہت سی آفتوں کا سامنا کرنا پڑا ــــ

کنارے پر پہنچے تو کچھ اسکیمو ہمارے چاروں طرف جمع ہوگئے۔ لیکن ان کی زبان سے ہم بالکل ناواقف تھے۔ اور بھلا وہ ہماری باتیں کیا سمجھتے! گونگوں کا بازار!

بہت کچھ اشاروں کے بعد انھوں نے کچھ کچھ ہمارا مطلب سمجھا اور بہت حیرت ظاہر کی۔ ہمیں دیکھ کر وہ بہت خوش بھی ہوئے۔

جزیرۂ گرین لینڈ سطح سمندر سے ... ۰ فٹ بلند ایک خشکی کا خطّہ ہے۔ اس کے ساحل پر ناروے کے ساحل کی طرح بڑی بڑی کھاڑیاں ہیں۔ ان کھاڑیوں میں برف کے بڑے بڑے تودے بہتے رہتے ہیں۔ جس وقت ہم پہنچے تو یہاں جاڑا عین شباب پر تھا! چاروں طرف برف ہی برف دکھائی دیتی تھی! سبزہ تو نام کو بھی نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں کائی جمی ہوئی تھی۔ ہم بہت تھکے ماندے تھے۔ ہمارے اسکیمو میزبانوں نے جو کچھ ہمیں کھانے کو دیا ہم نے اُسے طوعاً و کرہاً حلق سے اتارا۔ اور ان کی برف کی جھونپڑیوں میں سو گئے!

صبح کی آمد کا تو ہمیں پتہ ہی نہ چلا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو ہم نے برف کی جھونپڑی کے جھروکے سے باہر نظر دوڑائی۔ منظر نہایت ہی دلکش تھا۔ برف کے تودے ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔

سورج کا تو کہیں نشان بھی نہ تھا۔ صرف دھندلی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی صاف ہونے لگی۔ آسمان پر روشنی کی مختلف رنگوں کی دھاریاں دکھائی دے رہی تھیں۔ آسمان قوس قزح کے تمام رنگوں سے بھرا ہوا تھا جیسے مور اپنے تمام رنگوں کیساتھ گردن پھلائے کھڑا ہو!

کسی تنگ و تاریک سوراخ سے لمحہ بہ لمحہ مختلف قسم کی روشنی جس طرح ڈالی جاتی ہے بالکل یہی حال اس وقت اس روشنی کا تھا۔ بیٹی! خط میں آخر کیا کیا لکھوں؟ بہت سی باتیں ملاقات کے وقت زبانی کہوں گا!

مختصر یہ کہ تقریباً ایک مہینہ ان لوگوں کے یہاں رہنے کے بعد ایک امریکن جہاز نے ہمیں وہاں سے رہائی دلائی اور اب میں نیویارک میں ہوں۔

معلومات

الجیریا میں ایک دریا ہے۔ جس کو "انک ریور" یعنی روشنائی کا دریا کہتے ہیں۔ اس دریا میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن کے ملنے سے لکھنے کی سیاہی بنتی ہے اس کا پانی بھی روشنائی کی طرح غلیظ ہے اور اس سے بآسانی لکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ممالک متحدہ امریکہ کی ریاست براسکا میں ایک دریا ہے جس کا پانی کھانڈ کی طرح میٹھا ہے۔ یہ دریا ۱۹۳۰ء میں اچانک عالم وجود میں آیا تھا۔ ارجنٹائن اور چلی کی سرحد پر ایک ندی پائی جاتی ہے جس کو ایسٹکا دریا کہتے ہیں۔ اس ندی سے پانی کا ایک گلاس لے کر اس میں تھوڑی سی چینی ملا دی جائے تو لیمونیڈ بن جاتا ہے ایسٹ افریقہ میں ایک دریا "انگاری نیوکی" نامی بہتا ہے جس کا پانی کڑوا ہے۔

ایک جہاز کے کپتان نے ایکویڈور کے جزیرہ میں دس سالہ لڑکا دیکھا ہے یہ گزشتہ تین سال سے درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کر گذارا کرتا ہے لڑکے نے بیان کیا ہے کہ تین سال ہوئے ہمارا خاندان ایک جہاز پر آ رہا تھا۔ کچھ لوگ غرق ہو گئے اور کچھ بہتے بہتے اس جزیرے پر آ نکلے۔ یہاں میرے رشتہ دار مجھ سے اچھا سلوک نہ کرتے تھے اس لئے میں ساحل سے بھاگ کر جزیرہ کے اندرونی حصہ میں جا چھپا۔ اس کے بعد میرے اقربا تو کسی جہاز پر چڑھ کر چلے گئے اور میں یہاں تنہا رہ گیا۔ اب میں گھاس پھونس کھا کر گزارا کرتا ہوں۔ کپتان اس لڑکے کو اپنے جہاز پر بٹھا کر "مہذب دنیا" میں لے آیا

جنوبی امریکہ میں ایک درخت پیدا ہوتا ہے جسے وہاں کے باشندے دودھ کا درخت کہتے ہیں یہ پہاڑی یا پتھریلی چٹانوں پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی جڑیں عام طور پر زمین میں گھسنے کی بجائے ادھر ادھر پھیلی رہتی ہیں۔ اس کی پتیاں سوکھی اور چمڑے جیسی ہوتی ہیں اگر اس کے تنے میں ذرا سا بھی چھید کیا جائے تو میٹھا سفید دودھ نکل آتا ہے۔

سر جان مینڈ لول اپنے سفرنامہ میں ایک درخت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی ڈالیوں سے لمبی لمبی شاخیں نکلتی ہیں جن کے سروں پر اس کا پھل لٹکا رہتا ہے۔ یہ پھل دور سے دیکھنے سے عین بھیڑ یا بکری کی طرح معلوم ہوتا ہے

پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست تمھیں اپنے سال گرہ نمبر کا بہت انتظار تھا ہم بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس اکتوبر میں نہ نکال سکے تھے۔ اب تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی۔ انشاء اللہ اگلے مہینے یعنی جنوری میں تمھارا سال گرہ نمبر شائع ہوگا۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ تمھارا یہ نمبر پچھلے نمبروں سے کسی طرح سے کم نہ ہو۔ بلکہ کچھ بہتر ہی ہو

یورپ کی لڑائی ہر روز نئے نئے پہلو اختیار کر رہی ہے۔ ہٹلر کو انگلینڈ کے فتح کرنے میں ناکامی ہوئی تو اس کے دوست اٹلی نے مصر کی طرف رخ کیا۔ وہاں انگریزوں کی قوت بہت زبردست ہے۔ اس لیے اٹلی کی دال نہیں گلی۔ اب اس نے یونان کی طرف رخ کیا۔ یہاں بھی انگریزی فوجیں اور انگریزی بحری بیڑا مدد کو پہنچ گیا۔ یونانی فوجوں نے بھی بہت بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور البانیہ میں پہنچ کر سرحدی شہر کورٹزا پر حملہ کر دیا۔ جرمنی نے اپنے دوست اٹلی کو یوں پٹتے ہوئے دیکھا تو اس نے بلغاریہ کو راضی کر کے بلغاریہ کے راستے سے اپنی فوجیں اٹلی کی مدد کو بھیج دیں۔

اٹلی، روس اور جرمنی کی پچھلے دنوں ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی سنا ہے کہ اس میں ساری دنیا کو ان چار ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ افریقہ اٹلی کے حوالے کیا گیا ہے۔ انڈو چائنا اور چین جاپان کے۔ ایران و عراق اور ہندوستان روس کے اور غالباً مقصد یہ ہے کہ روس اٹلی اور جرمنی کو یونان میں من مانی کارروائی کرنے دے۔ جرمنی ہوائی جہازوں نے ابھی انگلینڈ کے ایک قصبے پر حملہ کر دیا اور بارہ ہزار ٹن بم برسائے۔ اس اچانک حملے سے شہر کو بہت زبردست نقصان پہنچا۔ نہتے شہریوں پر رات کے وقت حملہ کرنا کیسی ذلیل حرکت ہے۔

ہندوستان میں ستیہ گرہ پھر شروع ہوگئی ہے تمام بڑے بڑے لوگ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ کانگریسی ممبر مرکزی اسمبلی میں بھی شریک ہوئے اور سالانہ بجٹ کے مسئلے میں دو دو ٹوک

کثرت سے حکومت کو شکست دے دی۔

عزیزی ام احسان اللہ سے اگست ۲۹ء کا پرچہ کھو گیا ہے۔ بغیر اس کے جلد نامکمل رہے گی۔ اگر کوئی بھائی یہ پرچہ انھیں بھیج دیں تو وہ قیمت دینے کو تیار ہیں۔ پتہ یہ ہے۔ کے ام احسان اللہ نمبر ۲۲۵ لوئر سرکلر روڈ کلکتہ۔ عزیزی محمد اسمٰعیل (معرفت محمد غوث صاحب اسٹور کیپر سنگارینی کالریس دکن) کے پاس یورپ اور ایشیا کے قریب قریب تمام ملکوں کے ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں وہ جے پور، جاورہ، جیند، پٹیالہ، اندور، کشمیر، نابھا، نیپال، افغانستان، برٹش گائنا، ہانگ کانگ وغیرہ کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔

بہت سے بچوں بچیوں نے مجھے عید کارڈ اور عید کی مبارکباد بھیجی ہے۔ ان کی محبت اور خلوص کا دلی شکریہ!

معمّا نمبر ۱۳ کے حل ان بچوں نے صحیح بھیجے ہیں

صحیح حل — اوّل انعام — فی کس ۱۲؍

(۱) محبوب علی	حیدر آباد	(۴) رحیم الدین	دہلی
(۲) مبشرہ بیگم	روہتک	(۵) سید منصور حسین	دہلی
(۳) محمد خالد	دہلی		

ایک غلطی — دوسرا انعام — فی کس ۷؍

۱۔ احمد عبدالعلیم	حیدر آباد	۶۔ عطاء الرحمٰن	دہلی
۲۔ حسن اصغر	انبالہ	۷۔ سلمان الدین	دہلی
۳۔ محمد عبدالقادر		۸۔ عبدالوحید	"
۴۔ ممتاز جہاں	علی گڑھ	۹۔ وارث رشید	دہلی
۵۔ فرید الرحمٰن	مدراس		

معمّا نمبر ۱۴

پہلا انعام ۶ر

دوسرا انعام للعہ

مشقی کوپن

[۱] ا	[۲] ز	ا	[۳] د	■	[۴] ب	[۵] ح
[۶] ج	ن	■	ع	■	[۷] م	ن
■	■	[۸] س	ا	[۹] ل	■	ج
[۱۰] خ	ط	ا	■	[۱۱] ہ	م	ا
س	■	[۱۲] س	[۱۳] ق	ر	■	■
[۱۴] ر	[۱۵] گ	■	ن	■	[۱۶] ل	[۱۷] ب
[۱۸] و	ا	■	[۱۹] ا	ر	د	و

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ دیکھئے ہندوستان کب ۔۔۔ ہوتا ہے۔

۴۔ لفظ بمعنی محبت۔ (الٹا)

۶۔ خدا کی ایک مخلوق۔

۷۔ تن، ۔۔۔ دھن سے اپنے ملک کی خدمت کرو۔

۸۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ جنگ کتنے ۔۔۔ تک جاری رہے گی۔

۱۰۔ شیر پر پیچھے سے کوئی ۔۔۔ ہو جائے تو اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

۱۱۔ اکثر لوگوں نے نام تو سنا ہوگا لیکن دیکھا نہ ہوگا۔

۱۲۔ کیا تمہاری یہ خواہش نہیں کہ ہندوستان سے باہر کا ۔۔۔ کرو

۱۴۔ ترکوں کی ۔۔۔ رگ میں بہادری کا خون ہے۔

۱۶۔ اگر الٹ دو تو بل بن جائے۔

۱۸۔ کھلا۔

۱۹۔ ہندو اور مسلمان کی مشترکہ زبان۔

اوپر سے نیچے

۱۔ ۔۔۔ نقد کل ادھار۔

۲۔ عورت

۳۔ مریض کیلئے آخر دم تک لوگ ۔۔۔ کرنا نہیں چھوڑتے۔

۵۔ ہندوستان کا ایک بڑا لیڈر۔ (بے ترتیب)

۹۔ پانی میں پیدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ اردو کا موجد

۱۳۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کتنے آدمی اس جنگ میں اپنے ملک کی خاطر ۔۔۔ ہو گئے۔

۱۵۔ سا، رے، ۔۔۔ ما وغیرہ موسیقی کے راگ ہیں۔

۱۶۔ ۔۔۔ سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے۔ (الٹا)
(اقبال)

۱۷۔ دو قسم کی ہوتی ہے۔ خوش یا بد۔

نوٹ: معما جانچنے والے صاحب کو شکایت ہے کہ پیامی بار بار سمجھانے پر بھی بات نہیں سمجھتے۔ وہ بار بار بتا چکے ہیں کہ جب تم دو یا زیادہ حل بھیجو تو ہر ایک حل میں ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے۔ بالکل ایک ہی طرح کے بہت سے حل بھیجنا بہت بے معنی سی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ایک حل غلط ہے تو سارے حل غلط ہوں گے۔ امید ہے کہ پیامی آئندہ ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔ محمد حسین حسان

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصے لے سکتے ہیں۔ استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس سوا حلوں کی ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دیے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۵ نومبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائیگا

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ معما حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۴۔ دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو (ڈ۔ ؤ)

۱۵۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی۔ ے)

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور چاہئے۔

۱۷۔ املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں۔

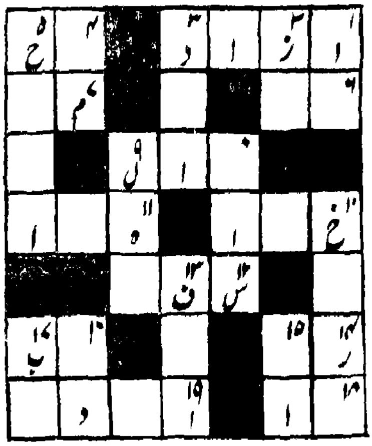
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

۲۰۔ پتہ: بسب ایڈیٹر پیام تعلیم۔ مکتبہ جامعہ قرول باغ۔ نئی دہلی

معما نمبر ۱۳ کا صحیح حل

۱ م	۲ ش	۳ ر				۴ ک
	۵ ف	ک	۶ ر		۷ ن	ا
		۸ ا	ن	۹ ش	ر	م
	۱۰ ب	م		۱۱ ر	م	
۱۲ و	ے	ہ	ی	و		
۱۳ ے	د		۱۴ ف	ر	۱۵ ض	
س				۱۶ ت	و	م

معمّا نمبر ۱۴۱ — کوپن نمبر



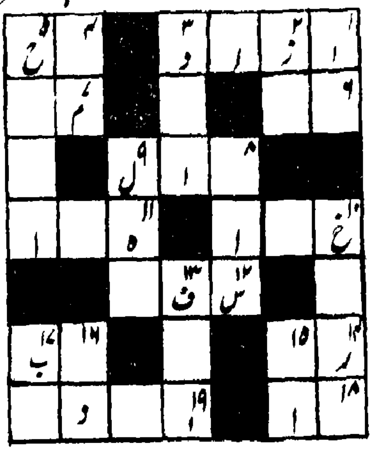
نام

پتہ

تصدیق

ٹکٹ

معمّا نمبر ۱۴۱ — کوپن نمبر



نام

پتہ

تصدیق

ٹکٹ

بڑے بچوں کی کتابیں

ہمارے رسول :- یہ کتاب سردرِ عالم صلعم کی پاک سیرت پر آسان زبان میں لکھی گئی ہے۔ قیمت ۶ر

سرکار کا دربار :- سرورِ کائنات صلعم کے حالات۔ بچوں، عورتوں اور عام مطالعے کے لئے مشہور کتاب۔ قیمت ۸ر

چاریار :- حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۸ر

دس جنّتی :- عشرہ مبشرہ یعنی حضرت زبیر و طلحہ، عبدالرحمٰن و سعد ابو عبیدہ اور سعید کے حالات تفصیل سے اور باقی چاریار کے حالات مختصر درج ہیں۔ قیمت ۵ر

نبیوں کے قصے :- اس میں بڑے اور مشہور نبیوں کے حالات آسان زبان میں درج ہیں۔ قیمت ۵ر

چالیس حدیثیں :- ایسی چالیس حدیثوں کا ترجمہ و تشریح جو بچوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ قیمت ۴ر

اچھی باتیں :- اُن آیاتِ قرآنی کی تفسیر جو رشد و نصائح پر مبنی ہیں۔ ۴ر

Regd. L. No. 1961

عورتوں کی کتابیں

گھر گرہستی ۔ اس میں عورت کو دلچسپ قصّوں اور دل نشین مثالوں کے ذریعے جملہ امورِ خانہ داری اور اخلاق و معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے قیمت مجلد ۱۲؍

مسلمان بیبیاں ۔ اس میں مسلمان عورتوں کے فرائض و حقوق کی تشریح ہے۔ قیمت ۸؍

خادماتِ خلق ۔ اس کتاب میں یورپ اور امریکہ کی ان چند خواتین کے حالات ہیں جنھوں نے اپنی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف کردی تھی۔ ۱۲؍

محکومیتِ نسواں ۔ مغربی مفکر جان اسٹورٹ مل کی زبردست تصنیف۔ اسے عورتوں کی آزادی کا صحیفہ سمجھنا چاہیئے۔ قیمت مجلد عہ؍

پردۂ غفلت ۔ اسلامی معاشرت، تعلیم نسواں، آزادیِ نسواں اور پردہ پر دلچسپ اور ظرافت آمیز بحث۔ قیمت عہ؍

اِملا سکھانے کے
۳۲ کارڈ

ان کارڈوں کے باقاعدہ استعمال سے بچّوں کو صحیح جوڑ اور شوشے لگانا اور صحیح اِملا لکھنی آجاتی ہے یہ کارڈ دوسری جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک تمام جماعتوں کے لئے کارآمد اور مفید ہیں قیمت ۸؍

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی!

۰۸۱ ۹ پ

پیامِ تعلیم جنوری سے دسمبر

OCT 1960 31	
1952 3	
31	
31	
3	